خطباتِ حکیم الامت سے منتخب مضامین بنام

جواہرِ خطبات

بحکمِ عالی وپسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب

تألیف

اُستاذ القراء قاری ضیاء الرحمٰن صاحب

خلیفہ مجاز مفتی محمد حسنؒ صاحب دامت برکاتہم

MAKTABA-E-REHMANIA

خطباتِ حکیم الامت سے منتخب مضامین بنام

جواہرِ خطبات

حصہ دوم

بحکمِ عالی و پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب

تالیف

اُستاذ القراء قاری ضیاء الرحمٰن ہاشمی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز مفتی مُحمّد حسنؒ صاحب دامت برکاتہم

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون:042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

جواہرِ خطبات

تالیف

اُستاذ القراء قاری ضیاء الرحمٰن ہاشمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور
فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

فہرست مضامین

تقریظ: مفتی محمد حسن عفی عنہ 17

پیش لفظ: ابو زبیر ضیاء الرحمن ہاشمی عفی عنہ 18

پہلی جلد کے جواہر

ثمرۂ نیت 19

اہمیت نیت 20

انسان کی بے بسی 21

انسان کی مختلف حالتیں 22

اولاد کا فتنہ 23

اولاد کا نعمت ہونا 24

ابلیس کی غلطی کا راز 25

ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو 26

غلط توکل کی مثال 27

مقصود حال نہیں اعمال ہیں 27

ایصال ثواب کا آسان طریقہ 29

مرد کامل کی ضرورت 30

شیوخ کامل کا طریق عمل 30

اعمال میں عزیمت ورخصت 31

امراء کے لچر حیلے 34

بیعت کی حقیقت 35

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کی ممانعت 36

دوسری جلد کے جواہر

الفاظ قرآن کی حفاظت 38

خدا تعالیٰ سے بے تعلقی 38

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حافظہ اور قوت 39

اہل اللہ کی راحت کا راز 40

اخلاص کی قدر وقیمت 41

سماع کی شرائط 42

پختہ قبروں کی ممانعت 43

حقیقت قلندری 44

عُجب وکبر 45

نسبت مع اللہ 46

سفلی وعلوی عمل 47

کشف کے خطرات 48

مجذوب اور سالک کا فرق 49

خشیت کی حد 50

نسبت کی حقیقت 51

طلباء کی کوتاہیاں 52
توسل کی حقیقت 54
ذکر لسانی کے درجات 56
حقیقت ذکر 57
تصوف کی صورت 57
تصوف کی کنجی 58
آج کا تصوف 59
سلوک کے معنی 60

تیسری جلد کے جواہر

اخلاص کی ضرورت 61
ہماری کوتاہیاں 62
اللہ سے ہمکلامی 63
جاہل متوکل کا قصہ 64
جسم اور روح کا تعلق 65
شہوت بالا مارد 66
لفظ لواطت کا غلط استعمال 67
کامل بننے کا طریقہ 68
غُرباء کا خلوص 69
دماغی کمزوری کا عذر 69
صاحب کمال کی علامتیں 71
نیک صحبت کے آداب 71

چوتھی جلد کے جواہر

اصلاح نفس کی ضرورت 73
وعظ کی اہمیت 74
اعمال کی نورانیت 75
حقانیت اسلام 76
عجب کا علاج 76
کامیابی کا طریق 77
استغراق اور اس کے آداب 78
راز محبوبیت 80
خواب کی باتیں 81
حفاظ کو ہدایت 82
ختم قرآن کی رسوم 83
بے زبان کا اثر 84
عذاب قبر کا واقعہ 86
مفلس کی تعریف 87
ناصح کو نصیحت 87
ذکر جہر کی شرط 88
اعتدال شریعت 89
دعا اور تدبیر 90

پانچویں جلد کے جواہر

قوم لوط کا قصہ 92
معیار محبت 93
عادت اللہ 94
ظہور اسماء جلالیہ و جمالیہ 95
نعمت معرفت 96

مجاہدہ کی حقیقت	97
مقام علماء وصوفیاء	98
تمہید بیان	99
فضیلت فقہاء	100
سرکار دوجہاں ﷺ کی پسند	101
مقبولیت درود شریف	103
اللہ تعالیٰ کا عرش حضور ﷺ کے نور سے پیدا ہوا؟ اولیت علیت	104

چھٹی جلد کے جواہر

حقیقت نور	106
ثمرات طاعت	107
قبض وبسط	107
گناہوں کی جڑ	108
مقام علماء	109
سفارش اور اس کی حقیقت	110
بزرگی کے معیار	111
بیعت کے معنی	112
وسعت رحمت	112
حسن تربیت	113
اشاعت اسلام کا سبب	113
اصلاح نفس کی تدابیر	116
مقام ادب	116
معرفت حق	117
تقاضائے اتباع سنت	119
عالم ارواح کی نسبت	119
نافع توجہ	120
ہدیہ کے آداب	122
کامل کی پہچان	125
فرعون اور ایمان	125
غلبۂ حال	126

ساتویں جلد کے جواہر

لعنت اور غیبت	128
پیر کا حق اس کو رہبر بنانا ہے	129
طریق اصلاح	130
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت	131
آداب ہدیہ	132
حضرت عمرؓ اور ہرمزان فارسی کا واقعہ	132
کھانے کے آداب	134
مشائخ کے فرائض	135
صاحب کمال کی شناخت	137
نماز اور وساوس	137
تعلق باللہ کا اثر	138
اہل اللہ کا طریق	139
تواضع کی تاکید	140
تواضع کی مثالیں	141
شب کا افضل حصہ	142

عبادت شب براءت	143
نیت کی اہمیت	144
حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل	144
ریل کی نماز	145
انحراف سنت کا نتیجہ	146
محبت کاملہ کے اسباب واثرات	147
طریق تحصیل محبت	148
آٹھویں جلد کے جواہر	
جنت میں سب سے پہلے زمین کی روٹی بنا کر کھلائی جائے گی	150
سیرت النبی ﷺ۔ علامہ شبلی نعمانی	151
اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ولی کی کتے سے اصلاح کروائی	152
وظیفوں سے امراض قلب کا علاج نہیں ہوا کرتا	153
مراقبۂ موت کی ضرورت	154
حضرت تھانویؒ کے کپڑے قیمتی نہیں تھے	154
خربوزہ اور چھری	155
نویں جلد کے جواہر	
شہداء پر اظہار غم	158
حضرت امیر معاویہؓ کو شیطان نے تہجد کے لیے اٹھایا	159
نماز کی تاکید	160
گناہ گار مسلمان کو جہنم میں ایک قسم کی موت دے دی جائے گی۔	161
گرا ہوا حمل بھی اللہ تعالیٰ سے ضد باندھے گا	
آداب مصیبت کی تفریعات	162
اور اپنے آپ کو کتے سے بھی بدتر سمجھے	162
امتحان حضرت موسیٰ علیہ السلام	163
دسویں جلد کے جواہر	
خشوع کی حقیقت	165
شیخ ابو سعید گنگوہیؒ کا واقعہ	165
حضرت جریج اگر فقیہ ہوتے!	166
زیادہ عجیب ایمان	168
حضرت موسیٰؑ نے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے جوان لڑکے ہیں؟	168
ہمارے توہمات	169
گیارہویں جلد کے جواہر	
مال قلب سے باہر رہے تو معین	172
کسل کی قسمیں	172
گناہ کے وقت نفس کو روکو!	174
حضور ﷺ نے فرمایا ہم زیادہ تعریف سے خوش نہیں ہوتے!	175
تدابیر نجات	175
بارہویں جلد کے جواہر	
تصوف کی باریکیاں	178

تدبیر تبلیغ 178
تکمیل توحید 180
آزادی کے غلط معنی 180
خود بینی وخود رائی 181
علوم کشفیہ کا مطالعہ 182
تکوینیات میں حق تعالیٰ کا تصرف 184
تیرھویں جلد کے جواہر
اخلاص کی برکت 186
تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں 187
ناقص العقل لڑکی 188
کلمہ توحید زبان سے نہ نکلا 189
تجویز محبوب 189
شیطان نے آٹھ لاکھ سال عبادت کی 190
چودھویں جلد کے جواہر
کھانے کی رعایت 192
بنی اسرائیل کے شخص کا ایک قصہ 193
بلااذن تصرف 194
حضرت شبلیؒ نے شیر کی تصویر پر توجہ ڈال کر
اصلی شیر بنادیا 195
توجہ اور تصرف 195
شیخ سے استاد کی طرح سوال نہ کرے 196
آداب شیخ 197
شہداء میں اولیاء بھی شامل ہیں 198
تعبیر بازی 198
افلاطونی دعوت 199
قرب کی ایک صورت 201
پندرھویں جلد کے جواہر
وقت ریاء 204
اخفاء میں ریاء 205
موت سے قوت روحانی میں اضافہ 205
شہرت اور خلوص 206
نعمتِ عقل 207
شاہ ابو سعیدؒ کی تربیت 208
اخفاء کاملین 210
احمد جامؒ کے پاس ایک مرد عورت اپنے لڑکے
کو لائے 212
وسعت رحمت 212
مومن کو جہنم میں نیند آجائے گی 213
تمام مال وجائیداد وقف نہ کیا جائے 214
رڈی مال اللہ کے نام پر دینا 214
سولہویں جلد کے جواہر
قاضی یحییٰ بن اکثمؒ محدث کا واقعہ 216
تراویح میں اجتہاد 216
ایک زانی کے غسل کا پانی 217
امام غزالیؒ کی والدہ کی ڈانٹ 218

جنت کے عرض کرنے پر اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر
کے جنت بھر دے گا 219
رُکانہ پہلوان 219
ضرر سماع 219
سماع سے دھوکہ 220
قبولیت توبہ کی علامت 220
حضرت غوث اعظمؒ کے ایک مرید کو 70
مرتبہ احتلام ہوا 221
ہمارے ظاہر و باطن کی مثال 222
جبلہ کا واقعہ 222
سترھویں جلد کے جواہر
روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ مبارک کا باہر آنا 224
پانچ نمازیں کیوں مقرر ہوئیں 224
ثمرۂ اطاعت 225
اٹھارہویں جلد کے جواہر
امیر یہودی کا واقعہ 226
توبہ میں جلدی 226
لذت گناہ 227
ایک ویران گھر میں جن رہتا تھا 227
حضرت ابراہیمؑ نے اللہ پاک سے فرمایا کوئی
دوست اپنے دوست کو مارا بھی کرتا ہے! 227
سالک سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا کرے 228
طاعون کیا ہے؟ 229
حقیقت مصیبت 232
اعتبار نسبت 233
مصیبت بر معصوم 234
فراق کی مصیبت 235
ذکر کی عجیب خاصیت 237
سلطنت قلب 237
معصیت ماضیہ اور عقل 238
عقل کی بے رحمی 239
شریعت کی خیر خواہی 240
ایک کفن چور کا قصہ 241
حضرت شاہ ولی اللہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین
باتوں کا حکم دیا 241
اکبر بادشاہ ایک دن تنہا شکار کو نکلا 242
40دن کی فضیلت 243
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک یہودی
کا کچھ قرض تھا 244
انیسویں جلد کے جواہر
شراب کے نو مٹکے توڑ دیئے 245
اے نفس تجھ کو حجرہ میں شہید کر دوں گا! 246
امام غزالیؒ کے حالات 246
دل کا زنا 247
اللہ تعالیٰ کا کسی مصیبت میں ڈالنا نشتر کے
قائم مقام سمجھے 247

حضرت عمرؓ ایک گھر کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے 248
فرعون کے جادوگر 249
غصہ کے دیگر علاج 250
غصہ کیوں آتا ہے 251
ضبط غضب کا انعام 252
مرد و عورت کے غصہ کا فرق 253
انعام بقدر قربانی 253

بیسویں جلد کے جواہر

ناشکری و حرص 255
برقعہ کے اوپر بیل وغیرہ لگانا حرام ہے۔ 256
حضرت اماں عائشہؓ صدیقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت 256
علم و عمل 256
لا الٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھئے 257
کمر پر شیر کی تصویر 258
قصۂ جریج 259
نکاح کا تکوینی راز 260

اکیسویں جلد کے جواہر

خدا کی جانچ پڑتال کرنا بے ادبی ہے 261
جلی ہوئی روٹی نہ کھائیں لیکن اسے حقیر نہ سمجھیں 262
خلوت میں نیت 262
توکل کا مفہوم 264
اسباب میں توکل 264
اسباب کی تین اقسام 264
خواص متوکلین کی ایک غلطی 264
توکل کی حقیقت 265
سبب کی تشریح 266
معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو 266
حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بٹھیارہ کی حکایت 267
حضرات نقشبندی سلاطین اور حضرات چشتی مساکین ہیں 268
بیماری میں آہ کا منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں 269
حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت 270
عجب کا علاج معصیت سے کرنے کی مثال 270
قرض کی فضیلت 271
حکایت حضرت اورنگزیب عالمگیر اور بہروپیہ 271
اپنے عیوب دوسروں میں نظر آنے کی عجیب مثال 272
صبر شکر کی مشترکہ حالتیں 273
ہمارے اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچنا 273

وصال کے بعد بھی ہمارا آپ ﷺ کو رنجیدہ کرنا	274
طلب بھی عجیب چیز ہے	274
ایک ہندو کا جنت میں جانا	275
ذکر اللہ سے ہمت میں برکت ہوتی ہے	275
حق تعالیٰ شانہ، کی شکایت کا سبب	276

بائیسویں جلد کے جواہر

مالیخولیا میں علاج سے کم نفع ہونے کا سبب	278
دوسرے کے کام میں دخل دینا نقصان عقل کی بات نہیں ہے؟	279
وسوسہ کس صورت میں مضر ہو جاتا ہے؟	279
وسوسہ کا علاج	280
کسی حسین چہرے میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری نہ دیکھے	280
عارف کا عالم سے تعلق کس قسم کا ہوتا ہے	282
قارون کا واقعہ	283
ایک جوہری اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی حکایت	283
حکایت حضرت حبیب عجمیؒ	284
اصلاح کا زیادہ مدار قلب پر ہے	285
حضرت سیدنا غوث پاکؒ اور شاہ سنجر کی حکایت	285
اللہ والے مصیبت میں پریشان نہیں ہوتے	286
حکایت حضرت فرید الدین عطارؒ	287
سلاطین کو اولیاء اللہ کی روحانی دولت کا علم نہیں	288
اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے	289
دل کھول کر گناہ کرنے سے ارمان نہیں نکلتا	290
نفس شیطان سے زیادہ چالاک ہے	290
مستحب کی قدر	291
ایک عالم کا دل ہلا دینے والا قصہ	291
ایک بزرگ کی لوگ ان کے منہ پر تعریف کر رہے تھے	293
اور اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھنے کا ادب	294
شیطانی نسیان	295

تیئسویں جلد کے جواہر

فرعون نے شیطان سے کہا بارش برساؤ	296
کمال عبدیت	296
اللہ تعالیٰ سے دوری کے سات درجات	297
محققین کے علوم انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہوتے ہیں	298
گناہ ایک عظیم بلا ہے	298
ساحرین کے ایمان لانے کا سبب	299
ایک نظر میں کامل کر دینے کا مفہوم	299
مغفرت کی خاصیت بارود کی مانند ہے	300
حکایت آصف الدولہ	301

ایک شخص اپنے آپ کو رب العالمین کہتا تھا 301
خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا طالب 302
عورتوں کو صوم وصلوۃ کا پابند کرنے کی
آسان تدبیر 303
حکایت حضرت جنیدؒ 304
جوارح کے گناہ 304
گنہگار مومن کی مثال 304
جميع العلم في القرآن کا جواب 305
ایک بزرگ کو چوروں کے ساتھ جیل میں
ڈال دیا گیا 305
گناہ کی شدت 306
مالی حقوق اور قرض 307
غیر مالی حقوق کا طریق معافی 307
مصافحہ کرنے کا واقعہ 308
تصوف کی اصطلاحات کی دو قسمیں 308
مجاہدہ کی زیادہ ضرورت کب ہے 309
عاشق صادق فاسق نہیں ہوتا 310
نفس ہمارا ہی نام ہے 311
نفس کی تین اقسام 311
فنا کیا ہے؟ 312
ساری اصلاح کسی ایک شخص پر موقوف نہیں 312
مولانا قاسم نانوتویؒ کے پیچھے پولیس لگ گئی 312
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے غلام سے
عفو و درگزر 314
حضور علیہ الصلوۃ السلام کی سلطنت حضرت سلیمان
علیہ السلام کی سلطنت سے معنیً اقویٰ تھی 315
حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے
اخلاق حسنہ 315
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت 315
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی 315
ظلم کا انجام 316
حضرت داؤد کے دور کے ایک مصیبت زدہ کا واقعہ
316
مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے 316
بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا ہے 317
والدین کے حقوق میں کوتاہی 317

چوبیسویں جلد کے جواہر

تین شخصوں پر لعنت 318
دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر 318
سات آدمی سایہ عرش الٰہی میں 319
ایک بادشاہ اور فقیر کی حکایت 319
حقیقی مجاہدہ 320
بزرگوں کو استقامت مجاہدہ کی بدولت ملی
(تمام تصوف کا خلاصہ) 320
کفر تکبر کی شاخ ہے 321

اشد کبر 321
مخفی تکبر 322
عالم میں عبودیت ہے یا تکبر 322
ایک بزرگ کی حکایت 323
مسلمانوں کا پل صراط سے گزرنا 323
حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ پر کسی مرید کے
اشعار پڑھنے کی حکایت 323
حضرت غوث اعظمؒ کا ابدال مقرر کرنا 324
نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ 325
آداب ملاقات 326
امراض قلبی کی پہچان 327
اہل اللہ کی صحبت کا اثر 328
کیفیات کیوں ناقابل اعتبار ہیں 328
پچیسویں جلد کے جواہر
حضرت تھانویؒ کا خواب میں ملکہ وکٹوریہ
کو دیکھنا 329
علم خضر علیہ السلام کی مثال 331
علم باطن کے شرائط وآداب 333
تشبہ بالکفار کی تفصیل 333
بدعتی پیر 334
بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم 334
ضعف قلب منافی ولایت نہیں 335
حضرت موسٰی علیہ السلام کا خوف طبعی 335
حضرت عمرؓ کی وقف مال میں احتیاط 336
حضرات سلف کا مذاق 337
استیذان کا حکم 337
مشورہ کی شرعی حیثیت 338
مشائخ وعلماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت 339
شیخ اپنی اصلاح کے لیے پڑھے 339
ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں 341
گناہوں سے نفرت عقلی حاصل کرنے کا طریقہ 341
صرف توجہ سے کام نہیں چلتا 342
ہمت کے لئے گناہوں سے نفرتِ عقلی
کی ضرورت 342
بلا قصد وسوسہ گناہ نہیں 342
حضرات صحابہؓ کے وساوس 342
دوسروں کی دلجوئی بھی عبادت ہے 343
ایک بزرگ سے سانپ بیعت ہوا 343
صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ 344
محقق کی شان 344
حضرت مولانا گنگوہیؒ کی حضرت حاجی
صاحبؒ سے محبت 345
صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا
مناسب نہیں 345
جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں 346

چھبیسویں جلد کے جواہر

احکام شرعیہ میں اختلاف کا سبب 347
عشق الٰہی کی حد 347
حصول خوف کا طریق 349
اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ 350
دعائے مغفرت مطلوب ہے 350
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دبدبہ 351
جناب رسول ﷺ کا دبدبہ وہیبت 352
بزرگی 352
گناہوں میں الجھے ہوؤں کو وصیت 353
ایک عجیب حکایت 353
اہل اللہ سے ہر حال میں وابستگی کی ضرورت 354
پیروں کے لئے سمجھنے کی بات 354
حسد بہت مخفی مرض ہے 355
حسد اور غبطہ میں فرق 355
حضرت ماعز بن مالک ؓ کا عشق الٰہی 355
حرکت زبان کتنے عضلات کی حرکت کے بعد
ہوتی ہے 357
مجموعۃ الامراض 357
بزرگوں کے ازالہ تکبر کے چند واقعات 358
اپنے گناہوں سے غفلت کی عجیب مثال 359
مکار پیر 359
وسوسہ کا علاج 360
حقوق العباد کی چار قسمیں 361
مفتی اور قاضی میں فرق 361
سلطان محمود غزنویؒ کی بت شکنی 362

ستائیسویں جلد کے جواہر

مستقبل کی باتوں کے پہلے جاننے کا انجام 365
عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی 365
پٹھانوں کی سادگی 366
چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش
بھی ہے 367
حضرت بایزید بسطامیؒ کی دودھ والی رات 367
حضرت بایزیدؒ کی مغفرت کا سبب 368
ہماری حقیقت ہی کیا ہے 368
ہندوستان میں مذہب حنفی کے وجوب کی وجہ 370
نااہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے 370
حضرت نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ
کی حکایت 371
انتظار نماز میں ثواب 371
ہر عمل کی غایت 372
بزرگی کی حقیقت 372
کم کھانا بزرگی کی علامت نہیں 373
جو ختنہ نہ کرائے 373
دین کو اغراض کا آلہ بنانا اور اذکار کے لیے
اجازت لینے کی حقیقت 374

اہل علم میں اخلاق حسنہ کی کمی پر اظہار افسوس	375
ہدیہ میں احتیاط	376
حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مشکل سوال کا جواب	377
عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ بُعد ہوتا ہے	377
عبادات کے مقبول ہونے کی علامت	379
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی حکایت	379
نیت کا اجر	380
حضور ﷺ کا اماں خدیجہؓ کو یاد فرمانا	380

اٹھائیسویں جلد کے جواہر

بیت المال میں ضرورت احتیاط	382
قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے	382
اظہار لاعلمی کوئی نقص نہیں	383
زمین کے لئے دعا کروانا	384
کامل کی علامت	384
خشوع کا طریقہ	385
نماز میں سوچنے کی باتیں	386
بدنگاہی سے آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں	387
شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت متعلق پردہ پوشی	387
بدنظری بڑی سخت بلا ہے	388
بدنظری سے سیری نہیں ہوتی	388
بدنظری کا علاج	389
دل کی معصیت	389
معصیت قلب اشد ہے	390
کسی حسین کا خیال دل سے نکالنے کا طریقہ	390
بدنظری مادہ کا زوال یہ مطلوب نہیں	391
شیطانی وسوسہ	391
رسول اکرم ﷺ کی معرفت	392
بڑوں کی موت میں حکمت	393
بلاضرورت گفتگو سے بچنے کی ضرورت	394
گناہ سے بچنے کا آسان طریقہ	394
عفت کی تفسیر	395
حضرت تھانویؒ سر ٹانگوں میں دبا کر مارنے کو حرام سمجھتے تھے	396
عارفوں کی بصیرت	396
تصرفات علامت کمال کی نہیں	397
مجتہد کا قول بغیر دلیل کے نہیں ہوتا	398

انتیسویں جلد کے جواہر

شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	399
حسن محبوب دو عالم ﷺ	400
طلباء کو نصیحت	400
محبوب کے سامنے 99 کوڑے کھائے	400
اخفاء عبادت میں ریا	401
شیخ کو حالت وجد میں بھی درست بات کہنی چاہیے	401

بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے 402
حلال میں برکت ہے 403
جملہ معاصی میں سخت کلفت ہے 403
قلب کو خیالات سے پاک رکھنے کی ضرورت 404
دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج 405
دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر 406
ہر وقت ذکر اللہ کی ضرورت 406
مؤکل بھی شیخ کی بات مانتے ہیں 407
خلاف رضائے الٰہی کام نہ کرنے کے عزم
کی ضرورت 408
جب ذکر سے دل اکتا جائے 408
بُشریٰ کا مفہوم 409
سکون اللہ تعالیٰ کی فرمانبر داری میں ہے 410
توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ 411
نقشبندیہ، چشتیہ اور سہر وردیہ کا خاصہ 412
غیر مقلد اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں 412
اجنبی مرد و عورت کے جھوٹا کھانے کا حکم 413
احسان کا مفہوم 415
مصنوعی شیخ اور واقعی شیخ کو پہچاننے کا طریقہ 415
طالب کے لیے کیفیات کی طلب خطرناک ہے 416
خدا تعالیٰ کے نام پر اعلیٰ درجے کی شے
دینی چاہیے 417
بھانڈوں کے ہاتھی کا قصہ 417
علماء کو چاہیے کہ سوال نہ کریں 418
اہل علم کو سوال کرنے سے مرنا بہتر ہے 418
خلوص کے ساتھ کام کرنے میں فاقہ کی نوبت
نہیں آئے گی 419
ہدایا لینے میں حضرت والا کا طرز عمل 419
ہدیہ کے عام اصول 420
عورتوں میں تلاوت قرآن بالکل متروک ہے 420
دلہن کا قرنطینہ اور دلہن کی کیا گت بنتی ہے 420
تمام عمر گزر گئی مگر تلاوت نصیب نہیں ہوئی 421
نری امید کا کہیں حکم نہیں ہے 422

تیسویں جلد کے جواہر

بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد 423
ہندوؤں کو ذکر و شغل کی تعلیم سے
ممانعت کا راز 424
حقیقت تصوف اور اس کا ثمرہ 424
کیفیت نفسانی 424
عالمگیر جس کا ہاتھ پکڑ لے وہ ڈوب نہیں سکتا 425
عارف کا حال 426
معرفت بڑھاپے میں کمال ہوتی ہے 427
ایک یہودی کے مسلمان ہونے کا واقعہ 428
حکایت حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ 428
سلوک کا مدار نفس کو شہوت سے روکنا ہے 429

خواب میں رسول اکرم ﷺ کی صرف زیارت مدارِ کمال نہیں	429
حضرت ابوذر غفاریؓ کے اسلام لانے کا واقعہ	431
عورتوں میں شرک کا اثر	432
وساوس کا علاج	433
مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	434
رسول اکرم ﷺ کے مزاح میں حکمت	435
تعجب خیز باتیں	435
حضرت لقمان ایک شخص کے ہاں باغبانی کرتے تھے	436
حضرت لقمان کی دیانت وامانت	436
تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے	437
سرہانے کی طرف بیٹھنے کی حیثیتیں	438
جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں	438
اتحاد کا ہیضہ	440
جمال خداوندی	441
کامل شکر	441
ایک متقی قاری کی حکایت	442
شیطان کا جال	442
ضروری امور میں محنت سے نہ گھبرانا	443
شریعت میں خواب کا درجہ	444
سیادت کی بناء اولاد حضرت فاطمہؓ پر ہے	445
ایک جماعت اولیاء کا حال	445

اکتیسویں جلد کے جواہر

وعظ ونصیحت کا ہر شخص اہل نہیں	447
ایک شیعہ عورت کا ماتم	447
غزوۂ تبوک اور واقعہ کعب بن مالکؓ	448
پیر اپنی نیت درست کرے	450
عاشق احسانی	450
گیارہویں کرنے والوں کی، تاریخی غلطی	451
گیارہویں کی عملی اور اعتقادی خرابیاں	452
حور کی صفت	452
اٹک کر مرنے کی حکایت	453
جنت میں ہر چیز ارادہ کے ساتھ موجود ہو گی	454
آخرت کی دو حالتیں	454
جنت میں نیند نہیں ہے	455
نیند کوئی مقصود بالذات چیز نہیں	455
زیادہ سونے والوں کی حکایت	455
صحیح النسب ہونے کے لیے وجود نکاح کافی ہے	456
نسبت محمود	457
بزرگی کی علامت	458
کاملین کی حالت	459
حضرت عمرؓ کی حکومت	460
اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے	460
علامات شیخ کامل	461
حقوق شیخ	461

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائے ہمارے نیک مخلص بھائی استاذ القراء حضرت قاری ضیاء الرحمن ہاشمی صاحب زید مجدھم کو جنہوں نے بڑی محبت اور محنت سے حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے عظیم مواعظ جو خطبات حکیم الامت کے نام سے بتیس (32) جلدوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ جو ہماری دنیا اور آخرت کی رشد وہدایت اور خیر خواہی کی باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان نیک مبارک مضامین میں سے ایک مبارک حصہ "جواہر خطبات" کے نام سے مرتب فرمایا ہے۔ تاکہ وہ حضرات جن کی سمندر تک رسائی نہ ہو سکے چلو کم از کم اس کے چلو سے ہی اپنے دلوں کو سیراب کریں۔

اللہ تعالیٰ اس نیک کاوش کو حضرت قاری ضیاء الرحمن ہاشمی صاحب زید مجدھم کے لیے صدقہ جاریہ اور تمام قارئین کے لیے نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محتاج دعا

محمد حسن عفی عنہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد:

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، مسلمان بنایا اور حضور کریم ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ بندہ نے رمضان المبارک اپنے مرشد، صدیق وقت، ولی کامل حضرت مولانا مفتی **محمد حسن** صاحب دامت برکاتہم کے پاس جامعہ محمدیہ چوبرجی لاہور میں گزارا !

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم نے بندہ کے ذمہ لگایا کہ خطبات حکیم الامت سے کچھ اہم مضامین منتخب کریں اور ایک کتاب بنائیں جس سے امت کو فائدہ پہنچے ! حضرت سیدی و مرشدی دامت برکاتہم کے حکم پر خطبات حکیم الامت سے خاص خاص مضامین اللہ کی توفیق، اسکے فضل اور اس کی رحمت سے منتخب کیے اور میں اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نکمے طالب علم سے اللہ پاک نے یہ کام لیا۔

مرشد کامل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم نے اسکا نام "**جواہر خطبات**" رکھا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کا فیض عرب و عجم میں پھیلائے۔

آمین۔

والسلام

فقیر ابوزبیر ضیاء الرحمن ہاشمی عفی عنہ

خاکپائے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم

خادم شعبہ تجوید، دارالعلوم فاروقیہ قائداعظم کالونی راولپنڈی

تاریخ: بروز اتوار 4/6/2023 بمطابق 14 ذوالقعدۃ 1444

پہلی جلد کے جواہر

ثمرۂ نیت

ان آیتوں میں جن کو میں نے تلاوت کیا تھا ایک بہت بڑی چیز کا ذکر ہے اگرچہ وہ بظاہر چھوٹی معلوم ہو یعنی اس میں دنیا اور آخرت کے ساتھ ارادہ کو متعلق کرنے کا ثمرہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا ثمرہ ہے اور آخرت کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا نفع ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے غرض ان آیتوں میں ارادہ کا ذکر ہے اس امر کی تعیین کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ واقعی یہ ایسی چیز ہے جس کو ہم بہت ہی معمولی اور سرسری سمجھتے ہیں مگر یہ سرسری چیز ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی کہ دیکھنے میں تو ذرا سی چیز ہے مگر گھڑی کے چلنے کا دارومدار اسی پر ہے۔ اور وجہ اس بے قدری کی یہ ہے کہ ارادہ ایک موجود غیر حسی ہے اس لیے ہم کو اس کی قدر نہیں مگر واقع میں فکر وارادہ وہ چیز ہے جس کے ترک کر دینے سے ہمارے سب حال بگڑ گئے اور بہت سے اللہ والوں کے حالات و مقامات اس کی بدولت درست ہو گئے۔ صاحبو! ارادہ بہت بڑی چیز ہے اس کو حقیر نہ سمجھا جائے دنیا کے بھی سارے کام اس کی بدولت چلتے ہیں یہ بہت بڑی قوت ہے جو انسان میں رکھی ہوئی ہے۔ مثال سے آپ اس کو واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص کو جاڑے کے موسم میں اس حالت میں کہ بارش بھی ہو رہی ہے اور سردی بھی بہت ہے گھر کے اندر بیٹھے بیٹھے پیاس معلوم ہوئی اور پیاس بہت شدید معلوم ہوئی مگر بوجہ تند ہوا کے باہر آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اس درمیان میں اس کے پاس حاکم کا حکم پہنچا کہ اسی وقت فلاں جگہ آ کر جو کہ شہر سے بہت فاصلہ پر ہے ہم سے ملو۔ اب غور کیجئے کہ یا تو یہ شخص اس سردی کی حالت میں اندر سے باہر صحن تک بھی نہیں آ سکتا تھا، اب وہ کون سی چیز ہے جو اس کو گھر کے اندر سے صحن تک اور صحن سے گھر کے باہر اور وہاں سے شہر کے باہر کئی میل تک بارش اور سردی میں لے جاتی ہے وہ صرف قوتِ ارادہ ہی ہے کہ پہلے ارادہ نہ ہوا تھا کیونکہ پیاس کوئی قوی محرک نہ تھی اور اب ارادہ ہو گیا کیوں کہ حکم حاکم بوجہ کسی قسم کی رغبت یا رہبت کے قوی محرک ہے جس نے اس کی قوت ارادہ کو حرکت دے دی ہے اور یہ کمبل لے کر تمام مصائب کو برداشت کرتا ہوا حاکم تک جا پہنچتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1 صفحہ 23)

اہمیت نیت

حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

مَّن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا

(بنی اسرائیل:18،19)

جو کوئی عاجلہ کا یعنی دنیا کا ارادہ کرتا ہے اس کو ہم جلدی اسی جگہ جو چاہیں اور جس کے لیے چاہیں دے دیتے ہیں ذرا قیود پر غور کیجیے کہ دنیا کے طالب کو دنیا عطا فرمانے کا پختہ وعدہ نہیں فرماتے بلکہ اتنی قیدیں ہیں کہ ,,**ما نشاء لمن نرید**،، کہ جتنا ہم چاہیں اور جس کے لیے چاہیں عطا کر دیں گے۔ معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا کا مراد کو پہنچنا لازمی اور ضروری نہیں اور اگر دنیا کے دینے کا پختہ وعدہ بھی ہوتا۔ جب بھی تو وہ لینے کے قابل نہ تھی اور میں اس کو دلیل سے بتلاتا ہوں۔

دیکھئے اگر ایک شخص کو دو مکان دکھلائے جائیں ایک خستہ و خراب دوسرا نہایت عمدہ اور یہ کہہ دیں کہ خراب تو اسی وقت تم کو مل سکتا ہے اور بعد ایک ماہ کے واپس لے لیا جائے گا اور دوسرا اس وقت نہیں مل سکتا بلکہ ایک ماہ کے بعد ملے گا اور وہ واپس نہیں لیا جائے گا اور دونوں اکٹھے مل نہیں سکتے تو بتلایئے اس صورت میں کیا کیا جائے گا ظاہر ہے کہ کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی اس ویران کو اختیار نہ کرے گا اس فیصلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ عمدہ ہی گھر لینا چاہیے گو بعد مدت ملے۔ صاحبو! اس شخص کو تو آپ جج بن کر یہی فیصلہ سنائیں گے کہ ویران گھر کو ہرگز اختیار نہ کرے مگر جب یہی معاملہ آپ کے ساتھ ہوا تو آپ اپنے اس فیصلہ کو بھول گئے۔

صاحبو! حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے سامنے دو گھر پیش کر دیے ہیں ایک دنیا جو کہ اس وقت مل سکتی ہے مگر بعد چندے چھین لی جائے گی اور خراب و خستہ و فانی بھی ہے۔ دوسرا گھر آخرت ہے جو عمدہ ہے اور باقی رہنے والا ہے یہاں آپ نے آخرت کو کیوں اختیار نہیں کیا؟ گزشتہ مثال میں تو ایک ماہ کی بھی مہلت تھی اور یہاں کچھ بھی میعاد نہیں شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود" (شاید یہی سانس تیری زندگی کا آخری سانس ہو) زندگی کا کیا اعتبار ہے ایک منٹ کا بھی بھروسہ نہیں طاعون کا حال معلوم ہے کہ کس طرح دفعتاً مخلوق کا صفایا کر دیتا ہے کل کا مرنے والا آج کیا جانے کہ

میں کب مروں گا وہ تو آج بہت کچھ امیدیں اپنے دل میں کرتا ہو گا مگر اسے موت کی کچھ بھی خبر نہیں کہ سر پر آچکی ہے تو یہاں دنیا کی میعاد ایک مہینہ کیا ایک ہفتہ کیا ایک دن بھی نہیں ہے۔

ہر سیکنڈ میں خطرہ ہے کہ اسی وقت ختم ہو جائے تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسا گھر جس کی اتنی کم میعاد ہو اور فنا ہونے والا ہو اور جس کی کوئی راحت بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ آپ نے اختیار کیا اور آخرت کو جس کے ملنے کے لیے ایک سانس کی دیر ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے اور اس میں راحت ہی راحت ہے تکلیف کا نام بھی نہیں۔ آپ نے چھوڑ دی حالانکہ اگر ایسی صورت کوئی دوسرا شخص آپ سے پوچھنے آئے تو آپ اس کو یہی رائے دیں گے کہ خراب خستہ فانی چیز ہرگز لینے کے قابل نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ دنیا کو بالکل چھوڑ دیجئے۔ شکایت اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔

غرض یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ دنیا کے ملنے کا اگر پختہ وعدہ بھی ہوتا تب بھی وہ لینے کے قابل نہ تھی۔ چہ جائیکہ اس کے دینے کا پورا وعدہ بھی نہیں پھر حالت یہ ہے کہ دنیائے فانی کو اختیار کرنے سے بعض اوقات آخرت کا حصہ بالکل نہیں ملتا جیسے کہ کفار کو۔ اور آخرت اختیار کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ دنیا بالکل نہ ملے بلکہ آخرت اختیار کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے اگرچہ اتنا فرق ہے کہ آخرت والے کو دنیا کم ملتی ہے اور دوسروں کو زیادہ۔ اور یہ فرق بھی صرف ظاہر ہی میں ہے غریب لوگ امیروں سے زیادہ کھاتے ہیں اور سب ہضم کر لیتے ہیں، صحت اچھی رہتی ہے، خوش و خرم رہتے ہیں درد سر اور نزلہ و زکام کو جانتے بھی نہیں۔ امیروں کو آئے دن مسہل لینے پڑتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 1، صفحہ 30,31)

انسان کی بے بسی

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی کی آنکھیں چھین لی جاتی ہیں کسی کی زبان ماؤف ہو جاتی ہے، کسی کی عقل پر آفت آ جاتی ہے، کل جو بڑے عاقل تھے آج ان کے حواس میں فرق آگیا، پاگل ہو گئے، کہاں گئی وہ عقل، کہاں گئے وہ حواس، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنون کے بعد ان کو گوہ، موت میں بھی تمیز نہیں رہتی۔ ایک پاگل پاخانہ کھایا کرتا تھا اور دلیل یہ بیان کرتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ اس کو برا سمجھتے ہیں یہ میرے ہی اندر سے تو نکلا ہے پھر میرے ہی اندر اگر چلا جائے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ میں ان عقل پرستوں سے کہا کرتا ہوں کہ تمہاری عقل اس پاگل کی سی عقل ہے اس لئے کہ شریعت اور سلامت فطرت تو تمہارے نزدیک کوئی شے نہیں عقل ہی قبلہ و کعبہ ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ اگر عقل ہی مدار ہے تو اس شخص کے استدلال کا جواب دو، مگر دیکھو شریعت اور سلامت فطرت کو ضم نہ کرنا، محض عقل سے جواب دو۔ بظاہر تو وہ عقل کی بات کہہ رہا ہے کہ میرے ہی اندر سے نکلا ہے میرے ہی اندر چلا جائے تو کیا

حرج ہے۔ اگر یہ کہو کہ ہم کو نفرت آتی ہے، میں کہتا ہوں کہ جس کو نفرت نہ آئے کیا اس کا کھانا جائز ہو جائے گا وہ پاگل کہتا ہے کہ مجھے تو نفرت نہیں ہے تو کیا یہ فعل مستحسن ہو جائے گا۔ کچھ نہیں سب خرمستیاں ہیں۔ آپ جس طرح اس پاگل پر ہنستے ہیں اسی طرح اہل بصیرت آپ پر ہنستے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس عقل پر آج ناز ہے وہ ذرا سی آفت سے سلب ہو جاتی ہے۔

میں ایک بار عشاء کے بعد مدرسہ سے گھر کو جا رہا تھا، رات بہت تاریک تھی، گھر کا رستہ بھول گیا، بہت پریشان رہا، کبھی بھائی کے مکان پر جاتا ہوں اور کبھی اس کے سامنے مکان ہے لطافت علی کا اس پر اور کبھی میاں محمد اختر کے مکان پر جاتا ہوں، غرض بڑی پریشانی کی بعد اپنا مکان ملا۔ حالانکہ رات دن کی آمد و رفت، اگر آنکھیں بند کر کے بھی جانا چاہوں تو جا سکتا ہوں، مگر اس روز حق تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ تمہارے حواس اور تمہارا ادراک اس درجہ کا ہے کہ ہم جب چاہیں بے کار کر دیں، تم کچھ نہیں کر سکتے، پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ ہماری چیز ہے، ہمارا مال ہے، میرا گھر ہے، ایسا گھر ہے کہ جب میعاد ختم ہو جائے گی، پابدست دیگرے دست بدست دیگرے، جہاں چاہیں گے پھینک دیں گے اگر تم اس وقت فرض کرو نہ جانا چاہو، تب بھی زبردستی تم کو پھینک دیں گے۔ ایک کلکٹر کا شملہ پر انتقال ہو گیا تھا وہاں سے اس کی لاش ڈولی میں آرہی تھی، ایک شخص نے دیکھ کر بیان کیا کہ سر نیچے پتھروں سے ٹکراتا جا رہا تھا، ایک ایسا حاکم کہ ضلع میں جو چاہے حکم نافذ کر دے آج وہ اپنے سر کو پتھروں کے صدمہ سے نہیں بچا سکتا۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آگیا یک سر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا سنبھل کے چل تو ذرا راہ بے خبر میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا۔

اس پر وہ ناز ہے کہ کچھ حد و حساب نہیں، بعضوں کو تو اتنا ناز بڑھا کہ خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ چنانچہ فرعون نے کہا تھا انا ربکم الاعلیٰ (النازعات، آیت نمبر 24) آج کل لوگوں میں خدائی کے دعویٰ سے کم کبر نہیں ہے۔

انسان کی مختلف حالتیں

چنانچہ کہتے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں ایک بزرگ نے خوب جواب دیا تھا۔ ایک شخص اکڑتا ہوا جا رہا تھا ان بزرگ نے نصیحت کی کہ دنیا میں اس طرح نہیں چلا کرتے تواضع اور مسکنت سے چلنا چاہیئے کہنے لگا کہ نہیں جانتے ہم کون ہیں فرمایا جانتا ہوں۔

اولك نطفة قذرة وآخرك جيفة مذرة وانت بين ذلك تحمل العذرة

(اول تو تیرا یہ ہے کہ تو ایک ناپاک نطفہ تھا اور انجام تیرا یہ ہے کہ ایک مردار ہو جائے گا اور درمیانی حالت تیری یہ ہے کہ کئی سیر پاخانہ تیرے اندر ہے اس کو اٹھائے پھرتا ہے۔)

حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ آدمی کے بدن میں قسم قسم کی نجاستیں اور گندگیاں بھر رہی ہیں اور معدہ اور اندرون جسم سے ظاہر بدن تک کی منفذ بھی ہیں مگر ان منافذ سے بو نہیں آتی۔ اگر ان منفذوں سے بو آنے لگے تو آدمی کو بڑی مشکل ہو جائے کہیں بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے، جہاں جائے دھکے دے دیئے جائیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اس کا نمونہ دکھلا دیتے ہیں بخر یعنی گندہ دہنی کا بعض لوگوں کو مرض ہو جاتا ہے ایسے شخص کے پاس کھڑا ہونا موت ہو جاتا ہے۔ جب میں دیوبند میں طالب علمی کرتا تھا نماز میں ایک شخص کبھی کبھی میرے پاس آکر کھڑے ہو جاتے تو نماز پوری کرنا مصیبت ہو جاتی تھی فقہاء سبحان اللہ! کیسے حکیم ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بخر کی بیماری ہو اس کو چاہیے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھے علیحدہ پڑھا کرے جماعت کا ہی ثواب ملے گا پس یہ بخر معدہ ہی کی رطوبت سے ہوتا ہے۔ پس انسان کا یہ کلمہ کہ ،، نہیں جانتے ہو میں کون ہوں ،، بڑے کبر اور جہل کی بات ہے پس ہماری جب یہ حالت ہے تو کسی شے کو اپنا کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے:

يَقُولُ ابنُ آدمَ: مَالِي! مَالِي! وَهَلْ لَكَ يَا ابنَ آدمَ مِنْ مالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ؟! رواه مسلم.

یعنی آدمی کہتا ہے کہ میرا مال ہے میرا مال ہے تیرا کیا ہے مگر جو تو نے کھا کر فنا کر دیا، اور جو پہنا وہ پرانا کر دیا اور جو صدقہ زیادہ آگے بھیج دیا، وہ بے شک تیرا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1، صفحہ 49,50,51)

اولاد کا فتنہ

صاحبو! آج کل کی اولاد تو بیشتر ایسی ہی ہے کہ وہ خدا سے غافل کرنے والے ہیں۔ پس جس کے نہ ہو شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے آزاد کیا ہے ان کو تو چاہیے کہ وہ تو اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی یاد کریں۔ بعض عورتوں نے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط کی کہ دیکھو رسمیں چھوڑنا پڑیں گی کہنے لگیں کہ میرے کچھ ہے ہی نہیں، بال نہیں، بچہ نہیں، میں کیا رسمیں کروں گی۔ میں نے کہا کہ کرو گی تو نہیں لیکن صلاح تو دو گی۔ یہ پرانی بوڑھیاں شیطان کی خالہ ہوتی ہیں، خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جن کی اولاد نہیں وہ خود تو کچھ نہیں کرتیں لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں۔ کوئی پوچھے کہ اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے۔ اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ جاتی کچھ فکر تو ہے نہیں، اللہ تعالیٰ نے سب باتوں سے فارغ کیا تھا وقت کی قدر جانتی، مگر یہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ پس یہ مشغلہ ہے کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں، کسی کو رائے دے رہی ہیں۔ گویا یہ بڑی بنتی ہیں، بات بات میں دخل دیتی ہیں۔ یاد رکھو! زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی، عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے اور اگر ساکت وصامت ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے تو اس کی تو بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے۔ مگر یہ باتوں کا

تمبا کو کھانے کی جن کو عادت ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے خواہ ذلت ہو، خواری ہو، کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی بڑ ہانکنے سے کام۔ بس عادت پڑ جاتی ہے جسے نمرود کو جوتیاں کھانے کی عادت پڑ گئی تھی۔
(خطبات حکیم الامت جلد 1، صفحہ 53)

اولاد کا نعمت ہونا

ہاں اگر اولاد دین میں مدد دے تو سبحان اللہ! ایک بزرگ تھے۔ نکاح نہ کرتے تھے ایک مرتبہ سو رہے تھے دفعتاً چونک پڑے اور کہنے لگے کہ جلدی کوئی لڑکی لاؤ، ایک مخلص مرید حاضر تھے، ان کے ایک لڑکی کنواری تھی، لا کر فوراً حاضر کی۔ اسی وقت نکاح ہوا اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ دیا اور وہ مر گیا۔ بی بی سے کہا کہ جو میرا مطلب تھا پورا ہو گیا، اب تجھ کو اختیار ہے، اگر تجھ کو دنیا کی خواہش ہے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں، کسی سے نکاح کر لے اور اگر اللہ کی یاد میں اپنی عمر ختم کرنا ہو تو یہاں رہو۔ چونکہ وہ بی بی انکے پاس رہ چکی تھی اور صحبت کا اثر اس کے اندر آگیا تھا، اس نے کہا کہ میں تو اب کہیں نہیں جاتی۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی اللہ کی یاد میں رہے۔ ان سے بعض خواص نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات تھی؟ فرمایا کہ بات یہ تھی کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میدان حشر ہے اور پل صراط پر لوگ گزر رہے ہیں۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس سے چلا نہیں جاتا، لڑکھڑاتا ہوا چل رہا ہے، اسی وقت ایک بچہ آیا اور ہاتھ پکڑ کر آناً فاناً میں اس کو لے گیا، میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ اس کا بچہ ہے جو بچپن میں مر گیا تھا۔ یہاں اس کا رہبر ہو گیا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور مجھے خیال آیا کہ میں اس فضیلت سے محروم نہ رہوں۔ شاید بچہ ہی میری نجات کا باعث ہو جائے، اس لیے میں نے نکاح کیا تھا اور میرا مقصود حاصل ہو گیا ہے۔

بتلایئے! اب بھی کوئی ایسا ہے کہ بچے کے مرنے کو مقصود کا حاصل ہونا سمجھتا ہو تو اب اگر کسی کا کوئی بچہ مر جاتا ہے تو پیٹ پھاڑ پھاڑ کر مر رہتے ہیں۔ یہ اہل اللہ ہی کی ہمت ہے۔ پس اگر اولاد مر کر یا زندہ رہ کر آخرت کا ذخیرہ ہو تو ایسی اولاد تو بڑی نعمت ہے ورنہ وبال جان ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ کہ ایک بے گناہ بچہ کو مار ڈالا۔ اول تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کی شرط طے کر لی تھی کہ میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد اس واقعہ کی حکمت بیان فرمائی کہ اس لڑکے کے والدین مومن ہیں اور یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوتا اور اس کی محبت میں اس کے ماں باپ بھی کافر ہو جاتے۔ اس لیے ارادۂ الٰہی ہوا کہ اس کا پہلے ہی کام تمام کر دیا جائے اور اس کے بدلے نیک اولاد ان کو ملے۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جو بچے بچپن میں مر جاتے ہیں ان کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اسی واسطے جو دیندار ہیں ان کو اولاد کے مر جانے کا غم تو ہوتا ہے لیکن پریشان نہیں ہوتے جو شخص خدا تعالیٰ کو حکیم سمجھے گا وہ کسی واقعہ سے کبھی پریشان نہ ہوگا۔ ہاں جس کی اس پر نظر نہیں اس پر اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی بچہ مر جاتا ہے تو اس کو بڑا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے کہ اگر زندہ رہتا تو ایسا ہوتا، دل کے اندر سے شعلے اٹھتے ہیں، ارمان آتے ہیں، حسرتیں ہوتی ہیں کہ ہائے! ایسی لیاقت کا تھا، ایسا تھا، ایسا ہو جاتا۔ صاحبو! تم کو کیا خبر ہے کہ وہ کیسا ہوتا، غنیمت سمجھو اسی میں مصلحت تھی، ممکن ہے کہ بڑا ہو کر کافر ہوتا اور تم کو بھی کافر بنا دیتا۔ اب لوگ تمنا کرتے ہیں اولاد کی، یاد رکھو! جس طرح اولاد ہونا نعمت ہے اسی طرح نہ ہونا بھی نعمت ہے بلکہ جس کے نہ ہوئی ہو یا ہو کر مر گئی ہو اس کو اور بھی زیادہ شکر کرنا چاہیے۔

(خطبات حکیم الامت، جلد 1 ص 54،55)

ابلیس کی غلطی کا راز

صاحبو! حالات غیر راسخہ اور کیفیات کو منتہیٰ سمجھنے ہی سے بہت لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔ بلعم باعوراء اور ابلیس وغیرہ اسی غلطی میں تباہ ہوئے۔ ان لوگوں کو بھی سرسراہٹ اور کیفیت محسوس ہو گئی تھی۔ بس انہوں نے اسی کو منتہیٰ سمجھ لیا اور اس کے بعد مجاہدۂ نفس سے اپنے کو مستغنی سمجھ لیا۔ نفس کی اصلاح کے درپے نہ رہے اس سے غافل ہو گئے، آخر کار تباہ ہوئے کیونکہ ان کا نفس ہنوز زندہ تھا۔ یہ کیفیات جو مجاہدہ سے اس میں پیدا ہوئی تھیں درجہ مقام پر نہ پہنچتی تھیں اور اس غلطی میں اب بھی لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ مثلاً کسی میں خوف خشیت کا کچھ اثر پیدا ہو گیا، دو چار دفعہ رونا آ گیا یا محبت و معرفت کے آثار پیدا ہو گئے یا ذکر اور صحبتِ شیخ سے ایک قسم کا مشاہدہ حاصل ہو گیا۔ یہ اس کو منتہیٰ سمجھ گئے اور آئندہ کے لیے مجاہدہ و سعی کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں میں کورے کے کورے رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ حال غیر راسخ تھا اس کی بقا کے لیے سعی کی ضرورت تھی۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے درخت لگایا، اس کو پرورش کیا تو عرفاً درخت کا منتہیٰ یہ ہے کہ اس پر پھل آ جائے۔ اس نے کیا کیا کہ ایک دفعہ جو اس پر پھل آ گیا تو اس نے اسی دن سے پانی دینا اور اس کی خدمت کرنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ ایک بار پھل آ جانا کافی نہیں کیونکہ بعضے درختوں پر بہت جلدی پھل آ جاتا ہے۔ جیسے قلمی آم ایک سال ہی میں پھل دیتا ہے حالانکہ اس کی بساط کچھ بھی نہیں ہوتی جیسے آج کل بعض بچے باوا ہو جاتے ہیں۔ گو دیکھنے میں پاوا ہی سے ہوں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اخیر زمانہ میں بالشتی لوگ ہوں گے۔ شاید وہی لوگ ہیں کیونکہ پہلے زمانہ کے آدمیوں کے سامنے یہ آج کل کے بچے جو تھوڑی ہی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں بالشت سے زیادہ نہیں۔ پہلے زمانے میں آدمی جلدی بالغ نہ ہوتا تھا، ساٹھ، ستر برس کی عمر میں شادی کی فکر ہوتی تھی۔ چنانچہ ساٹھے پاٹھے کا محاورہ اب تک زبان زد ہے مگر

آج کل لوگ ساٹھ برس میں گور کا حریرہ ہو جاتے ہیں تو جیسے آدمیوں میں بالشتی ہیں ایسے ہی درختوں میں بھی بالشتی ہیں۔ کہ ذرا زمین سے ابھرے اور پھل دینے لگے، درخت لگانے والا خوش ہو گیا کہ بس اب یہ منتہی کو پہنچ گیا ہے اس نے پانی دینا موقوف کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کوئی بیل اس کے پاس سے گزر گیا اور ایک لات ماردی تو درخت گر پڑا یا گرمی کے زمانہ میں خشکی نے آدبایا اور چند روز میں خشک ہو کر ایندھن رہ گیا۔ عقل کی بات یہ تھی کہ ایک دفعہ پھل آجانے سے بے فکر نہ ہوتا بلکہ اس درخت کو برابر پانی دیتا رہتا۔ یہاں تک کہ تنا خوب موٹا ہو جائے اور اتنا اونچا ہو جائے کہ جانوروں کا منہ اس تک نہ پہنچ سکے۔ اب بے شک یہ پانی دینے سے مستغنی ہو جائے گا۔ اس وقت قدرتی بارش ہی اس کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح حال و کیفیت پیدا ہونے سے سالک کو بے فکر نہ ہونا چاہیے بلکہ برابر مجاہدہ میں مشغول رہنا چاہیے۔ یہاں تک کہ حال مقام ہو جائے۔ اس کے بعد اس صاحبِ مقام کو چلہ و مجاہداتِ شاقہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ مولانا فرماتے ہیں:

خلوت و چله برو لازم نماند (تنہائی اور محنت اس پر ضروری نہیں رہتی)

(خطبات حکیم الامت جلد 1، ص 70،69)

ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو

بس اسی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو مگر اس سے دل نہ لگاؤ، اس میں منہمک نہ ہو جاؤ نہ تعلقات کو نہ بڑھاؤ بلکہ حتی الامکان اختصار رکھو۔ اس میں نہ تعطل ہے نہ اس پر عمل دشوار ہے مگر اللہ بھلا کرے بعض واعظین کا کہ وہ وعظ کے وقت جو زہد و توکل کا بیان کریں گے تو اس کو ہوا ایسا بنا دیں گے جو ان واعظ صاحب کے باپ سے بھی نہ ہو سکے۔ حالانکہ شریعت میں ممتنع العمل کوئی بات نہیں ہے۔ پس یہ شریعت کی تعلیم نہیں ہے بلکہ واعظوں کی من گھڑت ہے۔ شرعاً زہد و توکل کے لیے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ کے درپے نہ ہو۔ پس یہ زہد ہے اور اگر بدوں طلب وانہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو بھی زہد کے خلاف نہیں۔

اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھے اور نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو انہی کی عطا سمجھے۔ اس کے لیے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کو اسباب کے اختیار کرنے سے الجھن ہوتی ہو اور ترک اسباب سے قلب کو راحت ہوتی ہو اور اس کے قلب میں اتنی قوت ہو کہ ترک اسباب سے پریشانی نہ ہو تو اس کو ترک اسباب کی بھی اجازت ہے لیکن توکل اس پر موقوف نہیں بلکہ اختیار اسباب کے

ساتھ بھی توکل ہو سکتا ہے بلکہ جس کو ترک اسباب سے پریشانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کو اجازت ہی نہیں۔ صاحبو! بعض طبائع ایسی ہیں کہ اگر ان کے پاس کچھ مال نہ ہو تو ان کے ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ ان لوگوں کو ترک اسباب حرام ہے ان کو مال جمع کر کے ہی توکل کرنا چاہیے کیونکہ اسباب میں تاثیر کچھ نہیں ہے مگر ان سے گونہ تسلی ہو جاتی ہے، یہ حکمت اختیار اسباب میں ضرور ہے۔ چنانچہ گو ہم بچپن سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ ہم کو برابر کھانا کپڑا دے رہے ہیں اور یقین ہے کہ ہمیشہ دیں گے مگر پھر بھی جب کچھ رقم پاس ہوتی ہے تو اطمینان سا رہتا ہے بدوں رقم کے ویسا اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ رقم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب میں یہ بڑی حکمت ہے کہ ان سے قلب کو یکسوئی اور جمعیت رہتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہے جیسے تم ریل پر سوار ہو اور ٹکٹ اپنے پاس ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں دلجمعی کامل ہو گی اور اگر ٹکٹ کھو جائیں گو نمبر وغیرہ سب کچھ یاد ہو، اس وقت دیکھئے کیا حال ہوتا ہے۔

غلط توکل کی مثال

ایسے ہی بعض لوگ ترک ملازمت وغیرہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان کو اس کی اجازت نہیں۔ اس لیے جو واعظین زہد و توکل کے لیے ملازمت ترک کرنے اور اپنے پاس کچھ رقم جمع نہ رکھنے کی عام طور پر تعلیم دیتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔ یہ لوگ ایسا توکل سکھلاتے ہیں جیسا ایک مولوی صاحب نے کسی بادشاہ کو تعلیم دی تھی کہ تم نے اتنی فوج کیوں جمع کر رکھی ہے اس کو الگ کر دو اور اگر کوئی دشمن حملہ آور ہو گا تو ہم اس کو وعظ و نصیحت سے سمجھا لیں گے۔ بادشاہ نے فوج الگ کر دی، کچھ دنوں کے بعد دشمن نے حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے مولوی صاحب کو بلایا کہ وعظ و نصیحت سے دشمن کو دفع کرو، یہ سمجھانے گئے بہت کچھ نصیحتیں کیں مگر اس نے ایک نہ مانی تو مولوی صاحب اپنا سا منہ لے کر واپس آئے اور بادشاہ سے کہا حضور! یہ تو بدمعاش ہیں، مانتے نہیں ہیں، بس ان کا ایمان گیا اور تمہارا ملک گیا، صبر کرو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا توکل نہیں سکھلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکیم ہیں اور حکیم بھی کیسے کہ تمام حکماء آپ کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ حق تعالیٰ نے بلاواسطہ آپ کو تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "علمنی ربی فأحسن تعليمي وأدبني ربي فأحسن تأديبي:" (میرے رب نے مجھے سکھایا، پس کتنی اچھی تعلیم دی اور میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس کتنا اچھا ادب سکھایا) (خطبات حکیم الامت جلد 1، صفحہ 79،80)

مقصود حال نہیں اعمال ہیں

صاحبو! حال پیدا کرو، بدوں حال کے کام نہیں چل سکتا۔ گو حال مقصود نہیں بلکہ مقصد اعمال ہیں، اگر بدوں حال کے بھی آدمی عمل پر جما رہے تو کامیاب ہو جائے گا مگر بدوں حال کے عمل پر استقامت دشوار ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ریل کو آدمی ٹھیلتے ہوں۔ آخر کہاں تک ٹھیلیں گے، تھوڑی دور چل کر رہ جائیں گے۔ پھر کچھ بھی حرکت نہ

ہو گی اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن کی اسٹیم گرم ہو اور وہ ریل کو لئے جارہا ہو، اب وہ بدوں روکے ہوئے تھوڑا ہی رکے گا۔ اگر اس کے روکنے کو راستہ میں لکڑ اور پتھر بھی رکھو گے تو وہ سب کو پھینک پھانک چل دے گا۔ عراقی اسی کی طلب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صنما! رہ قلندر سر دار بمن نمائی کہدراز ودور دیدم رہ ورسم پارسائی

"میرے مرشد! مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلادے کیونکہ ریاضت و محنت کا راستہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے"

رہ قلندر سے مراد طریق حالی ہے اور رسم پارسائی سے عمل محض کا طریق مراد ہے تو فرماتے ہیں کہ طریق عمل محض تو بہت دور دراز ہے اس میں غوائل بہت ہیں، آدمی کہاں تک اپنے کو ٹھیلتا رہے اور کہاں تک خلوص واخلاص کی رعایت کرے، کبھی ریاء پیدا ہوتا ہے کبھی عجب پیدا ہوتا ہے سب سے الگ کہاں تک بچے۔ چنانچہ اسی کو آگے فرماتے ہیں:

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند کہ بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم چو بصومعے رسیدم ہمہ یافتم رہائی

طواف کعبہ کے لیے میں گیا تو مجھے حرم کے دروازے پر روک کر کہا کہ باہر کیا ہی کیا ہے جو اندر آکر پورا کرنے کی آرزو ہے۔ جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین پکاری مجھ کو تو نے ریائی سجدہ کر کے گندہ کر دیا، میں جوئے خانہ میں پہنچا تو وہاں سب کو جوئے کے عہدوں پر مخلص پایا، عبادت خانہ میں گیا تو اکثر کو خلوص سے خالی پایا"

غرض اخلاق عمل بدوں حال کے بسہولت نصیب نہیں ہوتا اور حال بدوں کسی شیخ کی صحبت کے حاصل نہیں ہوتا۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر

"نفس کا شیخ کامل کی سرپرستی کے سوا قابو میں آنا مشکل ہے اس مصلح نفس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑلے"

بدوں طریق حالی کے ہوائے نفس کا غلبہ رہتا ہے۔ محض عمل میں نفس نہیں دبتا بلکہ غلبہ حال ہی سے دبتا ہے اور حال کیونکر پیدا ہوتا ہے دوام عمل اور کسی قدر ذکر اور صحبت کاملین سے، میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان تین چیزوں کو اختیار کرلو، ان شاء اللہ حال پیدا ہو جائے گا۔

پھر ضرورت ہے اس کے ابقاء کی، پھر ترقی کر کے یہی حال مقام ہو جائے گا اور دونوں میں یہ فرق ہو گا کہ صاحب مقام کی حالت تو ظاہر میں عوام متدین کی طرح ہو گی اور باطناً اس کو ترقی ہو گی۔ منتہی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

دل سب سے الگ اور ہاتھ میں سب کچھ۔ اگر سلطنت بھی اس کے ہاتھ میں ہو تو اس سے بھی دل کو تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ہزاروں لاکھوں روپے بھی اس کے پاس ہوں تو دل کو ان سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہوتا جب اس سے کہا جائے کہ اٹھو چلو، اسی وقت سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کو اپنا مال ہی نہیں سمجھتا۔ اس پر تو ہر وقت یہ حال غالب ہے۔

ایصالِ ثواب کا آسان طریقہ

صاحبو! محبت کے طریقے ہی دوسرے ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی ربیع الاول میں کچھ کھانا پکا کر تقسیم کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو کچھ میسر نہ ہوا، آپ نے پیسے دو پیسے کے چنے بھنوا کر تقسیم کر دیئے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان چنوں کو تناول فرما رہے ہیں۔ دیکھئے محبت اللہ والوں ہی میں ہوتی ہے۔ ان سے سیکھو اور ان کے طرز عمل پر چلو۔ میں اس کا بہت آسان طریقہ بتاتا ہوں مگر وہ طریقہ نفس کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ خفیہ خرچ کیا کرو مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں پچاس روپے خرچ کرو مگر ظاہر نہ کرو اور ایک ایک روپیہ ایک ایک مسکین کو دے دو۔ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو اس طریقے پر عمل کرو مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کبھی نہ ہو سکے گا نفس کہے گا کہ میاں پچاس روپے بھی خرچ ہوئے اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔

آج کل تو یہ حالت ہے کہ میں کانپور میں تھا۔ ایک شخص ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مجھے بلا کر لے گئے، میں چلا گیا، اگلے دن معلوم ہوا کہ اسی جگہ جہاں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا آج رنڈی کا ناچ ہوا ہے مجھے سنکر بے حد صدمہ ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے یہاں شادی تھی اور اصل مقصود ناچ کرانا تھا لیکن بعض ثقہ احباب کی خاطر سے ذکر رسول (ﷺ) بھی کرایا تھا۔ تو یہ ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ثقہ دوستوں کے لیے ہوا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ناچ کا موازنہ ہو اور ناچ اسی جگہ ہوا۔ (نعوذ باللہ منہ) پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور ہم محب رسول ﷺ ہیں۔

اور میں کانپور میں سنا کرتا تھا کہ آج فلاں رنڈی کے ہاں مولود ہے، آج فلاں کے ہاں ذکر رسول ﷺ ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ جب وہاں ضروری مضامین زنا کی مذمت وغیرہ کو کوئی بیان نہیں کرتا تھا تو نرے ذکر رسول ﷺ سے کیا فائدہ کی توقع ہے۔ دیکھو! اگر دستر خوان پر نری چٹنی ہو تو کیا کوئی اس دستر خوان سے سیر ہو سکتا ہے کبھی نہیں! البتہ اگر ذرا کھانا ہو اور چٹنی نہ ہو تو وہ کار آمد ہو سکتا ہے اور اگر دونوں چیزیں ہوں تو نور علیٰ نور ہے۔ یہ اس پر یاد آ گیا تھا کہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں تو دیکھ لیں کہ ابو طالب کی کیا حالت ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت صرف دو جوتے آگ کے پیر میں ہوں گے مگر حالت یہ ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی

کو تکلیف نہیں۔ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ اگر ببول کا کانٹا بھی لگ جاتا ہے تو کیا حالت ہوتی ہے تو اگر یہ کوئی کہے گا کہ مجھے تو ہلکا عذاب ہوگا تو خوب سمجھ لے کہ وہاں کا ہلکا بھی ناقابل برداشت ہے تو اس ناز میں ہر گز نہ رہنا چاہیے کہ مجھے تھوڑی سزا ہوگی یہ شبہات رفع ہو گئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1 صفحہ 104،103)

مرد کامل کی ضرورت

حقیقت میں یہی باتیں ہیں جن سے ہم غافل ہیں اور یہ ایک باریک بات ہے جس کی ہم کو خبر نہیں کہ ہم جو بعضے کام کرتے ہیں کبھی تو وہ اپنی قوت سے ہوتا ہے اور کبھی اہل اللہ کی نظر و توجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں:

یار باید راہ را تنہا مرو　　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

یعنی باطنی راستہ کے لیے کوئی رفیق ساتھ لے لو۔ تنہا اس راستے کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کر سکتے۔ اس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ بعض اہل اللہ کا پیر و مرشد کوئی نہ تھا اور وہ بدوں مرشد کے واصل ہو گئے اس کا جواب مولانا نے یہ دیا ہے۔

ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید　　　ہم بعون ہمت مردان رسید

کہ جو لوگ شاذ و نادر اس راہ کو طے کرنے والے نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں تنہا منزل مقصود پر نہیں پہنچے بلکہ کسی کامل مخفی مدد اور پوشیدہ نظر کی برکت سے واصل ہوئے ہیں۔ ایک تو لفظ نادر بڑھا کر بتلا دیا کہ اول تو ظاہر میں بھی اس کا وقوع نادر ہے۔ دوسرے حقیقت کے لحاظ سے وہ بھی تنہا نہیں چل رہا بلکہ کسی کامل کی مدد اس کے ساتھ ہے گو اس کو خبر نہ ہو کہ کون میری مدد کر رہا ہے۔ جیسے آفتاب کی حرارت سے پھل پختہ ہوتا ہے مگر کھانے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ میرے لیے اس کو کس چیز نے پکایا، کس چیز نے تیار کیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1، ص 149)

مولود کے کان میں اذان کہنے کا نکتہ

بعض اہل لطائف نے لکھا ہے کہ مولود کے کان میں جو اذان کہی جاتی ہے اس میں ایک نکتہ، اشارہ اس طرف ہے کہ اس کو سنا رہے ہیں کہ اذان و تکبیر ہو گئی ہے۔ اب جنازہ کی نماز کے منتظر رہو اور یہ بھی حکمت ہے کہ اذان و تکبیر میں اللہ کا نام ہے تو شروع ہی سے اس کے کان میں اللہ کا نام اس لیے لیا جاتا ہے تاکہ استعداد ایمان کی قوی ہو جائے اور شیطان اس سے دور ہو جائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1، ص 169)

شیوخ کامل کا طریق عمل

ہمارے حضرت کا کیا پُر شفقت طرز عمل تھا کہ مریدوں کی حالت کو پیش نظر رکھنا ان کے ہاں سب سے پہلا اصول تھا اگر کوئی قوی الاعضاء سلیم الصحۃ ہوتا تو اس کو پوری مقدار پر وِردِ اسمِ ذات تعلیم فرماتے۔ کسی کو دس ہزار، کسی

کو پانچ ہزار، کسی کو پانچ سو مرتبہ، غرض جس قدر جس میں وسعت ہوتی اس کے موافق اس سے کام لیتے اور اس تشدد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مساجد میں ہر نماز کے بعد لوگ سلام پھیرتے ہی تین ضربیں لاالہ الا اللہ کی لگایا کرتے ہیں تو حقیقت اس کی یہ ہے کہ کسی شیخ نے اپنے کسی بہت ہی ضعیف و کمزور مرید کے واسطے ہر نماز کے بعد یہ ذکر جہر جو تعلیم فرمایا تھا کہ تم سے زیادہ تو کیا ہوگا بس ہر نماز کے بعد تین ضربیں لگالیا کرو۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ لوگوں نے اس کو دیکھ دیکھ کر یہ طریق اختیار کرلیا تھا کہ ہر کس و ناکس ہر نماز کے بعد ایسا ہی کرتا ہے۔ گویا ایک رسم ہے اور دنیا کی اور رسموں کی طرح اس کو بھی پورا کرتے ہیں۔ گویا اس ذکر نے بھی ایک رسم کی صورت اختیار کرلی اور جو اصلی حقیقت اس کی تھی وہ مٹ گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا سے اب حقائق مٹ گئے، رسوم باقی رہ گئے، مگر ابتدا اس عادت کی ضعفاء کی رعایت تھی۔ اس مذاق کے متعلق ہمارے حضرت ہی کا شعر ہے:

گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم　　　　بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں

یعنی وصول کے لیے تو ایک دفعہ بھی اللہ کہہ لینا کافی ہو جاتا ہے۔ کچھ زیادہ ضربیں لگانے ہی پر وصول موقوف نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ تم اپنی ہمت کے موافق طلب ظاہر کرو، جتنی جس میں ہمت ہو اس سے زیادہ نہ کرو۔ غرض یہ ہے کہ حضرت کی تعلیم بہت ہی آسان و سہل ہوتی تھی۔ جس سے مرید کو کسی قسم کی گرانی معلوم نہیں ہوتی تھی، نہایت خوشی سے اوراد و اشغال کو انجام دیتے تھے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1، ص 217)

اعمال میں عزیمت و رخصت

ان متشدد لوگوں کا نظریہ ہے کہ عزیمت پر عمل کرنا اصل حکم شرعی ہے اور موجب اجر کثیر ہے اور رخصت پر عمل کرنا موجب تقلیل اجر ہے اس لیے وہ رخصت پر عمل کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ یہ رخصتیں تو سخت تنگی کے وقت عوام کے لیے ہیں کہ وہ احکام شریعت کی سختی سے تنگ دل نہ ہوں اور ہم تو خواص ہیں۔ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنے کو اجر قلیل کا مستحق بنائیں۔

لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے کہ وہ رخصت کو اصل حکم شرعی نہیں سمجھتے۔ نیز اس کو موجب اجر قلیل خیال کرتے ہیں حالانکہ نصوص فقہیہ صراحتاً اس کے مخالف ہیں۔ یہ مسئلہ مجمع علیہ ہے کہ رخصت و عزیمت جب کہ اپنے موقع پر ہوں،، اجر میں برابر ہیں اور دونوں حکم شرعی ہیں اور ہر ایک حکم اپنی خاص حالت کے واسطے حکم اصلی ہے

اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواص کے واسطے عزیمت پر عمل کرنا اولی وانسب ہے بنسبت رخصت لیکن اپنا تو یہ خیال ہے کہ خواص کو بھی مواقع رخصت پر بنسبت عزیمت کے رخصت پر ہی عمل کرنا اولی وانسب معلوم ہوتا ہے۔

اس وجہ سے کہ خواص کے طرز عمل کو عوام اپنے واسطے نقشہ عمل سمجھتے ہیں، ان کی پیروی جمیع افعال وعبادات میں کرتے ہیں تو جب کہ خواص ایسے مواقع میں عزیمت پر عمل کریں گے اور عوام کو رخصت پر عمل کرنے کی تعلیم کریں گے تو عوام سمجھیں گے کہ اصلی حکم شریعت کا یہی ہے جس کو یہ لوگ کرتے ہیں اور یہ سہل احکام بوجہ سہولت وآسانی ہم کو تعلیم فرمائے گئے ہیں، پھر اس کے ساتھ ایک مقدمہ وہ اپنی طرف سے لگا لیتے ہیں کہ اچھی سہولت ہوئی کہ ایک طرف جس قدر آسانی بڑھائی دوسری طرف اسی قدر ثواب کم کر لیا۔ اب وہ عوام چکر میں ہیں کہ اگر عزیمت پر عمل کرتے ہیں، تو دشواری میں پڑتے ہیں اگرچہ اجر کثیر ملتا ہے اور اگر رخصت پر عمل کرتے ہیں تو اس میں سہولت تو اگرچہ ہے مگر اجر کثیر ہاتھ سے جاتا ہے تو ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسی آسانی سے تو وہ سختی ہی اچھی تھی کہ اس میں یکسوئی اور اطمینان تو ایک جانب پر تھا، اگرچہ سختی وتشدد بھی تھا، مگر اب تو ایک گومگو کی حالت ہو گی کہ اسے اختیار کریں یا نہ کریں

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے ہماری مصلحت ومنفعت کی تکمیل نہیں فرمائی لہٰذا اس قسم کے شبہات سے بچانے اور اعتقاد عوام کو صحیح وسالم رکھنے کے واسطے مناسب یہ ہے کہ خواص بھی رخصت پر عمل کریں اور سخت تعجب ہے کہ خواص اپنی خصوصیت کی وجہ سے اپنے واسطے عزیمت کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اخص الخواص اور احکام خداوندی پر جان دینے والے تھے جن کے نزدیک مشکل سے مشکل کام آسان تھا اور اعلیٰ درجے کی مشقت بھی سہل تھی آپ نے تو اضعاً رخصت ہی پر عمل کیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین الامرین الا اختار ایسرھما

حتی کہ بعض صحابہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رخصت کو سہل سمجھ کر یہ خیال کیا کہ شاید رخصت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہو گی کیونکہ آپ کا بڑا درجہ ہے آپ کو زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہیں اور یہ خصوصیت ظاہر ہے کہ ہم میں نہیں کجا ہم اور کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک (زمین کو عالم پاک سے کیا نسبت)

لہٰذا ہم اس آسانی اور سہولت کے مستحق نہیں ہم کو زیادہ مجاہدہ کرنا چاہیے چنانچہ انہوں نے رخصت پر عمل کرنے سے احتراز کیا اور چاہا کہ عزیمت پر ہی عمل کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے فرمایا کہ:

((ما بال اقوام یتنزھون عن الشیء اصنعہ فواللہ إنی لاعلمھم باللہ وأشدھم لہ خشیۃ))

بخاری و مسلم

ترجمہ: ایسے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس کام سے بچتے ہیں جو میں نے خود سرانجام دیا ہے، اللہ کی قسم! میں ان سے زیادہ علم والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے ایسے ہی قول وارادہ کے موقع پر فرمایا تھا:

" أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي " (متفق علیه)

ترجمہ تم لوگوں میں سے بعض نے ایسا ایسا کہا ہے حالانکہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تقویٰ اختیار کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں اور جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

چنانچہ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بعد رخصت پر عمل کیا۔ تو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت پر عمل کیا اور صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس پر عمل کرنے کے واسطے امر فرمایا تو یہ خیال کرنا کہ خواص کو مواقع رخصت میں عزیمت پر عمل کرنا مناسب ہے ایک بدیہی غلطی ہے کیا کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کرام اعمال شاقہ پر عمل کرنے سے دل تنگ ہونے والے یا شدائد میں پڑنے سے جان چرانے والے تھے۔ خیال تو کجا ایسا وہم بھی معصیت ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مواقع رخصت میں رخصت ہی اصل حکم شرعی ہے۔ لہٰذا ہر زمانہ کے خواص کو مناسب ہے کہ وہ خود بھی مسنون مواقع پر رخصتوں پر عمل کر کے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی تعلیم کریں کہ وہ بھی ان خداداد سہولتوں سے فائدہ مند ہوں، اور یہ خیال نہ کریں کہ رخصت اصلی حکم شرعی نہیں اور نہ اس کا خیال کسی دوسرے کو ہونے دیں۔ نہ کسی اپنے قول سے نہ کسی فعل سے تاکہ لوگوں کی اعمال شرعیہ پر عمل پیرا ہونے کی رغبت بڑھے اور نہایت فرحت اور انبساط کے ساتھ احکام کو قبول کریں۔

جیسے دیوبند کے دو بزرگوں کا واقعہ ہے جن میں ایک اکبر تھے دوسرے کبیر، وہ اکبر مرض وفات میں وضو کیا کرتے تھے ان سے کبیر نے کہا کہ حضرت آپ وضو ایسی حالت میں کیوں کرتے ہیں آپ کے واسطے تو اس وقت تیمم کرنا جائز ہے، آپ تیمم کیجئے تاکہ اس مشقت سے نجات ملے۔ انہوں نے کہا کہ میں عزیمت پر عمل کرتا ہوں۔ ان کبیر نے کہا کہ مولانا اس وقت آپ کا تیمم نہ کرنا اس خیال سے ناشی ہے کہ آپ تیمم کو وضو کے برابر طہارت کاملہ نہیں سمجھتے، ناقص سمجھتے ہیں اور یہ در حقیقت شریعت پر ایک اعتراض ہے کہ شریعت نے ایک عمل ناقص کو ہمارے لئے

تجویز فرمایا اور اس خیال سے عزیمت پر عمل کرنا باعث اجر کیوں ہوا، چنانچہ وہ سمجھ گئے اور پھر رخصت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو دیکھیے تیمم کرنا جائز تھا ان بزرگ نے اس پر عمل نہ کیا اور برابر عزیمت پر عمل کرتے رہے اور وضو کو ہی اصل حکم شرعی سمجھتے رہے حالانکہ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ نے ایسے مواقع تکلیف میں تیمم کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان مواقع میں تیمم وہی کام کرتا ہے جو وضو سے ہوتا ہے۔ یعنی وضو کرنے سے طہارت کاملہ حاصل ہوتی ہے اسی طرح تیمم سے بھی طہارت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد اول صفحہ 219، 230)

امراء کے لچر حیلے

ایک رئیس صاحب کہنے لگے کہ مسجد میں کس طرح جائیں وہاں نہ چٹائی ٹھیک ہے، نہ وہاں فرشی پنکھے کا انتظام ہے، جگہ جگہ کائی جم رہی ہے گھر پر ہر طرح کی آسائش ہے۔ میں نے کہا ذرا سنبھل کر شکایت کرو یہ تم کس کی شکایت کرتے ہو غریبوں کی یا خدا تعالیٰ کی۔ سو غریبوں کی شکایت تو اس لیے نہیں ہو سکتی کہ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ سب سامان کر سکیں۔ خدا تعالیٰ کی شکایت اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ خدا تعالیٰ کا اول تو کام ہی نہیں تمہارا کام ہے، دوسرے خدا تعالیٰ فرشتوں سے یہ کام لیں۔ یہ بھی خدا کا کرنا ہے کہ تم کو حکم دیا خدمت مساجد کا۔ اور اس کے لئے وسعت مالی دی۔ معلوم ہوا کہ تمہاری ہی کوتاہی ہے اس لیے تم اپنی ہی شکایت کر رہے ہو۔ اگر تم مسجد میں جاتے تو تم کو اس کی حس ہوتی اور خیال پیدا ہوتا اور لطف یہ کہ بعضے لوگ مسجد کی مدد تو کیا کرتے، الٹا مسجد کی چیزیں اپنی ملک کے طور پر سمجھتے ہیں اور منگا منگا کر اپنے اپنے کاموں میں لاتے ہیں اور اگر کوئی روک تو اس غریب پر خفگی ہوتی ہے کہ مسجد کیا تمہاری ملک ہے، نہیں صاحب مسجد تمہاری ملک ہے کہ اس کی چیزیں تم خوب استعمال کرو کبھی مسجد میں کچھ دینے کی بھی توفیق ہوئی۔ ایسے لوگوں کی حالت بعینہ اس قصائی کی سی ہے کہ اس کا ایک رشتے دار قصائی مر گیا اس کی بیوی یہ کہہ کر روتی تھی کہ ہائے تیری چھریاں کون لے گا؟ تیرے مویشی کون لے گا؟ وہ شخص ہر بات کے جواب میں بول رہا تھا کہ میں لوں گا۔ اس پر وہ عورت نوحہ میں بولی کہ تیرا قرضہ کون دے گا تو وہ صاحب کہنے لگے بولو بھائی کس کی باری ہے؟

تو یہی حال ہماری مساجد کے ساتھ ہے کہ خدمت کا بار تو دوسروں پر اور چیزیں برتنے والے یہ، حتی کہ بعض لوگ تو تختے بھی لے جاتے ہیں اور یہ تو دین داروں میں بھی مرض ہے کہ مسجد کا گرم پانی منگا لیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مسجد کی یہ حالت تو تمہاری ہی بدولت ہے۔ کہنے لگے مولوی تو مسجد مین فرشی پنکھا لگانے سے منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں تم لگالو۔ کہنے لگے کہ لوگ شور وغل کریں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے۔

میں نے کہا اِن شاء اللہ تعالیٰ چار دن میں جب نماز کی برکت سے قلب پر عبدیت کا اثر ہوگا تم خود ہی اس مخدومیت کو چھوڑ دو گے۔ کسی مولوی کو منع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

حاصل یہ کہ اسی قسم کے لوگ دین صرف اسی کو ہی کہتے ہیں کہ کچھ روپیہ خیرات کر دیا جائے۔ اور بعضے ان سب سے نرالے وہ لوگ ہیں کہ وہ اعمال بدنیہ کریں نہ مالیہ۔ اگر ان کے پاس کچھ سرمایہ ہوا تو اس کو بینک میں جمع کر دیا، ان لوگوں کو منع کیا جاتا ہے تو منع کرنے والوں کو یہ لوگ تاریک خیال کرتے ہیں۔ ایک شخص نے اسی قسم کے ایک صاحب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے تم سود لیتے ہو تو وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میری ذاتیات پر حملہ کرتے ہو۔ سبحان اللہ! امر بالمعروف ذات پر حملہ ہونا ہو گیا۔ آخر جب انہوں نے سمجھایا تو کہنے لگے کہ بھائی یہ وقت جائز ناجائز کی تحقیق کا نہیں ہے اس وقت تو جس طرح ہو سکے روپیہ کمانا چاہیے۔

یہ مذکورہ بالا تو ان لوگوں کی حالت تھی جو دنیا کے مدارس قائم کرتے ہیں اور جو دین کے مدارس کے حامی ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وعظ یا خطابِ خاص سے دوسروں کو ترغیب دی تو ہم کو خود روپیہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔

الدال علی الخیر کفاعلہ کا ہی ثواب بہت ہے۔ الحاصل ہر ایک فرقہ نے اپنے خیال کے موافق دین کا ایک خلاصہ نکال رکھا ہے۔ تو صاحبو! یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد اول صفحہ 337,338)

بیعت کی حقیقت

کانپور میں ایک بزرگ تھے شاہ غلام رسول نما۔ اپنی توجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے ان کے علاوہ اور بھی ایسے لوگ گزرے ہیں۔ وہ لکھنؤ اپنے مرشد کے پاس گئے بیعت ہونے کے لئے مرشد نے استخارہ کے لئے فرمایا۔ شاہ صاحب وہاں سے تھوڑی دور ہٹ کر جا بیٹھے۔ پھر حاضر ہو گئے مرشد نے کہا کہ یہ کیسا استخارہ تھا؟ کہا کہ میں نے بیعت ہونے کے لئے نفس سے کہا کہ بیعت بِک جانے کو کہتے ہیں۔ تو آزادی کو چھوڑ کر غلام بنتا ہے۔ کیوں بے وقوف ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جانے کے بعد خدا تو ملے گا۔ میں نے کہا کہ کیا تیرا اجارہ ہے اگر نہ ملا۔ نفس نے کہا کہ اگر نہ ملے گا تو بلا سے۔ مگر اسے خبر تو ہو گی کہ ہم کو کسی نے طلب کیا تھا مگر ہم نہ ملے۔

بہمینم بس کہ داند ماہرویم　　　　که من نیز از خریدان اویم

یہی کافی ہے کہ میرا محبوب جان لے کہ میں اس کے خریداروں میں سے ہوں مولوی صاحب نے فرمایا جزاک اللہ! ایسا استخارہ کسی نے نہیں کیا۔ ہر کام میں مقصود کام ہی ہونا چاہیے۔ خواہ ثمرہ ملے یا نہ ملے، ہر حالت میں راضی رہنا

چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو تحبون العاجلة میں من وجہ داخل ہوں گے. مسلمانو! آخرت کے لئے عمل کرو ورنہ اس شکایت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 1 صفحہ 378)

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کی ممانعت

اسی طرح اگر کسی حسین عورت پر نظر پڑی۔ اس وقت ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آخرت کے خیال سے نگاہ نیچی کرلیں۔ اکثر لذت نفس کے لیے اس کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ یہ بھی اسی گناہ کی فرد ہے کہ آخرت سے دنیا کو مقدم کیا گیا۔ یا پھر کوئی تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم مجبور ہیں ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آخرت کو دنیا پر مقدم کریں۔ یہ کام تو بزرگوں کا ہے۔ تو یہ لوگ تو گناہ کر کے اپنے کو گناہ گار بھی نہیں سمجھتے۔ اور بعض لوگ گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ بعد میں توبہ کرلیں گے۔ اس غلطی میں بہت کم لوگ مبتلا ہیں مگر یاد رکھو یہ سراسر دھوکہ ہے نفس کا۔

ہم نے مانا کہ توبہ گناہ کے لیے تریاق ہے مگر تریاق کے بھروسہ زہر کھا لینا کتنی بڑی حماقت ہے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو سنکھیا 2 تولہ اس بھروسہ پر کھاتا ہو کہ میرے پاس تریاق ہے بعد میں اسے کھالوں گا اور اگر کوئی ایسا کرتا بھی ہے تو اس کو سب لوگ بے وقوف بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ زہر کا ضرر تو فی الحال تھا اور تریاق کا نافع ہونا فی المآل تھا۔ اور وہ بھی موہوم کیونکہ ممکن ہے کہ زہر کا اتنا قوی اثر ہو جائے جو تریاق سے بھی زائل نہ ہو یا زہر کا اتنا فوری اثر ہو جائے کہ تم کو تریاق کھانے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسی طرح توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا بھی سراسر حماقت ہے کیونکہ معصیت کا ضرر فی الحال ہے اور توبہ کا نفع فی المآل ہے اور وہ بھی موہوم۔ کیا خبر اس گناہ کے بعد حیات بھی ہے یا نہیں چنانچہ بعض لوگوں کے واقعات سنے گئے کہ وہ عین حالتِ زنا میں مر گئے۔ گناہ سے فارغ ہونے کی بھی مہلت نہیں ملی دوسرے ایک مرتبہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر کے پھر اس گناہ کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ پھر توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ توبہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ آئندہ کیلئے پختہ عزم کیا جائے کہ پھر یہ گناہ کبھی نہیں کریں گے۔ محض لفظی توبہ قابل اعتبار نہیں کہ اے اللہ میری توبہ! گناہ کے بعد جب اس کا چسکا لگ جاتا ہے تو توبہ کے وقت یہ کہتا ہے کہ اس توبہ سے کیا نفع۔ کیونکہ کام تو پھر بھی کرنا ہے۔ تو اب توبہ بھی گئی۔ اس وقت نفس یہ وعدہ کرتا ہے کہ اس کام سے جی بھر جائے تو سب گناہوں سے اکٹھی توبہ کرلیں گے مگر یہ وعدہ بھی پورا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے کہ گناہ سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جو بار بار گناہ کرنے سے بڑھتا رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ہر گناہ زنگے ست بر مرآۃ دل   دل شود زیں زنگہا خوار و خجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی   نفس دوں را بیش گردد خیرگی

''ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک زنگ کا داغ ہے۔ جس کی وجہ سے دل ذلیل اور شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اور جب دل کی تاریکی زنگ کی زیادتی سے بڑھ جاتی ہے تو کمینے نفس کی حیرانگی بڑھ جاتی ہے۔''

تو اس زنگ کی ظلمت اتنی غالب ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر کوئی اس سے توبہ کے لیے کہے بھی تو وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ میاں اتنے گناہوں کے سامنے بیچاری توبہ کیا کرے گی۔ اب اس کو رحمت خداوندی سے مایوسی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ بعض محتضرین (یعنی جو حالت نزع میں مبتلا تھے) کو لوگوں نے کہا کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلو انہوں نے یہی جواب دیا کہ میاں اتنے گناہوں کو ایک توبہ کیوں کر مٹا سکتی ہے پھر ظالم اسی حالت میں بدوں توبہ کیے مر گئے تو آپ نے دیکھا کہ یہ کتنا بڑا نفس کا دھوکا ہے کہ توبہ کے بھروسہ گناہ کی رغبت دلاتا ہے۔

صاحبو! خدا سے ڈرو اور نفس کے دھوکہ میں نہ آؤ۔ حدیث میں ہے کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گناہ کو حقیر نہ سمجھو۔ حقیقت میں جو لوگ توبہ کے بھروسہ گناہ پر پیش قدمی کرتے ہیں وہ گناہوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ غرض ہر شخص کے پاس معصیت کے اختیار کرنے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا ایک سبب اور داعی موجود ہے۔ کوئی اس سے بچا ہوا نہیں۔ الا ماشاء اللہ ہر شخص کچھ نہ کچھ سبب نکال لیتا ہے۔ کوئی اپنے کو معذور سمجھ لیتا ہے کوئی توبہ کا سہارا ڈھونڈ لیتا ہے۔ (خطباتِ حکیم الامت جلد 1 صفحہ 392،391)

دوسری جلد کے جواہر

الفاظ قرآن کی حفاظت

صاحبو! الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہو جاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ! خدانخواستہ! یہ لکھے ہوئے مصاحف گم ہو جائیں تو ایک بچہ حافظ قرآن اپنی یاد سے اس کو دوبارہ لکھوا سکتا ہے، بڑوں کا تو کیا ذکر۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 37)

خدا تعالیٰ سے بے تعلقی

واللہ! اللہ تعالیٰ سے تعلق ہم کو بہت کم ہے۔ لوگوں نے صرف وظیفوں اور مقدموں کے لئے خدا تعالیٰ سے تعلق کر رکھا ہے یوں کہیے کہ صرف روٹی کے واسطے خدا سے واسطہ رکھا جاتا ہے۔ اور جب روٹی مل گئی تو اب خدا کی کیا ضرورت ہے اور قرآن کی کیا ضرورت ہے۔ اسی وقت یہ مستیاں سوجھتی ہیں کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع اور جب خدا خود قرآن کا حافظ ہے تو ہم کو اس کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے۔ استغفر اللہ العظیم!

ہمارے قصبہ میں ایک بڑے زمیندار مالدار کا لڑکا نماز پڑھنے لگا اور رمضان میں اعتکاف بھی کرنے لگا اور پھر نماز کے بعد دعا بھی دیر تک کرتا تو اس کا چچا کہنے لگا کہ سوہرا (سسرا) نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے اس کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔ زمین اس کے پاس ہے۔ گھر اس کے پاس ہے۔ بیل، گائے، بھینس ہے۔ اور کیا مانگتا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ خدا سے تو روٹی کے واسطے تعلق ہے۔ جب روٹی کا سب سامان موجود ہے تو اب خدا سے کیا واسطہ، نعوذ باللہ!

حضرت! اس جاہل نے تو زبان سے یہ بات کہہ دی مگر لوگوں کے طرز عمل سے ٹپک رہا ہے کہ عام طور پر آج کل یہی حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق بہت کم ہے۔ بس اپنے مطلب کے واسطے تعلق ہے اور جس کام میں اپنا مطلب کچھ نہ ہو اس میں خدا سے کچھ واسطہ نہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو پھر اگر کسی مخلوق کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو کچھ بھی تعجب نہیں۔

ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک رشتہ منظور کر کے توڑ لیا اور یہ شخص میرا ملنے والا تھا۔ تو میرے نام دوسرے فریق کا خط آیا کہ اپنے مریدوں کو یہی تعلیم دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بس یہ حالت ہے کہ اگر اپنا مطلب نکل

آیاتودوسرے کو غوث اور قُطب بنالیں گے۔اور اپنا مطلب نہ نکلا تو دنیا بھر کی برائیاں اس کے واسطے تصنیف کرلیں گے۔نہ معلوم لوگوں میں سے تہذیب کہاں رخصت ہوگئی۔ بھلااس عقل مند سے کوئی پوچھے کہ لڑکا تمہارا، لڑکی دوسرے کی، بیچ میں مجھے گالیاں دینے کو کیوں رکھا گیا۔اور خود لڑکی والے کو بھی برابھلا کہنے کا اس کو کیا حق تھا کیونکہ اگر کوئی پیام منظور کر کے توڑدے تواس میں اس نے کون سا جرم کیا۔ تمہارا قرض دبالیا۔زمین چھین لی۔آخر کیا کیا؟ اپنی اولاد کے واسطے ہر شخص بھلائی کا طالب ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اب اس کے نزدیک تمہارا پیام منظور کرنا مصلحت نہ رہا ہو۔اس میں برا ماننے اور دوسرے کو برا کہنے کی کیا بات ہے۔ مگر لوگوں سے آج کل تہذیب رخصت ہوگئی۔اپنے مطلب کے سامنے کسی کی آبرو کی کچھ حقیقت سمجھتے ہیں نہ ایذارسانی کی پرواہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ابھی ایک دوسرا خط ایک شخص کا آیا ہے۔ جس میں کم بخت نے حق تعالیٰ کی شان میں بڑی گستاخی کی ہے۔پھرنا معقول پوچھتا ہے کہ میں کافر تو نہیں ہوا۔ کم بخت مردود ابھی بھی کفر میں شک کرتا ہے اسلام ایسی سستی چیز ہے کہ تم اس کو دھکے دے دو اور وہ لپٹا ہی رہے۔جب خدا تعالیٰ کے ساتھ لوگوں کے تعلق کا یہ حال ہے۔تو مجھ ناچیز کے ساتھ اگر کوئی ایسا کرے تو کیا شکایت کی جائے۔اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایک لاکھ روپے دے دیں تو بس اللہ میاں سے خوش ہیں اور اللہ میاں شکر کے بھی مستحق ہیں اور تعریف کے بھی۔اور اگر ذرا روٹیوں میں کسر آجائے۔تو اللہ میاں نعوذ باللہ نہ شکر کے مستحق ہیں نہ تعریف کے بلکہ الٹی شکایت اور گستاخی پر اتر آتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 43،44)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حافظہ اور قوت

دیکھیے سب سے پہلے معانی قرآن کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا ہے مگر وہاں بھی بواسطہ الفاظ کے ہوا ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الفاظ کا اس قدر اہتمام تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حافظہ بہت قوی تھا بلکہ سارے ہی قویٰ مضبوط تھے کہ تریسٹھ سال کی عمر میں بھی آپ کے بال کچھ ہی سفید ہوئے تھے جو بیس سے زیادہ نہ تھے۔باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افکار سب سے زیادہ تھے کیونکہ جس قوم میں آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام شروع کی وہ سب کی سب جاہل تھی اور شریعت کے نام سے واقف بھی نہ تھی۔آپ ﷺ نے تنہا اس قوم میں توحید اسلام کی دعوت شروع کی۔ابتداء میں سب کے سب آپ ﷺ کے مخالف ہوگئے اور دو چار کے سوا کوئی موافق نہ ہوا۔خیال کرلیجئے کہ ایسی حالت میں تنہا آدمی کو کتنے بڑے فکر کا سامنا ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ شفیق مہربان بھی ہو اور اپنی قوم

کی اصلاح کا دل سے طالب بھی ہو اس کو ایسی جاہل قوم کی اصلاح کی تدابیر سوچنے میں کتنے بڑے فکر کا سامنا ہوا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ بجا آپ کو فرماتے ہیں:

- لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ :ترجمہ: تم کچھ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔
- وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ترجمہ: اور اے پیغمبر تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔
- وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ: ترجمہ: اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں۔
- لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ترجمہ: (اے حبیب!) کہیں آپ اپنی جان کو ختم نہ کر دو اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

کیا آپ ان کی فکر میں اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اور کبھی فرماتے ہیں کہ آپ ان پر مسلط کر کے نہیں بھیجے گئے، آپ سے ان کے متعلق یہ سوال نہ ہو گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے بس آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ إن عليك الا البلاغ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کا بڑا غم تھا اور سب سے بڑھ کر غم آخرت کا تھا جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو فکر آخرت کا کچھ حاصل ہوا ہو۔

(خطباتِ حکیم الامت جلد 2 صفحہ 46، 47)

اہل اللہ کی راحت کا راز

اور ان کی دعا کرنے سے تجویز کا شبہ نہ کیا جائے۔ دعا اہل اللہ بھی کرتے ہیں اور دنیا والے بھی۔ مگر اہل اللہ کی دعا ایک وجہ خاص سے دنیا والوں کی دعا سے جدا ہے اور وہ وجہ خاص ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ بزرگ ہیں اور تم بزرگ نہیں۔ گو ظاہر میں تم ان سے زیادہ ما تھا رگڑتے ہو اور گھنٹوں دعا میں گڑگڑاتے ہو۔ اسی کو شاعر کہتا ہے۔

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد　　　بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

معشوق وہ نہیں جو اچھے بال اور پتلی کمر رکھتا ہو۔ حسین وہ کہ اس میں کچھ آن ہو۔

اور کہتے ہیں

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جاست　　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ روشن کرے وہ دلبری بھی جانتا ہو نہ یہ ضروری ہے کہ جس کے پاس آئینہ ہو وہ سکندر بھی ہو۔ اس جگہ ہزاروں نکتے بال سے زیادہ باریک تر ہیں نہ یہ ضروری کہ جو شخص سر منڈائے وہ قلندر بھی ہو۔)

وہ آن یہ ہے کہ اہل اللہ دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ مانگتے ہیں مگر رضا باللہ کے ساتھ کہ اگر دعا قبول نہ بھی ہوئی تب بھی اللہ تعالیٰ سے اسی طرح رہیں گے جیسے دعا سے پہلے تھے۔ وہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جائے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ سو جس شخص کا یہ حال ہو اس کے برابر کس کو راحت ہو سکتی ہے۔ واللہ سلاطین کو اہل اللہ کی راحت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ پھر جس وقت وہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہوتے ہیں اس وقت کی راحت کو تو کچھ نہ پوچھئے۔ اس کا اندازہ تو اہل اللہ کا دل ہی کر سکتا ہے۔ جس کا کچھ پتہ ان کے اقوال سے ملتا ہے۔

عارف فرماتے ہیں۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ۔۔۔ کہ ناز بر فلک و حکم بستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں)

اور فرماتے ہیں۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ۔۔۔ بہ ازاں کے چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(ایک ساعت ایک لمحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا، دن بھر کی دار و گیر شاہی سے بہتر ہے)

یہ تو راحت کا حال تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2، ص 73،74)

اخلاص کی قدر و قیمت

مگر اہل دنیا ان حضرات کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ معمولی ہدیہ سے پیر صاحب کیا خوش ہوں گے کوئی قیمتی ہدیہ لے جانا چاہئے۔ حالانکہ میں سچ کہتا ہوں کہ اہل اللہ کے ہاں تمہاری قیمتی چیزوں کی کچھ قیمت نہیں۔ ان کے ہاں تو اخلاص کی قدر و قیمت ہے۔ اخلاص کے ساتھ اگر ایک پیسہ کی چیز بھی لے جاؤ تو اس کو سر پر رکھیں گے اور خالی ہاتھ چلے جاؤ تو اس کی بھی قدر کریں گے۔ اور بدون اخلاص کے ہزاروں کی بھی ان کی نظر میں خاک وقعت نہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ دوسرے بزرگ سے ملنے کو چلے۔ چونکہ ہاتھ میں پیسہ نہ تھا اس لیے خالی ہاتھ ہی چل پڑے۔ کوئی ہدیہ ساتھ نہ لیا۔ آج کل تو اگر ہدیہ ساتھ نہ ہو تو بزرگوں کی زیارت ہی نہیں کرتے یہ قلت محبت کی دلیل ہے۔ غرض راستہ میں ان کے دل نے محبت کی وجہ سے تقاضہ کیا کہ بزرگ کے لیے کچھ ہدیہ ساتھ لینا چاہیے پھر دل میں آیا اور کچھ نہیں تو جنگل سے لکڑیاں ہی جمع کر لینا چاہیے۔ شیخ کے حمام میں کام آ جائیں گی۔ چنانچہ لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر کے چلے اور پیش کر کے عرض کر دیا کہ یہ حضرت کے لیے ہدیہ ہے۔ میں نے راستہ میں سے

آپ کے حمام کے لئے جمع کر لیا تھا۔ کیونکہ دل نے تقاضا کیا کہ کچھ ہدیہ لے کر چلوں۔ شیخ نے خادم سے فرمایا کہ یہ ہدیہ نہایت خلوص کا ہے ان لکڑیوں کو حفاظت سے رکھو۔ میرے انتقال کے بعد ان سے پانی گرم کر کے ہم کو غسل دیا جائے شاید اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے میری مغفرت فرمادیں۔ تو دیکھئے ظاہر میں ہدیہ معمولی تھا مگر اخلاص کی وجہ سے ان بزرگ نے اس کی کیسی قدر کی کہ اپنے غسل بعد الموت کے لیے اس کو حفاظت سے رکھا کہ شاید اسی سے مغفرت ہو جائے۔ اس سے اہل اللہ کے مذاق کا اندازہ کر سکتے ہیں ہیں۔ پس ان کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ وہ بھی ان خرافات سے خوش ہوتے ہیں جن سے تم خوش ہوتے ہو۔ (خطبات حکیم الامت صفحہ صفحہ 77،78)

سماع کی شرائط

اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر سماع اور قوالی نہیں ہوتی محض قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی بتلائی جاتی ہے کہ شیخ متبع سنت بہت تھے۔ اس لئے قبر پر قوالی نہیں ہوتی۔ اس جواب میں ان لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ سماع اور قوالی اور پختہ قبر بنانا یہ سب افعال خلاف سنت ہیں۔ جبھی تو تم اس بزرگ کی قبر پر یہ نہیں کرتے جس کو کامل متبع سنت سمجھتے ہو۔ گو یہ لوگ اس نیت سے کہ یہ امور خلافِ سنت ہیں یہ جواب نہ دیتے ہوں مگر سچی بات تو بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے اور اہل انصاف تو صاف صاف اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں۔

چنانچہ میں ایک بار حضرت شاہ سلطان نظام الدین قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں پر سماع کا سامان جمع کیا جارہا تھا۔ میں فاتحہ پڑھ کر چلنے لگا، تو بعض اہل سماع نے مجھے روکا کہ آپ سماع میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ آپ بھی تو چشتی ہیں اور چشتیہ تو سب صاحب سماع ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے شریک نہیں ہوتا کہ سلطان جی ناراض ہو جائیں گے۔ کہا کیوں؟ سلطان جی تو خود صاحب سماع تھے میں نے کہا ہاں! مگر سلطان جی نے اپنے رسالہ فوائد الفواد میں سماع کی چار شرطیں لکھی ہیں۔

1-سامع۔2- مسمع۔3- مسموع۔4-آلہ سماع

سامع کے متعلق فرمایا کہ اہل ہوی و شہوت نباشد (خواہش نفسانی اور شہوت پرست نہ ہو) اور مسمع کی سبت ارشاد ہے کہ کہ "مرد تمام باشد، زن وکودک نباشد" (تمام مرد ہوں اور عورتیں اور بچے نہ ہوں) اور مسموع میں شرط لگائی ہے کہ "ہزل و فحش نباشد" (بے ہودہ اور فحش کلام نہ ہو) اور آلہ سماع کے باب میں فرمایا کہ "چنگ و رباب درمیان نباشد" (آلات سماع وساز نہ ہو)

اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں یہ شرائط مجتمع نہیں۔ تو مجھ میں حضرت کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں۔ بس یہ جواب سن کر سب شرمندہ ہو گئے۔ اگر میں عام مولویوں کی طرح بحث کرنے لگتا کہ سماع مطلقاً حرام ہے تو کوئی میری

بات کو نہ سنتا۔ مگر اس نرمی کے جواب کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اقرار کر لیا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو اور جیسا سماع ہم سنتے ہیں وہ بزرگوں کی شرائط کے خلاف ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 79،80)

پختہ قبروں کی ممانعت

غرض اہل انصاف تو التزاماً اور اور اہل عناد لزوماً حق کا اقرار کر ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ مجاوروں نے من حیث اندوان اقرار کر ہی لیا کہ قبر پختہ بنانا شریعت میں ممنوع ہے۔ اور اس کے ممنوع ہونے کی ایک اور حکمت سمجھو، وہ یہ کہ پکی قبر بنانے سے جو شریعت نے منع کیا ہے حقیقت میں یہ ہم پر بڑا احسان کیا۔ کیونکہ اگر ابتدا سے اس وقت تک سب قبریں پختہ ہی ہوتیں تو آدمیوں کو تو رہنے کے لیے بھی جگہ نہ ملتی۔ نہ زراعت کے لیے زمین ملتی۔ کیوں کہ مردے اس قدر گزر چکے ہیں کہ کوئی حصہ زمین کا مردوں سے خالی نہیں۔ بتلایئے اگر سب کی قبریں پختہ ہوتیں تو ہمارے لئے کہاں ٹھکانہ ہوتا۔ بس قبروں کے اوپر دو منزلہ سہ منزلہ مکان بناتے جو ایک پہاڑ سا ہو جاتا۔ اور کچی قبر میں تو یہ بات ہے کہ جب نشان مٹ گیا تو اب وہاں دوسری قبر بنا سکتے ہیں اور اگر زمین وقف نہ ہو تو اس پر اتنی مدت کے بعد زراعت بھی کر سکتے ہیں۔ جس میں یہ یقین ہو جائے کہ مردہ کا جسم خاک خوردہ ہو گیا ہو گا۔ اور یہ بات کہ ہر جگہ مردے ہیں زندوں، مردوں کی مردم شماری پر نظر کر کے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ جب ایک زمانہ میں اتنے آدمی مجتمع ہیں تو اس چھ، سات ہزار سال کی مدت میں کس قدر بے شمار ہوں گے۔ اور ہر شخص کی قبر کے لیے کتنی جگہ ضروری ہوتی ہے۔ تو زمین میں اتنی جگہ کہاں تھی اور اسی حساب پر نظر کر کے اہل سائنس یہ کہتے ہیں کہ اگر آج سب زندہ ہوتے تو اس زمین پر رہنے کو جگہ نہ ملتی۔ غرض قبروں کے پختہ ہونے سے یہ تنگی ہوتی۔ اور اب تو ان ہی کے دفن ہونے کی جگہ میں سب بس رہے ہیں۔ ان ہی کے بدفن بلکہ خود ان کے جسد کی مٹی سے مکان بنا رہے ہیں، برتن بنا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے گھروں کے گھڑے، صراحی، پیالے ہمارے بزرگوں کی مٹی کے بنے ہوئے ہوں۔

چنانچہ ایک اہل کشف کا قصہ یاد آیا۔ ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب کا گزر ہوا جو صاحب کشف تھے، اس گاؤں میں ایک عجیب آبخورہ تھا جس میں پانی ہر موسم میں گرم رہتا تھا حتی کہ چلہ کے جاڑوں میں بھی۔ ان مولوی صاحب سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔ انہوں نے فرمایا اس کو میرے پاس چھوڑ دو۔ چنانچہ ایک شب ان کے پاس رہا صبح کو جو دیکھا تو اس میں پانی ٹھنڈا تھا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا یہ ایک گناہگار دوزخی کی مٹی کا بنا ہوا تھا آج میں نے دعا کی، اس کی مغفرت ہو گئی۔ اس لئے پانی ٹھنڈا ہو گیا۔ تو قبر کا پختہ بنانا ان مفاسد پر مشتمل ہے۔ علاوہ اس کے موت تو مٹانے ہی کے واسطے ہے۔ اس کے بعد بقاء کا سامان کرنا ایک امر فضول ہے۔ (خطبات حکیم الامت، جلد 2 ص 81)

حقیقت قلندری

قلندر صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے اس کو اہل فن سے دریافت کرو۔ چنانچہ اس فن میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بعض کتابیں بہت ہی عمدہ ہیں جیسے عوارف المعارف وغیرہ۔ ان میں اس اصطلاح کی حقیقت بہت وضاحت سے لکھی گئی ہے قلندر اس کو کہتے ہیں جو ظاہری عبادت میں تقلیل کرے کہ جس پر ذکر و فکر۔ نوافل و مستحبات سے زیادہ غالب ہو یعنی وہ نفلیں زیادہ نہیں پڑھتا بلکہ ذکر اللہ زیادہ کرتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ فرائض و واجبات کو بھی ترک کر دیتا ہے مگر آج کل تو قلندر اسے کہتے ہیں کہ جو چار ابرو کا صفایا کر دے اور سر منڈا دے۔ ایسی قلندری تو بہت سستی ہے حکام کو دو پیسہ دے کر جس کا جی چاہے قلندر بن جائے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک ترز موایں جاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ روشن کرے وہ دلبری بھی جانتا ہو، نہ یہ ضروری ہے کہ جس کے پاس آئینہ ہو وہ سکندر بھی ہو، اس جگہ ہزاروں نکتے بال سے باریک تر ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جو شخص سر منڈائے وہ قلندری بھی جانتا ہو)

اور قلندر کے مقابل ایک دوسرا فرقہ بھی ہے جس کو ملامتی کہتے ہیں۔ یہ بھی اصطلاحی لفظ ہے۔ ملامتی وہ ہے جو اعمال میں تکثیر تو کرتا ہے مگر ان کے اخفاء کا اہتمام کرتا ہے جس سے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو دوسروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ یہ کیسے بزرگ ہیں۔ مگر آج کل اس کے معنی بھی لوگوں نے بگاڑ دیئے۔ اب ملامتی اسے کہتے ہیں جو شراب و کباب اور زناکاری کے ساتھ تصوف کا دم بھرتا ہو۔ غرض یہ الفاظ اصطلاحی ہیں۔ ان کے معنی اہل فن سے پوچھو۔ تم کو اپنی طرف سے معنی بیان کرنے کا حق نہیں۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ لا مشاحة فی الاصطلاح ہم کو اپنی جدا اصطلاح قائم کرنے کا حق ہے تو پھر میں کہوں گا کہ تمہاری اصطلاحی قلندری کو دین سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ شریعت میں اس کو زندقہ اور بے دینی کا لقب دیا گیا ہے۔ اور آیت کے جو معنے تم نے بیان کئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ یقین سے ولایت کا خاص درجہ مراد لینا تمہاری اصطلاح ہے اور قرآن تمہاری اصطلاحات میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ لغات عرب میں نازل ہوا ہے اور کتب لغت تمہارے سامنے ہیں۔ لغت کی کتاب سے بتلاؤ کہ یہ معنی کس نے لکھے ہیں ورنہ ہم بتلاتے ہیں کہ جب یہ ایقان کا فاعل ہوتا ہے تو اس کے معنی موت کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جمہور مفسرین اسی بناء پر بیان کرتے ہیں کہ یقین سے موت مراد ہے۔ یہ تو لغوی دلیل ہے۔

دوسری ایک شرعی دلیل ان کے پاس نہایت قوی موجود ہے یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرائض پر وعیدیں فرمائی ہیں ان سے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ پس یہ خیال غلط ہے کی عبادات وطاعات ظاہرہ کسی مقام پر معاف ہو جاتی ہیں۔ بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ جس قدر قرب بڑھتا ہے اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ عوام سے ترک مستحبات وسنن غیر مؤکدہ کے ترک پر مواخذہ نہیں ہوتا اور مقرب سے ذرا سی مخالفت سنت پر مواخذہ ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ گنواروں سے حکام کے اجلاس میں بے تمیزی کی باتیں صادر ہوں تو کچھ مواخذہ نہیں کیا جاتا اور پیش کار ذرا بے موقع ایک بات کہہ دے یا بلاوجہ ہنس پڑے تو اس کی مصیبت آجاتی ہے:

نزدیکاں رابیش بود حیرانی (مقربین کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے)

پھر حیرت پر حیرت ہے کہ خدا کا مقرب ہو کر بندہ بالکل آزاد ہو جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صورت مقصود نہیں بلکہ معنی مقصود ہے جب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز روزہ معاف اور ساقط ہو جائے کیونکہ معنی کی انواع مختلف ہیں۔ جیسے شیرینی کی اقسام مختلف ہیں ایک شیرینی امرود کی ہے۔ ایک انار کی، ایک آم کی، ایک گنے کی۔ ظاہر ہے کہ شیرینی کی جنس مشترک ہے مگر انواع مختلف ہیں۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گنا چوسنے سے انار اور آم کی شیرینی حاصل ہو سکتی ہے؟ ہر گز نہیں! اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جس معنی کو آپ مقصود سمجھے ہوئے ہیں ان کی انواع مختلف ہیں۔ ایک روح نماز کی ہے، وہ نماز ہی سے حاصل ہو گی۔ ایک روح صوم کی ہے، وہ روزہ ہی سے حاصل ہو گی۔ ایک روح تلاوت قرآن کی ہے وہ تلاوت قرآن ہی سے حاصل ہو گی یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف ذکر قلبی سے نماز کی روح حاصل ہو جائے اور روزہ کی بھی اور تلاوت قرآن کی بھی۔ پس میں نے مانا کہ معنی مقصود ہیں مگر وہ معنی بدون ان خاص صورتوں کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اب جو شخص بدون نماز کے یہ دعویٰ کرے کہ مجھے نماز کی روح حاصل ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسے کوئی گنا چوس کر یہ کہے کہ مجھے انار و آم کی شیرینی کا مزہ حاصل ہے۔ پس درویش کان کھول کر سن لیں کہ نماز اور تلاوت قرآن کی روح نماز پڑھنے اور قرآن پڑھنے ہی سے حاصل ہو گی۔ بدون اس کے قیامت تک ان کی روح حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان کو بھی تلاوت قرآن لازم ہے اس کا خاص طور سے اہتمام کریں اور محض ذکر پر کفایت نہ کریں۔ یہ درویشوں کی غلطی تھی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 2، صفحہ 85،86،87)

عُجب و کبر

اصل راز ایسے گستاخانہ سوالات کا یہ ہے کہ لوگوں میں آج کل عجب و کبر غالب ہے۔ انقیاد کا مادہ مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اسی لیے احکام شرعیہ کو عبدیت کے طور پر ماننے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ اور ایک احکام شرعیہ ہی میں کیا اس

عدم انقیاد اور عجب و کبر کا مذاق ہر معاملہ میں جھلک رہا ہے۔ حتی کہ اگر کسی امر میں اپنی کوئی غلطی بھی محسوس ہو جائے اور اس غلطی کے اعتراف کے لیے مادہ بھی ایسا تجویز کیا ہے جس سے ذرہ برابر ندامت و تواضع نہیں معلوم ہوتی۔ بس چند الفاظ ضابطہ کے دہرا لینا کافی سمجھتے ہیں اور شان کی اس میں بھی حفاظت رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ آج کل کی تہذیب میں معافی چاہنے کا ایسا ہی عجیب طریقہ مشاہد ہے کسی کم بخت کا ان کے ہاتھ سے کیسا ہی نقصان ہو جائے۔ بس اتنا کہ کر چھوٹ گئے کہ میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کا نقصان ہو گیا۔ سبحان اللہ کسی کے جوتے مار لئے اور یہ کہ کر الگ ہو گئے کہ میں افسوس کرتا ہوں۔

مجھے اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شخص کی داڑھ میں درد تھا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گئے کہ اس داڑھ کو نکال دو۔ نہ معلوم ڈاکٹر سے کیا غلطی ہوئی کہ اس نے وہ ڈاڑھ تو نہ نکالی اس کے بجائے ایک اچھی ڈاڑھ نکال دی۔ جس کے نکالتے ہی یہ شخص فوراً اندھا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ وہ بولے کہ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس غریب کی تو آنکھ گئی اور انہوں نے افسوس کر کے بزعم خود اس کی تلافی کر دی۔ پھر غضب یہ کہ افسوس دل سے نہیں کرتے۔ ان کا لہجہ افسوس میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے فرعونیت ٹپکتی ہے۔

کانپور میں ایک طالب علم نے ایک مدرس کی شان میں گستاخی کی تھی۔ مقدمہ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ استاد سے معافی مانگو ورنہ تم کو مدرسہ سے نکال دیا جائے گا۔ وہ معافی چاہنے پر راضی ہوا مگر معافی کی یہ صورت تھی کہ آپ دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے تن کر کھڑے ہو گئے اور زبان سے کہا کہ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ صورت دیکھ کر غصہ آ گیا۔ میں نے دو تین طمانچے لگائے کہ گستاخ یہ طریقہ ہوتا ہے معافی چاہنے کا۔ آگے ہاتھ جوڑ، پیر پکڑ، ورنہ ابھی مدرسے سے نکال دوں گا۔ یہ آجکل کی تہذیب کا اثر ہے جو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ معافی اس طرح چاہتے ہیں جس میں ندامت نام کو بھی نہیں ہوتی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 113،114)

نسبت مع اللہ

یہ مضمون اس پر بیان ہوا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضرر سے بچنے کے لئے یا کسی دنیوی منفعت کے لیے تعویذ وغیرہ کرنا مطلقاً جائز ہے۔ خواہ اس میں شیاطین ہی سے استعانت ہو یہ بالکل غلط ہے اور میں نے یہ بیان کیا تھا کہ دنیوی مضرت کا اعتبار نہیں اصل مضرت حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے مگر اس کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں یہ خیال کر لیا ہے کہ ابھی حق تعالیٰ سے ملاقات تھوڑا ہی ہو رہی ہے گناہ کر کے توبہ کر لیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اول تو حق تعالیٰ سے ملنے کا وقت کسی کو معلوم نہیں شاید، ہمین نفس واپسی بود، اگر تم کو ایسا ہی زندگی پر بھروسا ہے تو یہ کونسی عقلمندی ہے کہ توبہ کے سہارے گناہوں کا ارتکاب کیا جائے تو اس کی وہ مثال ہے جیسے

کوئی تریاق کے بھروسہ سنکھیا کھانا چاہے یا منتر جاننے کی وجہ سے سانپ سے کٹوانا چاہے کہ زہر کھا کر تریاق کھالوں گا یا سانپ کے کاٹنے کے بعد منتر سے جھاڑلوں گا تو کیا جو لوگ توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے ہیں وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں! علاوہ اس کے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق بھی تو ہے تو کیا اس کا مقتضا یہی ہے۔

صاحبو! اگر کسی عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا محبوب فلاں کام سے ناراض ہوتا ہے تو اس کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ابھی تو محبوب کی ملاقات میں دیر ہے لاؤ اس کام کو کرلوں صاحبو! عاشق سے یہ کبھی نہیں ہو سکتا اس کی محبت ہرگز محبوب کے خلاف رضا کام کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ گو ملاقات میں کتنی ہی دیر ہو بلکہ گو ملاقات بھی ہونے والی نہ ہو۔ پھر افسوس ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہم اس کے خلاف برتاؤ کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پوری محبت ہی نہیں ہے تو اس صورت میں شکایت اور زیادہ ہو گی کہ ہم کو بیوی اور بال بچوں سے تو کیسی محبت ہے ایک ادنیٰ حسین صورت سے ہم کو کیسا تعلق ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے ہم کو اس درجہ کی محبت نہ ہو جو کہ جلال و کمال و نوال میں سب سے زیادہ کامل ہو اور جو کچھ دوسروں میں ہے سب اسی کا عطاء کیا ہوا ہے۔ (حکیم الامت جلد 2 صفحہ 121ء 122)

سفلی وعلوی عمل

میں یہ مضمون سحر کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ نفع کی نیت سے حرام عمل جائز نہیں ہو جاتا پس سفلی عمل تو اپنی حقیقت ہی کے اعتبار سے گناہ ہے گو نیت کیسی ہی اچھی ہو مگر علوی عمل بھی مطلقاً جائز نہیں اگر کوئی علوی عمل پڑھے تو اس کو دیکھنا چاہئے کہ نیت کیا ہے اگر مباح کام کے واسطے پڑھا جائے تو جائز ہے جیسے حلال نوکری کے واسطے پڑھے یا کوئی شخص مقروض ہو وہ ادائے قرض کے واسطے عمل پڑھے۔ اور اگر مثلاً کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کے واسطے پڑھا ہے تو حرام ہے۔ اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے تب تو حرام ہے اور اگر نکاح کے لیے مسخر کرنا ہے تب چونکہ اس سے نکاح کرنا اس کے ذمہ واجب نہیں وہ بھی جائز نہیں ہاں اگر کسی کی بیوی نافرمان ہو اس کے مسخر کرنے کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے۔ اسی طرح کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اس کا مسخر کرنا بھی۔ لیکن بعض افراد اس کے بہت نازک ہیں اکثر لوگ ان کو علی الاطلاق جائز سمجھتے ہیں مگر فقہاء نے ان کو بھی حرام لکھا ہے ہے مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کو تابعدار بنانے کے واسطے عمل پڑھے تو اس میں تفصیل ہے اگر وہ ادائے حقوق میں کمی کرتا ہے تو اس درجہ کے حاصل کرنے کے واسطے جائز ہے اور اگر حقوق ادا کرتا ہے تو محض عاشق و مفتون بنانے کے واسطے عمل کرنا جائز نہیں اسی طرح کسی امیر آدمی کے واسطے عمل پڑھنا کہ وہ ہم کو 50 روپے دے ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی امیر پر ہمارے روپے آتے ہوں اور وہ ٹالتا ہو اس وقت اگر علوی عمل اس غرض سے کیا جائے کہ وہ ہمارا قرض ادا کر دے تو جائز ہے لیکن محض اس وجہ سے عمل پڑھنا کہ وہ ہمارا مسخر ہو جائے کہ جب ہم ملا کریں وہ ہم کو پچاس روپے دے دے یہ بالکل حرام

ہے خواہ اس کے لئے عمل کیا جائے یا تصرف کے طور پر توجہ کی جائے دونوں حرام ہیں مگر اس کو لوگ عموماً حرام نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو تو مشائخ کے کمالات میں بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمارے حضرت نے ایک عمارت بنانا شروع کی تھی اس میں ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ بس ایک رئیس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے ذرا سی توجہ اس کے اوپر ڈالی۔ فوراً ہزار روپے کا نوٹ نذر کر دیا بڑے ہی صاحب تصرف ہیں۔ یاد رکھو کہ جو شیخ ایسا ہو وہ رہزن ہے، وہ ڈاکو ہے، توجہ ڈال کر کسی سے روپیہ وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈرا دھمکا کر چھین لینا کیونکہ توجہ دینے سے وہ شخص بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور محض توجہ کے دباؤ سے نذر پیش کرتا ہے اور مسلمانوں کا مال بدون طیب قلب کے لینا ہرگز جائز نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 130ء 131)

کشف کے خطرات

دوسرے جو لوگ کشف وغیرہ کے زیادہ معتقد ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ شیطان تمسخر بھی کرتا ہے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ شیطان کو تخیل میں تصرف کرنے کی بڑی قدرت حاصل ہے۔ وہ خیالی آسمان ذاکر کو دکھلا دیتا ہے جس میں نور اور تجلی اور فرشتے سب کچھ نظر آتے ہیں۔ جس کو یہ ذاکر جو کیفیات و کشف وغیرہ کا معتقد ہے حقیقی آسمان اور سچ مچ کے فرشتے سمجھنے لگتا ہے۔ اس لیے محققین نے لکھا ہے کہ کشف کا راستہ بہت خطرناک ہے۔ اس میں شیطان کو دھوکا دینے کا بہت موقع ملتا ہے۔

اسی کو عارف شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے است ہشدار و گوش رابہ پیام سروش دار

(طریق باطن میں شیطان کے وساوس اور خطرات ہیں ان سے بچنا چاہتے ہو تو ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو)

بعض لوگ حافظ کو رند بتلاتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی آنکھیں ہی نہیں۔ حافظ کے کلام میں سلوک کے مسائل بکثرت ہیں اور یہ نہیں کہ یہ مسائل محض اعتقاد کی وجہ سے ہم نے ان کے کلام سے سے نکال لیے بلکہ واقعی ان کا کلام تصوف سے بھرا ہوا ہے۔ ورنہ کسی دوسرے کے کلام سے سے تو کوئی یہ مسائل نکال دے۔ بات یہ ہے کہ جب تک اندر کچھ نہیں ہوتا اس وقت تک کوئی نکال بھی نہیں سکتا۔ تو حافظ فرماتے ہیں کہ اس راستہ میں شیطان کے وسوسے بہت ہیں بس سالک کو ہوشیار ہو کر پیام سروش کی طرف کان لگائے رہنا چاہیے۔ پیام سروش سے مراد ہاتف نہیں ہے ممکن ہے بعض لوگ یہی سمجھے ہوں اور اپنے دل میں خوش ہوں کہ اس سے تو کشف پر اعتماد کرنے کی تعلیم حاصل ہوئی۔ نہیں! بلکہ یہاں سروش سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور پیام سروش سے مراد وحی ہے جو کہ

جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ وحی کا اتباع کرنا چاہیے۔ پھر شیطان کے وسوسے کارگر نہ ہوں گے۔ غرض کشف میں یہ خطرے ہیں اور جس کو کشف ہی نہ ہوتا ہو اس کو شیطان کیا دھوکا دے لے گا۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ سحر وغیرہ کا مدار تخیل پر ہے تو اب سمجھئے کہ عورتوں کا تخیل مرد سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو ان کو عقل کم ہوتی ہے اور کم عقل آدمی کو جو کچھ بتلا دو وہ اس کے خیال میں جلدی جم جاتا ہے اسے جانب مخالف کا وہم ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے ان کی معلومات بھی بنسبت مردوں کے کم ہوتی ہیں ان کا خیال زیادہ منتشر نہیں ہوتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 138)

مجذوب اور سالک کا فرق

مگر ایسے اقطاب مجذوبین ہوتے ہیں۔ سالک ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ سالک شریعت کا مکلّف ہے اور شرعاً کفار کی حمایت واعانت مسلمانوں کے مقابلہ میں بالکل حرام ہے۔ اور مجذوبین مکلف نہیں ہوتے مگر رتبہ میں اول سالکین ہی ہیں۔

مجذوبوں کی مثال ایسی ہے جیسے سپاہی اور کوتوال کہ ان کے سپرد شہر کا انتظام ہوتا ہے شہر کے تمام حالات کی اطلاع ان کو ہوتی رہتی ہے۔ اور سالک کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محبوب کہ اسے شہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں بادشاہ کا مزاج شناس اس درجہ ہوتا ہے کہ کوتوال کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

سلطان محمود کو ایاز سے خاص محبت تھی حالانکہ اس کی معلومات سلطنت کے متعلق ہر گز وزیر کے برابر نہ تھی بلکہ نظام سلطنت کے متعلق ہزاروں آدمی اس سے زیادہ باخبر تھے اس لیے لوگوں کو حیرت تھی کہ سلطان ایاز کو اتنا کیوں چاہتے ہیں مگر ایاز میں ایک ایسی بات تھی کہ وزیر کو اس کی ہوا بھی نہ لگتی تھی اور وہ یہ کہ سلطان کا مزاج شناس تھا اگر اس سے شہر کے حالات دریافت کرو تو اسے کچھ بھی علم نہ تھا لیکن محمود کا مزاج پوچھو تو اس سے زیادہ اس کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اوقات ایاز ہی محمود سے بات کر سکتا تھا اور کسی کی مجال نہ ہوتی تھی اسی طرح سالکین خدا تعالیٰ کے گونہ مزاج شناس ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ جانتے ہیں قرب حاصل کرنے کا راستہ بتلا سکتے ہیں ہیں اور اگر ان سے یہ پوچھو کہ خلاف مقدمہ میں کیا نتیجہ ہو گا تو اس کا جواب ان کے پاس یہ ہوتا ہے۔

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم ۔۔۔ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر و دارا کے قصے نہیں پڑھے ہم سے محبت و عشق کی باتوں کے سوا اور نہ پوچھ)

نہ ان کے ہاں کشش ہے نہ وہ خوابوں کی تعبیر جانتے ہیں نہ وہ عملیات اور تعویذ گنڈے کا شغل رکھتے ہیں وہ صرف رضائے خدا اور وصول الی اللہ کا طریقہ جانتے ہیں اور اس کی تعلیم و تبلیغ کے لیے وہ ہر وقت حاضر ہیں اگر کوئی ان سے خواب کی تعبیر پوچھتا ہے تو وہی جواب دیتے ہیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

(نہ شب ہوں نہ شب پرست ہوں جو خواب کی تعبیر کروں۔ چونکہ آفتاب کا غلام ہوں اس لیے بیداری کی باتیں کرتا ہوں یعنی محبوب حقیقی کا غلام ہوں اس کی باتیں کرتا ہوں)

یہی وجہ ہے کہ عوام ان سالکین کے کم معتقد ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں ظاہری سامان کچھ نہیں ہوتا۔ نہ کشف ہے نہ کرامت نہ رات دن الہام کا تذکرہ نہ ہائے اور ہو، نہ شور و غل اور مجذوبین کے ہاں یہ سامان بہت ہوتا ہے۔ ہاں سالکین کے پاس محبت و معرفت الٰہی کا ایک مخفی خزانہ ہوتا ہے جس کو اہل بصیرت دیکھ لیتے ہیں۔ عوام کی نظر وہاں تک کم پہنچتی ہے۔ اسی طرح کاملین کی کیفیات ممتاز نہیں ہوتیں بلکہ ان میں ایسی شیرینی ہوتی ہے جیسے فیرینی میں کہ نہایت لطیف مٹھاس ہوتی ہے جس کو اگر کوئی دیہاتی چکھے تو بالکل پھیکا بتائے اور مجذوبین کی کیفیات میں ایسی شیرینی ہوتی ہے جیسے گڑ میں کہ دیہات کے لوگ اسی کو میٹھا سمجھتے ہیں مگر نازک مزاج لطیف الطبع لوگ اس کی ایک ڈلی بھی نہیں کھا سکتے۔

مجھے فیرینی پر ایک حکایت یاد آئی کہ دیوبند میں ایک رئیس کے یہاں تقریب تھی جس میں زردہ پلاؤ اور فیرینی پکائی گئی تھی۔ گاؤں سے ان کی رعیت کے چمار بھی آ گئے تو ان کو بھی انہوں نے یہی کھانا دلوایا۔ گاؤں والوں کی سمجھ میں یہ لطیف کھانے کیوں آنے لگے تھے۔ پلاؤ زردہ کو تو بہت ہی ناک بھوں چڑھا کر انہوں نے کھایا مگر جب فیرینی کا نمبر آیا تو ان سے نہ رہا گیا۔ آخر ایک بول ہی اٹھا، اپنے ساتھی سے پوچھنے لگا کہ یہ تھوک سا کئے ہے؟ (کیا ہے؟)

دیکھئے اتنی لطیف چیز جو دل و دماغ کو تفریح دیتی چلی جائے مگر اس چمار نے یہ قدر کی اس کو تھوک سے تشبیہ دی۔ اسی طرح جو لوگ دیہاتی طبیعت کے ہوتے ہیں ان کو سالکین کی لطیف کیفیات کی قدر نہیں ہوتی۔ ان کو تو اسی کی قدر ہوتی ہے کہ ذرا اچھل کود ہو۔ ہو حق ہو، کشف و کرامت ہو، تب اس کو بزرگ سمجھتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت بہت جلد 2 صفحہ 152ء 153)

خشیت کی حد

قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ ﷺ نے خشیت کی بھی ایک حد بیان فرما دی۔ حضور ﷺ کے سوا اس کو کوئی نہیں بیان کر سکتا تھا، ہم تو خشیت کے ہر درجہ کو مطلوب سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا محمود

اور مقصود ہے اور مقصود کا ہر درجہ ظاہراً مقصود ہوتا ہے ہم کو تو ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم عظیم کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہ مقصود کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ اس کا ہر درجہ مقصود ہو بلکہ مقاصد بھی ایک خاص حد تک مطلوب ہیں۔ چنانچہ خشیت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

و اسالك من خشيتك ما تحول به بيني وبين معاصيك

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کا خوف اتنا چاہتا ہوں جس سے مجھ میں اور معاصی میں رکاوٹ ہو جائے۔

اس سے زیادہ خشیت کو آپ نے طلب نہیں کیا. معلوم ہوا کہ اس کا زیادہ غلبہ مقصود نہیں وجہ یہ ہے کہ غلبہ خشیت سے بعض دفعہ جسمانی تکالیف کھڑی ہو جاتی ہیں. جسم حزن وغم سے گھلنے لگتا ہے۔ نیز بعض دفعہ حدود سے سے تجاوز ہو جاتا ہے جیسے کسی غلام پر آقا کا خوف بہت غالب ہو تو اس کے سامنے جاتے ہی اس کے ہاتھ، پیر پھول جاتے ہیں۔ پھر چاہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے۔ زبان سے بھی بے تکی باتیں نکلتی ہیں۔ کہنا کچھ چاہتا ہے اور زبان سے کچھ کا کچھ نکلتا ہے۔ نیز بعض دفعہ اس غلبہ خشیت سے مایوسی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے ایسا غلبہ کمال نہیں اور اس لئے کاملین پر ایسا غلبہ نہیں ہوتا چنانچہ انبیاء علیہم السلام غالب علی الکیفیات ہوتے تھے مغلوب نہ ہوتے تھے۔ ہاں گاہے کاملین پر بھی غلبہ ہوتا ہے مگر وہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔ تھوڑی دیر کو ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ جلدی ہی خود سنبھال لیتے ہیں اور واقعی ناقص کی سنبھال تو کاملین کے ذریعے سے ہو جاتی ہے۔ کاملین کی سنبھال کون کرے سوا خدا تعالیٰ کے، پس ان کو خود ہی سنبھالتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 217)

نسبت کی حقیقت

اب نسبت کی حقیقت کو سمجھو۔ اس کی حقیقت وہی ہے جو آپ نے درسی کتابوں میں پڑھی ہے یعنی علاقہ معنویہ بین الطرفین۔ نسبت ایک لگاؤ اور تعلق کا نام ہے جو دونوں طرف سے ہوتا ہے بندہ کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو اور خدا تعالیٰ کو بندہ سے تعلق ہو اب ان صوفی صاحب کی نسبت کا جو کہ محض ملکہ یادداشت کو نسبت سمجھتے ہیں، یہ حال ہے کہ ان کو تو خدا تعالیٰ سے ذکر کا تعلق ہے، مگر خدا کو ان سے تعلق نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کسی طالب علم سے پوچھا تھا کہ آج کل کس شغل میں ہو۔ کہا شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں۔ پوچھا کیا کچھ اس کا سامان ہو گیا۔ کہا ہاں آدھا سامان تو ہو گیا آدھا باقی ہے۔ پوچھا یہ کیوں کر؟ کہا نکاح طرفین سے ہوتا ہے تو میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اس لئے آدھا سامان ہے۔

اس حکایت پر سب ہنستے ہیں۔ اور اس طالب علم کو احمق بناتے ہیں کہ بیہودہ آدمی یہ بھی کوئی سامان ہے کہ میں راضی ہوں مگر اس سے زیادہ ان صوفی صاحب کی حالت پر محقق کو ہنسی آتی ہے کیونکہ طالب علم نے تو اپنی رضا کو آدھا ہی کہا تھا، اور یہ حضرت اپنی یادداشت کو پورا سامان سمجھتے ہیں اور اسی پر اکتفا کر کے نازاں ہیں کہ ہم صاحب نسبت ہیں

ان کی تو مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص محض اپنی رضا سے یہ سمجھنے لگے کہ میرا نکاح ہو گیا اور میں بیوی والا ہوں۔ یادرکھو! خدا تعالیٰ کو بندہ سے تعلق جس کی حقیقت رضا ہے محض ذکر کی مشق سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ذکر و طاعت دونوں کے مجتمع ہونے سے ان کو وہ تعلق ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حق تعالیٰ کو ذکر ہی سے بندہ کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے تو پھر یہ تسلیم نہیں کہ ذکر محض اس کا نام ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کر لیا جائے یا اشغال و مراقبات کر لیے جائیں۔ بلکہ ذکر نام ہے اطاعت کا۔ جس میں یہ ذکر لسانی بھی داخل ہے کیونکہ فاذکرونی کا ایک فرد یہ بھی ہے۔ اس لے حصن حصین میں ہے کل مطیع اللہ فھو ذاکر کہ ذکر تسبیح و تحمید و تہلیل ہی میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص جس کام میں بھی حق تعالیٰ کی اطاعت بجالا رہا ہو وہ اس وقت ذاکر ہی ہے۔ اور اس لئے مفسرین نے فاذکرونی اذکرکم (پس تم مجھے یاد کرو میں اپنی عنایت سے تمہیں یاد کروں گا) کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ اذکروني بالطاعة اذکرکم بالاجر والرحمة. (تم مجھے اپنی طاعت سے یاد کرو میں تمہیں اجر و رحمت سے یاد کروں گا)

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص ملکہ یادداشت کر کے احکام و اوامر میں کوتاہی کرتا ہے اس نے ذکر کی بھی تکمیل نہیں کی کیونکہ ذکر نام ہے طاعت کا اور یہ مطیع نہیں اور اگر اسی کو ذکر کی تکمیل کہا جائے جیسا کہ آج کل کی اصطلاح ہے تو پھر میں یہ کہوں گا کہ محض تکمیل ذکر سے حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے اطاعت کی بھی ضرورت ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کو اس سے تعلق نہیں اور جب ان کو تعلق نہیں تو نسبت بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ تعلق من الطرفین کا نام ہے!

تو جیسے اپنے کو واصل کہہ دینا زبان سے تو آسان ہے مگر حقیقت میں واصل ہونا بڑی دشوار و نادر چیز ہے۔ اسی طرح زبان سے یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم تنخواہ نہیں لیتے بلکہ نفقہ لیتے ہیں مگر اس کی حقیقت کا مصداق بننا آسان نہیں۔ اس کے لئے کسی حقیقت شناس کو اپنی نبض دکھاؤ۔ اگر وہ کہہ دے کہ واقعی تمہاری تنخواہ نفقہ ہے تو پھر آپ کی حالت مبارک ہے۔ اسی طرح ملکہ یادداشت والوں کو چاہیے کہ کسی محقق کے سامنے اپنی حالت پیش کریں اگر وہ کہہ دے کہ تم واصل ہو گئے ہو تو پھر اس نعمت کا شکر کرو ورنہ محض اپنے علم پر اعتماد نہ کرو اور نہ دو چار جاہلوں کے بزرگ سمجھنے اور بزرگ کہنے سے دھوکا کھاؤ۔ (خطبات حکیم الامت، جلد 2 صفحہ 221,222)

طلباء کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی طلباء میں یہ ہے کہ امارد کی طرف نظر کرنے اور ان کے ساتھ اختلاط کرنے سے نہیں بچتے حالانکہ تقویٰ کے لیے سم قاتل ہے۔ آخرت کا مواخذہ تو شدید ہے ہی اس سے دنیا میں بھی اہل علم کی سخت بدنامی ہوتی ہے۔ علم دین پڑھنے والوں کو اس باب میں سخت احتیاط کرنا چاہیئے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ چندہ میں احتیاط نہیں کرتے۔اہل وجاہت کے دباؤ سے چندے وصول کرتے ہیں۔
ایک کوتاہی یہ ہے کہ طلباء میں استادوں کا ادب نہیں ہے اور جن استادوں کا ادب کرتے ہیں وہ استادی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ بندگی اور شہرت کی وجہ سے ہے۔ استاد کا ادب ہوتا تو جو مشہور بزرگ اور مقتداء نہیں ہیں ان کا بھی ادب کیا جاتا۔کیونکہ استادی کا حق توان کو بھی حاصل ہے۔
کانپور میں ایک مدرسہ کے ایک طالب علم نے مجھ سے خود بیان کیا کہ اس سال استاد نے تصریح پڑھنے کی رائے دی تھی مگر میری زبان سے شرح چغمینی کا نام نکل گیا تھا۔بس مجھے اس کی ضد ہوگئی اور وہی شروع کر کے چھوڑ دی۔
اسی طرح مدرسہ میں کسی کتاب کے ختم پر طلباء اور استاد کی تو یہ رائے ہوئی کہ شمس بازغہ ہونا چاہئے۔ خیر شمس بازغہ ہی منظور ہوگیا تو آپ شب کو استاد کے پاس پہنچے۔ان کو مکان سے باہر بلا کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب خیریت اسی میں ہے کہ صدرا ہو۔انا للہ وانا الیہ راجعون.
یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کچھ خاص علوم دوسرے مسلمانوں سے الگ بتلائے ہیں بلکہ اس کا منشاء خاص فہم ہے جو حق تعالیٰ نے قرآن یعنی دین میں مجھے عطا فرمائی ہے۔یہی ہے حقیقت علم جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ گراں ہے اس سے درسی فقہ مراد نہیں۔ کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ وہ معرفت ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ جس سے عارف کو دین کی سمجھ بوجھ ایسی کامل ہو جاتی ہے کہ شیطان کے تمام تار و پود کو توڑ دیتا ہے۔ شیطان بعض دفعہ دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ عارف اس دھوکا کو سمجھ کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے لوگ دھوکا سے بچ جاتے ہیں۔اس لیے وہ شیطان پر گراں ہے۔اسی علم کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہے:

من یرد الله به خیرا یفقهه في الدین

(جس کے لئے اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں)

علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہؓ کے اَن پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں:
امة لا نکتب ولا نحسب، بتلایئے صحابہؓ نے کیا لکھا پڑھا تھا کچھ بھی نہیں بلکہ بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے۔اور بعض صحابہؓ فتاویٰ کو تابعین کے حوالے کر دیتے تھے مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے۔
چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ صحابہؓ کی شان میں فرماتے ہیں،، اعمقهم علما،، کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہؓ کا علم

عمیق ہے۔ آخر وہ کون سا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا۔ ہر گز نہیں بلکہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جس میں

ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہتی تھی اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعیؒ کا قول ہے۔۔

شکوت إلی وکیع سوء حفظی   فا وصاني الی ترك المعاصی

(میں نے حضرت وکیعؒ سے اپنے سوءِ حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں سے بچنے کی وصیت کی)

آخر وہ کون سا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں۔ کیا وہ کتابی علم ہے ہر گز نہیں۔ کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا۔ ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہو سکتا ہے بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل واحادیث یاد ہو جائیں۔ چنانچہ بیروت میں بعضے عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کو بڑے جاننے والے ہیں۔ اور جرمن کے ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے کہ وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ کسی کمرہ کا نام دار الفقہ ہے، کسی کا نام دار الحدیث ہے اور وہاں بخاری، ہدایہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھنے والے پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں۔ اور وہ لوگ اختلافات کو بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں کیونکہ جرمن میں کتب خانہ بڑا ہے اس میں ہماری نایاب کتابیں اس قدر ہیں کہ ہم نے ان کتابوں کا نام بھی نہیں سنا۔

امام شافعیؒ کی مراد کتابی علم میں وہ سوءِ حفظ کی شکایت نہیں۔ امام وکیعؒ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علم میں قلت حفظ کی شکایت کر رہے تھے جس میں معاصی کو دخل تھا یہی حقیقت علم اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مجتہدین مجتہد ہوئے ہیں ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں۔ خوب کہا ہے:

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند * نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جاست * نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(جو شخص بھی چہرہ آراستہ کرے یہ لازم نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو جیسے جو شخص آئینہ بناتا ہے یہ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو، اس جگہ ہزاروں باریکیاں بال سے زیادہ باریک ہیں جو شخص سر بھی منڈائے ضروری نہیں کہ قلندری بھی جانتا ہو) (خطبات حکیم الامت، جلد 2 صفحہ 239,230)

توسل کی حقیقت

شاید یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ بزرگوں کے شجرہ کو تم نے ذکر میں کیوں داخل کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شجرہ کا حاصل دعا التوسل ہے اور دعا ذکر کی فرد ہے یہ تو وہ شجرہ ہے جس میں بزرگوں کے واسطہ سے دعا مانگی جائے۔

جیسے ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ ہے اور ایک دوسرا شجرہ ہے کہ پیر کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے۔(جیسے یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ) یہ ناجائز ہے۔

اور ابن تیمیہؒ تو پہلے شجرہ کو بھی ناجائز کہتے ہیں کیونکہ وہ توسل بالاموات کو مطلقاً منع کرتے ہیں۔ گو مسئلہ اجتہادی ہے مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان کی رائے صحیح نہیں کیونکہ توسل کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے طفیل سے ہمارے حال پر رحمت فرما۔ اب اس میں صرف اشکال یہ ہے کہ اس بزرگ کی بزرگی کو رحمت حق میں کیا دخل اور اس سے کیا تعلق ہے؟

اس اشکال کو میں نے بہت سے علماء سے کرنا چاہا مگر کسی سے حل کی امید نہ تھی ایک جگہ امید تھی کہ یہ اشکال حل ہو جاتا مگر وہاں ادب کی وجہ سے زیادہ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی یعنی حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ سے حل کی امید تھی مگر میں نے حضرت سے جو عرض کیا کہ حضرت توسل کی کیا حقیقت ہے؟ تو فرمایا سائل کون ہے؟ حضرت نے میری آواز اس وقت نہ پہچانی اور بینائی زائل ہو چکی تھی۔ میں نے عرض کیا اشرف علی سائل ہے۔ حضرت نے تعجب سے فرمایا کہ تم توسل کی حقیقت پوچھتے ہو۔ بس میں خاموش ہو گیا۔ پھر عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یا تو اس واسطے کہ مکرر سوال کرنے میں کر کری ہو گی کہ ایسی آسان بات بھی معلوم نہ ہوئی۔ یا یوں کہو کہ ادب کی وجہ سے خاموش ہو گیا اور یہ سمجھا کہ حضرت اس وقت اس مسئلہ کو بیان کرنا نہیں چاہتے مگر حضرت کی شان یہ تھی:

اے لقائے تو جواب ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

غور سے سنیئے کیونکہ یہ حقیقت اس عنوان سے کتابوں میں آپ کو نہ ملے گی اور اس کے یاد کر لینے سے بڑا اشکال حل ہو جائے گا وہ یہ کہ توسل بالصلحاء کی جو صورت ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر المرء مع من احب میں آپ کا وعدہ رحمت ہے آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء اللہ کا موجب رحمت و ثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں۔

اب یہ اشکال جاتا رہا کہ بزرگ کی بزرگی کو رحمت حق میں کیا دخل؟ دخل یہ ہوا کہ اس بزرگ سے محبت رکھنا حب فی اللہ کی فرد ہے اور حب فی اللہ ثواب کا وعدہ ہے اس تقریر کے بعد اما بنعمة ربک فحدث پر عمل کر کے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ ابن تیمیہؒ یہ تقریر سنتے تو توسل کے جواز کا ہرگز انکار نہ کر سکتے کیونکہ اس سب کے مقدمات صحیح ہیں۔(خطبات حکیم الامت جلد 2، صفحہ 52،53)

ذکر لسانی کے درجات

چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہ تو ذکر لسانی میں بھی تدریج کرتے ہیں کہ بارہ تسبیح میں اول لا اله الا الله کی تعلیم ہے۔ یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں۔ تو اس کو چاہئے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے تیغ لا سے نفی کرے۔ جب اس کی نفی ہوگئی اور دل اغیار سے خالی ہو گیا تو صرف ذکر اثبات الا الله مناسب ہے مگر اثبات میں بھی اغیار کو گونہ استحضار ہے اس لیے اس کے بعد الله، الله بتلاتے ہیں۔ جس میں محض ذات حق پر توجہ ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے اس لیے بعضے مشائخ اس کے بعد ذکر ھو ھو کی تعلیم کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ ابن تیمیہؒ لا اله الا الله کے سوا ان سب اذکار کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ سنت سے ان کا ثبوت نہیں۔ اگر میں اس وقت ہوتا تو ادب کے ساتھ ان سے استفسار کرتا کہ علماء دین اس مسئلہ پر کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص قرآن حفظ کرتے ہوئے اذا السماء انفطرت کے کلمات کو الگ الگ یوں یاد کرتا ہے کہ اول اذا السماء ن، اذا السماء ن یاد کرتا ہے پھر فطرت یاد کرتا ہے۔ اس کے بعد دونوں کو ملا کر اذا السما انفطرت کے کلمات کہتا ہے تو اس کو اس طرح یاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور شبہ کی وجہ یہ ہے کہ اذا السماء تلفظ بے معنی ہے اسی طرح فَطَرَت فطرت بے معنی ہیں۔ تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ ابن تیمیہ اس کو ضرور جائز کہتے اور وجہ بتلاتے کہ یہ تلاوت نہیں ہے اس وقت اس شخص کو تلاوت مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود ذہن میں جمانا ہے تو اس پر میں کہتا کہ پھر الا الله اور الا الله کرنا کیوں بدعت ہے۔ اس میں بھی تو ذکر اللہ کا ذہن میں جمانا ہے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ بناء بر تجربہ رسوخ ذکر کے لیے یہ ترتیب بے حد نافع ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جس کو شک ہو کر کے دیکھ لے۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ جیسا وہ قرآن یاد کرنے والا اس حالت میں تالی نہیں متہئی للتلاوت ہے۔ اس طرح میں اس حالت میں ذاکر تو نہ ہوا متہئی للذکر ہوا تو میں کہوں گا کہ انتظار صلوۃ بحکم صلوۃ اسلیئے وہ حکماً ذاکر ہے۔

افسوس یہ ہے کہ کسی نے ان کے سامنے یہ مقدمات ذکر نہیں کئے اس لیے وہ اس کو بدعت کہنے میں معذور ہیں۔ بلکہ طرہ یہ ہوا کہ ان کے سامنے جاہل صوفیہ کے غلط مقدمات پیش ہوئے۔ چنانچہ بعض نے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ سے استدلال کیا ہے۔ اس دلیل پر علامہ ابن تیمیہؒ نے صوفیاء کے بہت لتے لئے ہیں اور واقعی اس سے استدلال ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں لفظ اللہ قُل کا مقولہ نہیں کیونکہ قول کا مقولہ مفرد نہیں ہوتا بلکہ جملہ ہوتا ہے۔

حقیقت ذکر

پس ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ جیسے بعض لوگ باوجود تقاضا کے چوری نہیں کرتے مال گزاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے کیوں کہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے یعنی سزا و قید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے ذکر اللہ ہے اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر ہے۔

اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی اس کو اپنے مناسب حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیئے۔ مثلاً بعضوں کے لیے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے ان کے واسطے یہی ذکر ہے یہ حقیقت ہے ذکر کی اور یہی جڑ ہے تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2، صفحہ 377)

تصوف کی صورت

ترجمہ آپ نے سن لیا۔ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ انتہائی مرتبہ کیا ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اس کو میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ پس جان لیجئے کہ فن سلوک جس کا یہ مسئلہ ہے اس کے ماہرین اور محققین نے اکثر مقامات یعنی اعمال باطنہ میں ترتیب کا حکم کیا ہے اور ان مقامات کی مثال درسیات کے سبق کی سی ہے کوئی سبق تو ایسا ہے کہ اس میں اور دوسرے اسباق میں ترتیب ضروری ہے جیسے الف بے اور سیپارہ کہ یہ ممکن نہیں کہ الف بے کو سیپارہ پر مقدم نہ کیا جاوے اور بعضے سبق ایسے ہیں کہ کئی کئی ہو سکتے ہیں جیسے کافیہ اور قطبی لوگ اس فن سے چونکہ نا آشنا ہو گئے ہیں اس واسطے قاعدہ اور طریقہ جانتے نہیں جو چال سمجھ میں آ جاتی ہے اختیار کر لیتے ہیں اور مدتوں پریشان رہتے ہیں اور حاصل کچھ بھی نہیں۔

جیسے کوئی یہ نہ جانتا ہو کہ الف بے اور سیپارہ میں ترتیب ضروری ہے اور وہ بلا الف بے پڑھے سیپارہ شروع کر دے اور ایک حصہ عمر کا گزار دے مگر سیپارہ میں کما حقہ، کامیاب نہ ہو گا۔ بخلاف اس کے ایک شخص ترتیب سے پڑھے تو اس کو نہ اتنی محنت کرنی پڑے گی۔ اور نہ اتنا وقت صرف ہو گا اور کامیاب بھی ہو جاوے گا اول شخص کے نزدیک سیپارہ اس قدر مشکل چیز ہے کہ اس کے پڑھنے میں وقت بھی زیادہ صرف ہو گیا اور دماغ بھی خالی ہو گیا اور دوسرے کے نزدیک کچھ بھی نہیں آرام سے پڑھا اور وقت زیادہ نہیں لگا اور کامیابی بھی خاطر خواہ ہوئی۔ یہ طریقہ اچھا ہے یاد ہ تصوف کے مشکل ہونے کی یہی اصل ہے۔ ورنہ فی نفسہ بہت ہی سہل ہے اگر شوق ہے تو اس کا طریقہ سیکھئے۔ ہر کام

طریقہ ہی سے ٹھیک ہوتا ہے اور بے طریقہ چلنے سے سوائے حیرانی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ طریقہ شیوخ محققین جانتے ہیں پس اس کا اتباع گویا عین طریق ہے۔

گرہوائے این سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس بیا
وار دانت باش صادق اے فرید — تابیابی گنج عرفان را کلید

(اے دل اگر تو راہ طریقت میں چلنا چاہتا ہے تو کسی شیخ کامل کا دامن پکڑ اور خودی کو چھوڑ دے، اپنے راہ طریقت کی تلاش میں سچا اور ثابت قدم رہ تاکہ اس خزانہ کی چابیاں تجھ کو مل جائیں)

اور

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق — عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

(بغیر رہبر اور مرشد کے جس نے اس راہ میں قدم رکھا وہ ساری عمر میں اسی میں گم ہو کر رہ گیا اور کامیاب نہ ہوا)

بس کسی کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے کو اس کے سپرد کر دو۔

پیر خود را حاکم مطلق شناس — تا براہ فقر گردی حق شناس
چوں گزیدی پیر ہن تسلیم شو — ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن در راہ خضر اے بے نفاق — تا نگوید خضر رو ھذا فراق

(اپنے پیر کو پورا اپنا حاکم مانو تاکہ فقر کے راستہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکو، جب پیر چن لیا تو پھر اس کا کہنا مانو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ چلو۔ اے سچے آدمی خضر کی راہ میں صبر سے کام لے تاکہ حضرت خضر علیہ السلام یہ نہ کہہ دیں کہ بس اب مجھ سے جدا ہو جا)

(خطبات حکیم الامت جلد 2، صفحہ 421،422)

تصوف کی کنجی

مگر پیر کو پہلے دیکھ لو۔ ہر شخص کے ساتھ نہ ہو جاؤ۔ اس فرقے میں راہزن بہت ہیں۔ پیر کامل ہو۔ متبع سنت ہو۔ متبع شیطان نہ ہو۔ کامل مکمل ہو اور جامع ہو ظاہر و باطن کا۔ نہ ظاہر اس کا خلاف شرع ہو نہ باطن خوب پرکھ لو اس میں جلدی نہ کرو۔ اس میں جتنی دیر لگے گی اتنا ہی نفع زیادہ ہوگا۔ جب ایسا پیر مل جاوے تو ہمہ تن اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو۔ اور وہ جو کچھ بتلادے اس کو صحیح سمجھ لو۔ کچھ اس میں شک و شبہ نہ کرو۔ اس کے حکم کو خدا کا حکم سمجھو اور یہ پیر پرستی نہیں۔ وہ خدا نہیں ہے بلکہ یہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ بتاتا ہے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حکم

ہوتا ہے اور سب قرآن وحدیث کے موافق ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں تصوف بھرا پڑا ہے اور ایک ایک مسئلہ تصوف کا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے کہ ہم نے نہیں سمجھا مثلاً دیکھئے کہ یہی مسئلہ انتہائی مرتبہ کا کیا ہے اس آیت میں موجود ہے جس کا اس وقت بیان شروع کیا گیا ہے۔ مگر ہمیشہ پڑھا اس آیت کو اور کبھی سمجھ میں نہ آیا جب تک کہ ان لوگوں نے نہ بتلایا۔ یہ سب علوم قرآن وحدیث میں موجود ہیں مگر مقفل ہیں اور کنجی ان کی حضرات اہل اللہ کے پاس ہے۔ ذرا سی معمولی بات تک بھی رسائی بلا ان کی عنایت کے نہیں ہو سکتی اور ان کی عنایت کے بعد بڑی بڑی باتیں بھی معمولی نظر آتی ہیں۔ اور ہر جز میں تصوف نظر آتا ہے۔ (خطبات حکم الامت جلد 2 صفحہ 423)

آج کا تصوف

پس اس میں اختلاف ہے کہ انتہائی مرتبہ مقامات سلوک کا کیا ہے جب سلوک میں مقامات ہیں اور مجھے بیان کرنا اس کے انتہائی مقام کا ہے تو اول ضرورت ہے کہ لفظ مقام ہی کے معنی بیان کئے جاویں کیونکہ یہیں سے غلطیاں شروع ہوتی ہیں۔ آج کل تصوف میں اول سے آخر تک ایسا خلط کیا گیا ہے کہ مجموعہ اعاجیب اور تکلیف مالا یطاق کا نام تصوف ہو گیا ہے۔ اسی واسطے اس کے نام سے لوگ ڈرتے ہیں اور اسی واسطے اس کو شریعت سے الگ کیا جاتا ہے کیونکہ شریعت کا تو عام اور پہلا اصول یہ ہے۔ لا یُکلف اللّٰہُ نَفسًا اِلَّا وُسعَہَا (اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ میں کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو)

اور ان کے مخترع تصوف کا پہلا قدم مالا یطاق ہے پھر دونوں موافق کیسے ہوں چنانچہ بہتوں کا گمان حقیقت تصوف کی نسبت یہ ہے کہ عورت کو ترک کر دو اور مکان اور جائیداد بھی علیحدہ کر و تب سلوک میں قدم رکھو۔ (لوگوں نے تصوف کو ہاؤ بنا دیا ہے جس سے دور سے ڈر معلوم ہو) اس واسطے جس کو دیکھیں کہ یہ عورت بھی رکھتے ہیں۔ رہنے کا مکان بھی ان کے پاس ہے۔ اس کو صوفی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دنیادار ہے ایسے شخص کو پیر بنانا تو دور رہا ادنیٰ درجہ میں بھی شمار نہیں کرتے۔

حالانکہ کوئی صوفی مطیع سنت کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ شریعت ان کے خلاف کے ساتھ وارد ہے۔ چنانچہ تبتل کو شریعت نے منع کیا ہے اور مکان کی اجازت بھی دی ہے۔ چنانچہ سلف نے مکان رکھے ہیں۔ مکان تو مکان گاؤں خریدنے کو بھی اور ایک گاؤں نہیں دو دو گاؤں خریدنے اور عورت ایک نہیں چار تک رکھنے کو بھی محقق منع نہ کرے گا۔ نہ کسی صوفی نے آج تک منع کیا اور کسی حال کے غلبہ میں خود چھوڑ دینا اور بات ہے۔ جیسے بہت سے طالبان خدا نے کیا ہے اور بڑے بڑے مجاہدے ان سے منقول ہیں سلطنتیں چھوڑ دی ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 424)

سلوک کے معنی

سلوک اڑنے کو نہیں کہتے نہ دریا پر چلنے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ سالک آدمی ہوتا ہے نہ وہ مچھلی بن جاتا ہے نہ پرندہ بن جاتا ہے۔ لوگوں نے ان خوارق ہی کو کمال سمجھ لیا ہے اور اسی کو غایت سمجھتے ہیں۔ یہ حاصل ہو گیا تو بس کامل ہو گئے۔ اور یہ کمال نہ پیدا ہوئے تو بس سب محنت کو رائیگاں سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث میں تو کہیں ان باتوں کا پتہ نہیں ہے۔ مقامات یعنی اعمال کو قلب کے تصفیہ کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور یہی تصفیہ قلب غایت ہے ان اعمال کی اور یہی بڑی چیز ہے رہا پانی پر چلنا اور ہوا پر اڑنا اس کے مقصود سمجھنے کے تو یہ معنی ہیں کہ انسانیت سے حیوانیت کی طرف مسخ ہو جاؤ اور آدمی سے مچھلی یا پرندہ بن جاؤ۔ حاصل یہ کہ بعضے اعمال وہ ہیں جن کو اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اعمال وہ ہیں جن کو ترک کیا جاتا ہے۔ مثلاً ریا، تکبر وغیرہ یہ سب مقامات ہیں اور ان کی تحصیل و تکمیل کا نام سلوک ہے اس تحصیل میں بعض مقدم اور مؤخر ہوتے ہیں جیسے میں نے مثال دی تھی کہ الف بے اور سیپارہ کا پڑھنا کہ دونوں میں ترتیب ضروری ہے بلا اس کے تحصیل نہیں ہو سکتی اور بعضے دو دو ایک ساتھ حاصل کئے جاسکتے ہیں اور اس کا فیصلہ کہ کن کن میں ترتیب ہے اور کون کون مجتمع ہو سکتے ہیں یہ شیوخ کی رائے پر ہے۔

جیسے طبیب کہ بعض معالجات کو ترتیب وار رکھتا ہے جیسے منضج کو اور مسہل کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان میں تقدیم و تاخیر ہو اور دونوں کو جمع کر دیا جاوے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ترتیب بدل دی جاوے کہ اول مسہل دیدے اور پھر منضج۔ اور بعضے کو جمع بھی کرتا ہے جیسے مسہل اور مدر کہ ایک ہی دن میں دیئے جاتے ہیں۔

غرض اہل فن جانتے ہیں کہ کون سا کام ترتیب کے ساتھ ہونا چاہیئے اور کون کون سے کام مجتمعاً بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے کچھ قواعد بھی ہیں۔ مگر نہ ان کے بیان سے کچھ نفع ہو سکتا ہے اور نہ ان کے بیان کی یہاں گنجائش ہے کیونکہ کوئی چاہے کہ اس وقت ان قواعد کو سن کر اپنے معالجہ باطن میں ان سے کام لے لے اور طبیب معالج کی طرف رجوع سے مستغنی ہو جاوے تو یہ ممکن نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 2 صفحہ 428)

تیسری جلد کے جواہر

اخلاص کی ضرورت

اب عقلی طور پر سمجھئے۔اخلاص کی ضرورت اس کے ترجمہ سے سمجھ میں آوے گی۔اخلاص کا ترجمہ ہے خالص کردن۔خالص اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو جیسے عوام خالص کہتے ہیں۔مثلاً خالص گھی وہ ہے جس میں تیل کا ملاؤ نہ ہو تو اخلاص کے لغوی معنی خالص کرنے کے ہوئے۔اب اپنے برتاؤ کو دیکھئے۔

آپ کے ساتھ جب کوئی محبت ظاہر کرتا ہے تو آپ اس کی نیت کو بھی دیکھتے ہیں یا نہیں دیکھتے۔اگر ایک شخص نذر بھی دے اور پھر کہے کہ میری سفارش کر دیجئے تو آپ یہی سمجھیں گے کہ یہ نذر غرض کے لئے تھی یا مثلاً کوئی آپ کی دعوت کرے اور چلتے وقت کہے کہ میرے ذمہ قرض ہے کیا آپ کو یہ دعوت ناگوار نہ گزرے گی۔غرض صبح سے شام تک اپنے معاملات پر نظر کر لیجئے کہ جو محبت خالص ہوتی ہے اسی کی قدر ہوتی ہے۔آپ بھی اسی دوستی کو پسند کرتے ہیں جس میں آمیزش نہ ہو۔تو خدا تعالیٰ جو کہ طیب ہے آمیزش دار عبادت و محبت کی کیوں کر قدر کریں گے۔ افسوس محبوبان دنیا کے واسطے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہدیہ خالص ہو۔اس میں کسی چیز کا میل نہ ہو اور خدائی دربار میں جو عبادت پیش کی جاتی ہے اس کے خالص ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی غرض نقلی اور عقلی طور پر اخلاص کی ضرورت ثابت ہوگئی۔اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں اخلاص بھی ہے یا نہیں کیونکہ جب وہ ضروری چیز ہے تو اس کا دیکھنا ضروری ہے جب قرآن میں اس کا بتاکید حکم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو فرض نہ سمجھے۔

فإن كنت لاتدري فتلك مصيبة   وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

یعنی اگر جانتے نہ ہو تو یہ ایک ہی مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو اور پھر عمل نہیں کرتے تو یہ دوہری مصیبت ہے۔ اس کا کوئی بھی تدارک نہیں۔کیونکہ جتنے افعال اختیاریہ ہیں سب قصد پر مبنی ہیں۔بدون قصد و ارادہ کے متحقق نہیں ہوتے۔اخلاص بھی انہی میں سے ہے۔اگر ارادہ ہی نہ کرو گے تو اخلاص کیسے حاصل ہو جائیگا۔

یہ غلطی بعض طالبان باطن کو بھی پیش آتی ہے کہ درخواست کیا کرتے ہیں کوئی دعا کر دیجئے کہ دل سے خطرات دور ہو جائیں۔ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ فقط درخواست کرنی آتی ہے یا کبھی اس کی فکر بھی ہوئی ہے اصلاح کا قصد

بھی کیا ہے۔ حالت دیکھو تو سبحان اللہ کسی ادا سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال ہے۔ اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو اول پختہ ارادہ کر کے اس کے ذرائع بہم پہنچاؤ تا کہ تصفیہ میسر ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، صفحہ 25,26)

ہماری کوتاہیاں

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ دین کے لئے اپنا قیمتی وقت صرف کریں کیونکہ اتنی ہمت کی آپ سے مجھے امید نہیں کیونکہ آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اللہ کے نام کے لئے خراب سے خراب چیزیں تجویز کی جاتی ہیں تو آپ اپنا اچھا وقت خدا کے لئے کیوں صرف کریں۔

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آگئی کہ ایک عورت نے کھیر پکا کر رکابی میں نکال کر رکھ دی اتفاق سے اس رکابی میں کتا منہ ڈال گیا تو اس نے مٹی کی دوسری رکابی میں اسے نکال کر اپنے لڑکے کو دی کہ مسجد کے ملا کو دے آ۔ وہ ملا جی کے پاس لایا تو بڑے خوش ہوئے اور فوراً ہاتھ مارنے لگے اور ادھر ہی منہ مارا جدھر سے کتے نے کھائی تھی لڑکے نے کہا کہ ادھر سے نہ کھاؤ ادھر سے کتے کی کھائی ہوئی ہے۔ یہ سن کے ملا جھلا گئے اور رکابی کو بہت دور پھینکا وہ پھوٹ گئی تو بچہ رونے لگا کہ ہائے میری ماں مارے گی ملاجی نے کہا کہ ابے مٹی ہی کی تو تھی، کہنے لگا کہ میری ماں میرے چھوٹے بھائی کو اس میں ہگایا کرتی تھی۔ یہ سن کر تو ملاجی کو متلی ہونے لگی۔ (ظرف و مظروف دونوں ہی نور بھرے تھے۔)

یہ حالت ہے ہم لوگوں کی۔ اللہ کے راستے خراب سے خراب اور ناپاک چیزیں تجویز کرتے ہیں، پھر غضب یہ کہ مسجد کے ملانوں کے ساتھ خود ہی تو یہ برتاؤ کرتے ہیں اور خود ہی ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ ارے بھائی جب تم اپنے آپ اچھا سے اچھا کھاؤ اور ان کو کبھی نہ پوچھو اور جو پوچھو بھی تو ایسے وقت جب کہ تم خود نہ کھا سکو تو بتلاؤ وہ حریص نہیں ہوں گی۔ پھر تنخواہ ان کی ایسی قلیل مقرر کی جاتی ہے۔ جس میں روکھی روٹی بھی وہ نہیں کھا سکتے تو پھر حریص نہ ہوں تو اور کیا ہوں؟

اس لئے میں تو کہا کرتا ہوں کہ جب محلہ میں کوئی رئیس بیمار ہوتا ہے تو مسجد کے مؤذن تو اس کی صحت کے لئے ہرگز دعا نہ کرتے ہوں گے وہ تو چاہتا ہوگا کہ اچھا ہے یہ مرے تو تیجے، دسویں اور چالیسویں پر فاتحہ کا کھانا خوب فراغت سے ملے گا۔ کیونکہ خوشی میں ان کو کون پوچھتا ہے ایسے مواقع میں پوچھا جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان مواقع کے منتظر رہیں گے۔

اس حرص کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کیرانہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو کفن کا چادرہ لوگوں نے قبرستان کے تکیہ دار کو نہ دیا کسی دوسرے غریب کو دے دیا وہ تکیہ دار جھگڑنے لگا کہ یہ تو میرا حق ہے لوگوں نے کہا بھائی ہمیشہ تم کو دیا جاتا ہے آج اس غریب کو دے دو تو وہ تکیہ دار کیا کہتا ہے کہ واہ حضور! خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے

اس میں آپ ہمارا حق دوسروں کو دے دیتے ہیں لوگوں نے کہا کم بخت ! کیا تو اس دن کا متمنی رہتا ہے کہ کوئی مرے تو تجھے کپڑا ملے جو یہ دن تیرے لئے خدا خدا کر کے آتا ہے وہ بات بنانے لگے مگر دل کی بات زبان پر آہی گئی تو صاحبو! اس کی بھی کیا خطاء جب تم اس وقت کے سوا کبھی اسے نہ پوچھو، جب اس کی آمدنی یوں ہی ٹھہری تو وہ تو اسی کا وظیفہ پڑھے گا غرض چونکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نکمی سی چیز دیا کرتے ہیں اس لئے میں وقت کے بارہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ تعطیل کا نکما اور فالتو وقت خدا کی راہ میں نکال دو اور اگر سارا وقت نہیں دے سکتے تو کم از کم آدھا ہی دے دو اور اس وقت میں بچوں کو محقق کی صحبت میں بھیج دیا کرو۔ کیونکہ

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

محض کتابیں پڑھنے سے دین پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے صحبت صالحین کی بھی بہت ضرورت ہے پس میں انگریزی پڑھانے سے منع نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ تم علماء سے پوچھ کر اپنے لڑکوں کے دین سنبھالنے کا بھی کوئی انتظام کرو۔ چنانچہ میں نے اس لڑکے کی اصلاح کا طریقہ بتایا اور بحمد اللہ نفع ہوا، اب تو لوگ علماء سے اس لئے نہیں دریافت کرتے کہ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے انگریزی کو حرام بتلائیں گے حالانکہ ان کو دنیا سے کچھ ضد تھوڑا ہی ہے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ دنیا کمائیں مگر دین برباد نہ ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 114،113)

اللہ سے ہمکلامی

بعض لوگ دھوپ کی وجہ سے جماعت کی نماز ترک کر دیتے ہیں لیکن اگر اس وقت حاکم بلاوے تو دھوپ کبھی مانع نہ ہو۔ عین دوپہر کے وقت جاویں گے پھر وہاں سے آکر دھوپ کی کچھ شکایت نہ کریں گے بلکہ حاکم سے ملاقات کرنے پر فخر کریں گے کہ ہم سے آج خوب باتیں ہوئیں۔ حاکم نے فلاں مقدمہ کی بابت ہم سے یوں سوالات کئے۔ ہمارے فلاں معاملہ کے متعلق یوں کہا حالانکہ یہ کوئی فخر کی بات تھی۔ آخر حاکم کون ہے تمہارے جیسا ایک آدمی ہے فخر کی بات تو یہ ہے کہ نماز میں حق تعالیٰ سے باتیں ہوتی ہیں ہم اس قابل تو کہاں تھے کہ خدا تعالیٰ ہم سے باتیں کرے۔ واللہ ہم تو اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ہم ان کا نام ہی لے لیں۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

اگر ہم ہزار بار بھی اپنے منہ کو مشک اور عرق گلاب سے دھولیں لیکن پھر بھی اس سے اللہ کا نام لینا کمال بے ادبی ہے۔

مگر یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انہوں نے ہم کو اجازت دے دی کہ نماز میں جب چاہو ان سے باتیں کر لو۔ پھر وہ ہماری باتوں پر توجہ بھی فرماتے ہیں۔ ہماری عرض و معروض کا جواب بھی دیتے ہیں۔ پھر نماز میں ہم کو قرآن

پڑھنے کی اجازت دی بلکہ اس کو فرض کر دیا۔ جو کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے گویا اس طرح حق تعالیٰ بھی ہم سے باتیں کرتے ہیں پھر یہ کس قدر رحمت ہے کہ ہم کو اس علم سے پکارنے کی یعنی یااللہ کہنے کی اجازت دی کہ ان کا نام لے کر پکار سکتے ہیں ذرا کسی حاکم کو تو نام لے کر پکارو فوراً جرم قائم ہو جائے گا پھر نام بھی اتنا آسان کہ بچہ سب سے پہلے اللہ کا نام یاد کر لیتا ہے۔ افسوس ایسے رحیم و کریم خدا سے باتیں کرنے کے لئے لوگوں کو دھوپ مانع ہوتی ہے اور بلا وجہ جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 160،159)

جاہل متوکل کا قصہ

اگر ہر شخص کی رائے پر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہی قصہ ہوگا کہ ایک شخص نے ایک مولوی صاحب کے وعظ میں توکل کی فضیلت اور اس کی ضرورت کا مضمون سنا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا کہ جب خدا تعالیٰ یوں بھی روزی پہنچا سکتے ہیں تو محنت و مشقت کی کیا ضرورت ہے۔ پس اس نے سارا کاروبار چھوڑ دیا اور جنگل میں لب سڑک جا بیٹھا۔ اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ سڑک سے دور جا بیٹھے۔ یہ خیال کیا کہ سڑک کے کنارے کوئی تو آتا جاتا دیکھے گا۔ دوسرے وہاں ایک کنواں بھی پاس تھا جس پر بیٹھ کر مسافر کھانا کھایا کرتے تھے۔ تو اس نے یہ جگہ اس لئے تجویز کی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ کوئی مسافر بھی مجھے کھانا نہ دے گا۔ اب اس کو مسافروں کا انتظار شروع ہوا کہ شاید کوئی آئے اور مجھے کھانا کھلا دے۔ ایک آیا اور اس نے کھا پی کر سیدھا اپنا راستہ لیا۔ سمجھا کہ ان شاء اللہ اس مرتبہ جو کوئی آوے گا وہ ضرور مجھے دیکھ کر کھلاوے گا۔ دوسرا آیا اس نے اس شخص کی طرف سے پشت کر لی اور سڑک کی طرف منہ کر کے کھانا کھایا اور وہ بھی چلتا ہوا، اسی طرح دو تین دن گزر گئے اور کسی نے بھی اس کو ایک ٹکڑا نہ دیا۔ اخیر میں ایک مسافر آیا اور اس نے بھی کھا پی کر چلنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس نے کھنکارا آہیں آہیں۔ اس نے مڑ کر جو دیکھا تو ایک آدمی نظر پڑا جس کا فاقوں کے مارے برا حال ہے اس کو ترس آیا اور جو کچھ بچی ہوئی روٹیاں تھیں اسکے حوالے کیں جنہیں کھا کر میاں کے حواس درست ہوئے۔

بھاگا ہوا مولوی صاحب کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے توکل کے بیان میں ایک قید ضرور چھوڑ دی ہے جس سے لوگوں کو ضرور دھوکا ہوا ہوگا۔ اور نہ معلوم کتنے آدمی اس دھوکا سے پریشان ہوئے ہوں گے۔ وہ تو خدا نے خیر کی کہ میں اپنے اجتہاد سے اس قید کو سمجھا ورنہ میں بھی ہلاک ہو گیا ہوتا۔ براہ کرم آئندہ آپ جہاں کہیں توکل کا بیان فرمایا کریں اتنی قید اور بڑھا دیا کریں کہ کھنکارنے کی بھی ضرورت ہے۔ پھر اس نے اپنا قصہ بیان کیا۔

تو دیکھئے اس شخص نے ترک اسباب کا بیان سن کر یہ سمجھ لیا کہ میں بھی ترک اسباب کا اہل ہوں۔ اس لئے ہاتھ پیر جوڑ کر بیٹھ گیا اور پریشان ہوا۔ حالانکہ اس کی تشخیص اس کو کسی طبیب روحانی سے کروانی چاہئے تھی کہ میں ترک اسباب کا اہل ہوں یا نہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے وعظ میں سن لیا تھا کہ اللہ کے راستے میں جو ایک روپیہ دے گا اس کو دس دنیا میں ملیں گے اور ستر آخرت میں۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اس سے اچھی تجارت کیا ہو گی۔ بس سب کام چھوڑ کر یہی کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس کے پاس ایک روپیہ تھا اس نے اسے خیرات کر دیا اور منتظر رہا کہ اب دس روپے آویں گے۔ کئی دن گزر گئے ایک پیسہ بھی نہ آیا بڑا پریشان ہوا۔ یہاں تک کہ میاں کو دست لگ گئے کیونکہ اب اس کو رہ رہ کر اپنے روپے کے جانے کا غم ہوتا تھا اور دل ہی دل میں مولوی صاحب کو برا بھلا کہتا تھا کہ انہوں نے یہ کیسا غلط مسئلہ بیان کیا۔ بے چارے کو اسی فکر میں دست اور پیچش لگ گئے۔ بار بار اجابت کے لئے جنگل جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ قضائے حاجت کر رہا تھا اور زمین کو کرید رہا تھا کہ دفعتہً مٹی میں سے ایک بٹوہ ملا جس میں پورے دس روپے تھے۔ بڑا خوش ہوا اور دست فوراً موقوف ہو گئے کیونکہ جس علت سے دست آنے شروع ہوئے تھے وہ علت ہی نہ رہی۔

دوڑا ہوا مولوی صاحب کے پاس آیا کہ مولوی صاحب آپ نے جو کچھ وعظ میں فرمایا تھا بالکل درست ہے مگر اس میں ایک قید آپ نے چھوڑ دی۔ آئندہ جہاں آپ یہ مسئلہ بیان کریں ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کریں کہ مروڑ بھی لگتے ہیں۔ اس کے بعد جس کو تحمل ہو گا ایک کے دس لے گا اور جس کو تحمل نہ ہو گا وہ اس طریقہ کو اختیار نہ کرے گا۔ یہ سچ ہے کہ ایک کے دس ملتے ہیں مگر مروڑ غضب کے ہیں۔ غرض یہ بات ضروری ہے کہ ہر شخص کو تحمل مضرت کی اجازت نہیں اس کیلئے کچھ شرائط اور محل ہیں۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ جب دین کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دیندار کو دنیوی مضرت کی پروا نہیں رہا کرتی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 171،170،169)

جسم اور روح کا تعلق

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ مرنے کے بعد ضرب کا احساس نہیں ہوتا۔ شاید کسی کو اس حدیث سے شبہ ہو۔

كسر عظم المومن ميتا ككسرة حيا

(مسلمان کی ہڈی کو مرنے کے بعد توڑنا ایسا ہے جیسا زندہ کی ہڈی توڑنا) اس کا مطلب یہ نہیں کہ تشبیہ من کل الوجوہ ہے جس سے میت کو بعد موت کے زندہ کے برابر احساس ہونے کا شبہ کیا جائے اگر ایسا ہوتا تو شرعاً اس شخص سے قصاص لیا جاتا بلکہ یہ تشبیہ بعض وجوہ میں ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعد موت کے بھی روح کا کسی قدر تعلق جسم سے رہتا ہے اور وہ ایسا تعلق ہے جیسا کہ اس وقت ہمارے جسم کو لباس سے تعلق ہے۔ پس اگر کوئی ہمارا اترا ہوا کرتہ پھاڑ دے تو ہم کو کلفت ہوتی ہے۔ نیز اس

تعلق کا یہ اثر بھی ہے کہ قبر کے پاس جا کر سلام و دعا جو کچھ کی جاتی ہے مردہ اس کو سنتا ہے اور شہداء میں یہ تعلق عام مومنین سے زیادہ ہوتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ان کا جسم بعد موت کے سالم رہتا ہے زمین اس کو کھا نہیں سکتی۔

نیز اس تعلق سے بعض اولیاء کو مرنے کے بعد قوت تصرف بھی عطا ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ان کے مزاروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگا کریں کہ شرعاً یہ بالکل ناجائز ہے۔ یہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ان کے وسیلہ سے حق تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔ باقی ان سے یہ بھی نہ کہا جائے کہ تم ہمارے واسطے دعا کرو کیونکہ شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں کہ وہ ایسی دعاؤں کے ماذون ہیں۔

احادیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جا کر مردوں کے لئے دعا کی جائے۔ یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو احیاء کی دعا سے نفع ہوتا ہے اور اس کے منتظر رہتے ہیں مگر اس کا کہیں ثبوت نہیں کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ تم ہمارے واسطے دعا کرو تو وہ دعا کر دیتے ہیں اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے جس کے بعض آثار یہ ہیں کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی ایک اثر یہ ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا ان کے بعد بھی حرام ہے (گویہ حکم آیات و احادیث میں صرف حضور ﷺ کے لئے بیان کیا گیا ہے مگر بعض علماء نے تمام انبیاء کے لئے یہ حکم عام مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

تو کسر عظم سے جسمانی ایذاء نہیں ہوتی روحانی ایذاء ہو سکتی ہے اس لیے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنا۔) (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 194، 193)

شہوت بالامارد

شہوت بالنساء سے بھی اشد شہوت بالامارد ہے۔ آج کل امردوں کے ساتھ ابتلاء عام ہو رہا ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو عورتوں میں قدرتی حیا کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان سے اظہار شہوت کی جرأت ذرا دقت سے ہوتی ہے اور لڑکوں میں حیا کا مادہ کم ہوتا ہے۔

دوسرے عورتوں کی حفاظت بہت کی جاتی ہے انکے پاس پہنچنا آسان نہیں اور جو کوئی پہنچ بھی جاتا ہے اس کی رسوائی جلد ہو جاتی ہے اور بچوں کی کچھ بھی حفاظت نہیں کی جاتی ان کا کسی سے پردہ نہیں ہوتا۔ تیسرے اس میں اتہام کم ہوتا ہے بچوں کے سر پر شفقت سے بھی ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور شہوت سے بھی اب اگر کسی کے بچے کو پیار کریں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کو بچوں پر شفقت زیادہ ہے شہوت کی کسی کو کیا خبر۔

ان وجوہ سے آج کل امارد کے ساتھ ابتلاء بہت زیادہ ہے اور شہوت بالنساء سے یہ شہوت بالرجال اشد ہے کیونکہ عورتوں میں محارم کے ساتھ ابتلاء کم ہوتا ہے۔ اکثر غیر محارم سے ہوتا ہے سو وہ کسی نہ کسی وقت تمہارے لئے حلال بھی

ہو سکتی ہیں اگر وہ کنواری ہے تو اسی وقت نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے اور اگر شوہر والی ہے تو ممکن ہے شوہر مر جائے یا طلاق دے دے تو پھر تم اس سے نکاح کر سکتے ہو۔ بہر حال اس میں حلت کی توقع تو ہے گو کسی وقت ہو اور گو توقع ضعیف ہی ہو مگر امردوں کا حلال ہونا تو کسی وقت بھی متوقع نہیں۔ بلکہ بعض گناہ تو ایسے ہیں جو جنت میں جا کر گناہ نہ رہیں گے۔ مثلاً شراب پینا دنیا میں گناہ ہے لیکن جنت میں شراب ملے گی اور یہ شہوت بالرجال ایسا خبیث فعل ہے کہ جنت میں بھی اس کا وقوع نہ ہوگا پس یہ زنا اور شراب خوری سے بھی بدتر ہے بلکہ شراب میں تو جو کچھ حرمت ہے سکر کی وجہ سے ہے اگر کسی تدبیر سے شراب کا سکر (نشہ) زائل ہو جائے مثلاً سرکہ بن جائے تو بعینہ اس کا پینا حلال ہو جاتا ہے لیکن شہوت بالامارد کی خباثت لذاتہ ہے یہ کسی طرح بھی زائل نہیں ہو سکتی پس یہ فعل حرمت میں سب سے بڑھا ہوا ہے کہ اس میں کسی طرح بھی حلت کی گنجائش نہیں۔

یہ ناپاک فعل سب سے پہلے قوم لوط میں رائج ہوا۔ ان سے پہلے آدمیوں میں اس کا وقوع نہ ہوا تھا چنانچہ لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

أتأتون الفاحشة. ماسبقكم بها من أحد من العلمين(الأعراف:80)

ترجمہ: کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔

گو حیوانات میں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان میں پہلے سے اس کا وقوع تھا۔ حق تعالیٰ نے قوم لوط پر جو سنگین عذاب نازل کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فعل کیسا سنگین ہے کیونکہ کفر تو تمام کفار میں مشترک تھا لیکن انواع عذاب کا مختلف ہونا بظاہر خصوصیت افعال ہی کی وجہ سے ہے اور سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل بد قوم لوط نے بھی خود نہیں ایجاد کیا بلکہ شیطان نے ان کو سکھایا۔ یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ انسان کا نفس باوجود امارۃ بالسوء ہونے کے اس کی طرف از خود منتقل نہیں ہوا بلکہ شیطان خبیث نے اس کی طرف قوم لوطؑ کو متوجہ کیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 200،201)

لفظ لواطت کا غلط استعمال

صاحبو! مجھے تو اس فعل کے لئے لفظ لواطت کا استعمال بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ لواطت کا لفظ لوط علیہ السلام کے نام سے بنایا گیا ہے تو ایسے گندے کام کا نام نبی کے نام سے مشتق کرنا بہت ہی نازیبا ہے جس نے یہ لفظ ایجاد کیا ہے بہت ستم کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ لفظ عربیت میں دخیل اور مولد ہے فصحائے عرب کے کلام میں اس کا استعمال نظر سے نہیں گزرا۔ عربی میں اس کے لئے اتیان في الدبر کا لفظ معلوم ہوتا ہے یا اور کوئی لفظ بھی ہو۔ بہر حال

لواطت کا لفظ قابل ترک ہے اور میرے نزدیک اغلام کا لفظ بھی مولد ہے عربی فصیح میں اس کا بھی استعمال نہیں ہے۔ یہ سب بعد کے گھڑے ہوئے ہیں۔

غرض اس فعل کی خباثت عقل و نقل ہر طرح سے ثابت ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے خود ہی انکار کرتی ہے اس فعل پر سوائے بد طینت آدمی کے اور کوئی سبقت نہیں کر سکتا ایک کھلا ہوا فرق شہوت بالنساء اور شہوت بالرجال میں یہ ہے کہ عورت سے قضائے شہوت کرنے کے بعد اس میں محبت بڑھتی ہے اور مرد کی عزت عورت کی نظر میں بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد ہے نامرد نہیں ہے اور لڑکوں سے قضائے شہوت کر کے ایک دوسرے کی نظر میں اسی وقت ذلیل و خوار ہو جاتا ہے پھر بہت جلد مفعول کے دل میں عداوت ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 203)

کامل بننے کا طریقہ

دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ کاملین کے ساتھ ہو جاؤ۔ صاحبو! جو طریق کمال حاصل ہونے کا حق تعالیٰ نے بتایا ہے واللہ کوئی سالک، کوئی محقق ہرگز نہیں بتلا سکتا۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی کہ کاملین کی معیت سے بھی کمال حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کاملین کی معیت ہی معیت حصول کمال کے لئے کافی ہے۔

ممکن ہے بعض لوگ یہی سمجھے ہوں مگر یہ نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص سالہا سال کاملین کے ساتھ رہے اور خود کچھ نہ کرے تو اس کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ اصل طریق تو کمال فی الدین حاصل کرنے کا یہ ہے کہ اعمال میں کمال حاصل کرو۔ اعمال میں کمال حاصل کرنا یہ ہے کہ طاعات کو بجالاؤ اور معاصی سے اجتناب کرو۔ چنانچہ آیت

لَیْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَکُمْ---------إلى آخر الآية. (البقرة: 177)

میں انہی اعمال کو بر کافی فرمایا ہے اور ان کو بیان فرما کر ان لوگوں کا متقی اور صادق ہونا بتایا ہے جو ان اعمال کو اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے اعمال پر مدار کامل ہونا بخوبی ظاہر ہے مگر اب سوال یہ ہے کہ اعمال میں کیسے کامل ہوں کیونکہ کمال فی الاعمال کی تفصیل میں ایک مانع پیش آتا ہے جو نفس ہے، ہر عمل میں اس کا تقاضا ہوتا ہے شریعت حکم دیتی ہے کہ جاڑوں میں پانچوں وقت وضو کرو، نفس کی آرام طلبی اس کی مزاحمت کرتی ہے، شریعت کا حکم ہے کہ زکوۃ سالانہ ادا کرو، نفس کا تقاضائے بخل اس کی مزاحمت کرتا ہے، شریعت کا حکم ہے کہ رشوت اور سود نہ لو نفس کا تقاضائے حرص اس کی مزاحمت کرتا ہے، شریعت کا حکم ہے کہ لڑکوں اور نامحرم عورتوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھو، تقاضائے شہوت ان کی مزاحمت کرتا ہے۔

اسی طرح حکم ہے کہ فقر و تنگدستی میں مخلوق کے مال پر نظر نہ کرو، تقاضائے حرص اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس جتنے احکام شریعت کے ہیں ہر حکم کے مقابلہ میں اس کے خلاف نفس کا ایک تقاضا ہے جو اس حکم کی

مزاحمت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ نے دین کامل حاصل کرنے کا صرف حکم نہیں کردیا بلکہ اس کا طریقہ بھی بتادیا اور وہ طریقہ ہے 'اعمال کا جمع کرنا' (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 214، 213)

غُرباء کا خلوص

لکھنؤ کا واقعہ ہے کہ وہاں کے ایک عالم ایک سقے کے گھر تشریف لے جارہے تھے کہ ایک رئیس نے پوچھا کہ مولانا کہاں جارہے ہیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس نے دعوت کی ہے۔ رئیس نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ نے تو لٹیا ہی ڈبودی سقے کے گھر دعوت کھانے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں صاحب ٹھیک ہے اور سقے سے کہا کہ اگر تو ان کو لے چلے تو میں بھی جاؤں گا ورنہ میں بھی نہیں جاتا وہ ان رئیس کے سر ہوا اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر لے چلا۔ مولوی صاحب نے اس تدبیر سے یہ بات دکھلادی کہ ان غرباء کا اصرار کس کس طرح کا ہوتا ہے اور ان کو کس درجہ خلوص ہوتا ہے۔ حقیقت میں امراء کو خبر نہیں ورنہ اگر ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ غرباء کو اہل اللہ و علماء سے کتنی محبت ہے تو ان کو مجبور و معذور سمجھیں جیسے خود تھوڑے سے اصرار سے یہ رئیس مجبور ہو گئے محبت وہ چیز ہے کہ۔

عشق را نازم کہ یوسف را بباز ار آورد   وہچو صنعا زاہدی را او بزنار آورد

(میرے عشق کو ناز ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سرِ بازار لے آیا، صنعا جیسے زاہد کو اتار پہنادیا)

تو اگر کسی بڑے شخص کو کسی غریب کے گھر پہنچادے تو کیا تعجب ہے۔ اس کے عجیب و غریب اس کے تصرفات ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ امراء کو ان کی اطلاع نہیں۔ کیونکہ لوگوں کو ان سے محبت ہی نہیں ہے۔ ان کی اگر تعظیم بھی کرتے ہیں تو ایسی کہ جیسے بھیڑیئے کی تعظیم کرتے ہیں یا اگر کھڑے ہوتے ہیں تو جیسے سانپ کے لئے کھڑے ہو گئے متکبرین سمجھتے ہیں کہ ہماری تعظیم کی حالانکہ تعظیم نہیں ہے بلکہ خوف ہے تو چونکہ ان سے کسی کو محبت نہیں ہوتی اس واسطے ان کو محبت کا اندازہ نہیں ہوتا اور اگر کسی کے ساتھ محبت ہو تو اس کے ساتھ ان کا وہی برتاؤ ہوتا ہے جو کہ علماء کا عوام سے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 252، 251)

دماغی کمزوری کا عذر

ان ساری باتوں کے علاوہ قرآن مجید کے الفاظ اس قدر شیریں اور باحلاوت ہیں کہ ان کی طرف خود کشش ہونی چاہیے اگر اس پر ثواب وغیرہ کا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی اس کو یاد کرنا چاہیئے تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظ کرنے سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے اس لئے ہم اپنے بچوں کو حفظ نہیں کراتے کیونکہ کمزوری دماغ کے بعد وہ کسی دوسرے کام کے نہیں رہے اس کے جواب میں ڈاکٹر کا قول نقل کر دینا کافی ہے۔

ایک ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ دماغ صرف قوت فکر یہ سے کمزور ہوتا ہے، حفظ الفاظ سے نہیں ہوتا کیونکہ حفظ دماغ کی اصلی ریاضت نہیں وہ صرف زبان کی ریاضت ہے اور دماغ کی ریاضت غور وفکر ہے تو حفظ سے دماغ نہ تھکے گا۔ اگر تھک سکتی ہے تو زبان اور زبان تھکتی نہیں۔

دوسری بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ قرآن اس وقت یاد ہو جاتا ہے کہ بچہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں کر سکتا یعنی اس کے دماغ میں کسی کام کے کرنے اور غور وفکر کی قابلیت ہی نہیں ہوتی اور اگر زبردستی اس وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیئے جاتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مضرتیں اٹھاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتدال کی رفتار سے چلے تو قرآن شریف اس وقت حفظ ہو جائے گا جس وقت تک وہ خود بھی بچے کسی فکر کے کام میں نہ لگاتا اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ دماغ کمزور ہو جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں کہ دماغ کس کا ہے۔

صاحبو! کتنی شرم کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا دماغ ساری عمر اپنے لئے اس کو صرف کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے لئے دو چار سال بھی نہ دیئے جائیں غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے قرآن کا یاد کرنا نہایت ضروری ثابت ہوتا ہے اور ایک بڑا فائدہ اس میں یہ ہے کہ اس کے حفظ سے دوسرے علوم نھایت درجہ آسان ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس جب کوئی اپنے بچے کو لاتا تو دریافت فرماتے کہ اس نے قرآن شریف حفظ کیا ہے یا نہیں اگر وہ حافظ ہوتا تو فرماتے کہ ان شاء اللہ یہ پڑھ لے گا اور اگر حافظ نہ ہوتا تو وعدہ نہیں کرتے تھے یوں فرماتے تھے کہ میں بھی دعا کروں گا تم بھی دعا کرنا۔

واقعی یہ تجربہ بھی ہے کہ جو لوگ حافظ ہیں اکثر ان کو دوسرے علوم بھی نہایت آسانی سے آجاتے ہیں لیکن اگر حافظ بناؤ تو اس کا خیال رکھو کہ ان کو یاد بھی رہے کیونکہ اکثر لوگ انگریزی میں اس قدر کھپ جاتے ہیں کہ ماں باپ کی ساری کوشش اور اپنے بچپن کی تمام محنت رائیگاں جاتی ہے۔ اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کی بدولت عقلائے وقت کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن پڑھنا وقت ضائع کرنا ہے (مطلب یہ کہ جو حفظ قرآن کے بعد نہ پڑھے اور بھلا دے تو گویا اس نے وقت ضائع کر دیا) اس لئے اس کے بقائے حفظ کا ضرور خیال رکھو اور کوئی وقت روزانہ اس کی تلاوت کا نکال لو۔

اگر کہو کہ کثرت کام سے وقت نہیں ملتا تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی بیماری لگ جائے اور ڈاکٹر اس بیماری میں یہ تجویز کرے کہ ایک گھنٹے تک روزانہ صبح کو قرآن پڑھا کرو تو اس وقت تمہارے پاس کہاں سے وقت نکل آئے گا۔ تو تھوڑی دیر دین کو ایسا ہی سمجھ کر اس کے لئے وقت نکال لیا کرو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 299،300،301)

صاحب کمال کی علامتیں

اب میں اپنے بیان کو ایک ضروری بات پر ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ محبت کیلئے جس شخص کو تجویز کیا جائے وہ کیسا ہو اور اس کے صاحب کمال ہونے کی علامتیں کیا ہیں۔ سو علامتیں اس کی یہ ہیں (۱) ایک تو بقدر ضرورت علم دین جانتا ہو۔ (۲) دوسرے شریعت پر پوری طرح کار بند ہو۔ (۳) تیسرے اس میں یہ بات ہو کہ جس امر کو خود نہ جانتا ہو علماء سے رجوع کرتا ہو۔

(۴) چوتھے علماء سے اس کو وحشت نہ ہو۔ (۵) پانچویں یہ کہ اس میں روک ٹوک کی عادت ہو۔ مریدین اور متعلقین کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔ (۶) چھٹے یہ کہ اس کی صحبت میں برکت ہو کہ اسکے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔ (۷) ساتویں یہ کہ اس کی طرف علماء اور دین کے سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ بڑی علامت ہے کمال کی۔

جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں وہ مقبول ہے اور کامل ہے اس کے پاس جایئے اور اس کی صحبت سے مستفیض ہو جائیں اور اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اس سے بیعت ہو جائیں کیونکہ پیری مریدی کی حقیقت مقصود ہے اور وہ یہی ہے جو مذکور ہوئی اس کی صورت مقصود نہیں ہے جیسے آج کل کہ وہ محض رسم کے طور پر رہ گئی، جیسے کہ بعض جگہ نکاح ایک رسم سمجھ کر کیا جاتا ہے گو عنین ہی ہو۔ ایسے ہی بطور رسم کے مرید بھی ہو جاتے ہیں ہاں اگر قلب میں نہایت تقاضا پیدا ہو تو مرید ہونے میں بھی مضائقہ نہیں لیکن مرید ہونے کے لئے سخت جانچ کی ضرورت ہے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے یہ سات علامتیں جو اوپر مذکور ہوئیں ضرور دیکھ لیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ان کو دو لفظوں میں ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں:

کار مرداں روشنی و گرمی ست   کار دوناں حیله و بے شرمی ست

(مردوں کا کام روشنی اور گرمی اور کمینوں کا کام بہانے بنانا اور بے حیائی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اے بسا ابلیس آدم روئے ست   پس بہر دستے نباید دست

بہت سے لوگ جو آدمی کے جیسی صورت تو رکھتے ہیں مگر شیطان ہیں اس لئے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے۔

نیک صحبت کے آداب

البتہ صحبت کے کچھ آداب بھی ہیں بدون ان کے صحبت نافع نہیں۔ منجملہ ان آداب صحبت کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جا کر دنیا کی باتیں نہ بنائے جیسے کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بھی دنیا بھر

کے قصے، جھگڑے، اخبار کے واقعات ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نیز حتی الوسع بزرگوں کو تعویذ گنڈوں کی تکلیف بھی نہ دینی چاہئے ان حضرات سے تعویذ گنڈے لینا ایسا ہے جیسا کہ سنار کے پاس کھرپایا کلہاڑی بنوانا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہاتھ میں ہاتھ لیتا ہے وہ اللہ میاں کا نعوذ باللہ رشتہ دار ہو جاتا ہے کہ جو کام بھی اس سے کہا جائے وہ اللہ میاں سے ضرور پورا کر دیتا ہے حالانکہ ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید ہے، کسی کی کیا مجال ہے کہ بجز عرض کے ذرا دخل دے سکے۔ (خطبات حکیم الامت جلد3، ص510)

چوتھی جلد کے جواہر

اصلاح نفس کی ضرورت

پس پہلے طبیب کو تجویز کرو، کیونکہ ہر علاج کرنے والا طبیب نہیں ہوتا بعضے عطائی حکیم بھی ہوتے ہیں نیز طبیب وہ ہے جو خود علیل نہ ہو۔ کیونکہ قاعدہ ہے۔ رأی العلیل علیل۔ بیمار کی رائے بھی علیل (بیمار) ہوتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر بیماری غالب نہ ہو اور کوئی مرض اس کا لازم نہ ہو باقی اتفاقاً بھی کوئی مرض تھوڑی دیر کے لئے لاحق ہو جانا طبیب ہونے کے منافی نہیں کیونکہ حقیقی صحت تو شاید ہی کسی کو حاصل ہو (انبیاء علیہم السلام کے سوا معصوم کوئی نہیں) مثلاً کسی متواضع سے بھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں ہاں اس کے افعال واحوال میں زیادہ غلبہ تواضع کا ہونا چاہے جو شخص ایسا ہو وہ طبیب ہے اس کو غنیمت سمجھو اس کا انتظار نہ کرو کہ پیر جنید بغدادی ہی ہو۔ کیونکہ اگر جنید کو دیکھتے تو ان میں بھی کوئی نہ کوئی نقص ضرور نکال دیتے پس اس علامت سے طبیب کو تلاش کر کے اپنے کو اس کے سپرد کر دو اور وہ جو تصرف تمہارے اندر کرے اس پر راضی ہو کر عمل کرو کیونکہ اگر تمہارے اندر تکبر کا خناس ہوگا تو اس کا علاج تذلیل و تحقیر سے کرے گا ایسی تدبیریں بتلائے گا جن سے نفس پامال ہو جائے جیسا سلطان نظام الدین بلخی قدس سرہ نے ابو سعید گنگوہی کا علاج کیا تھا جب یہ شیخ کے پاس طلب طریق اور اصلاح نفس کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے دیکھا کہ ان میں صاحبزادگی کا اثر بہت کچھ ہے، آپ نے اس کا یہ علاج کیا کہ خانقاہ کا حمام جھونکنا ان کے سپرد کیا، سال بھر تک بیچارے حمام جھونکتے رہے، ایک سال کے بعد شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج ذرا تو ابو سعید کے پاس جانا اور جو کچھ وہ کہیں مجھے مطلع کرنا، بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابو سعید نے تیز نگاہ سے اس کو گھور! اور فرمایا گنگوہ ہوتا تو تجھے مزہ چکھا دیتا بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی کہ ابو سعید نے یوں کہا تھا، فرمایا اوہو! ابھی تک گنگوہ کی پیرزادگی کا اثر باقی ہے تو ایک سال تک اور اس کام پر رکھا سال بھر کے بعد بھنگن کو پھر وہی حکم دیا اور فرمایا اب کے تھوڑا سا کوڑا بھی ان پر جھاڑ دینا اور جو بھی کہیں اس کی خبر مجھے کرنا اس نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابو سعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا صرف غصہ سے ایک دفعہ گھور کر دیکھا، بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی فرمایا کچھ کچھ اصلاح ہو چکی ہے مگر پوری نہیں ہوئی، ابھی دماغ میں خناس موجود ہے ایک سال تک اور حمام جھنکوایا، پھر بھنگن کو وہی حکم دیا اور فرمایا اس مرتبہ پورا ٹوکرا ان کے اوپر ڈال دینا اس نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابو سعید رونے لگے کہ شاید میری وجہ سے تجھے ٹھوکر لگی ہے اگر

کہیں چوٹ لگی ہے تو مجھ سے بدلہ لے لے یا معاف کردے۔ غرض اس کی خوشامد کرنے لگے بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی تو فرمایا الحمدللہ اس کی اصلاح ہوگئی۔ اس کے بعد پھر یہ خدمت چھڑادی اور کچھ ذکر شغل بتلایا اور مجلس میں حاضر ہونے کی اجازتِ دے دی مگر بات کرنے کی اجازت نہ تھی تو نفس ان طریقوں سے درست ہوتا ہے اور یہ ذلت اول اول مرید کو بہت ناگوار ہوتی ہے مگر اس کو ہمت کے ساتھ برداشت کرنا چاہے جیسا کہ دوائے تلخ ناک اور منہ بند کر کے پیا کرتے ہیں۔

حضرت شبلیؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک مرید نے شکایت کی کہ مجھے ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے توجہ کی تو اس کا سبب تکبر معلوم ہوا۔ آپ نے اس کا علاج کرنے کے لئے فرمایا کہ تو ایک ٹوکرا اخروٹوں کا فلاں محلہ میں (جہاں اس کے معتقد بہت تھے) لے جا اور عام طور سے یہ اعلان کردے کہ جو کوئی میرے ایک دھول مارے گا اسے ایک اخروٹ ملے گا، یہ سن کر مرید نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں؟ شیخ نے فرمایا کمبخت یہ اللہ کا نام وہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اس کو کہے تو مسلمان ہو کر جنتی ہو جائے مگر تو نے جس موقع پر یہ نام کہا ہے اس سے تو کافر ہو گیا کیونکہ اس وقت تو نے اللہ اکبر خدا کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے۔ جا اپنے ایمان کی تجدید کر۔ سو پہلے پہل یہ ذلت کے کام نفس کو بہت ناگوار ہوتے ہیں مگر بدون ذلت کے کام بھی نہیں بنتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان بھی خودی حائل ہے اگر یہ نکل جائے تو بس واصل ہے اور جب تک یہ باقی ہے اس وقت تک وصول نہیں ہوسکتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 70،69)

وعظ کی اہمیت

وعظ میں خاص اثر ہے جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی بلکہ دلچسپی ہوتی ہے اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے تصنیف میں بھی وعظ کے برابر اثر نہیں ہوتا بعض لوگوں کو علماء پر یہ بھی اعتراض ہے کہ ان کی تصانیف دشوار ہوتی ہیں یہ اعتراض تو محض لغو ہے کیونکہ احکام جو کہ مقصود ہیں ان کے متعلق تو تصانیف علماء کی سہل ہی ہوتی ہیں بلکہ ایسی سہل ہوتی ہیں کہ بچے اور عورتیں بھی سمجھ لیتے ہیں باقی رہے دلائل اور علوم دقیقہ سو وہ مقصود ہی نہیں اور اگر باوجود غیر مقصود ہونے کے کسی کو مرغوب ہوں اور اس لئے ان کی تسہیل کا مشورہ دیا جائے سو وہ کسی عبارت سے سہل نہیں ہوسکتے بلکہ وہ اصل میں درس و تدریس سے اور بعضے مضامین معیت علماء میں رہنے سے اور بعضے ان سے دریافت کرنے سے حل ہوسکتے ہیں تو اعتراض تو حش فضول ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہے سب سے زیادہ عام نفع وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ چھ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے تو وعظ کا نفع اتم و اعم و اسہل ہے اس لئے اس کو ضرور اختیار

کرنا چاہے دوسرے وعظ کو اس لئے بھی اختیار کرنا چاہئے کہ جس چیز کو آپ آجکل مقصود سمجھے ہوئے ہیں یعنی درس وتدریس خود اس کے لئے' بھی یہ بہت معین و مفید ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ علماء کو آجکل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ علوم اسلامیہ کے بقاء کی صورت یہی ہے اور اس کے لئے وہ چندے وغیرہ کرتے ہیں اور امراء پر نظر کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ بدوں امراء سے ملے مدارس نہیں چل سکتے، خیر یہ تو اپنا اپنا خیال ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اگر علماء امراء سے بالکل نہ ملیں جب بھی کسی بات میں کمی نہ آئے گی کیونکہ جس خدا نے ابتداء میں اسلام میں بدوں امراء کی امداد کے محض چند غریبوں کے ہاتھوں اپنے دین کو پھیلایا تھا وہ خدا اب بھی موجود ہے اور وہ اب بھی اپنے دین کا محافظ ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 4،ص 96،97)

اعمال کی نورانیت

رازاس کا یہ ہے کہ اعمال میں سب میں باہم مناسبت ہے نیک اعمال کو نیک سے اور بد کو بد سے خواہ جنس میں اتحاد ہو یا نہ ہو تو ہر عمل خیر دوسرے عمل خیر کا مؤید و مقوی ہوتا ہے مثلاً آپ کا ایک نوکر اور باورچی ہے آپ نے اس کو آواز دی آپ کے پکارنے سے فوراً حاضر ہو گیا سو ایک تو اس کا حاضر ہونا اس وقت ہے اور ایک اس وقت ہے کہ وہ کسی سے لڑ بیٹھا، اتفاقاً اسی حالت میں آپ نے اسے پکارا تو وہ حاضر تو ضرور ہو گا مگر اس حاضری اور پہلی حاضری میں فرق ضرور ہو گا باوجودیکہ نوکر کی آقا سے لڑائی نہیں ہوئی بلکہ دوسرے سے ہوئی مگر اس عمل منکر کا یہ اثر ہو گا کہ یہ کلام میں ادب و نیاز مندی کی وہ شان نہ ہو گی جو پہلے تھی، اسی طرح اگر نماز سے پہلے کوئی عمل تواضع کا کیا تو اس کا نماز میں یہ اثر ہو گا کہ نماز میں نورانیت بڑھ جاوے گی اور اگر نماز سے پہلے کسی کے ساتھ تکبر کا معاملہ کیا تھا اگرچہ تکبر جنس صلوۃ سے نہیں مگر تکبر کا ظلماتی اثر نماز میں ضرور ہو گا اور نماز سے پیشتر وہ تکبر کرنا مانع نورانیت صلوۃ ضرور ہو گا۔ یہی مطلب اور مقصود ہے اس حدیث کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الحسد تاکل الحسنات کما تأکل النار الحطب

(حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جیسے لکڑی کو آگ)

اگرچہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ باوجود حسد کے بھی حسنات باقی رہتی ہیں مگر معنی یہ ہیں کہ اعمال میں نورانیت نہیں رہتی اسی طرح صوم کے بارہ میں ارشاد ہے:

وإذا كان يومُ صَومِ أحَدِكم فلا يَرفُثْ، ولا يصخَبْ، فإن سابَّه أحدٌ، أو قاتَلَه، فلْيقُلْ: إنِّي امرؤٌ صائِم ((وفی روایةٍ أخری عن أبی هُریرةَ رَضِیَ اللهُ عنه أنَّ النَّبیَّ صلَّی اللهُ علیه وسلَّم قال)): إذا

أَصْبَحَ أَحَدُكُم يَوْمًا صَائِمًا، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، فَإِنِ امْرُؤٌ شَاتَمَهُ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ، إِنِّي صَائِمٌ (ص۲۵۳ ص ۲۵۵)

مفہوم: اور جب تم میں سے کسی کا روزہ کا دن ہو پس نہ فحش باتیں کہے اور نہ لڑے۔ (کوئی اور لڑے) تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں)

تو اس حدیث میں مقصود یہی ہے عمل صوم میں ان افعال کے ارتکاب سے نورانیت نہیں رہتی گو روزہ باطل نہیں ہوتا پس ثابت ہو گیا کہ جو اعمال ہم جنس نہیں وہ بھی باہم ایک دوسرے کے مکمل (تکمیل کا ذریعہ) ہیں لہٰذا چھوٹی شے کو بے وقعت نہ سمجھنا چاہیے چھوٹی اشیاء بڑوں کی حفاظت کے لئے ہوتی ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد4، ص115،114)

حقانیت اسلام

صاحبو! مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہو گئی تھی، آپؓ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس سے مطالبہ کیا، اس نے نہ دی، اور کہا کہ یہ تو میری ہے، آپؓ باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے مگر اس کو لیکر مدعی بن کر حضرت شریحؒ (قاضی) کے یہاں پہنچے، قاضی صاحب نے گواہوں کو طلب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صاحبزادہ اور ایک آزاد شدہ غلام کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک عادل بیٹے کی گواہی باپ کے موافق جائز تھی مگر قاضی شریحؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے قاضی صاحب نے صاحبزادے کی گواہی رد کر دی، اللہ اکبر! ایک بادشاہ وقت کی چیز چوری ہو جائے اور بادشاہ اس کو پہچان لے، اور ایک ادنیٰ آدمی رعیت کا جو کہ مسلمان بھی نہ ہو بے تکلف اپنی ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنے ماتحت قاضی کے یہاں محاکمہ کے لئے جاویں اور صاحبزادہ کو گواہی میں پیش کریں جو کہ اہل جنت کے سردار ہیں اور قاضی صاحب ان کی گواہی قبول نہ کریں اور زرہ یہودی کو دلوادیں اور خلیفہ اس کو قبول کر لیں۔ آخر یہ حقانیت ان کو بجز تعلیم اسلام کے کس نے دی ہے۔ پس اسلام یقیناً حق ہے، یہودی یہ حالت دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا اور حضرت سے بیعت ہو گیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔

(خطبات حکیم الامت جلد4، ص124)

عجب کا علاج

طبیب شفقت کی بنا پر لوگوں کے امراض کا اظہار کرے اور مریض اسے سختی سمجھیں، تو بتلایئے کہ علاج کی کیا سبیل ہو سکتی ہے اور امراض باطنہ کا علاج کس صورت میں ہو سکتا ہے، افسوس اصلاح کے متعلق ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے، کہ اس معاملے میں طبیب روحانی کی ذراسی تدبیر کو بھی سختی سمجھتے ہیں اور سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ تکبر و عجب وغیرہ کی اصلاح میں مریدوں سے بڑے بڑے مجاہدے کراتے تھے اور سختی نہیں سمجھی جاتی تھی، چنانچہ

ذوالنون مصری کی حکایت ہے کہ ایک مرید نے ایک دفعہ آ کر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت فلاں مرید نے شراب پی رکھی ہے اور شراب کے نشہ میں شراب خانہ کے دروازہ پر پڑا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم شراب خانہ سے اس کو اٹھا کر لاؤ۔ شیخ کا حکم تھا۔ ہر چند کہ نفس پر ثقیل اور شاق گزرا مگر مجبوراً شراب خانہ کی طرف چلے اور اس کو کمر پر لاد کر واپس ہوئے۔ لوگوں نے دیکھ کر دونوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ میاں دونوں شرابی ہیں مگر ایک پر نشہ کا اثر ہو گیا ہے اور دوسرے پر ابھی نہیں ہوا۔ افسوس یہ مقطع صورت اور تصوف کا دعویٰ اور یہ افعال استغفر اللہ، یہ صاحب سمجھ گئے کہ میں نے جو حضرت سے اس شخص کی شکایت کی تھی اور اپنے کو اس شرابی سے اچھا سمجھا تھا اس لئے حضرت نے میرے نفس کو سزا دی ہے کہ مجھے بھی ساتھ میں بدنام کرایا تو پہلے بزرگ ان طریقوں سے تکبر و عجب کی اصلاح کرتے تھے۔ کیونکہ جب تک خناس دماغ سے نہیں گیا، اس وقت تک وصول میسر نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت شبلیؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک مرید آیا اور ثمرات کے عدم ترتب کی شکایت کی، شیخ نے جب طریق تزکیہ بدل کر دیکھا کہ کسی طریق سے نفع مرتب نہیں ہوتا تو سمجھ گئے کہ اس کے اندر عجب و تکبر کا مرض ہے وہی نفع سے مانع ہے تو شیخ نے ایک ٹوکرا اخروٹ کا بھرا ہوا دے کر کہا کہ فلاں محلے میں جہاں ان کے معتقدین زیادہ تھے جا بیٹھو اور اعلان کر دو کہ ایک دھول کے بدلے ایک اخروٹ لے جاؤ اسی طرح یہ ٹوکرا ختم کر دو۔ یہ حالت تھی معالجہ کی مگر ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر ذرا سی بھی سختی ہوتی ہے ناگوار ہوتی ہے کہ ہم پر یہ سختی کیوں ہوتی ہے۔ لا الہ الا اللہ کی طلب کا دعویٰ اور بات بات پر ناگواری صاحبو! طلب کا نام بھی کیوں بدنام کرتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص127,128)

کامیابی کا طریق

بعض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے پس ایک چھو سے مستی پیدا ہو جائے یہ غلط خیال ہے، اگر کوئی شراب خانہ میں جا کر خمار سے یوں کہے کہ ایک پھونک مار کر اور چھو کر کے مجھے اس طرح کی شراب دیدے جس سے بدوں پیئے ہی مجھ میں مستی پیدا ہو جائے اور کسی قسم کی تلخی بھی نہ معلوم ہو، یقین ہے کہ ساقی بھی یہی جواب دے گا کہ مستی پیدا کرنے کی صورت تو یہی ہے کہ دام خرچ کرو۔ اور شراب پیو اور میری چھو یہی ہے کہ اسے پی جاؤ، پر حیرت ہے کہ ظاہری مستی تو جو کہ ایک معمولی چیز ہے بدوں کچھ خرچ کئے اور بغیر پیئے حاصل نہ ہو سکے۔ اور باطنی مستی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے، ایک چھو سے حاصل ہو جائے، اور تمہیں کچھ نہ کرنا پڑے، آج کل بعض لوگ شیوخ کاملین کے پاس جاتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم کو کسی قسم کی محنت اور مشقت

برداشت نہ کرنا پڑے بلا محنت کلفت کے مقصود حاصل ہو جاوے، ایسے لوگوں کو طلب کا نام ہی لینے کی کیا ضرورت ہے جب وہ تلخی شراب کا بھی تحمل نہیں کر سکتے۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن　از چنیں شیرے ژیاں پس دم مزن

(ترجمہ: جب تو سوئی چھوانے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر شیر کی تصویر گدوانے کا نام نہ لے۔)

مثنوی میں ایک حکایت پر مولانا نے یہ شعر فرمایا ہے کہ ایک شخص اپنا بدن گدوانے چلا اور گودنے والے سے جا کر کہا کہ میرے شانہ پر شیر کی تصویر بنادے تاکہ لڑائیوں میں بہادر رہوں اور شجاعت کا مجھ میں اثر رہے، اس نے اس کے کہنے کے مطابق ایک مقام پر سوئی چبھوئی تو آپ (اس) سے سوئی کی تکلیف برداشت نہ ہو سکی شور وغل مچانا شروع کیا اور اس سے سوال کیا کہ میاں کیا عضو بناتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ دُم بنا رہا ہوں۔ فرمانے لگے کہ بے دُم کا بھی شیر ہوتا ہے دم کو چھوڑ دو، یہ دم کٹا ہی سہی۔ اس نے دوسری جگہ سے گودنا شروع کیا۔ اس دفعہ آپ نے پہلی مرتبہ سے زیادہ شور مچایا اور پوچھا کہ اب کونسا حصہ بنتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ کان تو آپ فرمانے لگے کہ کانوں کو جانے دو، بوچا ہی سہی، کیونکہ شیر کا وجود کانوں پر موقوف نہیں۔ اس نے وہ جگہ چھوڑ کر تیسری جگہ سوئی لگائی۔ آپ نے دستور سابق دریافت کیا کہ اب کیا بنا رہا ہے اس نے کہا کہ پیٹ، آپ فرماتے ہیں کہ تصویر کو پیٹ کی کیا حاجت ہے، اسے کوئی کھانا پینا تو نہیں ہے، اس نے جھلا کر سوئی زمین پر پٹخ دی اور کہنے لگا کہ۔

شیر بے گوش سر واشکم کہ دید　ایں چنیں شیرے خدا ہم نہ فرید

(ترجمہ: بغیر کان، پیٹ اور سر کا شیر کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو اللہ نے بھی نہیں پیدا کیا۔)

کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا، میں کس طرح بناؤں، پھر مولانا فرماتے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن　از چنیں شیرے ژیاں پس دم مزن

ترجمہ:۔ جب تو سوئی چھوانے کی طاقت نہیں رکھتا تو شیر کی تصویر گدوانے کا نام نہ لے۔ حافظ فرماتے ہیں۔

یا مکن با پیلباناں دوستی　یا با کن خانہ برانداز پیل

(ترجمہ: یا تو ہاتھی والوں سے یارانہ نہ رکھو یا اپنا گھر ہاتھی رکھنے کے انداز پر بناؤ)

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 141,142)

استغراق اور اس کے آداب

باقی ان بزرگ نے کسی خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے فرمایا ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اس بات میں

ہوتی ہے کہ جیسے نائم کو اس عالم سے غیبت ہو جاتی ہے ایسے ہی اس ذاکر کو بھی ہو جاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے چنانچہ اس کے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں رہ کر ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ میں مراقب بیٹھے تھے حضرت حاجی صاحب نے ایک سوار فوجی کو جو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلاؤ انہوں نے آکر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند، بے چارہ فوج کا آدمی اس کو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں جا کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو ٹول رہے ہیں حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول ہیں پھر نہ بلایا اور حضرت کا مولانا کو نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے "ادر که المقت في الوقت" یعنی اس کو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لاحق ہوتی ہے بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کہ مشغول باللہ کو اپنی طرف متوجہ کریں اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو مشغول پاتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جائے۔ کیا کرتے ہیں بعضے تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں، یاد رکھو جو قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اس کو سلام مت کرو جا کر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہے اگر سلام کا موقع ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو جب میں جلسہ دیوبند میں گیا تو علیل تھا کہ ارادہ بھی جانے کا نہ تھا ایک بار نماز کے وقت باجازت امام نماز پڑھانے کیلئے مصلی پر جانے لگا راہ میں وہاں مصافحوں کا ہجوم ہوا مصافحے کرتا کرتا حیران ہو گیا خیر جوں توں کر کے مصلے کے قریب پہنچ گیا تو دوسری صف میں سے ایک شخص نے نکل کر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا، ایک بار وطن میں بعد نماز کے کچھ اوراد مصلی پر بیٹھا پڑھ رہا تھا ایک شخص سپاہی سا آکر کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند پشت کی طرف کہا مصافحہ، میں نے کہا وظیفہ، اور بعض کیا کام کرتے ہیں حلق سے کام لیتے ہیں یعنی کھانستے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم آئے ہیں وظیفہ چھوڑ کر ہم سے باتیں کرو بعضے ہاتھوں کی آہٹ سے کام لیتے ہیں بعضے پاؤں کو زمین پر مارتے ہیں جو شخص کہ مشغول ہوتا ہے اس کو جب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میرا منتظر ہے اس کا دل بٹ جاتا ہے اور دل پر بوجھ ہوتا ہے اور بعضے جو ادب سے کام لیتے ہیں وہ چپکے سے ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں مگر بیٹھتے ہیں ایسی جگہ کہ اس مشغول شخص کی نظر بار بار پڑے یاد رکھو اگر انتظار کرنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھو جہاں اس کو خبر بھی نہ ہو جب دیکھو کہ اب فارغ ہو گئے ہیں اس وقت ملو ہاں خدانخواستہ اگر کوئی مرتا ہو یا کنویں میں گرتا ہو تو اس وقت وظیفہ تو الگ رہا فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ معمولی بات کے لئے آکر حرج کراتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 148)

راز محبوبیت

بعض لوگ تسخیر کے لئے عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لئے عمل کرتے ہیں تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے یہ نہیں کہ وہ مغلوب الحواس ہو جائے بزرگوں کے پاس تسخیر کامل تو تہذیب اخلاق ہے اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

اخلاق سب سے کرنا، تسخیر ہے تو یہ ہے　　　خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو خدا کا مطیع ہوتا ہے وہ سب کا محبوب ہو جاتا ہے اور اگر وہ غصہ بھی کرتا ہے تو اس کو سب سہتے ہیں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی علیہ الرحمۃ مزاج کے تیز تھے اور جذب بھی تھا، وزیر حیدر آباد آئے، حکم دے دیا کہ نکالو کسی نے عرض کیا کہ حضرت وزیر ہیں فرمایا میں کیا کروں جو وزیر ہے جب بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا دو بجے رات تک رہنے کی اجازت ہے حیدر آباد کے امراء بھی اللہ اکبر! بزرگوں کے بہت ہی معتقد ہوتے ہیں اس شخص نے باوجود وزیر ہونے کے برا نہیں مانا اور دو بجے رات کو چل دیا اور یہ کہا کہ بھائی اب مولانا کا حکم نہیں ہے۔ تو یہ کیا بات تھی ان کے کہنے سے کیوں برا نہ مانتے تھے بات یہ ہے کہ ان حضرات کا ہر کام اللہ کے واسطے ہے نفس کے واسطے نہیں ہوتا، نرمی کریں جب اور سختی کریں تب، جو بات ہے وہ سب اللہ ہی کے واسطے ہے اور حق تعالیٰ سب کے محبوب حقیقی ہیں آپ نے بھی نہ دیکھا ہو گا کہ معشوق اگر گالی دے گھونسہ مارے تو عاشق نے برا مانا ہو بلکہ گھونسہ کھانے میں بھی مزہ آتا ہے اور عاشق یہ کہتا ہے کہ

نشود نصیب دشمناں کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(ترجمہ:۔ دشمنوں کا یہ نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہوں تیری خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سر سلامت رہے۔)

اس لئے بھی یہ سب کے محبوب ہیں اس لئے ان کی سب حرکات بھی محبوب ہیں اور اسی واسطے جس قدر اہل کمال ہیں ان کے کمالات کے تذکرہ کرنے میں تو لذت آتی ہے مگر اہل اللہ کے ہنسنے اور رونے اور بیٹھنے اور سونے کے تذکرہ میں بھی مزہ آتا ہے ان کی سب حرکات میں محبوبیت کی شان نظر آتی ہے جس کا راز اصلی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے محب اور محبوب ہوتے ہیں پس اصل تسخیر تو یہ ہے اور تسخیر کے عمل کو وہ حرام جانتے ہیں بہر حال جو شخص مشغول ہو اس کی طرف قلب سے بھی متوجہ نہ ہونا چاہیئے یہ وجہ تھی اور یہ راز تھا کہ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا کو پھر نہ بلایا پس وہ حالت مشابہ نیند کے ہوتی ہے اور یہ سالکین مشاغلین کو پیش آتی ہے پس ایسی حالت والوں کے

اعتبار سے وہ نکتہ چل سکتا ہے باقی ہم لوگوں کو نیند آنے کی یہ وجہ نہیں، نیند تو آتی ہے اسباب طبعیہ کے لوازم کی وجہ سے، فرق اتنا ہے کہ نماز میں تو کوئی شے دفع لوازم موجو نہیں اور ناچ رنگ میں موجود ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد4، ص153، 152)

خواب کی باتیں

بہت اچھا کے لفظ پر ایک بات یاد آگئی کہ وہ اس احقر پر ایک نعمت ہے میں اس کو تفاخراً نہیں کہتا بلکہ تحدیث بالنعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک دوست نے خواب میں دیکھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور یہ بھی دیکھا کہ حضور اس شخص سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔ اثناء کلام میں اس دوست نے یہ کہا کہ میں اس شخص (حضرت مولانا صاحب) سے بیعت ہوں حضور نے سن کر فرمایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اپنا بہت اچھا ہونا تو سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے ظاہر پر ہے یا موؤل ہے اس لئے کہ اپنے اعمال گندے پیش نظر ہیں شہوت، غضب، ریا بہت سی بلائیں ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے بہت اچھا کس طرح ہو جاؤں گا۔ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایمان ہے اور اہل اللہ سے محبت ہے لیکن میں تو اس بات سے خوش ہوا کہ حضور کے یہاں تذکرہ تو آیا۔ اگرچہ اس خواب کا یہاں موقع بیان کا نہ تھا اس لئے کہ یہاں جن لوگوں کو بہت اچھا کہا گیا وہ بیدار تھے اور یہ خواب ہے کہاں خواب کہاں بیداری اور اول تو بیداری ہی میں ہو تو بھی قابل ناز نہیں پھر خواب کا معاملہ ہی جدا ہے پھر دوسرے یہ کہ اپنے مطلب کی بات ہے۔ اس میں احتمال ہے خیال کے مل جانے کا یعنی زیارت حضور ﷺ میں نہیں بلکہ کلام کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں۔

مجھ کو اس پر ایک حکایت یاد آئی وہ یہ ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ صاحب سماع تھے یعنی گانا سنتے تھے مگر ایسا گانا نہیں جیسے آجکل لوگ سنتے ہیں بلکہ شرائط کے ساتھ سنتے تھے۔ ان شرائط کے ساتھ آجکل کوئی بھی نہیں سنتا اور نہ ان کا ہر وقت کا شغل تھا۔ وہ منع کرتے تھے چنانچہ قاضی ضیاء الدین صاحب سنامی نے روکا اور فرمایا کہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے۔ حضرت سلطان جی خود بھی عالم تھے، درسیات پڑھی تھیں۔ چنانچہ ایک بار مقامات حریری حضرت نے حفظ یاد کی تھی اور پھر اس کے کفارہ کے لئے مشارق الانوار حفظ فرمائی تھی لیکن قاضی صاحب روکتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوا دوں اس وقت تو مانو گے۔ جی میں تو یہی تھا کہ دلائل سے میں حق پر ہوں نہ مانوں گا لیکن یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ کی زیارت تو ہو گی کہا کہ اچھا، سلطان جی متوجہ ہوئے اور قاضی صاحب پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی دیکھتے ہیں کہ حضور تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ قاضی صاحب وہاں بھی نہ چوکے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ﷺ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے لیکن وہ جو آپ کے بیداری کے احکام ہیں مجھے ان پر اس حالت کے

علم سے زیادہ وثوق ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میری یہ کیا حالت ہے جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا ہم نے کہلا بھی دیا قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم نے جواب بھی دے دیا۔ قاضی صاحب نے حقیقت میں بہت عجیب بات کہی محویت کی کہ جو نیند سے کم ہے۔ اس کے احکام کا محققین نے اعتبار نہیں کیا۔ ایسے ہی کشف کا بھی اگر خلاف شریعت ہو اس کا بھی اعتبار نہیں اور خواب کا تو بدرجہ اولی اعتبار نہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ مصر میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضور فرمارہے ہیں اشرب الخمر۔ (شراب پی) اس وقت سب علماء نے کہا کہ اس شخص کے سننے میں غلطی ہوئی حضور نے یقینا لا تشرب الخمر (شراب نہ پی) فرمایا ہے۔ تو صاحبو خواب کوئی قابل فخر نہیں ہے ہاں اس بات کی خوشی ہے کہ حضور ﷺ نے ذکر تو فرمایا، یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 162،161)

حفاظ کو ہدایت

پس اے حفاظ! آپ اپنی قدر کیجئے اور دس دس پندرہ پندرہ روپے پر رال نہ ٹپکائیں بڑا افسوس ہے کہ قرآن کو بیچا بھی تو کتنے میں دس روپیہ میں، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری بڑے ظریف تھے ایک مرتبہ آپ شیعوں کی مجلس میں پہنچے اور فرمانے لگے اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت یزید پر، اللہ تعالے بخشے حضرت شمر ذی الجوشن کو بڑے عالی ہمت تھے شیعہ سن کر کہنے لگے کہ حضرت توبہ کیجئے کن کافروں کی آپ بات کر رہے ہیں کہنے لگے کچھ ہو مگر تھے بڑے عالی ہمت ایمان انہوں نے بیچا تو مگر شام کی سلطنت کے بدلے، اب تم کم ہمت بھی ہو اور بے ایمان بھی کہ آدھ آدھ سیر حلوے پر ایمان بیچتے ہو شیعہ سن کر بہت کچے ہوئے ایک عربی کی مثل مشہور ہے۔

ان سرقت فاسرق الدرة وان زنيت فازن بالحرة

ترجمہ: اگر چوری کرنا ہے تو نادر موتی چراؤ اور اگر زنا کرنا ہی ہے تو کسی آزاد سے کرو۔ نعوذ باللہ

امیر احمد صاحب مرحوم تھانوی جلال آباد میں امام عیدین تھے ایک مرتبہ عید کی نماز کے بعد ایک خان صاحب نے پانچ روپیہ نذر پیش کئے قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ اپنے لائق دیتے ہیں یا میرے لائق اگر آپ اپنے لائق دیتے ہیں تو آپ کی لیاقت اس سے بہت زیادہ ہے اگر میرے لائق ویسے تو میری لیاقت تو اتنی بھی نہیں اور واپس فرمادیے غرض عوض بھی لیا تو اتنا کم کہ دس یا پندرہ روپے۔

اے حفاظ! تو اللہ کے واسطے پڑھو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو ایک مسئلہ اور ہے اس میں مجھ سے غلطی ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ سامع کو روپیہ لینا جائز ہے میں اس کو تعلیم پر قیاس کیا کرتا تھا لیکن پھر سمجھ میں آیا کہ سامع کو روپیہ میں داخل کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ تعلیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سامع کو بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نیز بھولے ہوئے کو بتلانا یہ نماز کی اصلاح ہے اور اصلاح نماز عبادت ہے اس لئے قاری کو جائز ہے اور نہ

سامع کو، قواعد کلیہ سے یہ دونوں فتوے دیئے ہیں اگر اس کے خلاف کسی کو جزئیہ معلوم ہو تو میں اس سے بھی رجوع کر لوں گا، علاوہ جواز کے میں نے یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے پر لینے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اگر جائز بھی ہوتا تو اس مرض سے بچنے کے لئے بھی اس سے پرہیز ہی بہتر ہے اور علم قرآن پر جو فقہاء نے فتویٰ دیدیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کا لینا جائز نہ ہو تو تعلیم القرآن کم ہو جائے اور اس کا باقی رکھنا ضروری ہے اگر تراویح میں قرآن نہ سنائیں تو کسی ضروری امر میں خلل نہیں پڑتا بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ اگر روپیہ نہ دیں گے تو تراویح کا ترک لازم آوے گا یہ قیاس صحیح نہیں تراویح ترک نہ ہوں گی بلکہ ختم قرآن چھوٹ جاوے گا اور وہ ضروری نہیں، بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے واسطے پڑھیں گے تم اللہ کے واسطے دے دو، صاحبو! یہ نرے الفاظ ہی ہیں مطلب صاف یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے کی وجہ سے لیتے ہیں یہ نیت نہیں ہوتی کہ اللہ کے لئے دونوں کام نہیں ہوں گے بلکہ یہ محض الفاظ اصطلاحی ہو گئے ہیں، یہ الفاظ بول کر ان کے معنی و موضوع لہ مراد نہیں لیتے اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر اس کے کہنے کے بعد حافظ جی کو معلوم ہو جائے کہ لوگ کچھ نہ دیں گے تو اسی وقت بھاگ جائیں گے یا اگر ختم پر کچھ نہ دیں گے تو پھر دیکھئے کیا مزہ آتا ہے خوب لڑائی ہو۔ یا حافظ جی اگر کچھ مہذب ہوئے تو لڑائی تو نہ ہو گی لیکن دل میں یہ ضرور سمجھیں گے کہ ان لوگوں نے حق تلفی کی غرض کہ کچھ بھی مت لو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 179، 178)

ختم قرآن کی رسوم

منجملہ منکرات کے مٹھائی تقسیم کرنا ہے اس کو لوگ چونکہ ضروری سمجھنے لگے ہیں اس لئے اس کو بھی چھوڑنا چاہئے اگر تم کو قرآن شریف ختم ہونے کا شکریہ ادا کرنا ہے گھر جا کر اور مٹھائی منگا کر سب کے یہاں حصہ لگا کر بھیج دو، مسجد میں تقسیم نہ کرو اور ایسے ہی خرچ کرنے والے ہو تو اناج تقسیم کرو، روپیہ تقسیم کرو، کوئی بکرا گائے ذبح کر کے تقسیم کر دو۔ مٹھائی ہونا فرض نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جب سورۃ البقرۃ ختم ہوئی تو انہوں نے ایک اونٹنی ذبح کی تھی۔ مسجد میں تقسیم کرنے سے بڑی بے لطفی اور مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے اور بڑا شور و غل ہوتا ہے، لکھنؤ میں ہمارے ایک دوست تھے وہ بھی مجلس مولد کیا کرتے تھے مگر منکرات سے خالی گو ہم مفاسد عوام کے سبب اس کو بھی پسند نہیں کرتے غرض وہ یہ عمل کرتے اور جس جس کو بلانا ہوتا فہرست کے ساتھ مٹھائی بھیج دیتے تھے اب جس کا جی چاہے آوے اور جس کا جی چاہے نہ آوے اور نیز اب جو کوئی آوے گا تو خلوص سے آوے گا۔ مٹھائی کے لالچ میں نہ آوے گا اور ختم قرآن کے موقع پر بیس پچیس روپے کے پیسے غرباء و مساکین کو تقسیم کر دیتے اور پھر کچھ مٹھائی ہونا ضروری نہیں ہم نے ایک مرتبہ اپنے ختم قرآن کے شکریہ میں کباب تقسیم کئے تھے اور تقسیم کا وقت بھی بدل دیا افطار کے وقت تقسیم کر دیئے ایک قاری صاحب تھے وہ گوشت روٹی کی دعوت کیا کرتے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان

مولویوں نے سب خرچ بند کردیئے صاحبو! خرچ کو کون بند کرتا ہے میں نے تو بہت سی صورتیں خرچ کی بتادیں مٹھائی کو جو منع کیا جاتا ہے سو منکرات کی وجہ سے روکا جاتا ہے منجملہ منکرات کے یہ بھی ہے کہ اس کا التزام ہوتا ہے کہ کوئی آدمی محروم نہ جائے ورنہ بڑی بدنامی ہوگی عرب کے لوگ خوب ہیں جہاں تک تقسیم ہوسکتی ہے کرتے ہیں ورنہ کہہ دیتے ہیں کہ بس خلاص وہاں اس کی پروانہیں ہے کہ بدنامی ہوگی اور اس مٹھائی کی بدولت کیا ہوتا ہے، کبھی ایک صاحب امام کے پاس آتے ہیں کہ حافظ جی کچھ عرض کرنا ہے آہستہ سے کہا کہ بازار آدمی گیا ہے مٹھائی کے لئے ذرا تھام تھام کر پڑھو اب حافظ صاحب اور دنوں میں تو آدھ گھنٹہ میں دو پارہ پڑھتے تھے آج خوب کھینچ کھینچ کر اور آواز بنا بنا کر پڑھتے ہیں جب دیکھا کہ آگیا پھر جلدی جلدی پڑھ کر ختم کردیا ایک سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ مٹھائی کے لئے چندہ ہوتا ہے اور وجہ یہ آدمی وصول کرنے والے ہوتے ہیں جو اپنی وجاہت سے غربا کو دبا کر وصول کرتے ہیں اگر کسی نے چار آنے دیئے تو کہتے ہیں کہ میاں تم چار ہی آنے دیتے ہو تم سے تو ایک روپیہ لیں گے وہ بیچارہ شرما جاتا ہے جب اس مٹھائی کے اندر یہ خرابیاں ہیں تو بتلایئے کہاں تک صبر کیا جائے کیوں نہ روکا جائے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص180)

بے زبان کا اثر

ہمارے حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس ایک درویش آئے تھے۔ اس وقت حاجی صاحب مثنوی کا درس دے رہے تھے اور حاجی صاحب کی عادت تھی کہ تقریر اردو میں فرمایا کرتے تھے۔ گو حضرت کو فارسی پر بھی پوری قدرت تھی اور وہ شیخ فارسی سمجھ بھی لیتے تھے مگر بے تکلف زبان اردو ہی تھی اس لئے اپنی ہی زبان میں تقریر فرمارہے تھے۔ مگر بایں ہمہ وہ رومی درس سے محظوظ ہورہے تھے حالانکہ وہ اردو بالکل نہ سمجھتے تھے۔ درس کے وقت کسی خادم نے حضرت سے عرض کیا، کہا اگر یہ اردو سمجھتے تو انہیں کتنا لطف آتا جو بغیر سمجھے بھی اس قدر حظوظ ہو رہے تھے۔ حاجی صاحب نے فرمایا میاں! ان مضامین کے لئے اس زبان کی قید نہیں وہاں تو کوئی دوسری ہی زبان ہے۔ پھر مولانا نے شعر پڑھے۔

پارسی گو گوچہ تازی خوشتر است | عشق را خود صد زبان دیگر است
بوئے آں دلبر چو پراں می شود | ایں زبانہا جملہ حیران می شود

(فارسی میں کہو اگرچہ عربی بہتر ہے عشق کی خود سینکڑوں زبانیں دوسری ہیں، اس دیر کی بُو جب اڑتی ہے تمام زبانیں حیران ہوتی ہیں)

بلکہ بعض اوقات بے زبانی میں وہ اثر ہوتا ہے جو زبان دانی میں نہیں ہوتا۔ میں نے ابھی وعظ سے پہلے مجمع عام میں کہا تھا کہ ریل کے سفر میں ایک ڈپٹی صاحب مجھ سے ملے اور بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ میں اخلاق کے ساتھ مل کر ان سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا تو میں اور خواجہ صاحب اور چند رفقاء نماز کے اہتمام میں مشغول ہوئے۔ وہ ڈپٹی صاحب نماز نہ پڑھتے تھے ویسے ہی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ خواجہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہاں ڈپٹی صاحب کو نماز کے لئے کہنا چاہیے کیونکہ یہ آپ سے محبت ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کا کہنا ان کو ناگوار بھی نہ ہو گا اور امید ہے کہ اثر بھی زیادہ ہو گا اور باوجود قدرت کے امر بالمعروف کو ترک کرنا شاید نامناسب ہو، میں نے کہا امر بالمعروف اس موقع پر واجب نہیں کیونکہ ان کو نماز کا فرض ہونا معلوم ہے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ چند آدمی نماز کو اٹھے ہیں اب بھی اگر ان کو توفیق نہ ہو تو یہ ان کی کوتاہی ہے۔ باقی میں تو زبان سے کچھ نہ کہوں گا کیونکہ میرے کہنے سے اگر انہوں نے نماز پڑھ بھی لی تو پڑھیں گے اپنے واسطے اور احسان ہو گا میری گردن پر سو مجھ کو تو اس سے غیرت آتی ہے کہ دین کے کام میں ان کا احسان اپنے سر لوں، اگر آپ کو امر بالمعروف کا ایسا ہی جوش ہے تو آپ خود کیوں نہیں کہتے؟ باقی اتنا میں کہدیتا ہوں کہ اس وقت نماز کے لئے کہنے کا ان پر وہ اثر نہ ہو گا جو نہ کہنے کا اثر ہو گا۔ خیر خواجہ صاحب نے بھی ان سے کچھ نہ کہا اور میں نماز پڑھ کر پھر انکے پاس آ بیٹھا اور جس بشاشت سے پہلے باتیں کر رہا تھا اسی بشاشت سے اب بھی کرنے لگا، میں نے ظاہری برتاؤ سے یہ بات بالکل ان پر ظاہر نہیں ہونے دی کہ مجھے آپ کے نماز نہ پڑھنے سے انقباض ہوا یا آپ کی حقارت میرے دل میں ہے، ہرگز نہیں اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا اور ہم اسی طرح نماز کو اٹھے اور بعد نماز کے میں انہی ڈپٹی صاحب کے پاس آ بیٹھا اور اسی نشاط سے پھر باتیں کرنے لگا۔ اس کا ان کے دل پر بے حد اثر ہوا اور وہ نماز کے سخت پابند ہو گئے اور ایک صاحب سے کہتے تھے کہ صاحب ریل کے سفر میں جب مولانا نماز کو اٹھے تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میرے سر پر جوتیاں پڑ رہی ہیں اور غضب یہ کہ مولانا نے مجھ سے ایک دفعہ بھی زبان سے یہ نہ فرمایا کہ تم بھی نماز پڑھ لو (اگر یہ فرمادیتے تو میں کچھ عذر ہی کر دیتا جس سے شرمندگی کم ہو جاتی) اور اس وقت میں خیال کر رہا تھا کہ شاید اب نماز پڑھ کر جو مولانا آئیں گے تو میرے پاس نہ بیٹھیں گے نہ مجھ سے بات کریں گے مگر جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بدستور میرے پاس آ بیٹھے اور اسی بشاشت سے گفتگو کرنے لگے جیسے پہلے کر رہے تھے تو واللہ اس ادا نے تو مجھے دنگ کر ڈالا۔ بھائی اس روز سے میں نماز کا پورا پابند ہو گیا ہوں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 194)

عذاب قبر کا واقعہ

تھانہ بھون کا ایک قصہ ہے کہ ایک میاں جی کے پاس دو سو روپیہ جمع ہو گئے تھے جن کو ایک لوٹے میں رکھ کر زمین کے اندر گاڑھ رکھا تھا مگر محبت مال کی یہ حالت تھی کہ روزانہ اس کو گنا کرتا تھا۔ کسی دن لڑکوں نے بھانپ لیا، وہ موقع کے منتظر رہے۔ آخر ایک دن میاں جی کہیں دعوت میں گئے ہوئے تھے پیچھے لڑکوں نے وہ روپے نکال لیے اور خوب عمدہ عمدہ کھانے پکوائے اور میاں جی کے حال پر انتا رحم کیا کہ ان کی بھی دعوت کر دی۔ میاں جی خالی الذہن تھے خوشی خوشی دعوت کو چلے گئے، انہیں ایسے عمدہ کھانے کب ملے تھے، بڑے خوش ہوئے، کھاتے جاتے اور پوچھتے جاتے کہ بھائی آج کیا تقریب تھی جو ایسے کھانے پکوائے گئے۔ لڑکوں نے کہا حضور سب آپ ہی کی جوتوں کے طفیل ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میاں جی نے پھر کہا کہ آج کیا بات ہے، کون مہمان آگیا ہے جس کے لئے یہ اہتمام ہوا ہے، پھر بھی لڑکوں نے وہی جواب دیا کہ سب حضور ہی کا طفیل ہے۔ اس پر ایک لڑکے کو ہنسی آگئی تو میاں جی کھٹک گئے کہ شاید میرے روپوں میں ہاتھ پڑ گیا ہے جبھی یہ بار بار اس کو میرا طفیل بتاتے ہیں۔

بس اب تو کھانا پینا سب بھول گئے، اندھے باؤلوں کی طرح سیدھے حجرے میں آئے کھولا تو روپے ندارد، بس فوراً ہی جان نکل گئی، لوگ دوڑے کہ قصہ کیا ہے معلوم ہوا کہ روپے گم ہونے کا اتنا صدمہ ہوا۔ یہ قصہ بستی میں مشہور ہوا تو اس وقت تھانہ بھون میں ایک عالم مولانا سعد الدین علی صاحب موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ روپیہ منحوس ہے جس نے ایک مسلمان کی جان لے لی اسکو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ جنازہ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ اہل محلہ نے اس کی تعمیل کی اور کسی اہل محلہ نے ان روپوں کو ہاتھ نہ لگایا بلکہ سب کو ایک تھیلی میں باندھ کر قبر میں میاں جی کے ساتھ دفن کر دیا۔

کفن چوروں کو خبر لگی انہوں نے کہا کہ مولوی کی تو عقل جاتی رہی خواہ مخواہ اتنا روپیہ زمین میں گاڑ دیا چلو اس کو نکالنا چاہیے۔ چنانچہ رات کو ایک شخص نے قبر کھود دی تو دیکھا کہ سب روپے کفن سے باہر سینے کے اوپر ترتیب وار رکھے ہوئے ہیں اور چمک رہے ہیں۔

یہ خوش ہوا کہ اب تو اور آسانی ہو گی، اوپر ہی سے سب سمیٹ لوں گا۔ بس انگلی ہی روپوں سے لگی تھی کہ چیخ مارتا ہوا بھاگا، وہ روپے عالم برزخ کی آگ سے دہک رہے تھے جن سے میت کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ پھر اس کفن چور کی عمر بھر یہ حالت رہی کہ ہر وقت ایک آبخورہ ہاتھ میں لیے پھرتا تھا جس میں وہ انگلی ہر وقت ڈوبی رہتی تھی۔ اس طرح کچھ تسکین رہتی اور جہاں پانی بدلنے کو آبخورہ سے نکالی فوراً چیخیں مارتا تھا کہ ہائے میں جلا ہائے میں مرا۔ تو بعض ایسے بے

حس بھی ہیں جو مال کے واسطے جان دے دیتے ہیں مگر ایسے کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ مال سے جان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جان سے زیادہ آبرو کو سمجھتے ہیں مگر دین کو سب سے کمتر کر رکھا ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 236،235)

مفلس کی تعریف

حدیث مسلم میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: من المفلس فیکم تم مفلس کس کو سمجھتے ہو صحابہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر مفلس وہ ہے جس نے نمازیں بھی بہت پڑھی تھیں، روزے بھی بہت رکھے تھے، حج بھی کیا تھا زکوۃ بھی دی اور صدقات بھی کیے تھے۔

ولكن قذف هذا,واخذ مال هذا فجاء رجل فذهب بصلواته وجاء اخر فذهب بصيامه

لیکن تہمت زنا کی اِس پر لگائی، اُس کا مال لے لیا، پس ایک شخص آیا تو اس کی نمازیں لے لیں، دوسرا آیا اس کے روزے لے لیے۔

مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی تھی کسی کو مارا پیٹا تھا، کسی کا مال لے لیا تھا۔ اب قیامت میں ایک آیا وہ اس کی نمازیں لے گیا دوسرا آیا وہ روزے لے گیا تیسرا آیا وہ حج لے گیا، چوتھا آیا وہ زکوۃ و صدقات لے گیا۔ پھر بھی کچھ حق دار بچ گئے اور ان کو دینے کو نیکیاں نہ بچیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے اور طاعات سے خالی ہو کر گناہوں میں لاد کر جہنم میں داخل ہوا۔ یہ سب سے بڑا مفلس ہے۔

پہلی روایت میں اگر کچھ کلام ہو تو یہ حدیث تو بالکل صحیح ہے تو کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ ذرا ذرا سے حقوق العباد کے بدلہ میں ساری کی کرائی محنت دوسروں کو مل جائے گی۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ حقوق العباد من وجہ نماز روزہ سے بھی مقدم ہیں ان کا بہت اہتمام کرنا چاہیے مگر افسوس آج کل لوگوں کو ان کا بالکل ہی اہتمام نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 250،249)

ناصح کو نصیحت

خرابی یہ ہے کہ بعض نصیحت کرنے والوں ہی کو نصیحت کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا پھر عوام پر کیا اثر ہو دیکھئے لطف ایسا ہوتا ہے کہ کاندھلہ کے ایک مولانا مظفر حسین صاحب تھے وہ گڑھی کے ایک رئیس کے پاس تشریف لے گئے انہیں دیکھا تو وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ خان صاحب! آپ نماز نہیں پڑھتے، انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ سے سچی بات کہے دیتا ہوں مجھکو داڑھی چڑھانے کا شوق ہے اور وضو میں کھولنی پڑتی ہے مجھے بار بار کھولتے

چڑھاتے وقت معلوم ہوتا ہے اس لئے میں نماز نہیں پڑھتا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ بلا وضو ہی نماز پڑھ لیا کیجئے مگر جماعت کی پڑھئے اور مسجد میں۔

مولانا تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اب خان صاحب نے نماز شروع کی مگر خیال ہوا کہ مولانا تو میری ہمت بڑھانے کے لئے یہ اجازت دے گئے ہیں کہ بلا وضو ہی نماز پڑھ لیا کرو ورنہ بلا وضو نماز تھوڑا ہی ہوتی ہے میں محنت بھی کروں اور نماز نہ ہو، یہ کیا حماقت ہے وضو کر کے نماز پڑھنی چاہیے یہ خیال کر کے انہوں نے وضو سے پڑھنا شروع کر دیا مولانا تو اسی لئے کہہ گئے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ نماز ان کو خود ہی کھینچ لے گی اور باقاعدہ نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ اس نے کھینچ لیا تو وضو کرتے اور داڑھی چڑھاتے، آخر جب روز پانچ مرتبہ کھولنی اور چڑھانی پڑی تو بہت زچ ہوئے اور یہی فیصلہ کیا کہ داڑھی چڑھانا چھوڑ دو، پس اچھے خاصے نمازی ہو گئے اور داڑھی چڑھانا بھی چھوٹ گیا۔

تو یہ ہیں حکمائے امت ایسی نرمی کی میں سند بیان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنو ثقیف آئے اور اسلام لانے میں یہ شرط کی کہ نہ جہاد کریں گے نہ زکوۃ دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا، بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ نے یہ شرط کیسے منظور فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت یہ لوگ یہ شرط لگاتے ہیں مسلمان ہونے کے بعد تم دیکھنا کہ خود ہی سب کام کریں گے۔ آخر انہوں نے سب کچھ کیا، مگر یہ نرمی وہاں ہے کہ جہاں قدرت نہ ہو، اب یہ نہیں کہ بیوی بچوں کی بھی خوشامد کرے وہ اگر نہ مانیں تو ان کے ساتھ سختی سے کام لیا جائے مگر جہاں قدرت نہ ہو وہاں نرمی کرنی چاہیے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 261،260)

ذکر جہر کی شرط

ایک قسم اور ہے سب سے بڑھ کر ظاہر میں حسنات ہیں اور پھر ان سے لوگوں کو ایذاء ہوتی ہے تو وہ بھی نہ کرنا چاہیے مثال بعض لوگ نماز تہجد پڑھ کر ذکر کرتے ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ کسی سوتے ہوئے کو یا نمازی کو تکلیف نہ ہو تو جہاں اور لوگ سو رہے ہوں وہاں ذکر جہر سے نہ کرنا چاہے، گو کوئی لحاظ سے نہ کہے مگر واقع میں ان کو تکلیف ہوتی ہے اور ناگوار ہوتا ہے۔

کانپور میں ایک صاحب رات کو دو منزلہ مکان میں اونچی جگہ بیٹھ کر ذکر جہر کرتے تھے اور اس میں مشاعرہ بھی کرتے تھے کہ

بامقیماں کوئے دل داریم　　　رخ بدنیا و دیں نمے آریم

(ہم محبوب کے کوچہ کے مقیم ہیں، رخ دنیا اور خشک دین کی طرف نہیں کرتے ہیں)

کبھی شعر پڑھتے کبھی رونے لگتے، میں نے دو تین دن تک تو ادب کیا، آخر ایک روز کہلا بھیجا کہ آپ کے اس قدر جہر کرنے سے سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے تو حضرت بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ گزشتہ سال رمضان میں ایک نئے نمازی صاحب بعد عشاء ہی کے محلہ کی ایک مسجد میں بیٹھ کر ذکر شروع کر دیتے اور اس قدر جہر سے کرتے کہ محلے والوں کو نیند نہ آتی۔ آخر ان سے بھی کہا گیا۔ تو اگر کسی کی عبادت سے تکلیف ہوتی ہو تو ایسی عبادت عبادت نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 274،273)

اعتدال شریعت

ہاں البتہ شریعت تنگ نہیں ہے اجازت ہے کہ ورزش کیجئے، اجازت ہے کہ ہنسئے بولیئے، بات کیجئے، یہاں تک اجازت ہے کہ اگر وظیفہ پڑھتے پڑھتے تھک جاؤ تو چھوڑ دو، باہر بیٹھ کر ہنس لو، بول لو مگر کوئی ناجائز بات مت کرو، شریعت میں تعلیم نہیں کہ بیوی کو طلاق دے دو، بچوں کو عاق کر دو اور بس ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگو۔ ایک صاحب قنوج میں کہنے لگے شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ خوشی کی بات پر خوشی نہ ہو، رنج کی بات پر رنجیدہ نہ ہو، استغفر اللہ! بھلا شریعت ایسی کیوں ہوتی۔

اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کسی نے کہا کہ صاحب جج بڑے خلیق ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص ملنے کے لئے عدالت گئے اور اتفاق سے اس وقت جج صاحب کسی خونی کو پھانسی کا حکم سنا رہے تھے، پس یہ بھاگ وہاں سے، پوچھا ملے تھے؟ کہا، ہاں! پوچھا پھر کیا ہوا؟ کہا کہ صاحب ہم باز آئے ایسی خوش خلقی سے، وہ پھانسی کا حکم سنا رہے تھے۔ اگر بد خُلق ہوتے تو معلوم نہیں کیا کرتے۔ اس نے کہا ارے دیوانے! صاحب کو ان کے بنگلہ پر جا کر دیکھے کہ کیسے خلیق ہیں کہ ہر ایک سے محبت واخلاق سے پیش آتے ہیں۔ احکام شرعیہ کی نسبت تو یہ کہنا بے تکلف صحیح ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد بر نگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار دل و جان کو تازہ رکھتی ہے۔ ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بُو سے)

شریعت کو ذرا غور سے دیکھو کیسی شفیق ہے۔ تو شریعت یہ نہیں سکھاتی کہ حجرہ میں دروازہ بند ہو کر بیٹھ جاؤ۔

ایک شخص تھے صحابہؓ میں سے کہ وہ کبھی نہ ہنستے تھے نہ کبھی بولتے تھے تو کسی شخص نے حضرت عائشہؓ کے سامنے کہا فلان جد کله فلاں بڑا متین ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "هو هزل كله" یعنی وہ ہزل محض ہے۔

آج کل بزرگی اسی کو سمجھا جاتا ہے کہ بس منہ پھلا کر ایک کونہ میں بیٹھ گئے، نہ کسی سے بولنا نہ چالنا، کبھی تیوری کے بل ہی نہیں اترتے، یہ بزرگی ہے؟ ہرگز نہیں بزرگی تو وہ ہے جس میں انبیاء کی شان پیدا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس میں ادھر ادھر کی باتیں ہوا کرتی تھیں، یہ نہیں تھا کہ منہ پھُلا کر ایک کونے میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔

بزھد وورع کوش وصدق وصفا   ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

(زہد و تقویٰ اور صدق وصفاء میں کوشش کرو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے مت بڑھو)

تقویٰ اختیار کرو مگر نہ اتنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائے۔

ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں سے ایک صحابیؓ سب کو ہنسا رہے تھے تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر ان کے پہلو میں انگلی چبھو دی۔ انہوں نے کہا کہ میں تو آپ سے بدلہ لوں گا، آپ نے مجھے کیوں مارا، آپ ﷺ نے فرمایا بدلہ لے لو انھوں نے کہا میرے بدن پر تو کُرتا نہ تھا آپ بھی کرتا اتاریئے، آپ نے کرتا اٹھا دیا، بس پھر کیا تھا انہوں نے بوسہ دیا اور لپٹ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا مطلب یہی تھا، بس وہ پورا ہو گیا اور معاذ اللہ! میں آپ سے بدلہ لیتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 387،386،385)

دعا اور تدبیر

اس طرح دعا کے متعلق بعضوں کو ایسی ہی غلطی ہو رہی ہے تو اس کو بھی سمجھو۔ اس کے بڑا ہونے کے معنی بھی یہی ہیں کہ اور تدابیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ دعا میں وہ تدابیر بھی داخل ہیں۔ ایک دعائے قولی ہے ایک دعائے فعلی ہے اور اگر واقع میں یہی معنی ہیں جو تم سمجھتے ہو تو پھر نکاح بھی نہ کرو، کہہ دو ہمیں شاہ صاحب کی دعا پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہم کو بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے۔ بس کسی طرح دعا سے اولاد ہو جائے گی کیونکہ اگر نکاح سے اولاد ہوئی تو پھر خدا کی قدرت ہی کیا۔

صاحب اپنی دعا کے بھروسہ سے کبھی تم نے ایسا بھی کیا ہے کہ جتنی تدبیریں ہو سکتی ہیں سب کرو اور بھی کرو اور محض تدبیر پر بھروسہ نہ کرو، بھروسہ دعا پر کرو۔ اس کی نظیر میں مولانا فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر باآوازے بلند   بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

گر توکل می کنی در کار کن   کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو (جو اونٹ پر سوار ہو کر آیا تھا اور دروازہ مسجد پر اس کو چھوڑا تھا) با آواز بلند فرمایا (صرف توکل مت کرو) بلکہ توکل کے ساتھ اونٹ کا زانو بھی رسی سے باندھ دو۔ پس اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو پھر (اسباب کے اندر اثر بخشنے میں اور ان پر ہونے پر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو)

مضمون مذکور حدیث شریف کا ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ اونٹ باندھ کر توکل کروں یا خدا کے بھروسہ پر کھلا رہنے دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعقل ثم توکل (کہ باندھ پھر خدا پر بھروسہ کر) تو یہ ہے توکل، اب اس میں رسی پر نظر الحاد اور بد دینی ہے اور محض خدا کے بھروسہ پر اسباب کا قطع کرنا حماقت جہل ہے اور دونوں کا جمع عقل اور توکل ہے۔ یہ حقیقت توکل کی ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 4، ص 453،454)

پانچویں جلد کے جواہر

قوم لوط کا قصہ

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۞

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی قسم! وہ لوگ نشہ اور مستی میں بھٹک رہے تھے۔)

یہ آیت قوم لوط کے بارہ میں ہے اوپر سے ان کا قصہ چلا آتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ قوم لوط کی بدکاری تو مشہور ہی ہے ان کے ہلاک کرنے کے لئے فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں سمجھے کہ مہمان ہیں۔ دیکھ کر پریشان ہوئے کہ اب لوگ ان کو دق کریں گے۔ چنانچہ قوم کو خبر ہوئی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں بڑے حسین حسین لڑکے آئے ہیں یہ سن کر بہت سے بدمعاش آئے، لوط علیہ السلام بہت گھبرائے اور فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں مجھ کو میرے مہمانوں کے روبرو رسوا نہ کرو تم میں لڑکیاں موجود ہیں ان سے شادی کر لو، قوم نے کہا کہ ہم کو عورتوں کی ضرورت نہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام اور بھی زیادہ پریشان ہوئے۔ جب فرشتوں نے دیکھا کہ لوط علیہ السلام کو بہت پریشانی ہے تو فرشتوں نے کہا يٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ. یعنی تم پریشان مت ہو۔ ہم تو تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ لوط علیہ السلام مطمئن ہو گئے جب قوم نے ان لڑکوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا بازو ان کی آنکھوں پر پھیر دیا۔ سب کے سب اندھے چوپٹ ہو گئے۔ ان کی نسبت ارشاد ہے فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ کوئی تعجب نہ کرے کہ بازو پھیرنے سے کیسے اندھے ہو گئے، فرشتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی قدرت عطا فرمائی ہے۔ انسانوں میں سے بعضے بندوں کو عجیب وغریب تصرفات عطا فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا فخر نظامی کا قصہ ہے کہ یہ حسین بہت تھے اور ابتداء عمر میں اللہ تعالیٰ نے صاحب نسبت فرمایا تھا جب دہلی پہنچے تو بدمعاشوں میں شہرت ہوئی کہ ایک لڑکا بڑا حسین آیا ہے چلو گھوریں۔ چنانچہ سب دیکھنے اور چھیڑنے کے لئے آئے حضرت مولانا اس وقت جامع مسجد میں تھے، جامع مسجد کے دروازے پر ایک حلقہ باندھ کر کھڑے ہو

گئے۔ جب مولانا نماز پڑھ کر اترے تو دق کرنا چاہا۔ مولانا نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا تو سب گر گئے اور فرمایا آؤ گھورو! گھورتے کیوں نہیں۔

بس اس قصہ کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ○ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی حیات اور جان کی قسم ہے وہ یعنی قوم لوط اپنی مستی اور نشہ میں بھٹک رہے تھے۔ مضمون تو صرف اتنا ہے اب میں اس سے اپنا مقصود عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات شریفہ کی عظمت شان بیان فرمادی اور سبحان اللہ۔ بیان بھی فرمائی اپنے طرز سے کہ سننے والون کو تو معلوم ہوتا ہے کہ مقصود قوم لوط کی حالت کو بیان کرنا ہے مگر اس کے ضمن میں حضور کی محبوبیت کو عجیب انداز سے بیان فرما گئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 25,26)

معیار محبت

پس محبت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ آپ کا ہر وقت ذکر ہو اور اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ اس کی مجالس منعقد کی جاویں اور مٹھائی منگائی جائے تب ذکر ہو، عاشق اور محبت کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے۔ دیکھو اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محب کی کیا حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس آرائی کر لیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت ذکر کیجیو۔ وہ کہے گا معلوم ہوتا ہے تمہاری محبت کاذبہ (جھوٹی) ہے کہ جو اتنی دیر تک ذکر محبوب سے صبر کرتے ہو محبت تو وہ شے ہے جیسے مجنوں کی حالت کی۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نویسد بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود را تسلی میدہم

(کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگیں بیٹھا ہوا ہے ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے اس نے پوچھا اے مجنوں! کسے خط لکھ رہے ہو کہنے لگا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔)

بتلایئے! اگر مجنوں کو اس حالت میں کوئی یہ کہتا کہ ذرا ٹھہر جا ہم مجلس بنالیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت لیلیٰ کا ذکر کرنا تو وہ جواب دے گا کہ سلام ہے ایسی مجلس کو اور ایسی مٹھائی کو جو میرے اور محبوب کے درمیان میں حجاب ہو۔

اور ہم نے تو اکثر مجالس میں میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

تعصی الرسول و انت تظهرحبه هذا لعمري في الفعال بديع

لوكان حبک صادق لا طعته انّ المحب لمن يحب مطيع

(یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اپنی جان کی قسم! یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو حضور کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔)

مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں بانس کھڑے کر رہے ہیں ان پر کپڑے منڈھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں کیوں صاحبو! کیا محبین رسول ﷺ کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے؟ کیا بس حضور کا یہی حق ہے کہ پانچ روپے کی مٹھائی منگا کر تقسیم کر دی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول کا حق ادا کر دیا؟ کیا آپ لوگوں نے حضور کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھ لیا ہے؟ کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جاویں تھوڑے سے نذرانے پر راضی ہو جاویں توبہ توبہ نعوذ باللہ یاد رکھو! حضور ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں، سچے محب وہ ہیں جو اقوال و افعال وضع وانداز ہر شے میں حضور کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 54,55)

عادت اللہ

اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ نے سورۃ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ مفصل بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مولد عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی تفصیل بیان کرنا بھی قابل خاص اہتمام کے ہے پس اس پر ہم حضور ﷺ کے ذکر ولادت کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ

حفظت شيئاوغابت عنک اشياء

(ایک چیز تو نے یاد کر لی اور بہت سی چیزیں غائب کر دیں)

آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ ان حضرات کی ولادت کا قصہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ کیوں اور کس حیثیت سے ذکر فرمایا۔ ان کے قصہ ولادت کے اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے خرق عادت کے طور پر ہوئی ہے۔ یحییٰ علیہ السلام کے ماں باپ تو بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے ان میں صلاحیت ہی توالد و تناسل کی نہ تھی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ (اور ہم نے اس کے لئے اس کی زوجہ کو درست کر دیا) اس لئے ان کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے اس

لئے ان کی ولادت اس سے بھی زیادہ عجیب ہے پس حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں سے قدرت اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔ یہ وجہ ہے ان قصوں کے بالاہتمام ذکر کرنے کی۔ اور حضور کی ولادت شریفہ عادت کے موافق ہوئی۔ پس اس سے مطلقاً ذکر مولد شریف کی تفضیل کا ذکر نبوت و ہجرت کے برابر محل اہتمام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

مگر آج کل بعض لوگوں نے خود اس مقدمہ میں کام شروع کیا ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ بطریق متعارف ہوئی ہے چنانچہ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا تھا اس میں پوچھا تھا کہ کیا حضور اپنی والدہ شریفہ کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوئے جیسے اور آدمی ہوتے ہیں اور کسی کا قول نقل کیا تھا کہ ان سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے کہ حضور کی شان اس سے ارفع ہے محل غیر طاہر سے پیدا ہوں اور پوچھا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ طریق معہود سے پیدا ہوئے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ ان سائلوں کو ایسے امور کے پوچھنے سے شرم نہیں آتی۔ بہت بے حیائی اور بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے میرا جی تو نہ چاہتا تھا کہ اس خط کا جواب لکھوں لیکن طوعاً وکرہاً لکھا تا کہ ان مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ روایات میں حضور کی ولادت کے متعلق الفاظ آئے۔ ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ جب تک مجاز کے قرائن نہ ہوں تو الفاظ اپنے حقائق پر محمول ہوتے ہیں یعنی جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جاوے اور یہ بھی مسلم ہے کہ علامت حقیقت کی تبادر الی الفہم عند الخلوص عن القرائن (قرائن سے خالی ہونے پر فہم ہر طرف سبقت کرتی ہے) پس ان سب مقدمات سے (لفظ) ولد میں ولادت سے ولادتِ معہود ہی سے پیدا ہونا مراد لیا جائے گا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ حضور بھی اسی طریق سے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

اب لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور کی ولادت شریفہ کو عجیب طریقہ سے ثابت کریں اور عادت معروفہ کے موافق پیدا ہونے کو قدح جانتے ہیں حالانکہ اقرب الی الحکمۃ آپ کی شان کے اعتبار سے یہی ہے کہ جس طرح عادت اللہ جاری ہے آپ اسی طرح پیدا ہوں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 66،67)

ظہور اسماء جلالیہ و جمالیہ

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا اور توجہ بحق غالب تھی۔ آپ ہر بات کو توحید کی طرف منعطف فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ شروع کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں یوں پریشان کر رکھا ہے مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور حالت یہ تھی کہ۔

خلیل آسا در ملک یقین زن　　　　نوائے لا احب الافلین زن

ابراہیم علیہ السلام کی طرح یقین حاصل کر کے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) کی صدا لگاؤ۔

اور یہ حالت تھی کہ

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے　　　　چہ کنم کہ چشم یک بیں نکند بہ کس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے میں ہوں اور ایک حسین محبوب کا خیال ہے بد خو آنکھوں کا کیا کروں کسی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔)

بس معاً ہی فرماتے ہیں کہ آج کل اسمائے جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے اسماء جلالیہ و جمالیہ یعنی لطیفیہ و قہریہ کی تحقیق ہونے لگی اور ان اسماء جمالیہ جلالیہ کے وہ معنی نہیں جن کو عاملین اسمائے جلالیہ و جمالیہ کہتے ہیں اور جن میں ان کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے بلکہ مراد اسمائے جلالیہ سے اسمائے قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسمائے لطیفیہ ہیں تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔

ظلم و ستم اگرچہ ہمارے افعال ہونے کی حیثیت سے اور ہمارے اعتبار سے معصیت ہے مگر اس کی تخلیق و تکون میں بھی خدا تعالیٰ کے مصالح اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے استاد سے سنا ہے کہ دنیا میں چوری ہوتی ہے مگر اس کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں ہے اگرچہ یہ تو اعتقاد ہے کہ خدا کی حکمت نے چاہا کہ کوئی ایسا ہو اور کوئی ایسا ہو اور اس فعل میں گناہ بھی ہوگا۔ بوجہ اس کے اختیاری ہونے کے مگر یہ ایسا ہے جیسے گھر میں پاخانہ (بیت الخلاء) ہوتا ہے کہ وہ تمام قطعات سے ارذل ہے لیکن مکان بغیر اس کے ناتمام ہے۔ ایسا ہی عالم بدوں کفر کے ناتمام ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے برکات کا تو مقتضا یہ تھا کہ ان کے مزارات پر خرافات نہ ہوا کرتے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 100، 101)

نعمت معرفت

باقی خود حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے کمال کا علم ہو جائے۔ اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جاوے۔ تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی بعض صفات کی حاصل نہ تھی۔ جیسے کہ منعم کو اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا مثلاً تواب کہ اس صفت

کی معرفت علمی تو حاصل تھی۔ باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے۔ تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تکمیل عرفان مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی، تکمیل تھی۔

بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہ کہو الحمد للہ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یرحمک اللہ۔ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا کہ دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی۔

اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا تھا کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا تو دیکھئے جمعہ کے بارہ میں باوجود یہ کہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس دن میں تخصیص صوم کی ممانعت ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 119، 118)

مجاہدہ کی حقیقت

لوگ مجاہدہ کے معنی سمجھتے ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ دے بس جہاں کوئی شاہ صاحب بنے وہ اس کے ساتھ ہی سیاہ صاحب بن جاتے ہیں یعنی ان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ بیوی بچوں پر ظلم کرنے لگتے اور ان سے الگ ہو جاتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اپنے متعلق بھی اور اپنے مریدوں کے متعلق بھی کہ فلاں شخص جب سے ہم سے مرید ہوا ہے بیوی بچوں کو منہ نہیں لگاتا۔

چنانچہ نواب ڈھاکہ کو ایسے ہی پیروں نے ایک بیوی کی محبت سے منع کر رکھا تھا کہ یہ سبب بُعد عن الحق ہوگا وہ بے چارے بڑے پریشان تھے جب میں گیا تو مجھ سے پوچھا کہ میں نے ایک نو عمر لڑکی سے شادی کی ہے جس سے میری طبیعت کو انس زیادہ ہے کیا یہ محبت مجھے مضر ہوگی! میں نے کہا ہرگز نہیں بلکہ سبب قربت اور موجب ثواب ہوگی کہنے لگے کہ مجھے تو لوگوں نے ڈرا رکھا ہے کہ یہ سبب بُعد ہوگی میں نے کہا سبحان اللہ! سبب بُعد تو وہ محبت ہے جو رضائے حق کے خلاف ہو اور بیوی کے ساتھ محبت کرنے کا تو امر ہے یہ سبب بُعد کیوں ہونے لگی بشرطیکہ اس محبت کی وجہ سے حقوق الٰہیہ میں کوتاہی نہ ہو اور اگر بیوی سے محبت کرنا مطلقاً سبب بُعد ہے تو پھر تو معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچے گی

کیونکہ حضرت عائشہؓ سے حضور کو ایسی محبت تھی کہ اس کو درجہ عشق کہہ سکتے ہیں اور اگر اس وقت لفظ عشق کا استعمال معتاد ہوتا تو صحابہؓ اس کو عشق ہی سے تعبیر فرماتے۔

ایک دفعہ میں میرٹھ گیا چھوٹے گھر میں، وہاں علاج کرانا تھا اس وقت بعض مستورات نے بیعت کی درخواست کی، بعض عورتوں نے ان کو بہکایا کہ ان سے بیعت نہ ہو یہ تو اپنی بیوی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں تم ہمارے پیر سے بیعت ہونا انہوں نے پچاس سال سے اپنی بیوی سے بات نہیں کی گو یا وہ ان کے زعم میں بڑے مجاہد اور تارک تھے ۱۲) وہ مسماۃ بہت سمجھ دار تھیں اس کو سمجھیں کہ وہ تو پچاس سال سے خدا کا نافرمان ہے وہ ہرگز پیر بنانے کے قابل نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے تو جو پچاس سال سے بیوی بچوں کو چھوڑے ہوئے ہے وہ تو نہایت ظالم ہے کہ پچاس سال سے حقوق العباد ضائع کر رہا ہے میں تو ہرگز اس سے بیعت نہ ہوں گی غرض وہ مسماۃ مجھ سے بیعت ہو گئیں اور ان کے اس جواب سے میں بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ اس کو دین کا فہم حاصل ہے۔

صاحبو! مجاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی کو مطلقاً ترک کرے اور یہ نفس کی مخالفت واجب ہے اور مباحات میں تقلیلاً مخالفت کرے اور یہ مخالفت مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اس مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا، بہت کھانا، بہت عمدہ کپڑے پہننا، بہت باتیں کرنا، لوگوں سے زیادہ ملنا ملانا، سوان سے تقلیل کرے مگر تقلیل ہر اک کی اس کی حالت کے موافق ہے یہ نہیں کہ تم چھ گھنٹے سوتے ہو اور دوسرا سات گھنٹے سوتا ہے تو تم یہ کہنے لگو کہ ہم مجاہد ہیں اور وہ نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی نیند دس گھنٹے روزانہ کی ہو اور تمہاری آٹھ گھنٹے، تم نے آٹھ گھنٹے میں سے دو گھنٹہ کم کئے اور اسنے دس میں سے تین گھنٹے کم کئے تو اب بتلاؤ زیادہ مجاہد کون ہوا؟
(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 137،136)

مقام علماء وصوفیاء

اسی لئے صوفیاء اور علماء میں جب بعض اوقات نزاع ہوا ہے تو بعض اہل کشف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا گوشہ خاطر علماء کی حمایت ورعایت کی طرف معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب میں مدینہ منورہ میں تھا تو وہاں ایک صوفی نے وحدت الوجود پر رسالہ لکھا۔ ایک عالم نے اس کا رد لکھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چونکہ بڑے محقق ہیں وہ صوفی کا مطلب صحیح سمجھے ہوئے تھے۔ عالم کا رد دیکھ کر جو کہ حقیقت ناشناسی سے لکھا گیا تھا۔ ان کو جوش ہوا اور صوفی کی حمایت میں عالم کے رد کا جواب لکھنا چاہا۔ یہ ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے مفصل واقعہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اتنا محفوظ ہے کہ شاہ

صاحب کو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ صاحب کے جواب لکھنے کو پسند نہیں فرماتے۔ یہ دیکھ کر شاہ صاحب خاموش ہو گئے اور اس ارادہ سے رک گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء کی رعایت زیادہ ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ غیر محقق صوفیاء کی نظر صرف ایک پہلو پر ہے کہ اپنے جذبات پر عمل کر کے جی خوش کر لیا۔ جو بات معلوم ہوئی کہہ ڈالی اور علماء کی نظر صوفیاء کے جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات پر بھی ہے کہ نظام اسلام میں فرق نہ آئے اور نظام اسلام سے مراد تمدن اور دنیوی مصلحت نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل اسی کو مقصود شریعت سمجھتے ہیں بلکہ خوب سمجھ لو کہ نظام شریعت کی غایت یہ ہے کہ رضائے حق کے اسباب میں خلل نہ پڑے۔ گو آج کل بہت لوگ جن میں غیر محقق صوفی بھی داخل ہیں اور لیڈروں کا تو یہ مذہب ہو گیا۔ غرض یہ لوگ نظام شریعت کا حاصل یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہم اجتماع واتحاد ہو قوت میں انتشار نہ ہو اور صورت اجتماعیہ وہئیت اتحادیہ میں گڑبڑ نہ ہو، امن وانتظام میں فرق نہ آئے حالانکہ یہ محض غلط عقیدہ ہے۔ یہ تو سلطنت کا انتظام ہوا اور سلطنت شریعت کی محض ایک خادم ہے۔ منجملہ اور خادموں کے۔ سلطنت روح شریعت اور مقصود شریعت نہیں ہے البتہ سلطنت سے اس مقصود میں امداد ملتی ہے باقی مقصود وہی نظام معنی رضاء حق کا انتظام ہے تو صرف ان صوفیوں کے جذبات کی رعایت سے اس نظام میں خلل پڑتا ہے کیونکہ دنیا میں کم فہم زیادہ ہیں اور کم فہم لوگ حقیقت کو تو سمجھتے نہیں وہ وحدۃ الوجود وغیرہ کے مضامین کو سن کر ایسے ایسے افعال واقوال میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو رضائے حق کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً سب کے مال کو مباح سمجھنے لگتے اور امردوں اور نامحرم عورتوں کو مظہر حق سمجھ کر گھورنے لگتے ہیں۔ اس سے رضائے حق کے اسباب میں اختلال واقع ہوتا ہے اسی لئے مولانا رومی ایسے صوفیوں سے بڑے خفا ہیں جو زبان سے جو جانتے ہیں نکال دیتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 181،180)

تمہید بیان

تو میرا جو معمول تھا کہ اس ماہ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیا کرتا تھا وہ دوام کی حد میں تھا التزام کے طور پر نہ تھا۔ چنانچہ چند سال تک تو میں نے کئی وعظوں میں فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جن کے نام سب مقفیٰ ہیں۔ النور الظہور، السرور الشذوذ والحبور، اور وہاں ایک ذکر رسول جو کہ اسی سلسلے میں ہے مقفی نہیں، پھر کئی سال سے اس کا اتفاق نہیں ہوا کچھ اسباب بھی ایسے مانع ہوئے جن سے معمول ناغہ ہو گیا نیز ایک وجہ یہی تھی کہ لوگ اس معمول سے التزام کا خیال نہ کریں جو کہ خلاف واقع ہے کیونکہ میرے اس معمول کی بڑی وجہ صرف یہ تھی کہ ان ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور دنوں سے زیادہ یاد آتے تھے نہ کہ اس میں شرعی ضرورت کا اعتقاد

یا عمل تھا۔ سو مدت کے بعد اب کے سال پھر اسی یاد سے جوش تازہ ہوا اس لئے بھی چاہا کہ اس سال کچھ فضائل نبویہ معہودہ پھر بیان کروں تا کہ جیسے ذکر کا التزام نہیں ہوا اسی طرح ترک ذکر کا بھی صورۃ التزام نہ ہو۔ اس وقت میرا حال یہ ہے جس کو غالباً مولانا فرماتے ہیں۔

باز دیوانہ شدم من اے طبیب ۔۔۔ باز سودائی شدم من اے حبیب
باز آمد آب من در جوئے من ۔۔۔ باز آمد شاہ من در کوئے من
باز گو از نجد واز یاران نجد ۔۔۔ تادر و دیوار را آری بوجد

(اے طبیب پھر میں سودائی بنا، اے طبیب پھر میں سودائی بنا۔ پھر میرے دریائے محبت میں پانی آگیا میرا بادشاہ میرے کوچہ میں پھر آگیا، نجد اور یاران نجد کا حال پھر بیان کرو تا کہ درودیوار بھی وجد میں آئیں۔)

اس تقاضا کی وجہ سے جی میں کئی روز سے تھا کہ مختصر سا بیان کروں گا۔ کیونکہ مطول کی تو اب ہمت نہیں رہی اور منہ میٹھا کرنے کو مصری کی ایک ڈلی ہی کافی ہے۔ اختصار کا تو پہلے ہی سے خیال تھا مگر اب رات سے کچھ طبیعت کسل مند ہے۔ بخار کا سا اثر ہے اس لئے اب اور بھی اختصار ہوگا۔ (مگر پھر بھی ماشاء اللہ پورے چار گھنٹے بیان ہوا۔) خیال تو بیان کا چند روز سے ہو رہا تھا مگر اب ایک سبب یہ بھی داعی ہوا کہ آج کل کچھ عزیز مہمان مجتمع ہیں جو گو عدداً قلیل ہیں مگر چونکہ ان میں ایک کیفیت شوقیہ ہے اور دین کے ساتھ تعلق ہے اس لئے میں ان کو کیفیۃ کثیر ہی سمجھتا ہوں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص187)

فضیلت فقہاء

تو حضور وہاں کہاں چین تھا۔ بس وہ حالت تھی جیسے ایک صاحب کا سوال آج کل آیا ہے۔ ہمارے یہاں عجیب عجیب سوالات آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق تھا۔ عورت شریف خاندان کی تھی اور یہ عاشق صاحب گھٹیا خاندان کے تھے اس کے کُفو (برابر) نہ تھے۔ جب آپ (اس) نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے عدم کفاءت کا عذر کیا کہ تیرے نکاح سے میری نسل بگڑے گی۔ عاشق صاحب نے کہا کہ میں تو نکاح کر کے صرف دیدار چاہتا ہوں اور کچھ نہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس شرط پر نکاح کرنے کو آمادہ ہو گئی کہ مجھ سے مقاربت نہ کرنا۔ عورت بھی بڑی ہمت کی تھی۔ اور اسی شرط پر نکاح ہو گیا کچھ دنوں تو عاشق نے صبر کیا مگر پاس لیٹ کر پھر صبر کس سے ہو۔ اب میاں کی جان پر بنی تو استفتاء کیا ہے کہ اگر میں صحبت کر لوں تو خلاف شرط ہونے کے سبب نکاح میں تو خلل نہ آئے گا اور یہ بھی لکھا کہ وہ راضی نہیں ہے۔ میں نے لکھا پاگل ہے جو اس شرط کی رعایت کرتا ہے۔ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح صحیح ہو گیا اور عورت کی ناراضی کی کچھ پروا نہیں تم کو پورے اختیارات ہیں۔ کیا تم عورت ہو جو ایک عورت پر قابو یافتہ

نہ ہو سکے۔ اگر فقہاء نہ ہوتے اور آج کل کے محدّث ہوتے جن کو محدِث (بے وضو) کہنا چاہئے۔ تو وہ کہتے کہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں ہے نہی عن بیع و شرط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے بیع میں شرط کرنے سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے اور شرط بھی اور نکاح بھی مثل بیع کے ایک معاملہ مالیہ ہے کیونکہ اس میں منافع عورت کو مہر کے معاوضہ میں لیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی نکاح اور شرط دونوں فاسد ہونے چاہئیں۔

حضرت اگر فقہاء کا وجود نہ ہوتا تو یہ لوگ بیع اور مشروط بشرط فاسد کی طرح تمام عقود کو فاسد کہتے مگر خدا جزائے خیر دے حضرات فقہاء کو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج شناس ہیں۔ وہ حضور ﷺ کے لب ولہجہ کو پہچانتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 66،67)

سرکار دو جہاں ﷺ کی پسند

ورنہ موت تو اصل میں معنیً حیات ہی ہے اور اس سبب کی تعیین سے یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ جب تمہارے قول کے مطابق موت بھی حیات ہی ہے اور فی نفسہ موت کو حیات پر ترجیح ہے تو پھر صحابہؓ کو آپ ﷺ کے وصال سے رنج کیوں ہوا۔ خوش ہونا چاہئے تھا کہ حضور ﷺ کو افضل حالت نصیب ہوئی۔ وجہ دفع کی (یعنی اس اشکال کا جواب) اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو رنج اس لئے نہیں ہوا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کو حیات سے افضل نہ سمجھتے تھے اس کی تو صحابہؓ سے تصریح ہے جو عنقریب آتی ہے بلکہ رنج اس کا تھا کہ حضور ﷺ ہم سے جدا ہو گئے اور آپ ﷺ کی برکات ہم سے منقطع ہو گئیں۔ چنانچہ (مسلم میں ہے) ایک بار حضرات شیخینؓ حضور ﷺ کے وصال کے قریب ہی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کو گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے والی تھیں حضور اکرم ﷺ بھی ان کو ملنے گاہے بگاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی سنت کے مطابق حضرات شیخینؓ بھی تشریف لے گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے رونے لگیں حضرات شیخینؓ نے فرمایا اے ام ایمنؓ! کیوں روتی ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (دنیا سے) بہتر ہیں (یہ فرمانا کیا تم کو معلوم نہیں، اپنے فرمان سے بتلا رہا ہے کہ یہ صحابہؓ کے نزدیک اولیت و مسلمات میں سے تھا) اس پر انہوں نے فرمایا، یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔

ولکن الوحي انقطع عنا۔ لیکن حضور ﷺ کے تشریف لے جانے سے نزول وحی منقطع ہو گئی، اس لئے روتی ہوں۔ یہ وہی بات تھی کہ رنج اس بات کا ہے کہ ہم حضور ﷺ سے جدا ہو گئے اور حضور ﷺ ہم سے جدا ہو گئے یعنی برکات نبوت (وحی) منقطع ہو گئیں۔ فبکیٰ لذالک الشیخان. یہ سن کر حضرات شیخینؓ بھی رونے لگے۔

یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہو گا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے۔ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔

صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صحابہؓ عارف تھے اور عارف بھی کامل۔ اور عارف کامل کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے عقل کا بھی، طبع کا بھی تو حضرات شیخینؓ نے اول تو عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت ہی محبوب ہے چنانچہ (حدیث متفق علیہ میں ہے کہ وصال سے پہلے ایک بار حضور نے فرمایا۔

ان الله خير عبدا بين الدنيا و بين ماعنده فاختار ما عندالله فبكى ابوبكر وقال نفديك بابائنا و امهاتنا يا رسول الله.

یعنی حق تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہیں یا خدا تعالیٰ کے پاس جائیں تو اب بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہؓ اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور ﷺ کسی اور شخص کا قصہ بیان فرما رہے ہیں مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھ گئے کہ حضور ﷺ اپنا ہی واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صحابہؓ اس قصہ میں فرماتے ہیں **فکان ابوبکر اعلمنا** ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔

اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن میں یہ امر مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے جب وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بدوں آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں۔

فنظر الى جبرئيل فقال يا محمد إن الله قد اشتاق الى لقائك فقال امض ما أمرت به

یعنی اس وقت حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف نظر کی (کہ بتلاؤ میں کون سی حالت اختیار کروں) انہوں نے عرض کیا یا رسول! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے۔

قد ارادلقائک بان یردک من دنیاک الی معادک زیادته في قربک

تو آپ نے فرمایا بسم اللہ! اے عزرائیل! اپنا کام شروع کرو کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے) نیز عین وصال کے وقت آپ فرما رہے تھے۔

اللهم الرفيق الاعلى۔ اور یہ بھی فرما رہے تھے۔ **مع الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين**

یعنی اے اللہ ! میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا۔ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا۔ فاذ ا لا یختارنا بس اب ہمارے پاس رہنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منظور نہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص 236،235،234)

مقبولیت درود شریف

اگر کہو کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حضور والا کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا آپ لوگوں کو ہوتا ہے ہمیں ارشاد ہے حق تعالیٰ کا کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا:

اے ایمان والو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو۔

اگر آپ اپنے نوکر سے کہیں کہ یہ ہزار روپے ہیں ہم سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے کو دے دیں تو اس نوکر کے مقبول بنانے کو اور اس کی عزت بڑھانے کو یہ صورت تجویز کی ہے نہ کہ بیٹا روپے ملنے میں اس نوکر کا محتاج ہے اگر نوکر نہ بھی کہے تب بھی روپیہ بیٹے کے لئے تجویز کر لیا گیا ہے۔ صرف نوکر کی عزت افزائی لئے ایسا کیا ہے۔ یہی حال درود شریف کا ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمانا کہ رحمت کی دعا کرو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے، رحمت بھیجنا تو منظور ہی ہے (خواہ ہم درود بھیجیں یا نہیں چنانچہ اس کے قبل اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔)

موجود ہے مگر ہماری قدر بڑھانے کو ہمیں کہہ دیا کہ درود بھیجو کہ تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا۔ کوئی شخص کیا منہ لے کر کہہ سکتا ہے کی آپ ہمارے محتاج ہیں اور اس کہنے سے آپ پر رحمت ہو گی۔ یہ شبہ شاید کسی خشک مزاج کو ہوتا اس لئے رفع کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ حق تعالیٰ کا ہے وہ ہماری درخواست پر موقوف نہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ اور عبادات بعض دفعہ مقبول ہوتی ہیں اور بعض دفعہ مردود لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے۔ سو اگر ہمارے عمل کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت نازل ہونے میں کوئی اثر ہوتا ہے تو جیسے اور اعمال ہیں یہ بھی ہمارا عمل ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ (کبھی مقبول اور کبھی مردود) سو ہمیشہ مقبول ہونا دلیل ہے اس کی کہ ہمارے عمل کا اس میں کوئی اثر نہیں۔ حق تعالیٰ ضرور رحمت بھیجتے ہی ہیں ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں، اس لئے درود شریف کبھی غیر مقبول نہیں ہوتا۔ بس خدا تعالیٰ کو رحمت بھیجنا تو ہے ہی ہم کو جو حکم دیا تو صرف ہماری عزت بڑھانے کے لئے۔

نیز ہمارے اعمال ظاہر ہے کہ مقبول ہونے کے قابل ہیں نہیں اور جو عمل قبول نہ ہو وہ کالعدم ہے۔ پھر ہمارا درود پڑھنا کالعدم ہوا مگر پھر بھی آپ ﷺ پر رحمت ہوتی ہے کوئی شخص یہ احسان نہ سمجھے کہ میں درود بھیجتا ہوں تب ہی رحمت ہوتی ہے۔ اگر ہم آفتاب کے سامنے ہوگئے تو آفتاب نے ہم کو منور کر دیا۔ آفتاب ہمارا محتاج شعاع میں نہیں پس علماء کے قول سے بھی اس کی تائید ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نفع کے محتاج نہیں۔

البتہ اس مقام پر ایک شبہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دین کی تعلیم کی ہے اور ہمارے عمل کرنے سے آپ کو بھی ثواب پہنچتا ہے تو اگر ہم عمل نہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ثواب کیسے ملے گا؟ پس ہمارے عمل کو اس میں دخل ہوا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس نیت سے تعلیم فرمائی کہ امتی عمل کریں اور نیت پر اجر مل جاتا ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ سلم نے اس کی نیت فرمائی تو آپ ہر حال میں ماجور تو ہوگئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص299، 298)

اللہ تعالیٰ کا عرش حضور ﷺ کے نور سے پیدا ہوا؟

اولیت علیت

آپ جمیع کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع ہیں اب میں اس دعوے کو ثابت کرتا ہوں کہ ان جمیع کمالات کا فیض حضرات انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہنچا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے

یا جابر ان اللہ تعالی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ (الحدیث)

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے طویل حدیث ہے۔ اب یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہوگئی ہے اول ما خلق اللہ نوری مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث کے الفاظ نہیں ہیں۔ سو اول تو اس حدیث جابر میں تنصیص ہے کہ باقی سب مخلوقات کی تکوین میں جن میں حضرات انبیاء اور ان کے کمالات بھی آگئے آپ کو دخل ہے اور یہی حاصل ہے استفادہ کا آپ سے۔

دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومی نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں۔ اوّلیت انبیاء کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اولیت زمانیہ کہ حضور زماناً سب سے مقدم ہیں۔ ایک اولیت ذاتیہ کہ آپ ذاتاً سب سے مقدم ہیں کہ تمام مخلوقات اپنے وجود و کمالات میں حضور کی محتاج ہیں، جن میں انبیاء بھی داخل ہیں مگر اولیت ذاتیہ کے وہ معنی مراد نہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے جس میں مقدم کی ذات مستلزم ہے متاخر کے وجود کو بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ

میں اولیت زمانی کے ساتھ اولیت علیت بھی ہے کہ آپ دوسری مخلوق کے لئے علت ثبوت کمالات ہیں مگر نہ علت بمعنی مؤثر بالاضطرار بلکہ علت بمعنی توسط کے ہیں۔ جیسے فلاسفہ باری تعالیٰ کو عقل اول کے اعتبار سے مقدم بالذات کہتے ہیں کہ عقل کو مخلوق بالاختیار نہیں کہتے بلکہ مجعول بالاضطرار کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ سے بالاضطرار موجود ہوگئی۔ پھر وہ اپنے ماتحت کے لئے اسی طرح علت مؤثرہ ہے بلکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق بالاختیار ہیں۔ جس سے آپ کا حدوث لازم ہے اور پھر آپ دیگر مخلوق کے وجود کمالات میں بھی اس طرح مؤثر نہیں ہیں محض باختیار حق واسطہ ہیں۔(خطبات حکیم الامت جلد 5، ص336)

چھٹی جلد کے جواہر

حقیقت نور

تیسری بات ذوق عارفین کے سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اعمال میں ایک برکت خاصہ ہے جس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ نور یہ ہے جس کے لئے تہجد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ اللّٰهُمَّ اجعل في قلبي نورا اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا کردے۔ وفي سمعي نورا اور میرے کانوں میں نور پیدا کردے وفي بصري نورا اور میری آنکھوں میں نور پیدا کردے وفي لحمي نورا اور میرے گودے میں نور پیدا کردے۔ وفي عظمي نورا اور میری ہڈیوں میں نور پیدا کردے وفي شعري نورا اور میرے بالوں میں نور پیدا کردے وفي عصبي نورا اور میری رگوں میں اور پٹھوں میں نور پیدا کردے وفی لحمی نورا اور میرے گوشت میں نور پیدا کردے وفي دمی نورا اور میرے خون میں نور پیدا کردے اور یہاں تک کہا کہ اعظم لی نورا بڑھا اس نور کو میرے لئے واجعلنی نورا مجھے سراپا نور کردے واجعل من فوقي نورا اور میرے اوپر نور کردے واجعل من تحتي نورا اور میرے نیچے نور کردے وعن یمینی نورا میرے داہنے نور کر دے وعن شمالی نورا اور میرے بائیں نور کردے (سنن النسائي ۶۷۸ : ۴ سنن ابی داؤد ۱۳۴۰)

اسی کا ترجمہ مولانا رومی نے کیا ہے۔

نور او در یمن و یسر و تحت و فوق — بر سر و بر گردن مانند طوق

(اس کا نور دائیں بائیں، اوپر نیچے، چہرے پر اور گردن میں مثل طوق کے)

وہ نور لالٹین کی روشنی نہیں بلکہ ایک کیفیت خاصہ ہے کیونکہ حقیقت نور کی یہ ہے کہ ظاہر لنفسہ و مظہر لغیرہ (یعنی خود بھی ظاہر اور دوسرے کو بھی ظاہر کردے) الله نور السموت والأرض (اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا) میں بھی نور کے یہی معنی ہیں نور کے معنی چمک دمک کے نہیں ہیں تو یہ ہوئی نور کی حقیقت کو خود بین ہوتا ہے اور دوسرے حقائق کو بین کردیتا ہے اور قلب کے اندر اس نور کے پیدا ہونے سے ظلمت دور ہو جاتی ہے کون سی ظلمت، ظلمت کسل کی، ظلمت کینہ کی، ظلمت حسد کی، ظلمت کبر کی، ظلمت غصہ کی، ظلمت معصیت کی وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کے اندر نشاط تازگی شگفتگی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا شخص بڑھاپے میں بھی نکما نہیں ہوتا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 18)

ثمرات طاعت

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص لازماً تلاوت قرآن کرتا ہے۔ بڑھاپے میں اس کے حواس خراب نہیں ہوتے۔ بڑھاپے میں عموماً حواس خراب ہو جاتے ہیں اس سے بچنے کی تدبیر تلاوت قرآن ہے۔ اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ باوجود بڑھاپا آجانے کے بھی ان کے حواس قائم رہتے ہیں۔ جیسے مولانا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ کہ سو برس سے سن متجاوز تھا مگر حواس ویسے ہی تھے۔ یہ سب تلاوت قرآن کی برکت تھی۔ اسے عُقلاء نہیں جانتے اہل اللہ جانتے ہیں کہ راز اس میں کیا ہے

مولانا فرماتے ہیں۔

خود قوی ترے شود خمر کہن　　　خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب تیز ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو) یعنی پرانی شراب تیز ہو جاتی ہے۔ تو یہ بوڑھے میاں پہلے سے بھی تیز ہو جاتے ہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ وہ اس وقت اہل مشاہدہ ہیں اور مشاہدہ کے معنی توجہ تام کے ہیں۔ یہ توجہ ہی وہ حظ ہے کہ بڑھاپے کا بھی ضعف نہیں معلوم ہوتا۔

جیسے ایک بوڑھا آدمی قریب المرگ ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے کو جو کہیں سفر میں ہے خط لکھا کہ تم فوراً چلے آؤ بیٹا آ گیا۔ تو بڑے میاں کا حال تھا کہ کروٹ بھی کوئی اور بدلوائے بیٹے کی صورت دیکھتے ہی فرط خوشی سے چارپائی سے خود بخود اٹھ بیٹھے۔ تو جب بیٹے کے مشاہدہ میں پیار اور قوت ہے تو محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد6، ص19،18)

قبض وبسط

قبض وبسط دونوں وصل ہی کی قسمیں ہیں۔ چنانچہ جس طرح محبوب کا پاس بلا کر بٹھانا وصل ہے اسی طرح یہ حکم دینا کہ جاؤ آم لاؤ یہ بھی وصل ہے یہ نہیں کہ آموں کی جستجو میں جو وقت صرف ہوا اور محبوب سے جدا رہنا پڑا یہ فراق ہو گیا۔ کسی شاعر نے کہا تھا۔

اسکے کوچہ سے جب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں　　　تا نظر کام کرے رو بقضا جاتے ہیں

دوسرے نے جواب دیا۔

اسکے کوچہ سے کب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں　　　وہ ہوسناک ہیں جو رو بقضا جاتے ہیں

مگر یہ اس اٹھنے میں ہے جو از خود ہو۔ وہ حقیقت میں خلاف ہے لیکن اس کے علاوہ ایک مرتبہ اور ہے وہ یہ کہ معشوق خود اٹھائے تو یہ اٹھنا عین وفاداری ہے مثلاً اگر معشوق کہے آم لاؤ تو فوراً چلا جائے اور اگرچہ لغۃً یہ زمانہ فراق کا

ہو گا مگر اہل عقل کے نزدیک یہ زمانہ اس وصال سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں تو محبوب کے ناراض ہو جانے کا بھی جو کہ حقیقی فراق ہے، اندیشہ ہے اور اس میں اس کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ جتنی دیر آم لانے میں لگے گی اتنی دیر تک اس کے راضی رہنے کا یقین ہے۔ تو جو عاشق ہے وہ اس حالت میں بھی مزے میں ہے اور نہایت خوش ہے کہ محبوب کی رضا تو حاصل ہے۔ اس حالت میں وہ عاشق ضرور یہ کہے گا۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

(فراق و وصل کی کیا حقیقت ہے دوست کی خوشنودی کو طلب کرو۔ دوست سے اس کی خوشنودی کے علاوہ اور کچھ مانگنا ملامت ہے)

اور یہ وہ فراق ہے کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گوارا فرمایا کیا آپ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ فراق صوری یعنی توجہ الی الغیر مطلقاً کبھی نہ ہو مگر آپ ﷺ کو ارشاد ہوا۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ۝ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ ۝

کہ کفار کے پاس جایئے اور انہیں انذار و تبلیغ فرمایئے اور کلام الٰہی سنایئے اور اس پر آپ اٹھے اور خلوت میں بجائے محبوب حقیقی سے مناجات کرنے کے مشرکین و کفار سے خطاب فرماتے ہیں۔

یایھا الناس افعلوا کذا ولا تفعلوا کذا اے لوگو! یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 28)

گناہوں کی جڑ

اب دل کے گناہ سنئے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ یہ دل کا اتنا بڑا گناہ ہے کہ سارے گناہ اس کی فرع (شاخ) ہیں۔ کیا اب بھی کسی کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ باطن کوئی چیز نہیں اور نہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ تمام گناہوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے مگر حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ کسب الدنیا راس کل خطیئۃ ! (دنیا کمانا ہر گناہ کی جڑ ہے) حُب اور چیز ہے کسب اور چیز ہے۔ حب دنیا حرام ہے اور کسب کرنا بضرورت اداء حقوق حدود شرعیہ کے اندر رہ کر بعض کے لئے واجب ہے اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو ان بعض کو ملامت ہو گی اور مستحق عتاب ہوں گے۔ بعض اس لئے کہا کہ حکم کلی نہیں بعض کو ملامت بھی نہیں ہو گی کیونکہ مثلاً سلطنت میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض کے ذمہ جمہوری تعلق ہوتا ہے ان کو خود کسب کی اجازت نہیں ہوتی۔ ان کی تنخواہ بذمہ سلطنت ہوتی ہے اور بعض کے ذمہ ایسا تعلق نہیں ہوتا ان کے لئے عدم کسب اور آوارہ گردی جرم ہے کیونکہ جب معاش نہیں تو کھانا پینا کہاں سے ہو گا۔ خواہ مخواہ چوری، جوا، نقب، لوٹ وغیرہ کرنا شروع

کرے گا جس سے ملک میں فساد اور بد نظمی پھیلنے کا اندیشہ ہے اس حکمت سے آوارہ گردی قانوناً ممنوع ہے پس عام رعایا کے لئے تو عدم الکسب (نہ کمانا جرم ہوا اور سرکاری آدمی کیلئے جس کے ذمہ جمہوری تعلق ہے کسب ممنوع ہے اس کو خزانہ شاہی سے تنخواہ دی جاتی ہے چنانچہ اگر کوئی گورنمنٹ کا ملازم تجارت کرے تو مجرم ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ تجارت چھوڑ دو یا سرکار کو چھوڑ دو دونوں ایک ساتھ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(خطبات حکیم الامت جلد6، ص92)

مقام علماء

اب بھی بہت لوگ مال اور جاہ کے ناز میں ہیں اور اہل علم کی توہین کرتے ہیں وہ اس جواب کو اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں کہ یہ لوگ سرکاری ملازم ہیں۔ اگر کلکٹر کے لباس میں پیوند ہو تو اس کی ذلت نہیں کی جاسکتی اور نہ اس سے اس کی عزت کم ہوتی ہے تو اگر ایک اہل اللہ کے پاس اچھا کپڑا نہ ہو تو اس کی ذلت کرنا کب جائز ہوسکتی ہے۔ سرکاری آدمی جس حال میں بھی ہو اس کی توہین جرم ہے۔ حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں۔

من عادی لي ولیا فقد آذنته بالحرب

کہ جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھے تو اس کو اعلان جنگ سناتا ہوں۔

صاحبو! اگر ایک چھوٹی سی سلطنت اعلان جنگ دے دے تو بڑی بڑی سلطنتوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور اولیاء اللہ کی عداوت پر احکم الحاکمین اعلان جنگ سناتے ہیں مگر اللہ رے غفلت! کہ پھر بھی غافل ہیں کہ اس کے منتظر ہیں کہ توپ خانہ لگا دیا جائے۔

صاحبو! احکام دنیا کے ادنیٰ ملازموں کی توہین تو جرم ہو اور احکم الحاکمین کے ملازموں کی توہین جرم نہ ہو۔ علماء سرکاری آدمی ہیں ان کیلئے کسب کرنا ایک درجہ میں ناپسند ہے اور عوام کیلئے حکم ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ یعنی جیسے نماز روزہ فرض ہے ایسے ہی حلال رزق حاصل کرنا بھی فرض ہے ان کو ترک اسباب میں بزرگوں کی نقل مناسب نہیں۔

ایک بزرگ ایک مقام پر تھے۔ ایک شخص اپنی اولاد کو نصیحت کرنے لگے کہ بھائی کچھ کھانے کمانے کی لیاقت حاصل کرلو۔ انہوں نے کہا کیا ضرورت، دیکھئے حضرت مولانا گنگوہیؒ کچھ نہیں کماتے پر کیسے آرام میں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ افسوس کہ مولانا کی اس بات کو دیکھا مگر ان کے کمالات کو نہ دیکھا۔ یہ ہمت نہ ہوئی کہ ہم بھی دین کی خدمت کریں۔ توکل سہل معلوم ہوا کیونکہ اس میں کچھ کرنا تو پڑتا ہی نہیں مگر خبر بھی ہے توکل ہر ایک کا کام نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد6، ص100،99)

سفارش اور اس کی حقیقت

ایک فرع اس کی یہ ہے کہ پیر کو چاہئے کہ اپنے مریدوں کے دنیا کے جھگڑوں میں نہ پڑے کیونکہ اس میں بھی خود غرضی کا شبہ ہو جاتا ہے پھر ان کے معاملات میں سے جو کھلی معصیت ہوں اس میں تو نہ پڑنا اور شرکت نہ کرنا ظاہر ہے اور جو معاملہ ایسا ہو کہ اس کو اس کی تحقیق نہیں تو اس میں بھی نہ پڑے کہ اس کی تفتیش شروع کر دے اور اسی میں داخل ہے اپنے معتقدوں کی سفارش کرنا۔ آج کل سفارش بھی نہ کرنا چاہئے اس میں بھی خود غرضی کا شبہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں سفارش سفارش نہیں رہی۔ سفارش کی حقیقت ایک قصہ سے معلوم ہو گی۔

وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہؓ لونڈی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور شرعی قانون یہ ہے کہ لونڈی جب آزاد ہو تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے خاوند سے الگ ہو جائے۔ پس جب یہ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر سے علیحدہ ہو گئیں حضرت مغیثؓ ان کا نام تھا۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ روتے ہوئے ان کے پیچھے پھرتے تاکہ حضرت بریرہؓ ان سے الگ نہ ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ مغیثؓ تو بریرہؓ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں اور بریرہؓ مغیثؓ سے اس قدر بغض رکھتی ہیں۔ چنانچہ پھر بنفس نفیس خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریرہؓ سے مغیثؓ کی سفارش کی کہ ان سے علیحدہ مت ہو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سفارش کرتے ہیں یا امر کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امر تو نہیں کرتا۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ جب امر نہیں ہے تو میں قبول نہیں کرتی۔

حضرت بریرہؓ ایسی قانون دان تھیں کہ دریافت کر لیا کہ امر ہے یا سفارش۔ اگر امر ہو تو اس کو قبول کرنا لازم ہے اور سفارش ہو تو نہیں۔ یہ ہے آزادی، خیال تو کیجئے کجا بریرہ اور کجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مگر نہایت آزاد ہو کر سوال کرتی ہیں کیونکہ جانتی ہیں کہ شریعت نے جو دعویٰ کیا ہے اسی پر عمل بھی ہے اور یہ بھی ایک بڑا فرق ہے شریعت اور دوسرے قوانین میں کہ شریعت میں دعویٰ کے ساتھ عمل بھی ہے اور دوسرے قوانین میں جگہ جگہ دعویٰ تو ہے مگر اس کے ساتھ عمل نہیں۔

مثلاً مساوات کہ اس وقت اصول تمدن میں ہے اور اسی کی ایک شاخ خبط آمیز یہ نکلی ہے کہ عورت اور مرد مساوی ہوں سو ان لوگوں نے مساوات کا مطلقاً دعویٰ کیا ہے اور شریعت بھی ایک حد کے اندر مساوات کا دعویٰ کرتی ہے لیکن شریعت کے دعویٰ میں اور دوسرے لوگوں کے دعویٰ میں دو فرق ہیں ایک تو یہ فرق ہے کہ شریعت نے مطلق مساوات کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ اس کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور دوسرے لوگ مساوات مطلقہ کے مدعی

ہیں اور دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعت میں عمل بھی ہے کہ جو متبع شریعت ہیں وہ اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں میں جو مساوات مطلقہ کے مدعی ہیں ان میں عمل نہیں۔

توشریعت نے جو قانون مقرر کیا ہے عمل کرنے کے لئے مقرر کیا ہے کہ ادنٰی رعیت سے لے کر پیغمبر تک کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔ خیال تو کیجئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کرتے ہیں اور حضرت بریرہؓ اس پر سوال کرتی ہیں کہ امر ہے یا سفارش ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ امر نہیں ہے سفارش ہے تو وہ کہتی ہیں کہ میں نہیں مانتی۔ اب تو کوئی کسی استاد سے یا کسی پیر سے یا باپ سے ایسا کر کے دیکھے، غرض یہ کہ اس قصے سے سفارش کا درجہ معلوم ہو گیا کہ سفارش یہ ہے کہ جس کے پاس سفارش لے جائیں اس کو مجبور نہ ہونا پڑے خلاصہ یہ کہ اس پر زور نہ ڈالا جائے۔

اب آج کل سفارش دیکھئے کہ اول ہی سے زوردار الفاظ کی فکر ہوتی ہے حالانکہ سفارش کے لئے لازم ہے کہ زور نہ ہو اور یہ قاعدہ ہے کہ اذانتفی اللازم انتفی الملزوم۔ یعنی جب لازم نہ ہو تو ملزوم بھی نہیں ہو سکتا تو جب سفارش کے لئے زور نہ ہونا لازم ہے اور اب زور ڈالا جاتا ہے جو لازم کا نقیض ہے تو لازم نہیں پایا گیا پس ملزوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آج کل کی سفارش سفارش نہیں رہی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 132)

بزرگی کے معیار

ورنہ یوں تو آج کل معیار بہت ہیں جیسے کشف کہ بعض نے اس کو اتباع کا معیار بنایا اور ہر صاحب کشف کو بزرگ قابل اتباع سمجھا، بعض نے معیار بنایا کرامت کو، بعض نے وجد و سماع کو، بعض نے حرارت کو کہ جس کے اندر زیادہ ہو اور بہت روتا ہو وہ بزرگ ہے، بعض نے معیار بنایا تصرفات کو کہ ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور مدہوش کر دیا تو سمجھے کہ یہ بڑا بزرگ ہے اور بعض نے معیار بنایا تجرد کو، گو بعض حالتوں میں اس کی اجازت ہے مگر یہ معیار تو نہیں۔ بعض نے معیار بنایا تند مزاجی کو۔ چنانچہ سب سے زیادہ اس کے معتقد ہوتے ہیں جو پتھر ڈھیلے مارے۔ وہ تو ان پر ظلم کرتے ہیں اور یہ ان کے معتقد ہوتے ہیں اور جو گالیاں دیتے ہیں یہ ان کو بھی کہتے ہیں کہ مجذوب ہیں، کیونکہ صاحب کشف ہیں۔ سو کشف ان کے نزدیک بڑا کمال ہے حالانکہ کشف مجنونوں کو بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ میرے ہاں ایک عورت کو جنون ہوا تو اس کو کشف ہوتا تھا۔ مگر جب مسہل دیا گیا تو اس کے ساتھ ہی کشف بھی ختم ہو گیا۔ شرح اسباب میں لکھا ہے کہ مالیخولیا کے مرض میں کشف ہونے لگتا ہے پس کشف کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔)

خلاصہ یہ کہ لوگ ایسوں کے معتقد ہونے لگتے ہیں جو گالیاں دیتے ہیں۔ میں نے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ فلاں بزرگ آ کر گالیاں نہ دیں تو کام نہیں ہوتا نہیں خود تمنا ہوتی ہے کہ ہمیں گالیاں دیں۔ جیسا ہمارے ہاں ایک عورت

نے جس کے اولاد نہ جیتی تھی نذر مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہو اور وہ لڑکا ماں کی گالی کھا کر آئے تو پانچ روپے کی شیرینی تقسیم کروں تو جیسے وہ احمق لڑکے کے گالی کھانے سے خوش ہوتی تھی ایسے ہی یہ مرد بھی گالیاں کھا کر خوش ہوتے ہیں اور ایک حضرت وہ ہیں کہ گالیاں دے کر بھی حضرت رہے۔ میں نے بعض لوگوں کو خود یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں مجذوب جب سے نرم ہو گئے ہیں کام ہی نہیں ہوتے۔ غرض بزرگی کے معیار عجیب وغریب قائم کر رکھے ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد6، ص150)

بیعت کے معنی

مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک درویش تھے ان کا لقب تھا رسول نما۔ اور وجہ لقب کی یہ تھی کہ ان کو ایسی قوت تصرف تھی کہ جو شخص طالب ہوتا تھا کہ مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادو وہ اس پر متوجہ ہوتے تھے اس کی نظروں سے درمیانی حجاب مرتفع ہو جاتے تھے اور وہ زیارت جمال باکمال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہو جاتا تھا۔ وہ بزرگ جس وقت اپنے شیخ سے بیعت ہونے گئے تو شیخ نے فرمایا کہ استخارہ کر لو کہ سنت ہے وہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر 5 منٹ سے بھی کم میں واپس آ گئے۔ شیخ نے پوچھا کہ استخارہ کر لیا۔ کہا کہ حضور کر لیا شیخ نے فرمایا کہ اتنی دیر میں آپ نے کیسے استخارہ کر لیا۔ وضو نہیں کیا نماز نہیں پڑھی دعا استخارہ نہیں پڑھی کہنے لگے کہ میں نے اس طرح استخارہ کیا ہے کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس! تو جو بیعت کرتا ہے تو بیعت کے معنی دوسرے کے ہاتھ بک جانا ہیں تو تجھ کو اپنے تمام اختیارات سلب کر دینے اور بدست غیر ہو جانے سے کیا نفع ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بلا سے خدا تو ملے گا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ خدا ملے ہی۔ خدا کے ذمے کسی کا قرض تو نہیں ہے نفس نے کہا کہ خیر کچھ حرج نہیں خدا کو خبر تو ہو گی کہ فلاں شخص نے ہم کو طلب کیا تھا اس پر میں کچھ نہیں کر سکا۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارا استخارہ سب سے اچھا ہے۔ پس غلامی واقعی طبعاً گراں ہے جس کو کچھ ملا ہے اسی کی بدولت ملا ہے۔

وسعت رحمت

الحاصل اس طبعی گرانی کی ہی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اول دلائل حضور کی اطاعت کے واجب ہونے کے بیان فرمادیئے۔ اس کی ایک مثال ہے کہ ایک شخص کے یہاں مثلاً کوئی مہمان آرہا ہو۔ اور کسی قرینے سے معلوم ہو کہ اس کو اگر خبر ہوئی تو گراں گزرے گا۔ تو اس کی گرانی دفع کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ تم کو خبر بھی ہے تمہارے یہاں کون آرہا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد6، ص179)

حسن تربیت

اہل اللہ نے بھی ہمیشہ ایسی ہی تدبیروں سے کام لیا ہے بعض علماء خشک ان کی تدابیر پر ہنستے ہیں لیکن یہ تدبیریں ایسی ہیں کہ اگر طبیعت میں ذرا بھی سلامتی ہو تو ضرور ان تدابیر سے اصلاح ہوتی ہے۔

حضرت شیخ فریدؒ کے ایک مرید کو ان کی ایک کنیز کے ساتھ تعلق ہو گیا اور حضرت کو اس کی خبر ہوئی بجائے اس کے کہ اس کو ملامت کریں کیونکہ بعض اوقات عشق ملامت سے بڑھ جاتا ہے۔ آپ نے ایک لطیف تدبیر کی۔ وہ یہ کہ اس لونڈی کو دوائے مسہل پلا دی۔ چنانچہ مادے کا اخراج شروع ہوا اور بہت سے دست اس کو آئے اور سب مادے کو ایک طشت میں رکھنے کا حکم دیا۔ دست آنے سے اس لونڈی کا رنگ و روغن جاتا رہا اس کے بعد اس لونڈی کے ہاتھ کھانا اس مرد کے پاس بھیجا۔ بجائے اس کے کہ اس لونڈی کی طرف ملتفت ہو اس کو ایک نفرت ہوئی۔ اور اس کی طرف التفات بھی نہ کیا اس لئے کہ اس کا عشق تو اس کے رنگ اور روغن ہی کی وجہ سے تھا۔ اس کے رنگ ہی کے ساتھ عشق رخصت ہو گیا۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود　　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے یعنی اس کا انجام حسرت و ندامت ہے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار　　　عشق را باحی وباقیوم دار

مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے۔

حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ نجاست لے آؤ، وہ لائی گئی اس مرید سے فرمایا کہ یہ کنیز تو وہی ہے۔ اس میں سے صرف یہ نجاست کم ہو گئی ہے اس سے تمہارا میلان جاتا رہا۔ معلوم ہوا کہ تمہارا محبوب یہ تھا، محبوب حقیقی کو چھوڑ کر تم اس گندگی پر گرے تھے طبع اس کی سلیم تھی فوراً تائب ہو گیا اور اس سے نفرت ہو گئی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 180)

اشاعت اسلام کا سبب

دین کے بہت سے اجزاء ہیں لوگوں نے جو اس کا اختصار کر لیا ہے یہ ان کی غلطی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان زیادہ بدنام ہیں کیونکہ ناواقف غیر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ جیسے ان کے اعمال ہیں شاید یہی مذہب اسلام کی تعلیم بھی ہے ہماری وہ حالت ہے کہ اس کو دیکھ کر غیر مذہب والے اسلام سے نفرت کرنے لگے۔ کیونکہ ہر مذہب کے لوگ اس مذہب کے معبر ہیں۔ دیکھنے والا آدمیوں کے افعال سے مذہب کی عمدگی یا خرابی پر استدلال کیا کرتا ہے۔

چنانچہ اہل یورپ نے بہت سے دھبے اسلام پر لگائے ہیں جس کا سبب یا عناد ہے یا ناواقفی ہے کہ انہوں نے ظالم سلاطین کے طرز و عمل کو یا ہمارے افعال و اخلاص کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے صاحبو! کوئی ہمارے خلفائے راشدین کو دیکھے اور آج کسی جگہ میں ان کی نظیر دکھادے۔ اخلاق میں سیاست میں عدل و انصاف میں ان شاء اللہ تعالیٰ مخالف اگر انصاف سے بتلائے تو ہر گز ان کی نظیر نہیں دکھا سکتا اور ہماری صفات کا جیسے یہ اثر ہے کہ اسلام پر الزام لگتا ہے ان حضرات کی صفات کا اثر تھا کہ اسلام محبوب ہو کر پھیلتا جاتا تھا۔ اور یہی اصل سبب ہے اشاعت اسلام کا۔

اہل یورپ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کے زور سے کام لیا گیا ہے اور اس کے لئے دلیل میں واقعات جنگ وہ پیش کرتے ہیں کہ سلاطین اسلام نے کس قدر خونریزیاں کی ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ جنگ مطلقاً تمدن کے خلاف ہے آج متمدن قومیں بھی ضرورت کے وقت جنگ کرتی ہیں معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت لڑائی کرنا تہذیب و تمدن کے اعتبار سے جائز ہے پس اب میں ظالم سلاطین کی طرفداری تو نہیں کرتا البتہ خلفائے راشدین کی بابت دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انہوں نے بناء ضعیف پر کبھی جنگ نہیں کی، کسی قوی سبب کی بناء پر وہ لڑائی کرتے تھے اور لڑائی کے متعلق اسلامی قانون اگر مخالفین کی نظر سے گزرا ہوتا تو کبھی یہ لفظ زبان سے نہ نکالتے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔

قوانین جنگ اسلام نے بہت سے بتلائے ہیں مگر میں اس وقت ایک مختصر قانون بیان کرتا ہوں، اسلام کا مسئلہ ہے اور خلفائے راشدین کا ہمیشہ اس پر عملدر آمد رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مقابلہ کے وقت تمہارے باپ کو تمہارے بیٹے کو تمہارے بھائی کو غرض سب متعلقین کو قتل کر ڈالے اور عرصہ تک خونریزی کرتا رہے پھر کسی وقت قابو میں آ جائے اور تم اس سے بدلہ لینا چاہو اور وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دے تو حکم ہوتا ہے کہ اس کو فوراً چھوڑ دو اگرچہ تم کو یقین کامل ہو کہ اس نے جان کے خوف سے کہا ہے اور دل سے اسلام نہیں لایا جب بھی فوراً تلوار اٹھالو اور اگر اس کو مار اگیا تو تم جہنم میں جاؤ گے اگرچہ یہ بھی خطرہ ہو کہ یہ اس وقت جان بچا کر پھر تم کو قتل کر دے گا جو کچھ چاہتے ہو اب اس کا مارنا ہر گز جائز نہیں۔

تو جس مذہب نے اتنی بڑی سپر دوسروں کے ہاتھوں میں دے دی ہے اب بھی اس کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بزور شمشیر پھیلا ہے اور اس قانون پر ہمارے سلف صالحین پوری طرح عمل کرتے ہیں۔ ہرمزان نے مسلمانوں کو بہت سی ایذائیں پہنچائی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گرفتار کر کے لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اسلام پیش کیا مگر اس نے نہ مانا۔ آپؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے ایک چال چلی کہ حضرت عمرؓ سے

عرض کیا کہ آپ مجھے قتل تو کرتے ہی ہیں تھوڑا پانی منگا دیجئے آپؓ نے پانی منگایا اس نے پانی گرا دیا اور کہا کہ میں کیا خاک پانی پیوں۔ سر پر تو تلوار ستی ہوئی ہے آپؓ نے تسلی کے لئے فرمایا لاباس علیک (کچھ خوف نہ کرو) کہ تم اطمینان سے پیو ڈرو نہیں۔ اس کے بعد جو پانی آیا تو اس نے اس کو اطمینان سے پیا اور کہا کہ امیر المومنین! اب آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ آپ مجھ کو امن دے چکے ہیں۔ آپ مجھ سے فرما چکے ہیں کہ لاباس علیک کہ کچھ خوف نہ کرو یہ کلمہ امن کا ہے اور میں نے آپ کا پانی پیا ہے تو میں آپ کا مہمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے انکار فرمایا نہیں میں نے تم کو امن نہیں دیا۔ صرف پانی پینے کی اجازت دی تھی مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ہرمزان کی تائید کی کہ واقعی آپ نے اس کلمہ سے امن دے دیا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اسکو قتل نہیں کر سکے اور فرمایا کہ مجھ کو ایک فارسی نے آج دھوکہ دے دیا۔

ہرمزان کو اپنی چال پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ خوب جانتا تھا کہ حضرت عمرؓ امن کا کلمہ کہہ کر پھر ہرگز قتل نہ کریں گے۔ آخر حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ تم آزاد ہو۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہرمزان فوراً اسلام لے آیا کہ واقعی یہ دین ہی حق ہے جس میں مخالف کے ساتھ بھی اتنا سلوک کیا جاتا ہے کہ بلا قصد بھی کلمہ امن کہہ دینے سے اس کی جان بچ جاتی ہے اور اس کو پھر کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے اور اس پر خلفاء نے اسطرح پابندی کی ہے کہ ان کی نظیر آج کوئی دکھا نہیں سکتا، ہاں پچھلے بادشاہوں کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں اگر انہوں نے ظلم کیا ہے، بھگتیں گے، ہمارے اسلاف نے ان قوانین پر پورا عمل کیا اور ان کو ترقی و عروج بھی ایسا نصیب ہوا کہ جو کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا صحابہؓ کے طرز عمل کا دوسری قوموں پر ایسا اثر تھا کہ بہت لوگ جاسوس بن کر آئے مگر ان حضرات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ ایک یہودی نے چرالی۔ آپؓ نے اپنے قاضی شریح کے یہاں اس پر دعویٰ کیا قاضی نے گواہ طلب کئے تو حضرت علیؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کیا شریح نے حضرت حسنؓ کی گواہی قبول نہ کی کیونکہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہوتی اور مقدمہ یہودی کے موافق فیصل ہوا۔

اس پر یہودی فوراً اسلام لے آیا کہ واقعی یہ دین برحق ہے جس میں خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا یہودی مقدمہ جیت سکتا ہے۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ ہمارے اسلاف تو ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی۔ (خطبات حکیم الامت جلد6، ص18)

اصلاح نفس کی تدابیر

اپنے نفس کی اصلاح کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ تواضع پیدا کرو اور جی چاہتا ہے کہ تواضع حاصل کرنے کی تدابیر بھی بتلادوں اس کی دو تدبیریں ہیں۔ ایک تو آسان ہے ایک مشکل، آسان تو یہ ہے کہ کسی وقت بیٹھ کر اپنے عیوب اور دوسرے کے کمالات کو سوچا کرے۔ اور دوسرا اس سے مشکل ہے وہ یہ ہے کہ جس کو اپنے سے کم سمجھتا ہے اس کی تعظیم کرے، اس کی جوتیاں سیدھی کرے اور اصل بات تو یہ ہے کہ تواضع پوری طرح اس دوسرے طریق سے حاصل ہوگی۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم ... کہ اصلے ندارد دم بہ قدم

(عمل کی راہ چلنا چاہے نہ دعویٰ کی کہ دعویٰ بغیر ثبوت کچھ حقیقت نہیں رکھتا)

کار کن کار بگذار از گفتار ... کاندریں راہ کار دارد کار

(یعنی باتیں بنانی چھوڑو کام میں لگو۔ اس لئے کہ اس راہ سلوک میں کام ہی مقصود ہے۔)

ہم کو باتیں بنانی تو بہت آتی ہیں مگر صرف باتوں سے کام نہیں چلتا کچھ کرنا بھی چاہئے اپنے سے چھوٹے کی تعظیم کروتب یہ خناس دل سے نکلے گا۔ اور عورتوں میں تو یہ مرض تکبر کا مردوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے مگر یہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ ان کی حکومت نہیں ہے مگر جب کہیں جائیں گی زیور کو ظاہر کریں گی یہاں تک کہ اگر جھوکوں پر کسی کی نگاہ نہ پہنچی ہو تو کان کھجلانے کے بہانہ سے دوپٹہ کانوں پر سے ہٹادیں گی اور سب کی سب ایک ہی مذاق کی ہیں۔ زیور کی، کپڑوں کی فہرست سب کو زبانی یاد ہے۔ غرض ہر چیز پر ان کی نظر ہوتی ہے اور یہ سب تکبر ہے جو خدا کو ناپسند ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 214)

مقام ادب

حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر ضحک فرماتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لائے جاتے ہیں (یعنی جہاد میں بعض کافر زنجیروں میں قید ہو کر آتے ہیں پھر اہل اسلام کی محبت سے مسلمان ہو جاتے ہیں تو گویا یہ لوگ زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لائے گئے) اس پر صحابہؓ نے یہ سوال نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ضحک فرماتے ہیں بلکہ یہ حدیث سنتے ہی خوش ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ ضحک بھی فرماتے ہیں تو ایسے خدا سے تو ہم کو بڑی امیدیں ہیں۔ واقعی خدا ہمارا ایسا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مہربان، جنھوں نے ہم کو یہ باتیں بے تکلف بتلائیں ورنہ دوسرا مصلح تو اسی سوچ میں

رہتا کہ اس بات کو بیان کروں یا نہ کروں۔ کہیں مصلحت کے خلاف تو نہیں۔ کبھی لوگ خدا تعالیٰ کی ایسی رحمت و مہربانی کو سن کر دلیر نہ ہو جائیں۔

جیسے حضرت غوث اعظمؒ نے چالیس سال تک رحمت الٰہی کا بیان فرمایا پھر خیال ہوا کہ شاید لوگ دلیر ہو گئے ہوں گے۔ تو ایک دن غضب الٰہی کا بیان فرمایا۔ وہ ایسا غضب کا بیان تھا کہ مجلس میں سے چند جنازے اٹھے۔ کئی آدمی خوف سے مر گئے تو آپ پر بذریعہ الہام کے عتاب ہوا کہ تم نے ہمارے بندوں کا دل توڑ دیا۔ کیا ہماری رحمت اتنی ہی ذرا سی تھی کہ تمہارے چالیس سال کے بیان میں ختم ہو گئی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا جو حضرت غوث اعظمؒ کو ہوا تو ہم کو حق تعالیٰ کی رحمت و لطف و تخک کی خبر کیونکر ہوتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے بیان میں ذرا پس و پیش نہیں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایسے۔ پس یہ شعر پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

یارب تو کریمی ورسول تو کریم　　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

(اے رب! تو کریم اور تیرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سو(100) شکر ہے کہ میں دو کریموں کے درمیان ہوں)

اور سعدی فرماتے ہیں۔

نماند بعصیاں کسے در گرو　　　کہ دارد چنیں سید پیش رو

(وہ شخص گناہوں کے باعث رہن نہیں رہے گا جو ایسا پیش رو سردار رکھتا ہو)(خطبات حکیم الامت جلد6، ص226)

معرفت حق

چنانچہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بچپن میں مر جانا اور خطرات سے محفوظ ہونا پسند ہے یا بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے۔ فرمایا کہ مجھے بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا زیادہ پسند ہے۔ بچپن کی موت پسند نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد معرفت حق عزوجل زیادہ ہوتی ہے جو بچپن میں نہیں ہوتی۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی معرفت پر خوش ہو کر فرماتے ہیں۔

شکر للہ کہ نمردیم ورسیدیم بدوست　　　آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردان پر آفرین ہے)

میں نے حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بھائی جنت کا مزہ برحق، کوثر کا مزہ برحق مگر نماز میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ جب ہم سجدہ میں جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ

نے پیار کر لیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم جنت میں جائیں گے اور حوریں آئیں گی تو ہم ان سے کہہ دیں گے کہ بی اگر قرآن سناؤ بیٹھو ورنہ چلتی بنو۔ تو حضرت معرفت ایسی لذیذ شے ہے کہ عارفین کے نزدیک جنت اور حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں جو اس میں ہے۔ اور اس سے نعمائے دنیا کا کہ ان میں معرفت بھی ہے نعمائے جنت سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جنت میں یہ معرفت ایسی ہوگی کہ وہاں کی نعمت تھیں اگر وہ بھی نہ چاہتی تھیں تو پھر دوسری عورتوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اٹھنا چاہتی تھیں مگر اخیر شب کو اور اس واقعہ میں حضور ﷺ سویرے اٹھے تھے اس لئے ان کو جگانا نہیں چاہا بخاری میں حضرت عائشہؓ کا قول مذکور ہے۔ فاذاوتر ایقظنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگا دیتے یا یہ کہ حضور ﷺ نے ان سے زیادہ محنت لینا گوارا نہ کی ان کو تھوڑی سی محنت میں کامیاب کر دیا ہو۔

جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے محنت کم لی تھی۔ ایک بار یہ سب حضرات خانقاہ تھانہ بھون میں مجتمع تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب وغیرہ تو دو بجے اٹھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے بھی دو بجے اٹھنے کا قصد کیا۔ حاجی صاحب نے منع فرمایا کہ بھئی نہیں ابھی رات بہت ہے سو جاؤ جب ایک گھنٹہ رات رہ گئی اس وقت جگا دیا کہ اب اٹھو۔ کیونکہ مولانا بہت نازک مزاج تھے۔ اگر زیادہ محنت کرتے تو دماغ پر تعب ہوتا۔

اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا، عجب ہے کہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے محنت کم لی ہو محقق وہی ہے جو ہر شخص سے اس کے مناسب کام لے۔ یہ نہیں کہ سب کو چوبیس ہزار ہی اسم ذات بتلایا کرے ہمارے حاجی صاحب نے بعض لوگوں سے صرف اتنا کام لیا کہ تم خانقاہ والوں کی کچھ خدمت کر دیا کرو اور کسی کو ایک ہزار دو ہزار اسم ذات بتلایا اور کمال یہ ہے کہ ہر شخص کامیاب تھا۔ تھوڑی محنت کرنے والا بھی۔ تھوڑی محنت کرنے والے کو منزل پر اس طرح پہنچاتے تھے کہ اسے خبر بھی نہ ہوتی تھی اسی کو فرماتے ہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندی حضرات بھی عجب سالار قافلہ ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

محقق کی یہی شان ہے خواہ نقشبندی ہو یا چشتی ہو۔ پس اتباع سنت کی حقیقت یہ نہیں کہ اپنی طبیعت کے تقاضے پر عمل کیا جائے اور اس کی تائید میں ایک دو حدیث ڈھونڈھ لی جائیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 229)

تقاضائے اتباع سنت

بلکہ اتباع سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عادت غالبہ کا اتباع کیا جائے اور اس کے لئے مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی بھی ضرورت ہو گی۔ سیرت نبوی میں میرا رسالہ نشر الطیب مفصل ہے۔ اگر اتنی فرصت نہ ہو تو حیٰوۃ المسلمین کا نسخہ مطالعہ کر لیا جائے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خلاصہ ہے۔ اسلئے جوش محبت میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے ختم ماہ ربیع الاول تک جس کی فرمائش آئے گی اس سے محصول ڈاک بھی نہ لیا جائے گا۔ اور یہ سخاوت میں اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے اطمینان ہے کہ درخواستیں آئیں گی ہی نہیں۔ مسلمان کچھ ایسے بے فکرے ہیں کہ ہر شخص اپنے کو بنا بنایا کامل سمجھتا ہے۔ اصلاح حال کی فکر ہی نہیں۔ حیات المسلمین کا نسخہ اگر لیں گے بھی عمل کے لئے نہیں بلکہ محض برکت کے لئے۔ جیسے شجرہ پڑھا کرتے ہیں۔ ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ تو عمدہ ہے مگر اکثر شجرے تو محض فضول ہیں جن میں بے تکے اشعار ہیں۔ وہ تو بقول علی حزین کے تذکرۃ الاولیاہی ہیں اور صاحبو! آپ کو ثمرہ کے ہوتے ہوئے شجرہ کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اگر ثمرہ ایسا ہوتا جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا تو شجرہ کی بھی ضرورت ہو سکتی تھی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 250)

عالم ارواح کی نسبت

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ آپ کی خدمت میں مولانا غلام یحییٰ بہاری جن کا حاشیہ رسالہ قطبیہ پر مشہور ہے حاضر ہوئے ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی کہ ایک مشت سے بھی بہت زیادہ تھی، بعض لوگوں کو ڈاڑھی بڑھانے کا شوق ہوا کرتا ہے بس مرزا صاحب کے سامنے پہنچے اور آپ کی نظر ان کی ڈاڑھی پر پڑی اور آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا اور فرمایا جلدی کہو جو کچھ کہنا ہے۔ کیسے آئے ہو۔ عرض کیا بیعت ہونے آیا ہوں۔ فرمایا پیر و مرید میں مناسبت شرط ہے آدمی اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مجھ سے آپ کو کوئی فیض نہ ہو گا مولانا غلام یحییٰ نے ایسی بات کب سنی تھی وہ تو مولانا اور مقتدا بنے ہوئے تھے۔ اس جواب پر خفا ہو کر چلے گئے کہ ہم کسی اور سے بیعت ہو جائیں گے کوئی آپ ہی ایک شیخ نہیں رہ گئے۔ کہنے کو تو کہہ گئے مگر سارے جہان میں مرزا صاحب جیسا کوئی نہ ملا۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں کوئی اور شیخ ہی نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سے مناسبت نہ ہوئی بس وہ حال تھا۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

اور مناسبت کا ہونا نہ ہونا یہ کسی کے اختیار میں نہیں یہ تو عالم ارواح میں ہو چکی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے۔

الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وماتناكر منها اختلف

(ارواح لشکر جمع کردہ ہیں جن میں وہاں آشنائی ہو چکی ہے وہ مالوف ومانوس ہیں اور جن میں وہاں تناکر وتنافر ہو چکا ہے وہ یہاں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔)

عورتیں اس مسئلے کو خوب سمجھتی ہیں جب کسی لڑکی کا نکاح بری جگہ ہو جاتا ہے تو ان کو زیادہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہتی ہیں کہ سنجوک یوں ہی ملا ہوا تھا اور کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جوڑیاں ملادی ہیں جس کا جوڑ جس کو بنایا ہے اس سے نکاح ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدین ومشائخ میں بھی جوڑیاں ملی ہوئی ہیں جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے تعلق حاصل کرتا ہے۔

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے شیخ کی تلاش میں چلے مگر کوئی ایسا بزرگ نہ ملا جس سے مناسبت ہو آخر ہندوستان پہنچ کر شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ سے مناسبت ہوئی اور ان ہی سے فیض ہوا، آخر کار مولانا غلام یحییٰ بعد میں پھر آئے اور اس وقت ڈاڑھی ٹھیک کر کے آئے یعنی ایک مشت سے جو زائد تھی اسکو ترشوا دیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب آدمیوں کی صورت سے آئے ہو۔ اب مجھ سے مناسبت ہو جائے گی۔ چنانچہ بیعت فرمایا اور خانقاہ میں رکھا۔ پھر یہ حال ہو گیا۔ جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا۔

چنانچہ مرزا صاحب سے رخصت ہو کر جب مولانا غلام یحییٰ لکھنو پہنچے تو وہاں ایک استاذ شاگرد میں رسالہ قطبیہ کے حاشیہ میں ایک مقام پر اختلاف ہو رہا تھا۔ ان کو معلوم ہوا کہ خود مصنف لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں تو خیال آیا کہ چلو مصنف ہی سے اس کو حل کیا جائے یہاں جو آئے اور مولانا کو وہ مقام دکھایا تو کچھ دیر غور کر کے فرمایا کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا، اللہ اکبر! علوم رسمیہ کو کیسا دل سے نکالا کہ اپنی تصنیف کو بھی سمجھ نہ سکے۔

میں مرزا صاحب کی لطافت مزاج کا ذکر کر رہا تھا کہ مولانا غلام یحییٰ کی فوق الحد ڈاڑھی دیکھ کر آپ پریشان ہو گئے اور بیعت سے انکار کیا۔ غرض اس قدر نازک مزاج تھے کہ بادشاہوں کا دماغ بھی ایسا نازک نہ تھا اور اس میں لطافت ذکر کا بھی اثر تھا۔ اللہ کا نام لینے سے مزاج میں طاقت بڑھ جاتی ہے پھر ایسے شخص کو مخلوق کی تیزی سے تکلیف ضرور ہو سکتی ہے اور اس پہ حق تعالیٰ کی طرف سے انتقام ہو سکتا ہے اس لئے مرزا صاحب مخلوق سے نہ ملتے تھے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 315،316)

نافع توجہ

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ توجہ مرشد کب نافع ہوتی ہے جب کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے بتلانے کے موافق عمل کیا جائے اور اپنے کو اس کے ہاتھ میں بشکل مردہ بدست زندہ کر دیا جائے کہ وہ جس طرح تم میں چاہے

تصرف کرے اس کے بعد جو مرشد کی توجہ ہوتی ہے وہ واقعی کیمیا ہوتی ہے اس سے میں ان لوگوں کے کان کھولنا چاہتا ہوں جو ہوسناک ہیں جو ایک توجہ سے کامل ہونا چاہتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ توجہ کی دو قسمیں ہیں۔

(1) ایک توجہ بلا عمل یہ عادۃً بے اثر ہے۔

(2) ایک توجہ مع عمل یہ مؤثر ہے۔

سو یاد رکھو کہ توجہ بلا عمل کا اثر یہ محض موجود ذہنی ہے۔ اس کا خارج میں وقوع نہیں اور جہاں تم اس کا وقوع سمجھتے ہو وہاں بھی عمل ضرور موجود ہے شاید تم کو اس کی خبر نہ ہو۔ کیونکہ اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱)اعمال جوارح (۲) اعمال قلبیہ

اعمال جوارح کی اطلاع تو دوسروں کو ہو سکتی ہے مگر اعمال قلب کی اطلاع خدا کے سوا یا خاصان خدا کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی۔ تو بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہری اعمال کچھ زیادہ نہیں ہوتے نہ وہ کچھ زیادہ مجاہدے کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اعمال قلبیہ ان کے زیادہ ہوتے ہیں وہ ہر وقت قلب کی نگہداشت میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ ظاہری مشاہدہ سے بھی اشد ہے۔ تو جن کو تم بلا عمل کے توجہ سے کامیاب ہوتا دیکھتے ہو وہ اس عمل شدید کے عامل ہیں۔ حقیقت میں وہ بلا عمل کے تجھ سے کامیاب نہیں ہوئے بلکہ توجہ مع العمل ہی سے کامیاب ہوئے ہیں۔

بس اس توجہ کے نفع کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ نے ایک کام بتایا اور طالب نے اس کے موافق عمل کیا۔ شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جوش میں آ کر اس کے لئے دعا کرتا ہے اور اس کی طرف توجہ پہلے سے زیادہ کرتا ہے اس سے بے شک نفع ہوتا ہے کیونکہ

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنین   می دہد یزداں مراد متقیں

(تو جو چاہے گا وہی اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی مراد پوری فرماتے ہیں)

اللہ تعالیٰ مقبولین کی مراد کو پورا کرتے ہیں جب بھی کسی شخص کی کامیابی چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ بھی اس کو کامیاب ہی کر دیتے ہیں اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب عمل کی ہر حالت میں ضرورت ہے اور توجہ بھی عمل ہی سے نافع ہوتی ہے تو پھر توجہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو بات یہ ہے کہ کام دونوں ہی کے مجموعہ سے چلتا ہے عمل اور توجہ دونوں ہی کی ضرورت ہے دیکھو جو طالب علم استاد کے کلام کو شوق سے سنتا ہے استاد کو اس پر توجہ زیادہ ہوتی ہے پھر اسی کی توجہ سے اس کو دوسروں سے زیادہ علم حاصل ہوتا ہے کتابیں تو سب ہی ختم کر لیتے ہیں مگر جس کا نام علم ہے یعنی فہم سلیم اور فقہ فی الدین وہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جس نے توجہ سے پڑھا اور اساتذہ کو راضی رکھا ہو اور جس طالب علم نے

محنت ہی محنت کی ہو مگر اساتذہ کو راضی نہ رکھا ہو تجربہ کر لیا جائے کہ اس کو حقیقی علم حاصل نہ ہو گا گو الفاظ یاد ہو جائیں۔ بہر حال توجہ شیخ نہایت ضروری ہے مگر وہ بعد العمل ہی مفید ہے۔ قبل از عمل مفید نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 326،325)

ہدیہ کے آداب

دوسری حدیث میں ہے تھا دو اتحابو (السنن الکبری للبیہقی 169/2) (ہدیہ دو آپس میں محبت بڑھاؤ) تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازدیاد محبت (محبت کا بڑھنا) قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے جب ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی۔ بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہو گئی تو اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہیں آنی چاہیے، دوسرے اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہیں لینا چاہئے کیونکہ اس کی بھی یہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ بھائی آج کل کے پیروں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجلانے لگے تو پیر صاحب کا خیال ہوتا ہے کہ شاید پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دے گا واقعی بالکل سچ ہے۔

حرص و طمع نے ہماری وہ حالت بنادی کہ جیسے ایک مرید نے اپنے مرشد سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میری انگلیاں نجاست میں بھر رہی ہیں اور آپ کی انگلیوں پر شہد لگا ہے۔ پیر صاحب سن کر کہنے لگے کہ اس کی تعبیر ظاہر ہے کہ تو دنیا کا کتا ہے ہم لوگ اللہ والے ہیں۔ مرید نے کہا حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا۔ میں نے اس میں دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں۔ اس پر پیر صاحب بہت خفا ہوئے۔

غرض یہ صحیح خواب میں ہو یا غلط لیکن اس خواب سے مرید نے جس حالت کا فوٹو کھینچا ہے وہ بالکل مطابق واقع کے ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنے کے لئے تعلق رکھتا ہے اور پیر مرید سے دنیائے مردار سمیٹنے کی فکر میں ہے۔

اسی قسم کے ایک پیر کے کوئی مرید تھے ان میں سے کسی نے پوچھا کہ میاں تم کو پیر سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں۔ مرید نے کہا کہ میاں جہاں سقادہ ہی میں کچھ نہ ہو تو لوٹوں میں کہاں سے آوے۔ مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آگئی۔ بلگرام میں بزرگ تھے ان کے پاس ایک شخص پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ حسب معمول ایک روز وہ پڑھنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ استاد صاحب کے چہرے پر ضعف کے آثار نمودار ہیں۔ دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج ان کے

ہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور گھر واپس گئے اور وہاں سے کھانا پکوا کر لائے۔ جب کھانا پیش کیا تو شیخ نے کہا کہ کھانا تو عین حاجت کے وقت آیا ہے لیکن اس کے لینے میں ایک عذر شرعی مانع ہے۔ وہ یہ کہ جب تم واپس گئے تو مجھے اسی وقت خیال آیا کہ تم میرے لئے کھانا لینے کو جاتے ہو تو یہ کھانا اشراف نفس کے بعد آیا ہے اور اس کا لینا حدیث کے خلاف ہے وہ شاگرد بھی کیسے مؤدب تھے کہ اصرار نہیں کیا اور سینی لے کر فوراً اٹھ کر چل دیئے اور تھوڑی دور پہنچ کر پھر لوٹے اور آکر عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس نہیں رہا ہو گا کیونکہ میرے واپس لے جانے کے بعد آپ کو یقین ہو گیا ہو گا کہ اب وہ کھانا گیا۔ لہٰذا اب تو اس کو قبول فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔ سبحان اللہ! جب دل میں محبت ہوتی ہے خدمت کا طریق خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ بقول شخصے

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست

(جس دل میں شوق ہو اس کو رہبر کی ضرورت نہیں)

بر خلاف آج کل کے کہ اگر کوئی شیخ انکار کر دے تو مرید یا شاگرد پھر بھی اس کو پریشان کرتا ہے۔

ایک ادب ہدیہ کا یہ ہے کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اس میں نہ ہو بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آکر ہدیہ دیتے ہیں اور پھر تعویذ لکھوانے کی فرمائش کرتے ہیں ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کر دینا چاہئے کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے۔ اس لئے میں نے اپنا معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے اخلاص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جائے گا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی آئے اور خالی جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کر دو اور اس مٹھی گرم کرنے کے محاورہ کی ایک اصل ہے۔ وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانے کے لئے لوگوں کو تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

صاحبو! اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام کے کیا معنی، دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ اس شخص کے بعد کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا۔ تو؟ اگر کبھی دوسرے نے بھی مصافحہ کر لیا تو اس کو معلوم ہو گا کہ پیر صاحب کو یہ ہدیہ دیا گیا۔ پھر اخفا کہاں رہا اور اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہو گا۔ کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے۔

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک شخص کا نکاح ہونے والا تھا اس نے کسی دوسرے سے ایک دوشالہ مستعار لے لیا۔ جب بارات آگئی تو لوگ دولہا کو دیکھنے کے لئے آئے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ دولہا کون ہے تو صاحب دوشالہ دولہا کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں لیکن دوشالہ میرا ہے۔ دولہا نے کہا یار تم بھی عجیب آدمی ہو اسے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہنے لگے کہ اب ایسا نہ کروں گا تھوڑی دیر میں اور کسی نے آکر پوچھا تو آپ فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ میرا نہیں۔ اس پر دولہا اور بھی جھلایا کہ بندۂ خدا تم کو اس کے ذکر کی کیا ضرورت پڑی تھی کہنے لگے کہ اب ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا کچھ دیر بعد ایک اور صاحب نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ کا کوئی ذکر نہیں اس پر دولہا نے دوشالہ ان کے اوپر پھینک دیا۔ تو جیسے اس شخص کا یہ کہنا کہ دوشالہ میرا نہیں یا دوشالہ کا ذکر ہی نہیں بظاہر احتیاط تھی مگر باعتبار اثر کے پوری بے احتیاطی تھی۔ اسی طرح دوسرے سے مصافحہ کرنا بھی اظہار ہوگا ہدیہ کا، جب اظہار ہو گیا تو پھر اخفا کہاں رہا۔ نیز جب دوسروں کے بھی مصافحہ کا احتمال ہے تو مرید صاحب کو یہ ڈر بھی تو ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص پیر کے ہاتھ سے لے کر بھاگ جائے تو کیا کر لیں گے کیونکہ جب اخفا کر کے لیا دیا گیا ہے تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ تھا۔

اگر کہیے کہ ہم دوسرے کے مصافحہ کرنے سے پہلے جیب میں رکھ لیں گے تو میں کہوں گا کہ مصافحہ میں لینے کی مصلحت تو فوت ہو گئی۔ کیونکہ جب جیب میں رکھا گیا تو بھانڈا پھوٹ گیا۔ اور اگر میری رائے غلط ہے تو اس کی غلطی ظاہر کر دی جائے۔ غرض بعض لوگ تعلیم کرتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جاؤ تو کچھ لے کر ضرور جاؤ ورنہ جو خالی جائے وہ خالی آوے۔

یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگر اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا، مطلب اس کا یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جائے گا وہ خالی آئے گا۔ اگرچہ پیر کو روپیہ بھی کیوں نہ دیا ہو۔ غرض خلوص نہ ہونے سے فیض سے بھی خالی رہا اور روپیہ دے کر اس سے بھی خالی ہو گیا۔

ایک اور بات بھی ہدیہ کے متعلق کہنی ضروری ہے کہ بعض اوقات جو چیز ہدیہ میں دی جاتی ہے وہ مقدار میں اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا لینا گراں معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے دس روپیہ لا کر پیش کئے تو بعض دفعہ کسی وجہ سے ان کے لینے سے طبیعت پر گرانی ہوتی ہے کہ اس کے متعلق میں مدت سے سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم واپس کرنا چاہیں تو کسی شرعی قاعدے کے تحت اس واپسی کو داخل کریں مگر الحمد للہ یہ بھی حدیث سے سمجھ میں آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

لا یرد طیب فانہ خفیف المحمل

اچھے ہدیہ کو واپس نہ کیا جائے کیونکہ وہ ہلکا بوجھ ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رد کرنے کی علت طیب کے خفیف المحمل ہونے کو قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ علت نہ پائی جائے بلکہ اس کے بر خلاف طبیعت پر گرانی اور بار گزرے تو ایسی چیز کا واپس کر دینا جائز ہوگا۔(خطبات حکیم الامت جلد6، ص386,387,388)

کامل کی پہچان

البتہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہے کہ کامل کی کوئی پہچان بتلائی جائے کیونکہ آج کل بہت سے شیطان بھی لباس انسان میں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے آدمیوں کی شکل میں شیطان زمین پر بستے ہیں اس لئے ہر کس وناکس کا اندھا ہو کر مرید نہ بنے)

تو پہچان اس کی یہ ہے کہ وہ شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو کسی کامل شیخ کی تربیت میں رہا ہو۔ اور اس سے اجازت تربیت حاصل ہو۔ خود شریعت پر عامل ہو۔ شریعت کے خلاف پر اصرار نہ کرتا ہو سنت کا پورا پابند ہو۔ اپنے متعلقین پر شفقت کرتا ہو۔

احتساب میں کمی نہ کرتا ہو، جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ کامل ہے اور ایسے ہی لوگوں کی نسبت کہا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی سو سال کی بے ریا عبادت وطاعت سے بہتر ہے۔

بحمد اللہ طبقات کا بیان بقدر ضرورت ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ سبیل نجات صرف ایک ہے اور اس پر چلنے کا طریقہ یہ ہے جو مذکور ہوا۔ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت کار آمد ہے اگرچہ لذیذ نہیں۔ اب دعا کیجئے کہ خدا عمل کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

فرمایا کہ شریعت نے دوسرے کے دکھ اور تکلیف میں مدد کرنے کا نہایت اہتمام کے ساتھ حکم کیا ہے مگر افسوس ہمیں آج کل بالکل اس کی پرواہ نہیں کہ دوسرے کو نفع پہنچادیں ایسے بخیل اور ایسے خود غرض ہو گئے ہیں کہ اپنے لئے تو سب کچھ سامان کر لیتے ہیں۔ جوتا کا بھی، اناج کا بھی، کپڑے کا بھی لیکن دوسروں کی فکر مطلق نہیں کرتے کہ مر رہے ہیں یا غمگین ہیں۔(خطبات حکیم الامت جلد6، ص435)

فرعون اور ایمان

کسی درجہ میں عشق کا ہونا ضروری بھی ہے اس کے بالکل نہ ہونے سے ایمان پر خطرہ ہے بقول محققین کے شیطان اس لئے گمراہ ہوا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محض ضابطہ کا تعلق تھا، محبت نہ تھی اور ملائکہ میں عشق ومحبت کا اثر

موجود تھا۔ اس لئے حکم کے ساتھ ہی سب فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ بلکہ ملائکہ میں بعض پر استغراقی کیفیت طاری ہے کہ ہر وقت غلبۂ محبت کی وجہ سے مستغرق رہتے ہیں۔

نیز احادیث سے بھی ملائکہ میں عشق و محبت کے وجود کا پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسا غلبۂ محبت حق ہی کی وجہ سے تھا جس سے فرعون کے ساتھ بغض في الله بدرجہ غلبہ پیدا ہو گیا کیونکہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا۔

آمَنتُ أَنَّهُ لا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

(میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں)

(مجھ کو طریقت عشق میں چلائے، نراز ہدِ خشک تو بہت دور دراز کا راستہ ہے) حضرت جبرائیل علیہ السلام کو غصہ آیا کہ کم بخت نے ساری عمر تو خدائی کا دعویٰ کیا۔ اب مرتے ہوئے ایمان لاتا ہے وہ اس کم بخت کے لئے رحمت کو گوارا نہ کرتے تھے۔ اس لئے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا تاکہ زبان سے پوری طرح بات نہ نکل سکے مبادا کہیں رحمت متوجہ ہو جائے چنانچہ ترمذی کی روایت میں خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے۔

فادسه في فيه مخافة ان تدركه الرحمة ..

حضرت جبرائیل نے اس کے منہ میں کچھ ٹھونس دیا مبادا رحمت خدا اس کی طرف متوجہ ہو جاوے۔

اور اگر اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت جبرائیلؑ نے ایک شخص کو اسلام سے روکا حالانکہ اسلام سے روکنا جائز نہیں سو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو معلوم تھا کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا

(سوان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا۔)

تو وہ اسلام سے نہ روکتے تھے صورت اسلام سے روکتے تھے جس پر گو رحمت في الآخرة مرتب نہیں ہوتی مگر رحمت في الدنیا متوجہ ہو سکتی ہے جیسے منافقین صورت اسلام کے سبب قتل اور اسر (قید) سے محفوظ رہے، اسی طرح احتمال تھا کہ وہ بھی غرق و ہلاک سے بچ جاتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 445،444)

غلبۂ حال

پس یہاں سے ان سالکین کی غلطی معلوم ہو گئی جو تربیت میں مختلف لوگوں کے حالات غلبۂ خوف و بکا کو دیکھ کر افسوس کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسے ایسے حالات نہیں ہوتے۔ رونا نہیں آتا، تو وہ سن لیں کہ یہ طبعی گریہ ہے جو بعض کو

پیش آتا ہے اور یہ مطلوب نہیں، مطلوب عقلی گریہ ہے اور وہ تم کو بھی حاصل ہے کیونکہ نہ رونے پر افسوس ہونا یہ خود گریہ ہے (پس میں افسوس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس افسوس سے اپنی محرومی کے اعتقاد کو منع کرتا ہوں سو تم اپنے کو محروم نہ سمجھو بلکہ اس افسوس کے ہونے سے شکر کرو کہ عقلی گریہ تم کو حاصل ہے۔)

بہر حال میرے نزدیک حب طبعی سے حب عقلی راجح ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ حب عقلی والوں میں حب طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے باقی جن پر حب عقلی کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات ان میں محبت طبعیہ بھی ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر محبت طبعیہ کا غلبہ ہے مگر وہاں محبت طبعیہ پر حب عقلی غالب ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر جوش دبا رہتا ہے۔ لیکن گاہے کاملین پر بھی حب طبعی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہی اس کی دلیل ہے کہ ان میں بھی طبعی محبت ہے مگر حب عقلی کے غلبہ نے اس کو دبا رکھا تھا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غلبہ حال ہوا ہے۔ واقعہ بدر کے متعلق آیا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں مسلمانوں کی فتح کے لئے دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ! ان مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ دے پھر فرمایا۔

اللهم ان تهلك هذه العصابة لم تعبد بعد اليوم -

(الٰہی! اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی تو آج کے بعد سے دنیا میں آپ کا نام کوئی نہ لے گا۔)

بتلایئے یہ کیا تھا غلبہ حال و دلال نہ تھا تو اور کیا تھا۔ بہر حال کاملین تو حب عقلی و طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں مگر ان میں غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے اور ناقصین میں حب طبعی ہوتا ہے اور یہ گو کمال مطلوب نہیں مگر محمود ضرور ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 6، ص 450)

ساتویں جلد کے جواہر

لعنت اور غیبت

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیا ہے، میں نے کہا اس شخص کو جائز ہے جسے یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا خاتمہ یزید سے اچھا ہوگا، ارے اپنے کام میں لگو، لعنت کا وظیفہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت رابعہؒ سے کسی نے پوچھا آپ ابلیس پر لعنت نہیں کرتیں، کہنے لگیں جتنی دیر میں اس پر لعنت کروں میں اپنے محبوب کی یاد ہی نہ کروں، لعنت کے باب میں بعضوں کا دوسرا انداق بھی ہے۔

ایک شخص ہر روز ایک ہزار مرتبہ شیطان پر لعنت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس دشمن نے بھی کیسا بدلا لیا کہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا، اس نے آ کر جگا دیا کہ اٹھو اٹھو بھاگو! یہ جیسے ہی وہاں سے ہٹا دیوار گر پڑی، یہ بہت خوش ہوا کہ یہ تو کوئی بڑا خیر خواہ ہے، پوچھا کون ہو؟ کہا نام نہ پوچھو، نام سن کر تم خوش نہ ہوگے، کہا صاحب بتلاؤ بھی، کہا میں وہی شیطان ہوں جس پر تم ہزار مرتبہ روزانہ لعنت بھیجا کرتے ہو، کہا تم تو میرے بڑے خیر خواہ نکلے۔ اس نے کہا میں نے خیر خواہی سے نہیں بچایا بلکہ اس خیال سے بچایا کہ دیوار کے نیچے دب کر مروگے تو شہید ہو جاؤگے اور بے حساب بخشے جاؤگے، تو مجھے فکر ہوئی کسی طرح اتنے بڑے ثواب سے محروم کر دوں، دوسرے اگر جیتا رہے گا تو تجھ پر خوب مشق کیا کروں گا۔ ابھی بہت دن نچاؤں گا جیسے بندر، ریچھ کہ اگر مر جائے تو بندر والا پھر کہاں سے کمائے گا۔

بہر حال کسی پر لعنت کرنا فضول حرکت ہے جب کہ اپنے ہی حال کی خبر نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

که رشک برد فرشته بر پاکئی ما — که خنده زند دیو زنا پاکئی ما

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم — احسنت بریں چستئی و چالاکئی ما

(کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان ہنستا ہے۔ ایمان اگر قبر میں سالم لے جائیں تو اس وقت ہماری چستی و چالاکی پر آفرین ہے)

جب خاتمہ ہوا اس وقت معلوم ہوگا کہ کس حالت میں گئے بس تو پھر کیا منہ لے کے کسی کو کہیں جس پر پھانسی کا مقدمہ ہو وہ میونسپلٹی کے چار آنہ، آٹھ آنہ والے جرمانہ کے مجرم پر ہنسے تو کیا یہ حماقت ہی نہیں۔ جب یزید و ابلیس پہ لعنت کرنا فضول و خطرناک ہے تو مسلمان کی غیبت کیا کچھ ہوگی اور آج کل تو اس سے بڑھ کر یہ تماشا ہے کہ غیبت کے

لیے بھی صلحاء واتقیاء ہی تجویز کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشائخ کی مجلسوں میں اکثر دوسرے مشائخ وعلماء کی غیبتیں ہوا کرتی ہیں جہاں فساق کی بھی پردہ دری جائز نہیں تھی۔ غرض کسی کو حقیر مت سمجھو، ابھی تمھاری ہی کشتی منجدھار میں ہے البتہ جہاں شریعت اجازت دے وہ مواقع مستثنی ہیں باقی جہاں اجازت نہیں وہاں غیبت کرنا خصوصاً سب کام چھوڑ کے اس کا شغل کر لینا، میں اس کو منع کر رہا ہوں، بالخصوص جبکہ نہ اپنا انجام معلوم ہو نہ اس کا جس کی غیبت کر رہے ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 74،75)

پیر کا حق اس کو رہبر بنانا ہے

یہاں سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ پیر کا حق اس کو رہبر بنانا ہے، پرستش نہیں کیونکہ معبود کبھی علیحدہ نہیں کیا جاتا، اس طرح عشق نفسانی میں جب محبوب کا خیال بلا قصد آئے تو اس وقت دوسرے کی مباح التصور امر کا تصور کرے تو اس سے محبوب مجازی کی صورت آہستہ آہستہ اکھڑ کر جاتی رہتی ہے اور یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ جاتے رہنے کی بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ اول بتدریج میلان میں کمی ہوگی پھر چند روز کے بعد میلان بالکل نہیں رہے گا مگر اس کے بعد کچھ کچھ محبت ہوا کرے گی مگر ادنی اہتمام سے وہ مضمحل ہو جائے گی اس میں بھی بعضوں کو غلطی ہوتی ہے کہ جب دوبارہ پھر میلان ہوا تو وہ سمجھا کہ میرا مرض پھر عود کر آیا مگر نہیں۔ وہ مطمن رہے کہ مرض نے عود نہیں کیا ورنہ ادنی اہتمام سے دفع نہ ہوتا، ازالہ رذائل کے معنی یہی ہیں کہ غلبہ جاتا رہے باقی جڑ باقی رہتی ہے اور اس قدر اصل کا باقی رہنا بھی حکمت الٰہی ہے کیونکہ اگر رذائل کی اصل ہی نہ رہے تو پھر مقاومت کا اجر کیسے ملے۔ ایک مولانا فرماتے ہیں:

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ از وحمام تقویٰ روشن است

(دنیا کی طلب اور خواہش مثل انگیٹھی کے ہے کیونکہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن ہے)

گوبر کے اپلے اور کنڈے نجس تو ہیں مگر یہ نہ ہوں تو حمام کا پانی گرم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تقویٰ کا نور بھی شہوت ہی سے ہے بشر طیکہ اس کو جلاتے رہو جمع کر کے دل میں نہ رکھو۔ الحمد للہ ہر پہلو سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا اور عشق کا علاج معلوم ہو گیا، یعنی اس طرف التفات نہ کرو اس سے محبت مغلوب ہو جائے گی اور مطلق میلان نہ ہونا مطلوب نہیں اگر اتنا میلان بھی نہ ہو تو بے حسی ہے جیسے گلاب میں سے کسی کو خوشبو کی بجائے بد بو آنے لگے تو معلوم ہوا اس کی قوت شامہ خراب ہو گئی ہے کیونکہ اچھی چیز تو اچھی ہی لگنی چاہیے، اگر ایسا ہو تو یہ شخص سلیم الحواس نہیں، پس میلان سے تو نہ گھبراؤ، ہاں اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرو، یعنی میلان کے بعد اس کو دیکھنے میں مشغول نہ ہو کہ

خدا تعالیٰ سے تعلق رکھ کر قصداً دوسری طرف مشغول ہونا بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ اگر خود غیرت نہیں رہی تو غیرت حق کو سوچو۔

دیکھو! اگر کسی کو بادشاہ کا قرب میسر ہو جائے اور اس کو محل میں جانے کی اجازت ہو جاوے اور وہ وہاں جا کے لونڈیوں کو دیکھنے لگے تو بادشاہ کیا کہے گا۔ اسی طرح خدا کو بھی غیرت آتی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے لوگ فحش میں مبتلا ہوں، حقیقت میں خدا کے ہوتے ہوئے کسی اور پر نظر کرنا بڑی سخت بات ہے۔

اختتام مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک خوبصورت عورت جا رہی تھی ایک شخص اس کے پیچھے ہو لیا، وہ سمجھ گئی اس نے کہا کہ مجھے کیا دیکھتا ہے میرے پیچھے میری دوسری بہن آ رہی ہے وہ مجھ سے بہت زیادہ حسین ہے، اس کے دیکھنے کے لیے پلٹا اس نے ایک دھول رسید کیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 84،85)

طریق اصلاح

مثلاً یہ دیکھے کہ میرے اندر تکبر ہے اس کا علاج پوچھے! کینہ ہے؟ علاج پوچھے! غصہ ہے؟ غیبت کی عادت ہے؟ اس کا علاج پوچھے مال کی محبت ہے کہ فقیر کو دیتے ہوئے دم نکلتا ہے، اس کا علاج پوچھے! کیونکہ کوئی باطنی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج نہ ہو اس لیے سب کو پوچھنا چاہیے اور جو نہیں پوچھتا وہ گویا اپنے کو بیمار نہیں سمجھتا، یہ علامتیں اس لیے میں نے بتادیں کہ بہت سے پیر بھی ایسے ہیں کہ:

از بروں چوں گور کافر پر حلل	واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زدی بر بایزید	وز درونت ننگ می دارد یزید

(باہر سے کافر کی قبر کی طرح مزین اور اندر خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے، باہر تو حضرت بایزید بسطامی پر طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت یزید سے بدتر ہے)

اور ان امراض کے علاج سے جیسا مریدوں کو بے فکر نہ ہونا چاہیے شیوخ بھی بے فکر نہ رہیں اس لیے کہ ہم جس طرح بیمار ہیں اسی طرح بعض اوقات شیوخ بھی بیمار ہو جاتے ہیں اور اس میں تعجب ہی کیا ہے کیا حکیم بیمار نہیں ہوتے بلکہ یہ تو ایسے بیمار ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ان کی زندگی بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اپنی طب کے گھمنڈ پر بدپرہیزی بہت کرتے ہیں اسی طرح شیوخ ہیں کہ ان کی بیماری عوام سے بڑھ کر ہوتی ہے ان کے لیے علاج کی صرف یہ صورت ہے کہ یہ بزرگوں کی کتابیں دیکھیں اور ان سے اپنا علاج کریں۔ اور یہ کتابیں مبتدی کو کافی نہیں ہوتیں مگر منتہی کو کافی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ فن جانتا ہے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے معاصرین میں سے جسے اہل دیکھے اس سے رجوع کرے۔

ایک علامت شیخ کامل کی یہ بھی ہے کہ یہ دیکھے کہ اس کے پاس بیٹھنے والوں میں اکثر کی حالت روز بروز بہتر ہوتی جاتی ہے یا نہیں اکثر کی حالت بہتر ہو تو وہ شیخ کامل ہے۔ گو سب کی نہ ہو کیونکہ للا کثر حکم الکل اور اگر اکثر کی خراب ہو اور ایک آدھ کی اچھی ہو تو وہ شیخ کامل نہیں۔ اس سے ہرگز رجوع نہ کرے ورنہ یہ بھی ناقص ہی رہے گا کیونکہ پیر میں کمال نہیں، اس میں کہاں سے آجائے گا۔ جیسے ایک مرید نے کہا تھا:

ہمارے اطراف میں ایک قصبہ ہے رام پور، وہاں کا ایک شخص کسی پیر کا مرید ہو گیا۔ اس سے کسی نے پوچھا میاں کچھ ملا بھی تو اس نے کہا کہ جب سقاوہ ہی میں کچھ نہ ہو تو بدھنی میں کہاں سے آوے۔ واقعی جب پیر ہی کی حالت درست نہیں ہے تو بے چارے مرید کی کب اصلاح ہو گی۔

غرض جس کے مریدوں میں اکثر کی حالت درست ہو وہ کامل ہے۔ یہ علامت دیکھ کر تب اس سے اصلاح کا تعلق کرے اور اس کے متعلق ایک اور ضروری تنبیہ ہے وہ یہ کہ اگر اس میں سب علامات ہیں اور اس کی تعلیم صحبت سے اکثر کی حالت درست بھی ہے مگر خود اس مرید کی حالت درست نہیں ہوتی تو اس سے یہ تو نہ سمجھے کہ شیخ کامل نہیں ہے لیکن شیخ سے اپنی حالت کا ذکر کرتا رہے اور جب ایک معتد بہ مدت گزرنے پر بھی حالت درست نہ ہو تو بدگمانی تو جب بھی نہ کرے لیکن اس وقت یہ سمجھے کہ مجھے اس سے مناسبت نہیں پھر اور کوئی مناسبت کی جگہ تلاش کرے اور شیخ سے بھی کہہ دے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 97،98)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس سال کی عمر تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، یہ بیوہ تھیں اور بہت مال دار چنانچہ اپنے تمول کی وجہ سے ملکۂ عرب مشہور تھیں اور یہاں سے منافقین اسلام کو شرم کرنا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ اس واقعہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ حضور ﷺ کو جوان، کنواری لڑکی ملنا کیا دشوار تھا، اگر آپ ﷺ چاہتے تو بوجہ عالی خاندان ہونے کے بنی ہاشم مکہ کے سردار تھے۔ آپ ﷺ کو کتنی ہی لڑکیاں مل سکتی تھیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی اس امر پر توجہ ہی نہیں کی، پھر علاوہ عالی خاندان ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بھی بہت زیادہ تھی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کو تیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی۔

وفي رواية اربعين وقال مجاهد اعطى قوة اربعين من رجال الجنة

حدیث کو کوئی نہ مانے تو حضرت رکانہؓ کا واقعہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ وہ عرب کے مشہور پہلوان تھے جن کی طاقت و قوت ہزار مردوں کے برابر شمار کی جاتی تھی۔ ان کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات دکھلاؤ تو میں ایمان لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتلاؤ کیا چاہتے ہو کہنے لگے کہ مجھ سے زیادہ طاقتور عرب میں کوئی نہیں۔ اگر آپ کُشتی میں مجھے پچھاڑ دیں تو ایمان لے آؤں گا۔ حضور نے فرمایا بہت اچھا: چنانچہ کُشتی ہوئی اور حضور نے رکانہ کو پچھاڑ دیا، وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے یہ اتفاقی بات ہے، دوبارہ پھر کُشتی ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر رکانہ کو پچھاڑ دیا تو وہ اسلام لے آئے۔

جب حضور کی قوت کی یہ حالت ہے تو حضور ﷺ کے لیے نکاح میں امت سے زیادہ وسعت دیا جانا عین موافقت عقل ہے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

آداب ہدیہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ خیال ہوا کہ اس موقع پر حضور ﷺ کی طرف سے بھی مہر وغیرہ میں زیادہ خرچ ہونا چاہیے تاکہ سکی نہ ہو مگر آپ ﷺ کے پاس مال تھا نہیں اس کی تدبیر یہ کی کہ ایک حیلہ سے آپ کو روپیہ دیا کیونکہ ویسے لینے کی امید نہ تھی، وہ حیلہ یہ کیا کہ حضور ﷺ سے آکر عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دادا صاحب نے کچھ رقم میرے دادا کے پاس امانت رکھی تھی، میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کے سامنے وہ امانت پیش کروں مگر موقع کا منتظر تھا کہ جب آپ ﷺ کو ضرورت زیادہ ہوگی اس وقت پیش کروں گا چنانچہ اب موقع ہے اس لیے پیش کرتا ہوں۔

یہ حیلہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واسطے کیا کہ حضور ﷺ کو ہدیہ کے قبول کرنے سے گرانی نہ ہو، تو یہ آداب ہیں ہدیہ کے کہ اس طرح پیش کیا جائے جس سے دوسرے پر گرانی نہ ہو۔ دیکھئے حضرت صدیقؓ نے کس تدبیر سے حضور ﷺ کو راحت پہنچائی۔ وہاں تو یہی مقصود تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راحت پہنچے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت سے پہلے ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ غرض ہدیہ میں یہ ضروری ہے کہ کسی پر گرانی نہ ہو، مہدی پر مہدی علیہ پر۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 113،112)

حضرت عمرؓ اور ہرمزان فارسی کا واقعہ

ایک واقعہ اسی قسم کا مجھے یاد آگیا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ ہرمزان فارسی سے جو شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ تھا، مسلمانوں کی صلح ہوئی تھی مگر اس نے صلح کے بعد غدر کیا پھر مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا، وہ پھر صلح کے لیے خوشامد کرنے لگا۔ پھر غدر کیا، صحابہؓ نے پھر اس کے ملک پر حملہ کیا تو پھر صلح

کی درخواست کرنے لگا، حضرات صحابہؓ نے اس مرتبہ منظور نہ کی کیونکہ تجربہ ہو چکا تھا تو اس نے درخواست کی کہ اچھا مجھ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے وہ جو فیصلہ میرے حق میں کر دیں گے مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کی صورت دیکھ کر حضرت عمرؓ کو غصہ سے تاب نہ رہی کیونکہ اس نے صلح کر کے مسلمانوں کے بڑے بڑے بہادر اور جلیل القدر صحابہؓ کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تیرے پاس اس غدر کا کیا جواب ہے! بولو؟ ہرمزان نے کہا کہ زندوں کی طرح بولوں یا مردوں کی طرح کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں بات پورا کرنے سے پہلے ہی آپ مجھ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تکلم لاباس بولو! ڈرو نہیں؟ اس نے کہا اچھا مجھے پانی پلوا دیجئے کہ پیاس سے بے تاب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لیے پانی منگوایا جو ایک بھدے سے پیالے میں لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں گا تو ایسے پیالے میں پانی نہ پیوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے حق میں پیاس اور قتل کو جمع نہ کرو، اچھے گلاس میں پانی لے آؤ۔ چنانچہ لایا گیا تو ہرمزان نے گلاس منہ سے لگا کر ہٹا لیا کہ پینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں گلاس منہ کو لگاتے ہی میرا سر گردن سے جدا کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: لا تخف حتی تشربہ کہ پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہ سنتے ہی ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور کہا مجھے پیاس نہیں ہے، مجھے تو صرف امن لینا مقصود تھا، سو وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اب آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بھلا میں ایسے شخص کو زندہ چھوڑ سکتا ہوں جس نے براء بن مالکؓ اور فلاں فلاں جلیل القدر صحابہؓ کو قتل کیا ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ میں نے کچھ بھی کیا ہو مگر آپؓ مجھ کو امن دے چکے ہیں اب قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو امن نہیں دیا۔ ہرمزان نے کہا، آپ واقعی مجھ کو امن دے چکے ہیں اس پر دوسرے صحابہؓ نے بھی ہرمزان کی تائید کی۔ واقعی آپ اسکو امن دے چکے ہیں کیونکہ آپ نے اسکو **تکلم لاباس** اور **لاتخف حتی تشرب** فرمایا ہے اور یہ الفاظ موجب امان ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے کلام میں غور فرمایا تو سمجھ گئے واقعی میری زبان سے الفاظ امان نکل چکے ہیں۔ تو ہرمزان کو رہا کر دیا اور فرمایا:

خدعتني والله لا أنخدع الا لمسلم، فأسلم الهرمزان،

کہ تم نے مجھ کو دھوکہ دیا مگر میں مسلمان کے دھوکے میں آ سکتا ہوں کافر کے دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے پوچھا کہ تو نے جان بچانے کیلئے تدبیریں کیوں کیں۔ اول ہی میں اسلام لے آتا تو تیری جان بچ جاتی، کہا اس صورت میں آپ کو میرے اسلام کی قدر نہ ہوتی۔ یہ خیال ہوتا کہ جان بچانے کیلئے مسلمان ہوا ہے اس لیے میں نے دوسرے طریقے سے جان بچالی اور آپؓ کو اپنے سے روک دیا، اسکے بعد مطمئن ہو کر اسلام لایا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جان بچانے کو اسلام لایا ہے۔

تو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر شریعت کے پابند اور وقاف عند الحدود تھے۔ عبدیت اسی کا نام ہے بندہ کی شان تو یہ ہے کہ احکام کا اتباع کرے مصالح کی پروانہ کرے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 117، 116)

کھانے کے آداب

مجھے اس کا تجربہ یوں ہوا کہ ایک دفعہ میں نے ایک بڑے عہدیدار کی دعوت کر دی اور یہ کام میں نے اصول طریقت کے خلاف کیا۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے ایک بزرگ نے وصیت فرمائی تھی کہ کسی کی دعوت نہ کرنا تو بزرگوں کا یہ اصول ہے مگر چونکہ وہ عہدیدار اکثر میرے پاس ملنے آتے تھے اس لیے میں نے شرم سے ان کی دعوت کر دی، جب کھانا تیار ہو کر سامنے لایا گیا اور وہ کھانے بیٹھے تو کہنے لگے کہ میں مرچ بالکل نہیں کھاتا۔ اس وقت ان کا یہ کہنا مجھے بہت ہی گراں گزرا کہ بندۂ خدا پہلے سے نہ کہہ دیا۔

یہ بھی قلت علم کی خرابی ہے کہ لوگوں کو کھانے کے آداب معلوم نہیں کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جس کے یہاں مہمان ہو اس کو اپنے معمولات کی پہلے اطلاع کر دے، دستر خوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا تہذیب کے خلاف ہے کہ اس سے میزبان کو تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت واقعی مجھے بہت تکلیف ہوئی وہ تو اتفاق سے ہماری ایک عزیزہ اس زمانے میں آنکھیں بنوا کر آئی تھیں اور ڈاکٹر نے ان کو مرچ کھانے سے منع کر رکھا تھا ان کے ہاں سے بے مرچ کا سالن منگایا گیا تب عہدیدار صاحب نے کھانا کھایا۔ اسی طرح کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ میزبان مہمان کے اوپر مسلط ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اس کو آزاد چھوڑ دے کہ جس طرح چاہے کھائے بعض لوگ مہمان کے کھانے کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھا رہا ہے اس سے مہمان کو تکلیف ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک صاحب نے میری دعوت کی اور میرے اوپر مسلط ہو کر دستر خوان پر بیٹھ گئے خود تو کھایا نہیں میرے کھانے کو دیکھنے لگے اور ایک ایک کھانا میرے آگے بڑھانے لگے، میں نے ایک بار تو کہہ دیا کہ میں کھا لوں گا، آپ تکلیف نہ کریں مگر وہ کب ماننے والے تھے، پھر وہ کہنے لگے کہ آپ میرے باپ کے ملنے والوں میں سے ہیں اس لیے مجھے آپ سے خاص محبت ہے میں تو آپ کو باپ سمجھتا ہوں، میں نے دل میں کہا مگر میں آپ کو پاپ سمجھتا ہوں۔

حضرت معاویہؓ کا دستر خوان بہت وسیع تھا، ہمیشہ آپ کے دستر خوان پر بہت بہت آدمی کھانے والے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بدوی آپؓ کے دستر خوان پر تھا جو بڑے بڑے لقمے کھا رہا تھا۔ اتفاق سے حضرت معاویہؓ کی نظر اس پر پڑ گئی تو آپ نے خیر خواہانہ طور سے نصیحت کی کہ چھوٹا لقمہ لو، کہیں گلے میں پھنس نہ جائے، بدوی یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور کہا آپؓ کو کھانا کھلانا نہیں آتا، آپ مہمانوں کے لقمے دیکھتے ہیں پھر ہر چند حضرت معاویہؓ نے خوشامد کی مگر وہ نہ ٹھہرا۔ تو کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مہمانوں کے لقمے نہ دیکھے، ہاں خفیہ طور سے کہ مہمان کو معلوم نہ ہو

کہ یہ مجھے دیکھ رہا ہے اس بات کی خبر گیری رکھے کہ کسی کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آداب الطعام میں سے یہ ہے کہ میزبان کے ہاتھ شروع میں پہلے دھلائے جائیں اور کھانا بھی اول میزبان کے سامنے رکھا جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ پہلے میرے ہاتھ دھلاؤ اور میرے سامنے کھانا پہلے رکھو کیونکہ مقصود تو مہمان کو راحت دینا ہے اور مہمان کو راحت اسی میں ہے کہ پہلے میزبان ہاتھ دھوئے اور کھانا شروع کرے، اس سے مہمان بے تکلف ہو جاتا ہے مگر ان باتوں کو عوام تو عوام مشائخ بھی نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ ان کی تعلیم نہیں کرتے۔

زاہد شدی و شیخ شدی و انش مند　　　　این جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(زاہد و شیخ بننا تو آسان ہے لیکن مسلمان بننا مشکل ہے) (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 121،120)

مشائخ کے فرائض

مشائخ کو چاہیے کہ وظیفہ وغیرہ بتلانے سے پہلے دو کام بتلائیں، ایک اخلاق کی درستی، دوسرے بقدر ضرورت علم کی تعلیم۔ پہلے زمانہ میں اسی پر عمل تھا، مریدوں کی برسوں تک اصلاح اخلاق کرتے تھے اس کے بعد وظیفے تعلیم فرماتے تھے اور جو طالب علم دین سے کورا ہوتا اس کو تحصیل علم کی تاکید فرماتے تھے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے تو شیخ نے پوچھا کہ علم دین کہاں تک حاصل کیا ہے کہا کچھ نہیں۔ فرمایا جاہل ولی نہیں ہو سکتا۔ جاؤ پہلے علم دین بقدر ضرورت حاصل کر کے آؤ۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ واپس ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا تو آپ نے ان کے پوتے سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی وہی سوال کیا کہ کیا پڑھا ہے۔ عرض کیا کافیہ تک پڑھا ہے، فرمایا: کافیہ کافی است باقی دردسر (کافیہ کافی ہے باقی دردسر ہے) اور بیعت فرما لیا۔ پھر گو ظاہر میں پوتے سے بیعت ہوئے تھے مگر روحانی فیض آپ کو شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ ہوا تو محققین مشائخ کی عادت تھی کہ ہر شخص کو فوراً بیعت نہ کرتے تھے بلکہ اول اس کو مبادی کی تحصیل کا امر کرتے تھے اور اگر کوئی شخص مبادی کو حاصل کر کے آیا ہو اس کو بھی جلدی بیعت نہ کرتے تھے بلکہ امتحان طلب کے بعد بیعت فرماتے تھے۔

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب اور حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں باہم یہ قول و قرار ہو چکا تھا کہ دونوں ایک ہی پیر سے بیعت ہوں گے کیونکہ دونوں میں محبت بہت تھی۔ پھر حضرت حاجی صاحب تو ایک خواب کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی بزرگ نے خواب میں آپ کا ہاتھ میاں جی صاحب کے ہاتھ میں

دے کر فرمایا تھا کہ یہ تمہارے پیر ہیں، مدت تک تو اس سوچ میں رہے کہ یہ بزرگ کون ہیں پھر کسی سے حضرت میاں جی صاحب کے کمالات سن کر لوہاری حاضر ہوئے تو دیکھا تو میاں جی صاحب کی بالکل وہی شکل وصورت تھی جو خواب میں دیکھی تھی۔ حضرت میاں جی صاحب نے پوچھا کچھ کہنا ہے، حاجی صاحب نے عرض کیا، کیا آپ کو خبر نہیں میاں جی صاحب نے فرمایا کہ خواب وخیال کا کیا اعتبار۔ اب تو حاجی صاحب کو اور زیادہ اعتقاد ہو گیا کہ آپ کو بھی خبر ہے کہ میں آپکے حوالہ کیا گیا ہوں، بس رونا شروع کر دیا۔ حضرت میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی اور حاجی صاحب کچھ ایسے مغلوب ہوئے کہ حافظ صاحب سے کہنا بھول گئے۔ حافظ صاحب نے جو دیکھا کہ حاجی صاحب روز روز لوہاری جاتے ہیں۔ ایک دن پوچھا کہ تم روز روز کہاں جایا کرتے ہو، حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ سے بیعت کر لی ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تم سے کیا عہد تھا، فرمایا میں بالکل بھول گیا، کہا اچھا اب ہم کو بھی ساتھ لے چلو فرمایا بہت اچھا، چنانچہ دونوں حضرات پہنچے، تو میاں جی صاحب نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ کس ارادہ سے تشریف لائے، عرض کیا بیعت ہونے کے ارادہ سے آیا ہوں فرمایا میں اس قابل نہیں مجھے اس سے معاف رکھئے۔ کہا بہت اچھا میں اصرار نہیں کرتا کہ بزرگوں سے اصرار کرنا بے ادبی ہے۔ مگر اس کے بعد حافظ صاحب برابر حاضر ہوتے رہے یہاں تک کہ عرصہ کے بعد میاں جی صاحب نے فرمایا کہ کیا حافظ صاحب اب بھی وہی خیال ہے عرض کیا حضرت میں تو اپنی طرف سے اول ہی دن بیعت ہو چکا ہوں آپ کو اختیار ہے قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں، فرمایا بہت اچھا وضو کر کے آجایئے۔

غرض مشائخ کا یہ طرز تھا کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب برتاؤ کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ جو آیا فوراً مرید کر لیا اور مرید کرنے کے بعد سب کو وظیفے بتلا دیئے، چاہے اس کو نماز کے اور پاکی ناپاکی کے مسائل بھی معلوم نہ ہوں بلکہ آج کل تو غضب یہ ہے کہ مریدوں کو علم کی ترغیب تو کیا دیتے الٹی تعلیم دی جاتی ہے کہ "**العلم هو الحجاب الأكبر**" کہ علم بڑا حجاب ہے اور اس کے غلط معنی مشہور کیے ہیں، علم وصول الی اللہ سے مانع ہے خود اس کے معارض بزرگوں کا دوسرا ارشاد ہے: **ما اتخذالله وليا جاهلا**، کہ خدا تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا۔

(اور جو اہل اللہ اُمی تھے وہ جاہل نہ تھے وہ حضرات صحابہؓ کی طرح صحبت کے ذریعے ضروری مسائل واحکام معلوم کیے ہوئے تھے) بلکہ حجاب اکبر شاہی اصطلاح ہے۔ شاہی محاورہ میں حجاب اکبر وہ پردہ ہے جو بالکل بادشاہ کے پاس ہوتا ہے کہ اس کے بعد اور حجاب کوئی نہیں ہوتا جس کا لقب دہلی کے قلعہ میں لال پردہ تھا۔ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ علم حاصل کرنے سے حجابات رفع ہو جاتے ہیں اور غایت قرب نصیب ہو جاتا ہے حجاب اکبر کے یہ معنی ہیں:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ایک دوسرے معنی بتلائے کہ العلم میں لام عہد سے مراد علم غیر حق ہے۔ وہ بے شک مانع عن المقصود ہے اور میں نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ علم سے مراد علم العلم ہے۔ یعنی دعویٰ علم اپنے آپ کو عالم سمجھنا یہ بڑا حجاب ہے کیونکہ تکبر ہے اور تکبر کا حجاب اکبر ہونا ظاہر ہے مگر اس سے نفس علم کا حجاب ہونا لازم نہیں آتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 122،121)

صاحب کمال کی شناخت

چنانچہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے انتقال پر روئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا رحمت کا اثر ہے جو بندوں پر رحمت نہیں کرتا خدا اس پر رحمت نہیں کرتا۔ البتہ زبان سے کچھ کہنا نہیں چاہیے اور بعضے اولیاء متوسطین کے واقعات اس کے خلاف ہیں کہ ان کو لڑکے کے مرنے کی خبر ملی تو وہ ہنس دیئے۔ اب اگر کسی سے دونوں واقعے بیان کر دیئے جائیں اور یہ نہ بتایا جائے کہ کون کس کا واقعہ ہے اور پوچھا جائے کہ دونوں واقع والوں میں کون افضل ہے تو وہ تو یہی کہے گا کہ جو نہیں رویا وہ افضل ہے حالانکہ بالکل غلط۔ باقی یہ کہ اس کا کیا سبب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس واقعہ کا اثر ہوا اور اس متوسط ولی پر نہیں ہوا۔ سو اسے بھی ایک مثال سے سمجھئے۔

آپریشن دو آدمیوں کا ہوا، ایک کو داروئے بیہوشی سنگھائی گئی اور ایک کو نہیں سنگھائی گئی کیونکہ جس کا دل زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ قوی وتوانا ہوتا ہے اسے بیہوشی کی دوائی نہیں سنگھائی جاتی۔

نماز اور وساوس

میں یہ نہیں کہتا کہ خیالات بالکل نہ آویں گے۔ اگر آویں گے تو ایسے آویں گے جیسے بہتے دریا میں تنکے اور بلبلے ہوتے ہیں کہ ادھر آیا ادھر گیا، ادھر اٹھا ادھر بجھا، وہ جمنے نہ پاویں گے اور یہی مطلوب ہے۔ خیالات کا انقطاع کلی مطلوب نہیں، وساوس وخطرات بلا قصد تو مرتے دم تک بھی آویں تو خوف کی چیز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے:

ان اللہ تجاوز عن أمتی ماحدثت بہ انفسہا

(اللہ تعالیٰ میری امت سے ان گناہوں کے خیالات سے درگزر فرماتے ہیں جو ان کے دل پر خود وارد ہوں بلا قصد کے)

مگر یہ وہی خیالات ہیں جو خود آویں باقی خیالات کا لانا اور قصداً جمع کرنا یہ

إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ

(اگر تم ظاہر کرو اپنے دل کی باتیں یا ان کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ ان کا محاسبہ کریں گے تم سے۔)

میں داخل ہے۔ اس پر مواخذہ ہوگا۔ مثلاً غنا کا سننا ایک تو بے اختیار ہے کہ خواہ مخواہ کان میں آواز آرہی ہے مگر یہ قصداً اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ تو معاف ہے اور ایک ان کی طرف التفات کرنا، کان لگانا، اس سے مزے لینا یہ حرام ہے بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ "التلذذ بها كفر" یہ بہت سخت کلمہ ہے جو زجراً استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح کسی عورت یا امرد کی طرف بلاارادہ کے خیال پہنچ جائے۔ یہ معاف ہے اور ایک یہ کہ اس کی صورت کو سوچ سوچ کر یاد کرے یا اس سے تلذذ کرے یہ گناہ ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ کس درجہ کا گناہ ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ صغیرہ کبیرہ کا وہ فرق جو صغیرہ پر جری کردے میں نے پہلے ہی رفع کر دیا کیونکہ دین کے تباہ کرنے کو دونوں کافی ہیں۔ اسی طرح نماز میں قصداً خیال لانا برا ہے اور بلا قصد کے وساوس کا آنا مضر نہیں۔

اب تو ہماری نماز میں قصداً خیال لائے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک خیال آیا تو بے اختیار مگر اس کو دیر تک باقی رکھتے ہیں۔ ابقاء وساوس بھی امر اختیاری ہے اس پر بھی ملامت کی جائے گی۔ آج کل ہماری نماز سارے حسابات کا محل ہے، دنیا بھر کے حسابات اسی میں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حساب کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہے۔ اب نماز میں سارے حساب اس لیے ہوتے ہیں کہ ہم کو اس کی تو مشق ہو گئی ہے اس لیے نماز کے ارکان واذکار ادا کرنے کے لیے توجہ کی ضرورت نہیں رہی تو وہ خود بخود ادا ہوتے رہتے ہیں جیسے گھڑی کو کوک بھرنے کے بعد خود بخود چلتی رہتی ہے تو اس میں ایک سوئی پوری ہوتی ہے اس لیے سارے وساوس اسی میں آتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 233،232)

تعلق باللہ کا اثر

کالپی کا قصہ ہے کہ ایک مسجد میں ایک سب انسپکٹر نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں تعدیل ارکان نہ کرتے تھے، جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، وہاں ایک گندھی بھی باہر کا آیا ہوا تھا۔ جب وہ تھانیدار صاحب نماز پڑھ چکے تو اس گندھی نے کہا کہ داروغہ جی آپ کی نماز نہیں ہوئی، آپ نماز پھر پڑھ لیجئے، داروغہ جی نے کہا کہ پاجی مردود تیرا منہ اور تو ہم کو نصیحت کرے، بڑا نمازی بن کر آیا ہے۔ اس گندھی نے کہا، خیر پاجی مردود ہی سہی مگر خدا کے واسطے آپ نماز دوبارہ پڑھ لیں، اس کو اور زیادہ غصہ آیا اور اس گندھی بیچارے کو خوب مارا لیکن اس نے بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ پٹ کر کہا کہ مجھے اپنے پٹنے کا غم نہیں مجھے آپ کی نماز کی بہت فکر ہے میرا دل بہت دکھتا ہے کہ آپ کی نماز قبول نہ ہو، میرا جسم تو اچھا ہو جائے گا مگر آپ کی نماز کا کوئی بدل نہیں۔ اس لیے آپ نماز پڑھ لیں، ان داروغہ جی پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو نماز پڑھنا ہی پڑی، اس گندھی کی تمام قصبہ کالپی میں شہرت ہو گئی جس طرف کو جاتا تو لوگ کہتے تھے یہ ہے وہ شخص جس نے داروغہ کو نماز پڑھوائی تھی، سب اس کی قدر کرتے تھے۔ برکت کے واسطے اپنے یہاں لے جاتے تھے

اور اس کا عطر خریدتے تھے تمام کالپی کا پیر بن گیا اور تجارت بھی خوب تھی۔ خدائے تعالیٰ نے دکھادیا کہ جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی عزت ہوتی ہے۔

تو ان کو اپنی برائی نظر ہی نہیں آتی اور اگر معلوم بھی ہو تو اس کا اقرار صریحی کیا معنی، کنایتاً بھی زبان سے نہ نکلے گا جب یہ حالت ہو تو پھر اصلاح کی نوبت کہاں آوے گی۔ اس لیے اول ضرورت اس کی ہے کہ اپنی منقصت پر تنبیہ ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 254)

اہل اللہ کا طریق

حضرات اولیاءاللہ کی یہ حالت تھی کہ اپنے نفس سے محاسبہ کرتے تھے اور حدیث میں بھی ارشاد آیا ہے "حاسبوا انفسكم قبل أن تحاسبو (اپنے نفس کا خود محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے) دیکھو اگر کوئی پٹواری اپنے کاغذات کو حاکم کے معائنہ سے پہلے درست کرلے تو معائنہ کے وقت اس کو ندامت نہ ہوگی اور معائنہ سے پہلے پہلے ہر وقت اس کو فکر بھی رہے گی کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ صاحبزادے دن بھر جو کام کیا کرو شام کو ہم کو اس کا حساب دیا کرو۔ اس کو بڑی دقت ہوئی، اول تو ہر کام کو سوچ بچار کر کرتا پھر اس کو یاد رکھتا پھر ابا جان کے سامنے ہر کام کی وجہ اور اس کی ضرورت اور توجیہ بیان کرتا، کئی روز اسی پریشانی میں گزرے ایک روز اس نے کہا کہ اب اس سے کیا فائدہ ہے جو کچھ آپ کو نصیحت کرنا ہو ویسے ہی کر دیا کرو انہوں نے فرمایا کہ بیٹا اس میں یہ حکمت ہے کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب میں ایک بڈھے باپ کے سامنے حساب نہیں دے سکتا تو حق تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ اور قادر مطلق ہے اس کے سامنے کیسے حساب دوں گا۔

تو نمی دانی حساب صبح و شام — پس حساب عمر چوں گوئی تمام
زیں عمل ہائے نہ بر نہج صواب — نیست جز شرمندگی روز حساب

(تو صبح اور شام کا حساب نہیں جانتا پس زندگی کا حساب کیسے لگاؤ گے، یہ عمل درست نہیں ہے اس سے روز حساب میں سوائے شرمندگی کے اور کچھ نہ ملے گا)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ اپنی زبان کو نکال کر مار رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس نے مجھ کو ہلاکت کے مواقع میں اتارا ہے اور یہ وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی نسبت دنیا ہی میں یہ بشارت ہے ابو بكر في الجنه ہم کی یہ حالت ہے کہ اگر خواب ہی میں جنت کی بشارت ہو جائے تو ابھی سب چھوڑ بیٹھیں لیکن ان کو صرف جنت میں جانا مقصود نہ تھا بلکہ اپنے مالک کو راضی کرنا بھی منظور تھا۔ دیکھو! اگر کوئی آقا اپنے غلام کی

دعوت کردے تو وہ غلام اگر وفادار ہے تو اس کو کھانا کھانے سے زیادہ اس کا اہتمام ہوگا کہ آقا خوش ہو اور اگر ذرا بھی اس کو اس کا احتمال ہو کہ آقا مجھ سے ناراض ہے تو وہ سارا کھانا اس کے واسطے زہر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اسی کو بھیجیں گے کہ جس سے راضی ہوں گے پھر کیا وجہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر فکر تھا۔

جواب یہ ہے کہ بے شک ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جانتے تھے لیکن بسبب خوف الٰہی کے ان کو یہ احتمال ہوتا تھا کہ خدا جانے اس وقت بھی وہ رضا حاصل ہے یا نہیں۔ ابو بکر ایسا دل کہاں سے لاتے کہ اس وقت کی رضا پر کفایت کر کے بے فکر ہو جاتے۔ ہمارا دل تو پتھر ہو گیا ہم کو تو فکر نہیں، اب جو اس حدیث پر شبہ تھا رفع ہو گیا۔

دیکھو! اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اگر محبوب کی ذرا بھی ناک چڑھتی ہے تو محب کی جان نکل جاتی ہے اور اس کی پوری سعی یہ ہوتی ہے کہ محبوب مجھ سے ایک منٹ کو بھی ناراض نہ ہو، جب محبوب مجازی کے محبین کی یہ کیفیت ہے تو محبوب حقیقی کے محبین کی تو جو حالت ہو کم ہے لیکن ہم کو محبوب حقیقی کے بدون قرار آ گیا ہے اس لیے کہ یہ امر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص256)

تواضع کی تاکید

ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے کہ ہمارے بعض بندے ایسے ہیں کہ ہم نے ان کو غریب پیدا کیا ہے۔ اگر ان کو ہم امیر کر دیتے تو امارت میں لگ کر وہ ہم کو بھول جاتے اور بعض بندے ایسے ہیں کہ ہم نے ان کو امیر بنایا ہے اگر ہم ان کو غریب کر دیں تو فقر و فاقہ کی مصیبت کے سبب وہ ہم کو بھول جاویں اور بعض بندے ایسے ہیں کہ ہم نے ان کو تندرست رکھا ہے اگر ہم ان کو بیمار کر دیں تو وہ ہم کو بھول جائیں اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کو بیمار رکھتے ہیں اگر وہ تندرست ہو جائیں تو وہ غافل ہو جاویں۔

اس سے آگے فرماتے ہیں "وذلك لانی اعلم بعبادی" (یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بندوں کے حال سے میں ہی واقف ہوں کہ کس حالت سے ان کو رکھنا مناسب ہے) مثل مشہور ہے کہ اپنے بچھڑے کے دانت آدمی خود ہی خوب جانتا ہے۔ پس ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر کرو اور ہر حال میں اس کی حکمت اور رحمت سمجھو اور اس کے ساتھ اپنے نقصان امکان و بشریت کو بھی پیش نظر رکھو، ناز نہ کرو، یہ نہ سمجھو کہ ہم بزرگ ہیں ہم کو تکبر بھی جائز ہے، غیبت بھی جائز ہے اگر تم نیک اور بزرگ ہو تو تم کو تو اور ہی زیادہ گناہوں سے بچنا چاہیے۔

دیکھو! اگر سفید کپڑے میں دھبہ لگ جاتا ہے تو وہ کتنا بدنما ہو جاتا ہے اور اگر کپڑا پہلے ہی سے میلا کچیلا ہے تو میل لگنے سے اس کا میل بڑھے گا تو ضرور لیکن ظاہر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ پہلے ہی سے میلا ہے۔ الحمد للہ اس قصبہ میں مستورات کی حالت بہت اچھی ہے، میرا دل بہت خوش ہوا، اس لیے میں نے روزہ، نماز کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا

اس لیے کہ بفضلہ تعالیٰ پہلے سے ہی پابندی ہے میرا جی چاہا کہ اس بات کے متعلق بیان کروں کہ جو ان میں ہوتا کہ اس مرض کی بھی اصلاح ہو کر کوئی کمی نہ رہے۔ سو وہ مرض یہ ہے کہ جو اکثر بیبیوں میں خصوص جو بہت نیک ہوں بوجہ کمی علم اور قلت بصیرت کے ہوتا ہے اور وہ اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 270،271)

تواضع کی مثالیں

ایک بزرگ تھے ان کی ایک شخص نے دعوت کی۔ جب وہ کھانا کھانے کے لیے بلانے آیا تو اس کے ہمراہ تشریف لے گئے جب گھر پہنچے تو اس شخص نے کہا کہ آپ کیسے تشریف لائے۔ فرمایا کہ بھائی تم نے دعوت کی تھی کہنے لگا آپ بھی عجیب آدمی ہیں لوگوں کے سر پڑتے ہیں جاؤ کیسی دعوت ہوتی ہے۔ وہ بزرگ چلے آئے، وہ شخص پھر آیا اور کہا کہ آپ بھی عجیب شخص ہیں اس قدر نخرہ باز میاں کی دعوت کی تھی، چلتے کیوں نہیں، ساتھ ہو لیے جب پہنچے تو پھر کہا کہ آپ کیوں آئے، فرمایا کہ تم نے دعوت کی ہے، کہنے لگا کہ میں نے نہیں کی، خواہ مخواہ آپ آئے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان! پھر چلے گئے وہ پھر آیا اور کہا کہ آپ بھی ہیں بڑے متکبر! اب آپ کو دس دس دفعہ بلاؤں، جب آپ آویں گے، چلئے پھر ساتھ ہو لیے، غرض اس ظالم نے تین چار مرتبہ ایسا ہی کیا اور وہ بزرگ ہر دفعہ آتے تھے اور لوٹ جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا حضرت خدا کے واسطے میرا قصور معاف فرمایئے، میں نے یہ حرکت قصداً آپ کے امتحان کے لیے کی تھی۔ معلوم ہو گیا کہ آپ واقعی بزرگ ہیں۔ فرمانے لگے کہ بھائی یہ تو کوئی علامت بزرگی کی نہیں ہے یہ خصلت تو کتے میں بھی ہوتی ہے کہ روٹی دکھلا دو آ جاوے، دھمکا دو چلا جاوے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بہت تیز مزاج مشہور تھے۔ ایک شخص آزمانے کے لیے آیا، مولانا مجمع عام میں تشریف رکھتے تھے۔ اس نے پکار کر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حلال کی پیدائش نہیں ہیں حضرت مولانا کے اندر ذرا تغیر نہیں آیا، اور ہنس کر فرمایا آپ سے کسی نے غلط روایت کیا ہے۔ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے حدیث کا درس دے رہے تھے ایک شخص نے روبرو آکر گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کیا شاگرد بگڑے اور چاہا کہ اس کی خبر لیں، سب کو منع فرمایا اور فرمایا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے سب تو غلط نہیں ہے کہ کچھ تو سچ بھی ہے۔ ایسی ایسی حکایتیں دیکھا کرو، پھر ان شاء اللہ دعویٰ اور فخر نہ رہے گا۔

اس صورت میں تو "اقْنُتِي" اور "وَارْكَعِي" دونوں کا حاصل ایک ہی ہوگا۔ فرق اس قدر ہوگا کہ وَ ارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں تواضع کے حاصل ہونے کا طریقہ بھی ارشاد ہوا ہے اور دوسری توجیہ اور ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ "اقْنُتِي"

میں تو تواضع للرب مراد ہے جیسا کہ لربک کی قید سے ظاہر ہے اور" وَارْكَعِي "سے تواضع للخلق مراد ہو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ خدا کے سامنے بھی عاجزی کرو اور مخلوق سے بھی تواضع سے پیش آؤ، اس صورت میں یہ آیت تواضع مع اللہ اور تواضع مع الخلق دونوں کی جامع ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آدمی کو تکبر اور عُجب کسی کے ساتھ بھی روا نہیں۔(مذکورہ بالا گفتگو حضرت تھانویؒ نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 43 " يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي '' کے حوالے سے بطور نکتہ ارشاد فرمائی ہے)

شیخ شیرازی فرماتے ہیں:

زخاک آفریدت خداوند پاک   پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

(اللہ پاک نے بندہ کو مٹی سے پیدا فرمایا، پس اسے زمین میں تواضع اختیار کرنا چاہیے)

(خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 273،272)

شب کا افضل حصہ

اب بات قابل غور یہ ہے کہ کون سے حصہ شب میں جاگنا زیادہ افضل ہے اس کا فیصلہ قرآن سے بھی ہوتا ہے اور حدیث سے بھی کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر شب میں جاگنا اشد ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا (بے شک رات کے جاگنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے)۔ اور نَاشِئَةَ اللَّيْلِ سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے (کذافی الجلالین القیام بعد النوم) جب وہ اشد ہوا کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا آخر سورت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد ہے چنانچہ فرماتے ہیں عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (اس کو معلوم ہے کہ تم ضبط نہیں کر سکتے۔)

اور عدم احصاء آخر شب میں ہو سکتا ہے۔ یہ تو قرآن سے معلوم ہوا۔ حدیث سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ آخر شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں اور قواعد عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے اور سونا ترک کرنا مشکل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو رات کو اٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخیر حصہ رات کا افضل ہے۔ لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو وہ اول ہی حصہ میں کچھ کر لے کیونکہ اور راتوں میں تو خدا تعالیٰ کا نزول آخر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول ہی شب سے نزول ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو اخیر شب میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اول ہی شب میں عبادت کر کے فضیلت حاصل کر لیں جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عشاء ہی تک عبادت میں مشغول رہیں اور یہ نفس کا ایک کید ہے کہ جہاں آدمی ثواب کا قصد کرتا ہے تو وہ اس کو حیلہ سے روکنا چاہتا ہے چنانچہ اس موقع پر وسوسے ڈالتا ہے کہ اخیر شب میں زیادہ فضیلت ملے گی اس لئے اخیر ہی میں جاگنا چاہئے، اول میں

جاگنے سے کیا فائدہ سو اول شب سے تو یوں محروم رہے جب اخیر شب ہوئی اُٹھا نہ گیا۔ دونوں طرف سے محرومی ہوئی، پوری کے پیچھے لگ کر ادھوری بھی گئی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 394،393)

عبادت شب براءت

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر وقت کی قدر کرو، خاص کر ایسی شب کہ جس کا بیان ہو رہا ہے ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعض اوراد کی کتابوں مین پندرھویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو، حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔

باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لئے اس کی خاص حالت کے اقتضاء سے اس کو تجویز کیا ہوگا اور اس کے حق میں یہی مصلحت ہوگا اب اس کو عام کر لینا یہ بدعت ہے۔ باقی بزرگوں کو بُرا نہ کہے، غرض حدیث میں کوئی خاص عمل وارد نہیں، چاہے قرآن شریف پڑھو یا اللہ اللہ کرو یا نوافل پڑھو۔ خواہ وعظ کہو سنو۔ چنانچہ کانپور میں اس شب کے اندر ہم وعظ کہلواتے تھے۔ کیونکہ وعظ کے شغل میں جاگنا ذرا آسان ہوتا ہے اگرچہ بعض اس میں بھی سو رہتے ہیں۔

ایک شاہ صاحب تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ وعظ میں نیند آتی ہے اور ناچ میں نہیں آتی۔ انہوں نے جواب دیا کہ نیند پھولوں پر آیا کرتی ہے کانٹوں پر نہیں۔ مگر یہ ایک لطیفہ ہے حقیقت یہ نہیں ورنہ پاخانہ میں کیوں نیند آتی ہے وہاں پھول کہاں رکھے ہیں۔ دوسرے عبادات ظاہرہ میں پھول کہاں ہیں وہ تو نفس پر نہایت شاق اور گراں ہیں۔

ان میں بظاہر حظ اور لذت نہیں اور کھیل تماشے نفس کے موافق ہیں اور ان میں حظ ہے اس بناء پر معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا بلکہ حقیقت اس کی دوسری ہے وہ یہ کہ نیند یکسوئی سے آتی ہے کھیل تماشے میں یکسوئی نہیں ہوتی ہر جزو میں جدا جدا لذت ہوتی ہے جس پر مستقل توجہ کی جاتی ہے۔ اس سے توجہ منقسم ہو جاتی ہے اس لئے نیند نہیں آتی۔ بخلاف نماز کے کہ جب اس کو شروع کر دیا چونکہ وہ ہم کو ایسی یاد ہوتی ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کی اس میں حاجت ہی نہیں ہوتی جیسے گھڑی کی کوک بھر کر رکھ دی کہ بس ایک طریقہ پر چلتی رہتی ہے اس لئے بالکلیہ نماز میں توجہ کو متجدد کرنے والی کوئی چیز نہیں اس میں یکسوئی ہو جاتی ہے اس لئے نیند آ جاتی ہے، اسی طرح وعظ کو کہ جہاں شروع ہو گیا اور اس طرف کان لگ گئے۔ بس یکسوئی ہوئی اور نیند آنے لگی اور کھیل تماشے میں توجہ بٹی رہتی ہے

یکسوئی نہیں ہوتی اس لئے نیند بھی نہیں آتی۔ باقی شاہ صاحب کا کلام مخاطب کی خاص حالت کے اعتبار سے ایک لطیفہ ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 7، ص394،393)

نیت کی اہمیت

اگر عمل رخصت پر اس نیت سے ہو یہ بھی بڑا درجہ ہے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے کسی نے عرض کیا حضرت میں چاہتا ہوں کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی مجھے زیارت ہو جائے آپ نے فرمایا کہ بھائی تم بڑی ہمت اور بڑے حوصلہ کے ہو کہ زیارت نبوی ﷺ کے طالب ہو ہماری لیاقت تو فقط اس قدر ہے کہ اگر گنبدِ خضراء شریف پر نگاہ پڑ جائے جو مدینہ منورہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر نظر آتا ہے تو بڑی خوش نصیبی ہے ہماری لیاقت اس قدر کہاں کہ ڈیوڑھی پر حاضر ہو سکیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص سب سے اخیر میں دوزخ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا اور وہ جہنم میں شور و غل کرے گا کہ اے اللہ! میں ہی کیوں رہ گیا۔ حکم ہو گا کہ اس کو یہاں سے نکال کر دوزخ کے کنارہ پر بٹھا دو۔ پس ایسا ہی ہو گا اور اس کا منہ دوزخ کی طرف ہو گا۔ لپٹ لگے فریاد کرے گا، حکم ہو گا کہ دوزخ کی طرف اس کی پشت کر دو۔ پشت کرنا تھا کہ اب جنت نظر آنا شروع ہوئی اور اس کے ایک درخت پر نظر پڑے گی تو عرض کرے گا کہ اے اللہ! اس درخت تک پہنچا دیجئے۔ پھر دوسرے درخت پر نظر پڑے گی اس کے لئے بھی یہی تمنا کرے گا۔ ارشاد ہو گا یہ کیا ابھی تو ایک ہی درخت تک کی فرمائش تھی اب دوسرے درخت کی فرمائش ہو گئی مگر اس پر غلبہ خواہش کا ہو گا اور صبر نہ کر سکے گا۔ پس عرض کئے جائے گا۔ غالباً حضرت امام حسن بصری جو تابعی ہیں یا اور کوئی بزرگ اس حدیث کو بیان کر کے فرمانے لگے کہ کاش میں وہی شخص ہو جاؤں۔ ان پر کس قدر خشیت تھی۔ اپنے کو کس قدر کم درجہ کا سمجھتے تھے کہ اے اللہ! میں ہی وہی شخص ہو جاؤں کہ کبھی دوزخ سے نکل جاؤں گا۔

پس حدیثوں سے بھی تائید ہو گئی کہ کبھی ادنیٰ درجہ کی نیت کرنا بھی مقبول عند اللہ ہوتی ہے بہر حال اہل صورت کو ان کے مذاق کے موافق اور اہل معنی کو ان کے مذاق کے موافق حکمتیں دکھلا دیں کہ اہل صورت کو شکم سیر بنا دیا اور اہل معنی کو قابل حضوری درگاہ بنا دیا غرض تمام اوقات صلوۃ میں وسعت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص416)

حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل

بہت لوگ ہم نے دیکھے کہ اچھے خاصے نمازی لیکن ریل میں نماز ہی نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں کہ صاحب ریل میں وضو کا معاملہ بھی ٹھیک نہیں، صاحب! قبلہ کا بھی ٹھیک نہیں، بھیڑ بھاڑ میں سجدہ کا بھی موقع نہیں، کھڑے ہونے کی

بھی گنجائش نہیں، کیا نماز پڑھیں اور کیسے نماز پڑھیں، حالانکہ جو نماز پڑھتے ہیں انہیں ریل ہی میں سارے سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اتنا زمانہ ہوا میں نے ریل میں کبھی بے وضو یا بیٹھ کر یا بے رخ نماز نہیں پڑھی اور میں اکثر تیسرے درجے میں سفر کرتا ہوں، احباب بہت ترغیب دیتے ہیں کہ انٹر (اعلیٰ) میں سفر کرو، بعضے اصرار کرتے ہیں کہ سیکنڈ میں بیٹھو مگر غریبوں کو تو غریبوں ہی کی طرح رہنا چاہیے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہیے، غرض اکثر تیسرے درجہ ہی میں سفر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے جس میں اکثر مسافروں کی بہتات ہوتی ہے اور بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ نماز پڑھی۔ نیز وضو کے ساتھ رکوع و سجود کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر، بات یہ ہے کہ اگر انسان ارادہ کرے تو حق تعالیٰ ساری رکاوٹوں کو دور کرتے چلے جاتے ہیں۔ خوب فرماتے ہیں مولانا:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

(گو راستہ نظر نہ آوے لیکن تم دوڑو تو سہی راستہ خود بخود پیدا ہوتا چلا جائے گا)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی تو یہی مقصود تھا، ان کے واسطے بھی راستہ کہاں تھا، سات قفل آگے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہاں سے بھاگ جانا ممکن تھا یا کسی کو اس کی امید ہو سکتی تھی کہ میں باہر نکل جاؤں گا جبکہ زلیخا نے ساتوں کواڑ بھی محل کے بند کر دیئے تھے اور اوپر سے بڑے بڑے قفل بھی لگا دیئے تھے، پھر وہاں سے بچ کر نکل جانے کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ مگر اللہ اکبر! حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل دیکھئے بس بات یہ ہے کہ وہ مسئلہ جانتے تھے کہ آدمی کے قبضہ میں جتنا ہو وہ کرے، آگے جو کچھ ہو اسے حق تعالیٰ کے سپرد کرے، اتنا توکل تھا کہ باوجود اس کے کہ جانتے تھے کہ میں قفلوں کے اندر محبوس ہوں لیکن پھر بھی مایوس نہیں ہوئے اور جو کام اس وقت ان کی قدرت میں تھا، وہ کیا، یعنی زلیخا سے دامن چھڑا کر دروازہ کی طرف کو چھٹے، اب ان سے کوئی پوچھے کہ آپ جا کہاں رہے ہیں وہاں تو قفل لگا ہوا ہے لیکن جناب حق تعالیٰ کو تو سب قدرت ہے، پس دروازہ کے پاس پہنچنا تھا کہ پھٹ قفل نیچے، اسی طرح جس دروازے کے پاس پہنچے خود بخود قفل ٹوٹ کر گر پڑے اور کھٹ سے کواڑ کھل گئے۔ غرض ساتوں دروازوں کے پار ہو گئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 452،453،454)

ریل کی نماز

کہتے ہیں کہ صاحب ریل میں نماز پڑھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور حالت یہ ہے کہ نہ اہتمام کرتے ہیں نہ مسافروں سے کہتے ہیں کہ بھائی ہمیں تھوڑی سی جگہ دے دو، تھوڑی دیر کے لیے کھڑے ہو جاؤ میں نے نماز پڑھنی

ہے، بس بیٹھ کر خود ہی فیصلہ کر لیا کہ چاروں طرف تو آدمی ہیں کہاں نماز پڑھیں، بس ایسی حالت میں نماز معاف ہے، یہ بڑے بڑے نمازی جو ہیں ان کا حال ہے۔

بعضوں نے ایک اور مسئلہ گھڑر کھا ہے کہ چاہے کھڑے ہونے پر قدرت ہو لیکن ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، بس بیٹھے اور ٹکریں مار لیں حالانکہ فرض نماز میں بشرط قدرت قیام فرض ہے۔

بعض نے یہ مسئلہ گھڑر کھا ہے کہ تشہد میں بیٹھنا ہی ضروری نہیں۔ بس پاؤں لٹکا کر اطمینان سے دوسرے تختے پر سر ٹیک دیا اور اپنے نزدیک نماز ادا کر لی، ذرا مشقت بھی تو گوارا نہیں، چاہے فرض سر سے اترے یا نہ اترے، بعضوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے، ریل میں کیا بیٹھے گویا اپنے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر پہنچ گئے۔ وہاں بڑا لطف آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی اندر پہنچنا نصیب کیا تھا ہم نماز پڑھ رہے تھے، بھیڑ بہت تھی، سجدہ کا موقع نہ ملا تو ہم نے گھوم کر دوسری طرف سجدہ کر لیا کیونکہ وہاں تو چاروں طرف کعبہ ہی کعبہ ہے ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہے مثلاً چار رکعتیں پڑھنی ہوں تو چاروں سجدے چار مختلف سمتوں میں کر سکتا ہے۔ ایک ادھر، ایک ادھر، ایک اس طرف، مگر یہ آزادی صرف اندر اندر ہی ہے، باہر پہنچ کر دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہی نہیں جہاں یہ آزادی ہو کہ جس طرف چاہے سجدہ کر سکے۔ مولانا فرماتے ہیں:

در درون کعبہ رسم قبلہ نیست   چہ غم ار غواص را چبلہ نیست

(کعبہ کے اندر قبلہ رخ ہونے کے اہتمام کی ضرورت نہیں، ہر طرف قبلہ ہے۔)

(خطبات حکیم الامت جلد 7، ص455)

انحراف سنت کا نتیجہ

حضرات نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت ہے عبادت کی، اس واسطے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو حق تعالیٰ خود فرما چکے ہیں:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ

(تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت ہے مصیبت بھرنے کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اگلی پچھلی سب خطائیں حق تعالیٰ نے بخش دی ہیں، ہم گنہگار ہیں ضرورت تو عبادت کی ہم کو ہے۔ لہٰذا ہم اپنے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں قیاس کریں، ہم کو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ وہاں یہ اثر ہوا۔

چنانچہ انہوں نے آپس میں مختلف عہد کیے۔ ایک جماعت نے تو یہ کہا کہ ہم عورتوں سے ہمیشہ الگ رہیں گے۔ یعنی نکاح ہی نہ کریں گے، بعض نے کہا کہ ہم ہمیشہ روزے ہی رکھا کریں گے، کوئی بولا کہ بس میں رات بھر جاگا ہی کروں گا، اتنے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم آپس میں کہہ رہے ہو وہ میں نے بھی سنا مگر یاد رکھو کہ ہم تو روزہ بھی رکھتے ہیں، افطار بھی کرتے ہیں، بھوکے بھی رہتے ہیں، پیٹ بھرے بھی رہتے ہیں، سوتے بھی ہیں، جاگتے بھی ہیں، پھر فرمایا: "ذالک من سنتی " بس میرا طریقہ یہ ہے، میری یہ سنت ہے۔ "فمن رغب عن سنتي فليس مني" پس یاد رکھو! جو اعراض کرے گا میرے طریقہ سے اور میری سنت سے اس کو مجھ سے کوئی علاقہ نہیں، تو آپ ﷺ نے ان سب کو منع فرمادیا کہ اپنی ان تجویزوں پر ہرگز عمل نہ کریں بلکہ اس طرح رہو جیسے ہم رہتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 460،461)

محبت کاملہ کے اسباب واثرات

خلاصہ یہ ہے کہ کامل محبت کے دو اثر ہیں ایک دوام ذکر اور دوسرے سہولت اطاعت اور یہی علامت کامل ایمان کی ہے۔ اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو ہم کو اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے۔ صاحبو! یہ تو بفضلہٖ تعالیٰ بلا غبار ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت کامل کا دعویٰ بدون ذکر دائم وسہولت اطاعت کے غلط ہے۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خدا تعالیٰ اس محبت کاملہ کے مستحق بھی ہیں یا نہیں، سو اس کو بھی سمجھ لو کہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی تو مستحق محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہر بات ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اسی کا فتویٰ دیتی ہے اس لیے کہ محبت کے تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔

یا یہ کہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہے۔ یا یہ کہ وہ خود نہایت حسین جمیل ہو اور اس کے حسن وجمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان خاطر ہو۔ یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو، جیسے حاتم طائی سے اس کی سخاوت کے سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب اور کسی عالم فاضل سے اس کے علم وفضل کے سبب سے محبت ہے۔

اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہ محبت میں سے کوئی وجہ ہے جو کہ خدا تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو، منعم وہ اتنے بڑے ہیں کہ کوئی ان کے برابر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سب ان کی مخلوق ومملوک ومحتاج ہیں۔ جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ بڑے بڑے حسین وجمیل ان ہی کے حسن وجمال کے فیض سے حسین وجمیل بنے بیٹھے ہیں۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بند دایں نگاریہا

(جس نے ایسے خوب صورت نقش و نگار بنائے ہیں وہ خود کتنا حسین و جمیل ہو گا)

علی ہذا صاحب کمال اتنے بڑے ہیں کہ علم کامل انہیں کو ہے۔ نیز ہر صفت کمال علی وجہ الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے تو انعام و نوال اور حسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے عقلاً و نقلاً ان ہی میں ہے۔ پس وہی تو مستحق محبت ہیں، بس اب اپنے قلب کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کاملہ ہے یا نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 487،486)

طریق تحصیل محبت

تو اس کی تحصیل کی تدبیر کرو اور تدبیر بھی میں بتلاتا ہوں اور اسی پر ان شاء اللہ بیان کو ختم کر دوں گا لیکن یہ نہ سمجھ لیجیو کہ محبت امر غیر اختیاری ہے اس کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، پھر اس کی تدبیر کیا ہو تو کیونکہ یہ گمان غلط ہے، محبت گو خود غیر اختیاریہ ہو مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں جن پر ترتب محبت کا عادۃً ضروری ہے اور ایسے امور میں خدا تعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر بتلائی ہے

سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کر لو، ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کرو۔ اگرچہ پندرہ بیس منٹ کی ہو لیکن اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔

دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس معاملے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آ رہے ہیں۔

تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبان خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کر لو، اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ، نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو، اپنے باطنی امراض کا علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔

چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے محبت بڑھ جاتی ہے، وقت میں گنجائش نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل طور پر بتلاتا۔

پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرما دیں۔

یہ پانچ جز کا نسخہ اس کو استعمال کر کے دیکھئے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائے گی اور آپ "وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ" (اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں) کے پورے مصداق ہو جائیں گے مگر ان پانچ اجزاء میں جو ایک جزو

ہے اطاعت وہ اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب احکام کا علم ہو اور احکام کا علم اس وقت ہوتا ہے کہ جب ان کو سیکھا جائے۔ لہٰذا ایک چھٹے جزو کی اور ضرورت ہوگی۔

وہ یہ ہے کہ علم دین سیکھا جائے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مولوی، عالم بنے۔ عالم بننے کے لیے صرف وہ لوگ مناسب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فراغ اور وقت دیا ہے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل دینیہ جو اسی غرض سے لکھے گئے ہیں کسی سے پڑھ لیں اور اگر پڑھنے کیلئے وقت نہ ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یہ دشوار معلوم ہو تو کسی سے سن لیں۔ سو اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں کہ جن سے یہ دو کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لیے جائیں اور ان دونوں کاموں کے لینے کی چار صورتیں ہوں گی۔

اول تو یہ کہ اگر ان سے کوئی شخص پڑھنے جائے تو پڑھائیں۔

دوم یہ کہ اگر ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ بتلائیں۔

تیسرے ہر ہفتے میں ایک دن ایسا نکالیں کہ لوگوں کو جمع کر کے کوئی کتاب مسئلوں کی، لے کر خود اس کے مسائل پڑھا کریں اور عام لوگ ان کو سنا کریں اور مسائل میں نماز، روزہ،، زکوٰۃ، معاشرت، معاملات وغیرہ سب کے احکام داخل ہیں۔ سب سنائیں۔

چوتھا کام ان کا یہ ہو کہ ہر ہفتہ یا پندرہویں دن ترغیب و ترہیب کا وعظ کہا کریں۔

وعظ کی مجلس کو بیان مسائل کی مجلس سے علیحدہ کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ یہ تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ وعظ میں مسائل فقہیہ کا زیادہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اکثر یاد میں بھی غلط ہو جاتا ہے اور بالخصوص اس لیے بھی کہ وعظ میں اکثر لوگ مزیدار مضامین سننے کی غرض سے آتے ہیں۔ اس لیے وعظ میں زیادہ ترغیب و ترہیب کے مضامین ہوں۔

یہ چار کام ان کے سپرد ہوں اور ان کی تنخواہ اہل شہر خود اپنے ذمہ لیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ دیکھئے جس مقام پر طبیب نہیں ہوتا اہل شہر چندہ کر کے کسی طبیب کو بلاتے ہیں اور تنخواہ دیتے ہیں تو کیا باطنی امراض کا ازالہ بدنی امراض کے برابر بھی ضروری نہیں ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 7، ص 488، 487)

آٹھویں جلد کے جواہر

جنت میں سب سے پہلے زمین کی روٹی بنا کر کھلائی جائے گی

وہ حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت میں سب سے پہلی غذا زمین کی روٹی ہو گی۔ حق تعالیٰ زمین کی روٹی بنا کر جنت والوں کو کھلائیں گے۔ ظاہر اس حدیث پر کوئی ہنسے گا کہ اچھے جنت میں گئے کہ ڈھیلے اور پتھر کھانے کو ملے اس سے تو دنیا ہی میں اچھے تھے۔ وہاں تو روٹی کھاتے تھے اور یہاں ڈھیلے اور پتھر نصیب ہوئے کسی کے حصے میں کوہ منصوری کا پتھر اور کسی کے حصہ میں کوہ شملہ کا۔ اچھے جنت میں آئے کہ ایسی چیزیں کھانی پڑیں۔ اس حدیث کی شرح بجز اہل اسرار اور اہل اللہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی شرح سن کر آپ کو اہل اللہ کی قدر معلوم ہو گی کہ حق تعالیٰ نے ان کو کیا انعام دیا ہے حقیقت میں ظل اللہ في الأرض کا لقب پورا ان ہی حضرات پر صادق آتا ہے سو وہ حضرات یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں اچھی سے اچھی کھا رہے ہیں اور اچھے سے اچھے کپڑے پہن رہے ہیں یہ کہاں سے آئے۔ زمین ہی سے تو نکلے ہیں۔ اگر اونی کپڑے ہیں تو اون ہوتی ہے حیوانات سے اور حیوانات نے زمین ہی کے تو اجزاء کھائے ہیں جن سے وہ اون پیدا ہوئی ہے۔ غرض جس چیز کو بھی لیجئے گا اجزائے زمین ہی اس کی حقیقت نکلے گی۔ زمین میں پانچ سیر گیہوں ڈالے تھے اور پیدا ہوئے پانچ من تو وہ پانچ سیر سے زیادہ جو پیدا ہوئے وہ زمین ہی کے تو اجزاء ہیں۔ انہی کی تو صورت بدل گئی ہے یا آم کا درخت نکلا اور اس میں ہزاروں آم پیدا ہوئے یا غلہ پیدا ہوا یا کسی قسم کا پھل اترا سب زمین ہی کے تو اجزاء ہیں عناصر سے مرکب ہو کر جس میں جزو غالب ارضی ہے اس شکل سے نمودار ہو گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اندر سب چیز موجود ہے پس یہ کہنا غلط ہو گیا کہ زمین میں بس ڈھیلے اور پتھر ہی ہیں۔ زمین میں انار بھی ہیں، آم بھی ہیں اور انگور بھی ہیں، کھٹائی بھی مٹھائی بھی۔ سب چیزیں زمین کے اندر موجود ہیں۔ ہر طرح کا مادہ اس میں رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی مادہ ہے جو ان رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ زمین کے اندر سب کچھ ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی کے یہاں مہمان ہو کر جاتا ہے تو اس کو بے چھنا آٹا تک نہیں کھلاتے۔ اور لوگ جائیں گے خدا کے مہمان ہو کر تو اللہ تعالیٰ پر یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ زمین کو بے چھانے کھلا دینگے بس وہ اپنی

قدرت کی مشین سے شملہ اور منصوری کے پتھر سے جو فضلہ ہے وہ الگ کردیں گے اور ان میں جواجزاء قابل کھانے کے ہیں وہ رہنے دیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 100،99)

سیرت النبی ﷺ۔ علامہ شبلی نعمانی

آج کل بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کتاب لکھی ہے اور آپ کو جامع اوصاف کمالات قرار دے کر اس کو آڑ بنایا ہے دوسرے انبیاء کی توہین کا۔ آپ کے تو کمالات ظاہر کئے ہیں اور دوسرے انبیاء پر حملہ کیا ہے۔ ان کی تنقیص کی ہے لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سیاست تھی حکومت تھی ترحم تھا، باقی اور انبیاء میں سے کسی میں سیاست نہ تھی، کسی میں ترحم نہ تھا کسی میں یہ صفت نہ تھی اور کسی میں وہ صفت نہ تھی۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اپنے نزدیک مدح کی اور دوسرے انبیاء کی تنقیص کی۔ ان لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ ہم باپ کی تعظیم کریں اور اس کو راضی کریں اور اس کے بھائی کی توہین کریں۔ تو ایسی مدح سے حضور کب خوش ہو سکتے ہیں۔ اپنے دعوے کی شہادت پیش کی ہے۔ دیکھو نوحؑ میں ترحم نہیں رحم کا مادہ کم تھا۔ عیسی علیہ السلام میں سیاست کا مادہ کم تھا۔ درویشانہ زندگی تھی۔ میرے سامنے یہ کتاب (سیرۃ النبی اس کا نام ہے مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف ہے) لائی گئی۔ کاغذ اس کا نہایت عمدہ سفید، قیمتی، خط نہایت نفیس پر رونق۔ ظاہر تو اس کا ایسا اور اندر اس میں یہ خرافات بھری ہے کہ نوح علیہ السلام میں ترحم نہ تھا۔ عیسی علیہ السلام میں سیاست نہ تھی۔ کس قدر بے ادبی ہے انبیاء کی شان میں۔ اے صاحبو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان انبیاء میں یہ مادے نہ تھے۔ کیا مادہ کے لئے ظہور بھی لازم ہے۔

اگر ایک شخص کی بابت معلوم ہوا کہ بڑا سخی ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اس وقت دیکھا کہ وہ کچھ بھی خرچ نہیں کر رہا تھا۔ بس آپ نے حکم لگا دیا کہ یہ جھوٹ ہے کہ وہ بڑا سخی ہے۔ اس کو یہی کہا جاوے گا کہ جس وقت آپ گئے ظہور کا موقع نہ ہوگا۔ ظہور سخاوت کے موقع پر جا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا سخی ہے۔ ایسے ہی انبیاء کرام میں سب کمالات موجود ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ جس کے ظہور کا حکم فرماتے ہیں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام تو ایسے رحیم تھے کہ نوسو پچاس برس تک قوم کے ہاتھ سے مصائب اٹھاتے رہے۔ مگر بددعا نہیں کی۔ اس سے زیادہ اور کیا ترحم ہوگا۔ کیا نظیر ہو سکتی ہے اس ترحم کی۔ پھر بددعا اس وقت فرمائی جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکم آگیا۔

أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ (کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی اور ایمان نہیں لائیگا)

معلوم ہوا کہ ان میں دونوں مشینیں تھیں۔ نو سو پچاس برس تک ترحم کی مشین چلائی اس کے بعد حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ دوسری مشین کو بھی چلادو۔ اب جدھر اللہ تعالیٰ ادھر وہ، دیکھو تو نوحؑ میں ترحم کیسا تھا کہ نو سو پچاس برس تک قوم کی تکلیف پر صبر کیا اور بددعا نہیں کی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 356،355)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ولی کی کتے سے اصلاح کروائی

اس پر اس وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک واقعہ یاد آیا۔ مقصود تو یہی واقعہ ہے مگر اس سے پہلے ایک اور واقعہ ان ہی کا بیان کرتا ہوں کیونکہ اس واقعہ کا مقصود سے متعلق ہے۔

وہ تمہیدی واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بادشاہ دہلی نے آپ کو بلایا اور یہ حضرات سلاطین کی توہین نہ کرتے تھے بلکہ ان کے حقوق حاکمانہ کی رعایت فرماتے تھے چنانچہ بادشاہ کے بلانے پر آپ چلے اور قیمتی لباس پہن کر چلے۔ راستہ میں ایک کتے کا بچہ ایک گندی نالی میں سردی سے سکڑا ہوا پڑا دیکھا اول خادم سے فرمایا اس کو باہر نکالے وہ ذرا منقبض سا ہوا آپ سے نہ رہا گیا۔ فوراً اپنے ہاتھ سے نکالا اور حمام وہاں قریب تھا وہاں لے جا کر اس کو گرم پانی سے غسل دیا اس کو گرمی پڑی تو وہ حرکت کرنے لگا پھر اس محلہ کے آدمیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس کی خبر گیری کا وعدہ کرو تو میں اس کو یہاں چھوڑ دوں ورنہ اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کسی نے ذمہ لے لیا تب آپ اس کے حوالے کر کے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ مقصودہ یہ ہوا کہ ایک دن آپ جنگل میں بٹیا کے راستے جا رہے تھے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بٹیا کے دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا۔ صرف بٹیا کا راستہ خشک تھا کہ سامنے سے ایک کتا اسی بٹیا پر آ گیا۔ بیٹا اتنی پتلی تھی کہ شاہ صاحب کتے سے بچ کر نہ نکل سکتے تھے بلکہ دونوں میں سے ایک کو پانی کیچڑ میں اترنا پڑتا تھا۔ اب شاہ صاحب ٹھہر گئے اور کتا بھی سامنے کھڑا ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ بھائی تم کیچڑ میں اترو۔ کہا کیوں میں ہی کیوں اتروں؟ کیا تم اپنے کو مجھ سے افضل سمجھتے ہو۔ فرمایا نہیں صرف اس لئے تم سے اترنے کو کہہ رہا ہوں کہ میں مکلف ہوں نماز وغیرہ پڑھتا ہوں کیچڑ میں میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ تو غیر مکلف ہے پانی سے نکل کر سوکھ جائے گا تیرا اس پر خرچ نہ ہوگا، کتے نے جواب دیا کہ ہاں میرے اترنے سے کوئی حرج نہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر تم اُترے تو صرف کپڑے ناپاک ہوں گے جو ایک لوٹا پانی سے پاک ہو جائیں گے لیکن میں اتر گیا اور تمہارے دل میں وسوسہ آ گیا کہ میں اس سے افضل ہوں تو تمہارا دل اتنا ناپاک ہو جائے گا کہ سات سمندروں سے بھی اس کی نجاست زائل نہ ہوگی۔ اب تم کو اختیار ہے جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ بس یہ سن کر شاہ صاحب نے کپڑے سنبھالے اور بسم اللہ کر کے خود ہی کیچڑ میں اتر گئے اور کتا بٹیا کے راستے سے چلا گیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ عبدالرحیم خبر بھی ہے کہ یہ علم عظیم تم پر کتے کی زبان سے کیوں ظاہر کیا گیا تم نے جو فلاں دن ایک کتے کے بچہ کی خدمت کی تھی۔ یہ اس کی برکت سے عطا ہوا اور ہم نے کتے ہی کے واسطہ سے تم کو علم دیا تا کہ تمہارا اس کتے کے بچے پر احسان نہ رہے کیونکہ اسی کی برادری کے ایک فرد نے اس کی مکافات کردی، حضرات اہل اللہ کی یوں اصلاح ہوتی ہے، کسی کو کیا خبر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں۔

اے ترا خارے بپانہ شکستہ کے دانی کہ چیست ۔۔۔ حال شیرانے کہ شمشیر بالا بر سر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے۔)

ان کو پریشانی بھی ایسی پیش آتی ہے کہ اہل دنیا کی پریشانی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور خوشی بھی ایسی ہوتی ہے کہ دنیاداروں کو اس کی ہوا نہیں لگی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 413،414)

وظیفوں سے امراض قلب کا علاج نہیں ہوا کرتا

ایک صاحب نے مجھ سے شکایت کی کہ رات کو آنکھ نہیں کھلتی کوئی وظیفہ بتلاؤ۔ میں نے کہا اگر اس وظیفہ کو پورا نہ کر سکے تو پھر دوسرا وظیفہ اس وظیفہ کی تکمیل کے واسطے پوچھنے آؤ گے اور اگر آنکھ کھل بھی گئی اور اٹھنے میں سستی رہی تو پھر سستی کے لئے وظیفہ پوچھو گے۔ بس ایک دن یوں ہی مجموعۃ الوظائف ہو جاؤ گے۔ اس طرح کام نہیں چلا کرتا۔ پابندی تہجد کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن ناغہ ہو تو چار آنے نفس پر جرمانہ کر کے کسی غریب کو دے دو اور جماعت صبح کی قضا ہو تو آٹھ آنے اور غیبت ہو جائے تو بیس رکعت پڑھو۔ چند دن میں ان شاء اللہ تہجد کی عادت اور نماز باجماعت کی عادت ہو جائے گی وظیفوں سے بھی کہیں امراض قلب کا علاج ہوا ہے۔ ان کا علاج بجز مجاہدہ کے کچھ نہیں، ہاں ایک تدبیر اور ہے جو اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور مجاہدہ میں بھی برکت و تاثیر اسی کی بدولت ہوتی ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور ان کے پاس جایا کرو اگر جانہ سکو خط و کتابت ہی رکھو اور غیبت (غائبانہ طور پر) کی حالت میں ان کے ملفوظات و مواعظ روزانہ مطالعہ کیا کرو، ناول ہی سمجھ کر ان کو دیکھ لیا کیجئے، جیسے ایک گھنٹہ ناولوں کے دیکھنے میں صرف کرتے ہو تھوڑا سا وقت اسی میں سے اہل اللہ کے مواعظ کا مطالعہ کے لئے بھی نکالو۔ ان شاء اللہ چند روز میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

مراقبہ موت کی ضرورت

ایک کام اس کے ساتھ یہ بھی کرو کہ رات کو لیٹے ہوئے اپنے اعمال کا محاسبہ کیا کرو۔ اس کے بعد سونے سے پہلے موت کا تصور کر لیا کرو آج ہم نے کتنے گناہ کیے ہیں اور کتنے نیک کام گناہوں سے توبہ استغفار کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور رونے کی صورت ہی بنالو اگر رونا نہ آئے اور نیک کاموں پر شکر کیا کرو۔ اس کے بعد سونے سے پہلے موت کا تصور کر لیا کرو کہ جیسے ہم آج سو رہے ہیں اسی طرح ایک دن ایسے سوئیں گے کہ قیامت ہی میں آنکھ کھلے گی۔ پھر ملک الموت کے آنے کا اور روح قبض کرنے کا اور قبر میں تنہا دفن ہونے کا تصور کرو۔ اس سے دنیا کی محبت اور اس کے ساتھ دلی وابستگی کم ہوگی اور گناہوں سے نفرت ہوگی۔ کیونکہ گناہوں کی منشا غفلة عن الآخرة ہی تو ہے۔ جب موت اور آخرت کا دھیان غالب ہوگا تو گناہ خود بخود چھوٹنے لگیں گے۔ اس کو کر کے دیکھو پھر تو آپ بچوں کی طرح کھینچ کر بلائے جائیں گے۔ کہ پا بدست دگرے دست بدست دگرے۔ پھر ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی ہوگا کہ آپ بچپن سے نکل کر بلوغ کی حد میں داخل ہو جائیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 423،422)

حضرت تھانویؒ کے کپڑے قیمتی نہیں تھے

نااہل کو منتظم یا مہتمم بنانا: حدیث میں ہے اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة جبکہ کام کو اس کے غیر اہل کے سپرد کرو تو قیامت کا انتظار کرو) آج کل یہی حالت ہے کہ نا قابل کے کام سپرد کر دیتے ہیں اور اہل کے اس واسطے سپرد نہیں کرتے کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ اہل کہتے ہیں انکے کرتے پاجامے پھٹے ہوئے ہیں۔ وضع قطع غیر مناسب ہے۔ ایسے لوگوں سے ہماری مجلس کی بے قدری ہوگی۔ اس لباس پر نظر کرنے پر ایک واقعہ یاد آگیا مجھے ایک مرتبہ مدعو ہو کر اپنے احباب کے ساتھ شملہ جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد جمعہ میرا بیان تھا۔ کرنل عبدالمجید خان جن کی طرف سے وعظ کا اعلان تھا ان سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا انہیں کا بیان ہوگا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو وہ صاحب بولے کہ ان کا لباس کیسا ہے جیسے پاخانہ میں سے آئے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بعد وعظ کے کہنا۔ چنانچہ انہوں نے بیان سنا۔ بعد وعظ کے بولے کہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ جیسے کپڑے ہیں ویسی لیاقت ہوگی مگر یہاں تو برعکس قصہ ہے۔

یہ قصہ مجھے بھی معلوم ہوا تو دوسرے بیان میں، میں نے کہا کہ صاحبو! بعضے لوگوں کا خیال ہے کہ مولویوں کو اعلیٰ درجہ کے اور قیمتی کپڑے پہننا چاہئیں۔ میں اس رائے کی تائید کرتا ہوں کیوں کہ اس کا منشاء محض دینی مصلحت ہے کہ باوقعت لباس سے واعظ کی باتوں کی وقعت ہوگی مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو قیمتی کپڑے بنانے دشوار ہیں اس لئے کہ اگر جائز آمدنی سے روپے کمانا چاہیں تو کوئی مولوی تحشیہ کتب کا کر کے کھاتا ہے اور کوئی تدریس میں مشغول ہے

جن میں کوئی دس کا ملازم ہے اور کوئی بیس کا۔ انتہائی معراج اور نہایت عزت ہوئی تو پچاس روپے ماہوار تنخواہ ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ اس آمدنی میں تو قیمتی کپڑے بنانا دشوار ہیں اور اگر اس کے سوا دوسرے طریق اختیار کریں کہ وعظ کہے اور وصول کرتے پھریں۔ سو وہ عقلاً نقلاً دونوں طرح ناجائز ہے۔ بس اس حالت میں صرف ایک یہ طریقہ رہ گیا کہ آپ لوگ ایک جوڑا بنا دیجئے اور جتنی قیمت کا چاہے بنوا دیجئے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسے اپنے گھر نہ لے جائیں گے بلکہ شملہ میں رکھ جاویں گے اور جب یہاں آنا ہوا کرے گا تو اسے پہن کر وعظ کہہ دیا کریں گے اور اگر کسی دوسری جگہ بھی اس مذاق کے آدمی ملیں گے ہم ان سے بھی جوڑا بنوا کر رکھ لیں گے۔ اب میں منتظر ہوں کہ یہ معترض صاحب جنہوں نے خیر خواہی کی وجہ سے ہمارے لباس پر اعتراض کیا ہے کیسا قیمتی جوڑا بنا کر لاتے ہیں۔ ان معترض صاحب کو سن کر بے حد غیرت آئی۔

بس آج کل لباس کو دیکھا جاتا ہے جس کے کپڑے اچھے ہوئے ان کو لیڈر اور سیکرٹری بنالیا جنہیں کام کا طریقہ بھی معلوم نہیں محض نکمے لوگ انجمن کے منتظم ہیں ایسے مواقع میں کام کے آدمی رکھے نہیں جاتے۔ چنانچہ آج کل ایسے منتظمین بہت ہیں اور وہ جو جی میں آتا ہے کرنے لگتے ہیں۔ یہ حالت ہے آج کل کے کام کرنے والوں کی، اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔

اذا وسد الامرالی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ

(جب کام غیروں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو) (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 100،99)

خربوزہ اور چھری

منافقین نے جو کہ اسلام کی بیخ کنی کی تدبیروں میں ہر وقت لگے رہتے تھے یہ سوچا کہ ایک مکان مسجد کے نام سے جداگانہ بنایا جاوے اور ظاہر میں وہ مسجد کی شکل ہو اور واقع میں انجمن ہو اور اس کا پریذیڈنٹ ابو عامر راہب بنایا گیا جو کہ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اور ابو عامر کا ہرقل شاہ روم سے میل جول تھا۔ ابو عامر نے مسلمانوں کے ضعف پر نظر کر کے یہ کہا کہ میں ہرقل سے اہل اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لاؤں گا۔ جس سے اسلام نیست و نابود ہو جائے گا۔

ان لوگوں نے اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھ کر یہ خیال پختہ کر لیا تھا مگر یہ نہ سمجھے کہ خربوزوں کی چاہے کتنی ہی کثرت ہو مگر چھریوں کی قلت بھی ان کے نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ تو ایک چھری ان اللہ معنا کی تھی کہ کفار کسی صورت سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور افسوس ہے کہ آج کل یہی چھری مسلمانوں کے پاس نہیں رہی اور اگر ہے بھی تو تیز نہیں ہے کند ہو رہی ہے کیونکہ مرضیات الٰہی سے

مسلمان بہت کچھ ہٹ رہے ہیں اسلئے مخالفوں کا بھی ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اگر مسلمان اس چھری کو تیز کر لیں یعنی خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں تو پھر وہی نمونہ سامنے آجائے گا جو کبھی پہلے تھا۔

غرض ان لوگوں نے انجمن کی نیت سے مسجد کی شکل میں ایک مکان اس غرض سے بنایا کہ اس میں تخریب اسلام کا مشورہ کیا کریں گے، مسجد کی نیت سے نہیں بنایا تھا۔ صرف صورۃ مسجد کی شکل تھی۔ غرض جب وہ مکان تیار ہوا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک بار وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے تو پھر وہاں نماز ہونے لگے گی۔ تو گویا مقصود رجسٹری کرانا تھا جیسے بیع نامہ کی رجسٹری کرائی جاتی ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جداگانہ مسجد بنانے کی وجہ بھی پوچھی، کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک ہے۔ محض عام مسلمانوں کی آسائش کی غرض سے بنائی تھی تاکہ وسعت وسہولت ہو گرمی، سردی میں سایہ کی ضرورت ہوتی ہے ایک مسجد میں سب سما نہیں سکتے۔ اس سے گنجائش ہو گئی نیز کوئی بیمار ضعیف دور نہ جا سکے تو پاس کے پاس اس میں نماز پڑھ لے۔ حضور ﷺ نے بنا بر حسن ظن تصدیق فرما کر وعدہ کر لیا، غرض حضور نے بعد وعدہ فرمایا کہ تبوک سے آکر اس میں نماز پڑھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی اور وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا اور آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ o لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ۔ (التوبة 107،108)

(اور بعضے ایسے ہیں کہ جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں۔ اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی نہ کھڑے ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

غرض آیت میں خدا کے یہاں سے اس مسجد کی مذمت ظاہر کی گئی کہ یہ مسجد صرف صورۃً ہے اور واقع میں کفر کی قوت کے واسطے اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور ان میں تفریق ڈالنے کے واسطے تیار ہوئی ہے اور ابو عامر راہب کے ٹھہرنے کے لئے اور اس کی پناہ کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ غرض اس مسجد میں نماز کی نیت سے جانے کی ممانعت ہو گئی چنانچہ حضور ﷺ نے بوجہ اس کے کہ وہ مسجد کی نیت سے نہ بنائی گئی تھی اور اسکے علاوہ مفاسد کثیرہ اس سے

ناشی ہوتے تھے چند صحابہؓ کو بھیج کر اس میں آگ لگوادی اور منہدم کرادی۔ اس مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے کیونکہ وہ اضرار کے لئے بنائی گئی تھی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص445،446)

نویں جلد کے جواہر

شہداء پر اظہار غم

صاحبو! میں کہہ چکا ہوں کہ صدمہ اس واقعہ میں ہوتا ہے جو مبتلا کے خلاف مرضی ہو تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ واقعہ ان حضرات کے خلاف ہوا اور شہادت کے طالب نہ تھے ہرگز نہیں! تو جب وہ شہادت کے طالب تھے تو اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ اس کے لئے نوحہ ماتم کیسا؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات شہداء کو وہ مراتب و منازل عطا نہ فرماتے جو اب حاصل ہوئے۔ کیا آپ کے نزدیک ان حضرات کو اس واقعہ سے اجر نہیں ملا اور بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر آپ کے سلف دین کے لئے ایسی جانثاری اور جاں فروشی نہ کرتے۔ آج آپ کو اس کے لئے ہمت کیونکر ہوتی اور اگر یہ نظیریں آپ کے سامنے نہ ہوتیں تو ایسے مواقع میں دین کے لئے جان دینے کو تمہارے دل کیسے بڑھتے۔ قاعدہ ہے کہ نظائر سے انسان کی ہمت بلند ہوتی ہے اور سلف کے کارناموں کو یاد کر کے پچھلوں کو ان کے اتباع کا شوق ہوتا ہے اگر اس واقعہ کا ظہور نہ ہوتا تو یہ سبق ہم کو کیسے حاصل ہوتا۔ جب اس واقعہ میں ہمارے لئے بھی حکمت ہے اور ان کو اس پر اجر بھی بڑا ملا ہے تو پھر کیا ہر سال اس قدر اظہار غم جو آج کل کیا جا رہا ہے منشا حق کے خلاف نہ ہوگا؟

شاید اس پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ پھر تو اس واقعہ کے وقوع کے وقت بھی غم نہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہ بات تو اس وقت بھی تھی۔ یہ واقعہ تو اس وقت بھی ان کے لئے باعث اجر تھا اور شہادت ان کو مطلوب تھی اور اس وقت بھی ہمارے لئے اس میں حکمت تھی؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس وقت غم کرنا غیر اختیاری ہوتا۔ قاعدہ ہے کہ ظہور حادثہ کے وقت طبعی غم بلا اختیار ہوا کرتا ہے اور امر غیر اختیاری میں انسان معذور ہے لیکن جب طبعی غم کی حد گزر جائے اس کے بعد غم کو لے کر بیٹھنا یہ مذموم ہے۔ بس اب اس کی حکمتوں پر نظر کرنا چاہئے۔

اس فرق کو ایک مثال سے سمجھیے۔ مثلاً ایک شخص ڈاکٹر سے خود کہے کہ میرا آپریشن کر دو۔ اس کیلئے وہ ڈاکٹر کو فیس بھی دیتا ہے اسکی خوشامد بھی کرتا ہے۔ مگر آپریشن کے وقت اس کے منہ سے آہ اور چیخ بھی نکلتی ہے۔ کیا آپ اس شخص کو اس آہ پر کچھ ملامت کریں گے ہرگز نہیں۔ آخر کیوں؟ محض اسی وجہ سے کہ یہ غیر اختیاری بات ہے۔

بس اسی طرح یہاں سمجھئے کہ گو وقت وقوع بھی اس واقعہ کی حکمتیں عقلاء کے پیش نظر ہوتی ہیں مگر اس وقت غیر اختیاری غم بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور اس میں وہ معذور ہوتے ہیں، لیکن اب جو ہم رنج و صدمہ ظاہر کرتے ہیں یہ عقلی غم ہے طبعی نہیں اور اس کی ممانعت نہیں۔ جیسے مثال مذکور میں آپریشن ختم ہونے اور زخم کے اچھا ہونے کے بعد بھی اگر کوئی آپریشن کا غم کرتا رہے اور ہر سال اس پر ماتم کیا کرے تو اس کو یقیناً سب لوگ بیوقوف کہیں گے اور اس رنج و غم میں اسے کوئی معذور نہ کہے گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 9، ص 72،73)

حضرت امیر معاویہؓ کو شیطان نے تہجد کے لیے اٹھایا

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کے بعد شبہ ہو گیا کہ شاید خفین پر مسح نہیں کیا حضرت نے دوبارہ پھر مسح کر لیا، بس دوبارہ مسح کرنا غضب ہو گیا فرماتے تھے کہ پھر تو حالت ہوئی کہ ہر دفعہ وضو کر کے جب نماز شروع کروں یہی وسوسہ آوے کہ مسح نہیں کیا، مہینہ بھر تک پریشان رہا، ایک مہینے کے بعد جو مولانا مصلے پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے پھر وہی وسوسہ آیا۔ مولانا نے دوبارہ اعادہ نہیں کیا اور نماز کی نیت باندھ لی شیطان نے کہا کہ بے وضو نماز ہو گی مولانا نے فرمایا کہ ہونے دے تیری بلا سے، اس نے کہا بے وضو نماز پڑھ کر کافر ہو جاؤ گے، کیونکہ تم عمداً کر رہے ہو، مولانا نے فرمایا کہ تیری بلا سے تو بڑا آدمیوں کو کافر ہونے سے بچانے والا نکلا ہے اتنی دنیا کو تو کافر بنا رکھا ہے، ان کی فکر نہ ہوئی سب سے زیادہ میرے کفر کی فکر ہوئی جا چاہے نماز ہو یا نہ وضو سے ہو یا بے وضو میں تو اب مسح کرتا نہیں، فرماتے تھے کہ بس اس دن کے بعد شیطان نے پھر وسوسہ نہیں ڈالا۔

یہ بڑا ہوشیار ہے بعض دفعہ خیر خواہ بن کر دھوکا دیتا ہے چنانچہ ایک بار حضرت معاویہؓ کو تہجد کی نماز کے لئے شیطان نے جگایا۔ پوچھا کون ہے کہا میں ابلیس فرمایا کیوں جگایا! کہا تہجد کا وقت ہے نماز پڑھ لیجئے، فرمایا کہ تجھے اس سے کیا مطلب تو اتنا خیر خواہ کب سے بن گیا۔ کہا آخر کبھی تو میں بھی یہ کام کرنے والا تھا وہ جوش میں آ گیا۔ تو فرمایا کم بخت اس وقت تیرے جگانے میں بھی کوئی راز ہے جب تک تو راز نہ بتلائے گا اس وقت تک محض تیرے کہنے سے پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ کہا صاحب! بات یہ ہے کہ میں نے کل آپ کا تہجد ناغہ کرا دیا تھا اور میں خوش ہوا تھا کہ آج ان کا نقصان کر دیا مگر تم نے جو اٹھ کر تہجد کے فوت ہونے پر رنج و غم اور آہ و افسوس کیا اس سے تمہارے درجے اتنے بلند ہو گئے کہ تہجد سے بھی نہ ہوتے تو میں نے کہا کہ اس سے ان کا تہجد پڑھنا ہی اچھا ہے۔ یہ تو ناغہ کر کے آرام سے نیند بھی لیتے ہیں اور درجہ بھی لیتے ہیں تہجد میں کم از کم نیند تو خراب ہو گی گو آخرت کا نقصان نہ ہو گا حضرت معاویہؓ اٹھ بیٹھے اور تہجد کی نماز پڑھ لی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 9، ص 131)

نماز کی تاکید

نماز کی تاکید کے متعلق ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک شخص کو مسجد میں امام بناؤں اور خود ان لوگوں کو تلاش کروں جو عشاء کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کو کوئی عذر نہیں) پھر اپنے غلاموں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیں۔ عشاء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ منافقین اس وقت کی جماعت میں نہیں آتے تھے

اللہ اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو ایسی شفقت ورحمت ہے کہ باوجودیکہ کفار کو بھی آگ سے جلانا آپ کو گوارا نہ تھا۔ جیسا حدیثوں میں وارد ہے مگر تارک جماعت کیلئے آپ نے اس کا ارادہ فرمایا۔

اس سے سمجھ لیجئے کہ جماعت کا شریعت میں کس قدر اہتمام ہے پس نماز کی پابندی کے لئے جماعت کی پابندی کرنا چاہئے۔ اگر کوئی عذر مانع ہو تو خیر، مگر عذر بھی آپ کا تراشا ہوا نہ ہو۔ بلکہ شریعت کا مانا ہوا عذر ہو۔ یہ تو آپ کے لئے حکم ہے یعنی ہر مکلف کیلئے کہ ترک جماعت پر عذر شرعی سے اقدام کرے بدوں اس کے نہ کرے۔

ناصح کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر کوئی مسلمان جماعت سے نماز نہ پڑھتا ہو اس پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرے۔ بلکہ حتی الامکان مسلمان کی حالت محل حسن پر محمول کرے کہ شاید اس کو کوئی عذر شرعی ہوگا جو مجھے معلوم نہیں کیونکہ بعض اعذار مخفی بھی ہوتے ہیں جن کا علم ہر شخص کو نہیں ہوسکتا۔ (مثلاً کسی کے مخفی جگہ زخم ہے جو ہر وقت بہتا ہے، مگر تھوڑی دیر کو بند بھی ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس شخص کو خون کے بند ہونے کا انتظار لازم ہے جماعت کی پابندی لازم نہیں یا اس کی یہ حالت ہے کہ اس کا نفس تقویٰ کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے ادنیٰ درجہ ہی پر نفس سے صلح کرلی ہے۔ اگر وہ نفس کو پابندی جماعت پر مجبور کرے تو اندیشہ ہے کہ نماز ہی سے رہ جائے گا۔ اس چور نے اپنے نفس سے ہیرا پھیری پر صلح کرلی تھی۔ اگر یہ بھی نہ کرتا تو سرقہ میں مبتلا ہو جاتا اور یہ ایسا عذر ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہوسکتی۔ اسلئے اس کو امر بالمعروف میں بہت احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے جو امر بالمعروف میں سیاست سے کام نہ لے اس کو امر بالمعروف جائز نہیں۔)

چنانچہ کانپور میں ایک رئیس نماز پڑھتے تھے مگر کبھی موخر کر دیتے تھے، اتفاق سے ایک واعظ ان کے یہاں مہمان ہوئے انہوں نے رئیس کو اس کے متعلق تاکید کی اور سختی سے تاکید کی۔

رئیس نے کہا حضرت ہم دنیادار لوگ ہیں زیادہ ہمت نہیں۔ سختی نہ کیا کیجئے مگر واعظ صاحب نے ان کا ایسا پیچھا کیا کہ صبح کی نماز کے لئے بہت سویرے سے ان کو جگا دیتے اور سخت الفاظ سے ان کو ملامت کرتے کہ جانوروں کی

طرح پڑے سورہے ہیں جگانے سے بھی نہیں اٹھتے۔ ایک دوروز تو رئیس نے صبر کیا۔ مگر جب وہ اس سے باز نہ آئے تو ایک دن رئیس کو غصہ آگیا اور اس نے جواب دیا کہ نماز تمہاری نہیں نہ تمہارے باوا کی۔ جاؤ ہم نماز ہی نہیں پڑھتے۔ بعد میں یہ رئیس کہتے تھے کہ اس کلمہ کی ایسی نحوست ہوئی کہ مجھے بیس برس تک نماز ہی کی توفیق نہ ہوئی۔ اور گو اس میں میری بھی خطا تھی مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کا وبال ان واعظ صاحب پر زیادہ پڑے گا۔ کیونکہ ان کی سختی ہی نے مجھے اس کلمہ پر مجبور کیا۔

تو ناصح کو ایسی سختی نہ کرنی چاہیئے کیونکہ شریعت کا حق ہر مسلمان پر ہے تنہا ہمارے ہی ذمہ نہیں۔ پس ہم کو ایک دوبار نرمی سے نصیحت کر دینا چاہیئے۔ اب اگر مخاطب عمل نہ کرے تو پیچھے پڑنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 9، ص 157،156)

گناہ گار مسلمان کو جہنم میں ایک قسم کی موت دے دی جائے گی۔

تو مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس میں عصاۃ مسلمین کے متعلق ارشاد ہے "اما تهم الله في النار اماتة" یعنی جن گنہگار مسلمانوں کو جہنم میں داخل کیا جائیگا تو انہیں ایک قسم کی موت دے دی جائیگی جس سے جسم پر تو عذاب کا اثر ہوگا مگر روح کو شدید احساس نہ ہوگا۔ اور بعض اہل کشف کا کشف یہ ہے کہ گنہگار مسلمانوں پر دوزخ میں گہری نیند مسلط کی جائیگی جس میں وہ خواب ایسا دیکھتے رہیں گے گویا جنت میں ہیں۔ وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں تو روح اس خواب راحت میں مشغول ہوگی اور جسم عذاب میں ہوگا۔

اگر اس کشف کو حدیث کی تفسیر کہا جائے تو کچھ بعید نہیں۔ بس عشاق کے نزدیک تو یہاں کی راحت سے وہاں کی مصیبت بھی بہر حال اچھی ہے کیونکہ وہاں کی مصیبت کا خطرہ ہے۔ نیز محبوب کے پاس پہنچ کر راحت ہو یا مصیبت، مگر اس حدیث کے بعد تو عشاق و غیر عشاق سب یہی کہیں گے کہ دنیا سے بہر حال آخرت اچھی ہے کیونکہ وہاں کی جنت تو راحت ہے ہی دوزخ میں بھی مسلمان کے لئے راحت ہی ہے۔ پس انا لله وانا إليه راجعون میں ایک وجہ تسلی تو یہ ہوئی کہ موت سے مصائب دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا اور آخرت کی راحت شروع ہو جائے گی۔ دوسری وجہ یہ کہ انا صیغہ جمع میں وہ میت بھی داخل ہے جس کی موت پر نفس کو تسلی دی جا رہی ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم سب وہیں جانے والے ہیں۔ جہاں وہ گیا ہے وہاں پہنچ کر اس سے ملنا ہو جائے گا اور ایسا ملنا ہوگا کہ پھر کبھی جدائی نہ ہوگی۔ ان مضامین کے سوچنے سے ان شاء اللہ نفس کو تسلی ہو جائے گی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 8، ص 318)

گرا ہوا حمل بھی اللہ تعالیٰ سے ضد باندھے گا

آدابِ مصیبت کی تفریعات

حدیثوں میں مختلف امراض کی مختلف فضیلتیں وارد ہیں۔ بخار کی فضیلت میں آیا ہے کہ وہ مسلمان کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح خاص خاص امراض کے متعلق جدا جدا فضائل ہیں ان کو یاد کر کے میت کے متعلق امید کی جائے کہ ان شاء اللہ اس کو فضائل حاصل ہوئے ہیں۔

اسی طرح مصیبت کے اجر کو یاد کر کے اپنے آپ کو تسلی دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں یہ ثواب دینا مقصود تھا اس لئے رنج و غم دیا۔ حدیثوں میں ہر ہر مصیبت پر ثواب کا وعدہ ہے حتیٰ کہ کانٹا لگ جائے یا جیب میں رکھ کر کوئی چیز بھول جائے تو اس ادنیٰ سی تکلیف پر بھی ثواب کا وعدہ ہے۔

بچوں کے مرنے پر شفاعت کا وعدہ ہے کہ بچے اپنے والدین کے لئے حشر میں شفاعت کریں گے اور بچہ وہاں بھی بچہ ہی ہے اور وہاں بھی ضد کرے گا اور اس کی ضد پسند کی جائے گی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ گرا ہوا حمل بھی اللہ تعالیٰ سے ضد باندھے گا جب اس کے ماں باپ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے ارشاد ہوگا ایھا السقط المراغم ربه ادخل ابویک الجنة فیجر ھما بسررہ حتی ید خلھما الجنة (المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۵۳۰۳) اے ضدی بچے! اپنے رب سے ضد کرنے والے، لے اپنے ماں باپ کو بھی جنت میں لے جا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 9، ص320)

اور اپنے آپ کو کتے سے بھی بدتر سمجھے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہو سکتا جب تک کافر فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے شاہ جی توکل شاہ صاحب فرمایا کرتے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہیے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ کتے میں اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھے، حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں اپنے کو اچھا سمجھنے کا۔ رات دن تبدیل و تغیر ہوتی رہتی ہے۔ کوئی آج عابد وزاہد ہے اور کل کو شیطان ہو جاتا ہے۔ کوئی آج کافر ہے اور کل کو مسلمان ہو جاتا ہے اس لئے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا کچھ حق نہیں۔ ہاں مرنے کے بعد اگر اسلام پر خاتمہ ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 9، صفحہ 455)

امتحان حضرت موسیٰ علیہ السلام

چنانچہ فرعون کی حالت اس لئے خطرناک تھی کہ اس نے بلا اور بے تعظیمی کبھی دیکھی نہ تھی اس لئے اس نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ جب موسیٰؑ نے اس کی داڑھی نوچ لی تو فرعون غصہ سے بے تاب ہو کر کہنے لگا کہ ہو نہ ہو یہ وہی بچہ ہے جو میری سلطنت کے زوال کا باعث ہو گا اور اس قسم کی واہی تباہی باتیں ہانکنے لگا۔ اور آمادۂ قتل ہو گیا۔

حضرت آسیہؓ کہنے لگیں کہ تم تو بے وقوف ہو گئے ہو۔ یہ تو ناسمجھ بچہ ہے اس نے اپنے فہم کے مطابق ناسمجھی سے یہ فعل کیا ہے۔ بچہ میں کہاں سمجھ ہوتی ہے جو وہ کوئی کام سمجھ کر کرے۔ فرعون بولا ہر گز نہیں۔ یہ بچہ ناسمجھ نہیں ہے اس نے دانستہ یہ فعل کیا ہے۔ حضرت آسیہ نے اس کی نفی کی تو فرعون نے کہا کہ اچھا میں اس کی فہم و عدم فہم کا امتحان کرتا ہوں۔ ایک طشت آگ کا اور ایک طشت جواہرات کا منگوایا۔ اور دونوں موسیٰؑ کے سامنے رکھ دیئے کہ اگر یہ ناسمجھ ہیں تو آگ اور جواہرات کو یکساں سمجھیں گے ورنہ جواہرات کی طرف میلان کریں گے۔

یہ بھی فرعون کی حماقت تھی۔ کیونکہ جب بچہ میں عقل نہیں ہوتی تو اتفاقاً جس طرف بھی چاہے متوجہ ہو جاوے مگر موسیٰؑ سمجھ دار تھے وہ سمجھ گئے کہ آگ قابل توجہ نہیں۔ چنانچہ جواہرات کے طشت کی طرف ہاتھ دوڑانا چاہا مگر جبریلؑ کو حکم ہوا کہ ان کا ہاتھ آگ کی طرف پھیر دو۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ نے آگ کے طشت کی طرف منہ پھیر دیا۔ تو موسیٰؑ نے انگارے صرف ہاتھ ہی میں نہیں لئے بلکہ منہ میں رکھ لئے جس کی وجہ سے زبان میں لکنت ہو گئی۔

یہ قصہ مستدرک حاکم جلد ثانی، کتاب التاریخ، ذکر موسیٰ میں مفصل مذکور ہے:-

من قوله فبينا هو يلعب بين يدى فرعون الى قوله وكان امر بقتله ورواه مختصرا في الدر المنثور سوره طه بروايت عبد بن حميد وابن المنذر وابن ابى حاتم عن سعيد بن جبير

مگر بقول مشہور بعد نبوت کے یہ لکنت جاتی رہی تھی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ نبوت کے بعد بھی خفیف اثر باقی رہا تھا۔ اور زیادہ اثر زائل ہو گیا تھا۔ جس سے بات سمجھ میں آنے لگی تھی۔

اب فرعون کو اطمینان ہو گیا کہ بچے نے میرے ساتھ بھی یہ حرکت ناسمجھی سے کی ہے اور پھر شفقت و محبت بدستور کرنے لگا۔ ایک حرکت تو بچپن میں یہ کی اور بڑے ہو کر یہ کیا کہ ایک قبطی کو مار ڈالا۔ فرعون نے اس قصہ کو سن کر وارنٹ گرفتاری کا نکال دیا اشتہار دے دیا کہ موسیٰؑ جہاں ہوں پکڑ لئے جائیں۔ موسیٰؑ کو جب معلوم ہوا تو مصر سے سفر شروع کر دیا اور تن تنہا بناء کسی رہبر کے روانہ ہو گئے۔

انبیاء علیہم السلام کو تمام اُمور من جانب اللہ سہل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ راستہ معلوم نہ تھا، کبھی سفر نہ کیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے چل پڑے اور کامیاب ہو گئے۔ توکل کی ہی برکت ہے۔ متوکل کے ساتھ بے دست و پا بچوں کا سا معاملہ کیا جاتا ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں

طفل تا گویا وتا پویا نہ بود مرکبش جز گردن بابا نہ بود

"بچہ جب تک بولنے لگے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو اس کی سواری بابا کی گردن پر ہوتی ہے۔"

(خطبات حکیم الامت جلد 8، صفحہ 456-457)

دسویں جلد کے جواہر

خشوع کی حقیقت

اب جہاں حق تعالیٰ نے ہمارے مرض کا بیان کیا ہے (کہ نماز بھاری ہے) وہاں اس کا علاج بھی بتلادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ، الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.(یعنی نماز سب پر بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر بھاری نہیں جن کو یقین ہے اس بات کا کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں۔)

مطلب یہ ہے کہ نماز بھاری ضرور ہے بوجہ قیود کے مگر جو لوگ اپنے اندر خشوع پیدا کر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ سے ملنے اور ان کے پاس جانے کا خیال جما لیتے ہیں۔ ان پر بھاری نہیں رہتی۔ سو اس کے اندر ہمارے مرض کا پورا علاج بتلادیا کہ طریقہء خشوع پر نماز پڑھو تو کچھ گرانی نہیں رہے گی۔

اب خشوع کو لوگ جانے کیا سمجھتے ہیں حتی کہ اس کو اختیاری بھی نہیں سمجھتے سو خشوع کی حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے حق کے کسی قسم کا خطرہ نہ آئے یہ غلط ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ خطرہ خود نہ لاوے گو از خود آجائے اور یہ نہ آنا تو غیر اختیاری ہے لیکن نہ لانا اختیار میں ہے۔ آورد خطرات منافی خشوع ہے۔ آمد خطرات منافی نہیں۔ آمد و آورد میں فرق ظاہر ہے ہاں البتہ یہ بھی کرنا چاہیے کہ جب وسوسہ بلا قصد آئے تو اس میں باقصد مشغول نہ ہو جائے، بعض ایسا کرتے ہیں کہ وسوسہ خود لاتے تو نہیں لیکن جب آتا ہے تو اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے، نہ قصد سے لانا ہو اور نہ قصد سے ابقاء ہو۔ کیونکہ بقصد باقی رکھنا بھی منافی خشوع ہے بس جب وسوسہ آئے تو اس کو رکھے نہیں دفع کر دے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 10، ص 53)

شیخ ابو سعید گنگوہیؒ کا واقعہ

اس مثال میں حکایت شیخ ابو سعید گنگوہیؒ کی سنیئے کہ حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ کے پوتے ہیں۔ ابتدائے شباب میں کچھ عرصہ تک لاابالی پھرتے تھے۔ ایک روز ایک جولاہے نے بطور طعن کے یہ کہا کہ بڑا افسوس ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد ایسے تھے اور آپ کی حالت ایسی ہے۔ یہ بات ان کے دل کو کھا گئی۔ اور لوگوں سے دریافت کر کے بلخ

حضرت نظام الدین کی تلاش میں پہنچے کہ وہ ان کے دادا سے فیض پائے ہوئے تھے۔ حضرت نظام الدین کو آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ مع بادشاہ وقت کے (جو حضرت کے معتقدین میں سے تھا) استقبال کو آئے اور اپنے ہمراہ لے گئے کچھ عرصہ عیش و عشرت میں رہ کر اپنی اصلی غرض کو ظاہر کیا۔ حضرت نظام الدین نے فرمایا کہ اس حالت کو ترک کر دو تو وہ حاصل ہو۔ انہوں نے اپنی رضا ظاہر کی تو حضرت نے باتکلف سامان بدن سے اتروا کر گاڑھے کے کپڑے پہنائے اور فرمایا کہ ہمارا احمام جھونکا کرو اور ہمارے سامنے آنے کی کوئی حاجت نہیں۔ جب ہم بلائیں گے تو آنا۔ غرض اس حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی۔

شیخ نے ایک روز بھنگن سے پوشیدہ کہا کہ ان پر کل کو کوڑا ڈال دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کی زبان سے نکلا کہ گنگوہ نہ ہوئی جو میں بتاتا خبر پہنچنے پر شیخ نے فرمایا کہ ابھی قابلیت نہیں ہوئی۔ وہی خدمت سپرد رہی۔

ایک عرصہ کے بعد یہ ہوا کہ شیخ کی لڑکی نے کبوتر پال رکھے تھے ان کو بلی کھا جایا کرتی تھی۔ شیخ نے ایک روز بلی سے حفاظت کرنے کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ یہ رات بھر جاگ کر مکان کے آس پاس حفاظت کرتے۔ پھر بھی شکایت ہوئی کہ بلی کبوتر کھا گئی۔ اور رات کا وقت تھا انہوں نے اس کی جستجو کی کہ بلی کہاں کو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ پانی آنے کا جو راستہ ہے اس میں سے جاتی ہے۔ اس وقت وہاں کوئی چیز اس میں بند کرنے کو نہ ملی۔ انہوں نے اس میں اپنا سر دے دیا۔ کئی روز جاگتے ہو گئے تھے وہیں نیند آگئی۔ اتفاق سے بارش ہوئی اور پانی رکا۔ گھر کی ماما نے بانس ڈال کر صاف کرنا چاہا اور اس نے اس زور سے بانس مارا کہ سر میں لگ کر پانی خون آلود ہو گیا اور ان کے منہ سے یہ آواز نکلی کہ بلی تو نہیں آئی۔ وہ ماما ڈر گئی کہ قصہ کیا ہے۔ شیخ نے خبر ہونے پر فرمایا کہ کہیں وہ باولا نہ ہو۔ چنانچہ لوگ ان کو اٹھا کر لائے۔ شیخ نے دیکھا کہ صفائی ہو چکی ہے۔ اس وقت ذکر شغل میں لگا یا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 10، ص 79،80)

حضرت جریج اگر فقیہ ہوتے!

حضرت یہاں سے ثابت ہوتی ہے ضرورت فقہ: حضرت جریج ایک عابد تھے امم سابقہ کے۔ ان کا قصہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل فرمایا ہے کہ وہ کسی صومعہ میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے ایک دن ان کی ماں آئی اور صومعہ سے باہر پکارنے لگی ارے جریج! ارے جریج! جریج ان بزرگ کا نام تھا۔ وہ اس وقت نفلیں پڑھ رہے تھے۔ بیچارے بڑے گھبرائے کہ اللہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ادھر ماں ہے اگر جواب نہیں دیا تو ماں کی دل شکنی ہوتی ہے اور ماں کا دل توڑنا گناہ ہے ادھر نماز ہے اگر بولتا ہوں تو نماز جاتی ہے اور نماز کا توڑنا بھی گناہ ہے۔ بیچارے فقیہ نہ تھے ورنہ پریشان نہ ہوتے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو کان فقیہا لأجاب امہ۔ بالآخر ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ ماں کا حق اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ماں کا دل توڑنا اتنا برا نہیں جتنا خدا کی نماز کا توڑنا لہٰذا وہ نہ بولے اور

نماز میں مشغول رہے۔ جب دیر تک کوئی جواب نہ ملا تو ماں غصہ میں یہ بددعا دیکر چلی گئی کہ اللہ جیسا یہ میرے پکارنے سے نہیں بولا اور مجھے پریشان کیا کہ میں تو اتنی دور سے اس کے دیکھنے کے اشتیاق سے آئی تھی اور اس نے میری بات بھی نہ پوچھی اسی طرح تو اسے پریشان کیجیو اور یہ بددعادی کہ اے اللہ اسے موت نہ آئے جب تک کہ یہ رنڈیوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ بھلی مانس نے کوسا بھی تو غضب کا۔ آخر تجربہ کار تھی سمجھتی تھی کہ تقدس ہی کی وجہ سے اس نے مجھ سے بے رخی کی ہے۔ خدا کرے تقدس ہی اسکا ملیامیٹ ہو جس پر اسے بڑا ناز ہے۔

بس حضرت! چونکہ ماں کا حق تھا اس وقت واقع میں کہ نماز میں بھی بولتا۔ بس اس کی دعا قبول ہوگئی۔ وہاں ایک عورت تھی۔ قریب کے گاؤں میں رہتی تھی اور دیہاتن تھی آوارہ ہوئی تھی۔ اس کے ایک بچہ پیدا ہوا حرام کا لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ اس نے سمجھا کہ اگر اور کسی کا نام لیتی ہوں تو جھگڑا بڑھتا ہے پوچھ گچھ، لا گواہ لاؤ، شہادت دو، یہ وہ سو بکھیڑے۔ ایسے کا نام کیوں نہ لے دوں جو کوئی جھگڑا ہی نہ پھیلے۔ جو سب سے الگ تھلگ رہتا ہو اور جس کا کوئی حامی اور مددگار ہی نہ ہو تا کہ جلدی سے معاملہ دب دبا جائے زیادہ فضیحت نہ ہو۔ بس جناب اس گدھی نے کیا کیا بے چارے جریج کا نام لے دیا۔ بس لوگ نام سنتے ہی بھڑک اٹھے کہ اُف! اس کے یہ کرتوت۔ لوگوں کی یہ عادت تو ہے ہی کہ بلا تحقیق روایات کو معتبر سمجھ لیتے ہیں چنانچہ اب بھی دیکھ لیجئے۔ بالخصوص اس معاملے میں تو تحقیق جانتے ہی نہیں۔ بس جناب لوگ اس عورت کو لے کر اس بیچارے عابد کے اوپر جا چڑھے کہ توڑ ڈالو اس کا عبادت خانہ۔ اس نے ہمیں اتنے دنوں دھوکے میں رکھا۔ خلوت خانہ توڑ پھوڑ کر زبردستی اس کو نکالا اور کہنے لگے کیوں نالائق تیری یہ حرکتیں۔ تجھے ہم سمجھتے تھے کہ بڑا عابد ہے بڑا زاہد ہے۔ تیرے یہ اعمال، وہ سمجھ گیا کہ ماں کی بددعا قبول ہوگئی۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔

مگر حضرت! آخر مقبول بندہ تھا۔ بس فضل الٰہی کے ناز پر کیونکہ اس طریق میں اگر کوئی گرتا بھی ہے تو اپنے درجہ سے تب بھی بالکل نہیں گر جاتا۔ گو بادشاہ بادشاہی سے معزول ہو کر وزارت پر آجائے مگر وہ ناز اور وہ دماغ شاہی کا پھر بھی رہتا ہے، لڑکے سے پوچھا بتلا رے تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا فلانا چرواہا ہے جو جنگل میں فلاں جگہ رہتا ہے اب تو لوگ بڑے معتقد ہوئے اور بڑے گھبرائے۔ قدم چومنے لگے کہ للہ حضور ہماری خطا معاف فرمادیں۔ لایئے ہم آپ کا عبادت خانہ سونے کا بنادیں، چاندی کا بنادیں، انہوں نے کہا بھائی میرا تو وہی گوندی کا جھونپڑا اچھا ہے۔ مجھے سونے چاندی کا مکان نہیں چاہیے مجھے تو اپنے ایک جھونپڑے میں پڑا رہنے دو۔

اس کو فرما کر حضور ﷺ فرماتے ہیں لو کان فقیہا لاجاب امہ۔ اگر وہ فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو جواب دیتا۔ اور نماز کو توڑ دیتا۔ اب یہ کہ آیا یہ حکم عام ہے خواہ فرض نماز ہو یا نفل یا خاص ہے نفل ہی کے ساتھ۔ اس کا فقہاء نے فیصلہ

کیا ہے جیسا اس واقعہ میں ایک غیر فقیہ سے یہ حرکت صادر ہوئی ہے ایسے ہی اس حدیث کو سن کر اگر کوئی غیر فقیہ ہر جگہ بولنے لگے پڑپڑ، خواہ فرض نماز ہو یا نفل تو یہ کام فقہاء کا تھا کہ انہوں نے اس کو طے کر دیا کہ یہ حکم خاص ہے نوافل کے ساتھ۔ اس شرط سے کہ ماں باپ کو خبر نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ فرض نماز کے دوران میں اگر ماں بھی بولے تو جواب نہ دے۔ ہاں اضطراری احوال اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے کوئی اندھا کنوئیں میں گرتا ہو۔ سبحان اللہ!

(خطبات حکیم الامت جلد 10، ص 258،257)

زیادہ عجیب ایمان

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ای الخلق اعجبھم ایمانا۔ یعنی تمام خلق میں سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا الملائکۃ یارسول اللہ۔ الخ، یعنی فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ ہوتی جب کہ ہر وقت کلام واحکام سے مشرف ہوتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا وہ کیوں ایمان نہ لاتے۔ ہر وقت تو ان پر وحی نازل ہوتی ہے صحابہؓ نے کہا کہ پھر ہمارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیوں ایمان نہ لاتے۔ ہر وقت مجھے دیکھتے ہو۔ مجھے سنتے ہو آخر صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا ہوگا نہ نزول قرآن کی کیفیت دیکھی ہوگی محض چند لکھے ہوئے کاغذ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔

مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مکاشفہ کی نسبت عدم مکاشفہ کی حالت زیادہ افضل اور اسلم ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مطلقاً غیر مکاشفین مکاشفین سے افضل ہیں۔ اگر اہل کشف میں اور فضائل بھی ہوں جیسے انبیاء علیہم السلام تو وہ افضل ہوں گے اور اعجب ہونا دوسری بات ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 10، ص 275)

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے جوان لڑکے ہیں؟

یہاں سے ایک بات پر متنبہ کرتا ہوں یہ کہ قصہ معراج میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت عروج میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرے اور سلام وغیرہ کر کے آگئے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں تو فرمایا کہ میں اسلئے روتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں اور یہ میرے سامنے جوان لڑکے ہیں مگر ان کی امت جنت میں میری امت سے زیادہ داخل ہوگی۔

اس پر بعض جہلاء کو شبہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد ہوا ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کی کوتاہی پر حسرت وافسوس ہوا کہ انہوں نے میری ویسی اطاعت نہ کی جیسے امت محمدیہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گی۔ (قلت أو بکی تحسرا علی مافات منه من رؤیته تعالی مع تمنیه ایاها وتشرف بها محمد صلی الله علیه وسلم في الاسراء والله تعالیٰ اعلم ۱۲)اوران جہلاء کے خیال کی تردید خود واقعہ معراج ہی میں موسیٰ علیہ السلام کے اس دوسرے واقعہ سے ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ اگر معاذاللہ! ان کو حسد ہوا ہوتا تو وہ تخفیف کی درخواست کیلئے کیوں کہتے۔ بلکہ وہ پچاس کے حکم سے خوش ہوتے کہ اچھا ہے ان کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں تاکہ وہ نباہ نہ سکیں اور جنت میں زیادہ نہ پہنچیں مگر نہیں انہوں نے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر نہایت شفقت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار تخفیف کی درخواست کرائی۔ یہاں تک کہ اخیر میں پانچ نمازیں رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اس میں بھی تخفیف کی درخواست کی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس میں بار بار مراجعت کرنے سے شرما گیا ہوں اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی

امضیت فریضتی و خففت عن عبادی هن خمس وهي خمسون

کہ میں نے اپنا فریضہ بھی پورا کر دیا اور بندوں سے تخفیف بھی کر دی یہ پانچ نمازیں ہیں اور حقیقت میں یہ پچاس ہی ہیں۔ کیونکہ ایک بمنزلہ دس نمازوں کے ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد10، ص372،371)

ہمارے توہمات

ایسے ہی سورج گرہن کے بھی اپنی طرف سے کچھ احکام مقرر کئے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ سورج گرہن کے وقت کھانا نہ کھاؤ۔ اصل تو اس کی یہ تھی کہ وہ وقت جب مشغولی مع اللہ اور ذکر کا ہے تو ظاہر ہے کہ کھانا خود ہی اس وقت ترک ہو جائے گا لیکن ذکر اللہ اور نوافل کو لوگوں نے اڑا دیا۔ اب بجائے اس کے بیکار بیٹھے رہیں گے۔ شطرنج اور گنجفہ کھیلیں گے مگر اتنی توفیق نہ ہوگی کہ اللہ کی یاد کریں۔ اسی طرح جب کوئی محلہ میں مر جاتا ہے تو مشہور ہے کہ کھانا کھانا جائز نہیں۔ دنیا بھر کے سب کام جائز مگر کھانا جائز نہیں۔ غیبتیں کریں گے، دغابازی کی گفتگو کریں گے ہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

اس کی اصل یہ تھی کہ ایسے وقت جب کہ اپنے پاس والوں کو غم ہوا اور خود اپنے کو بھی ہوتا ہے تو کھانا کھانا طبعاً مکروہ ہے شرعاً مکروہ نہیں۔ لیکن جب دنیا بھر کے قصے اور گناہ تک تو کریں تو کھانا جو کہ فی نفسہ مباح ہے اس سے کیوں احتراز کیا جائے۔

ایسے ہی یہ بھی مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا نہ کھاؤ۔ اصل تو اس کی یہ تھی کہ وہ وقت فضیلت کا ہے اور اکثر بزرگوں کی عادت رہی ہے کہ عصر کے بعد سے مغرب تک ذکر اللہ میں مشغول رہے ہیں۔ جب ان کو

عام لوگوں نے مشغول دیکھا تواس سے یہ سمجھا کہ اس وقت کھانا کھانا ممنوع ہے اور وجہ اس کی یہ تراشی ہے کہ مرتے وقت عصر کا وقت نظر آتا ہے اور شیطان مرنے کے وقت پیشاب کا پیالہ لاتا ہے اور اس شخص کو پیاس بہت ہوتی ہے۔ تو اگر اس وقت کھانے پینے کی عادت ہوگی تو یہ شخص پی جائے گا۔

نعوذ باللہ: بالکل غلط اور جھوٹ بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں جن سے ادنی سے ضرر دینی بلکہ اکثر دنیوی کا احتمال بھی ہوا ہے وہ بتلائی ہیں۔ چہ جائیکہ اتنا بڑا نقصان عظیم جس شے سے لازم آتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو منع نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ہم کو منع فرمایا ہے کہ ایک پاؤں میں جوتی پہن کر مت چلو۔ اس لئے کہ اس طرح چلنے سے احتمال گر جانے کا ہے۔ پس جو پیغمبر اتنے بڑے شفیق ہوں کیا وہ ایسے عمل سے منع نہ کریں گے جسکے اختیار کر لینے سے شیطان کے پیشاب پینے کا احتمال ہو۔ بالکل غلط ہے ہاں اتنا آیا ہے کہ قبر میں جب سوال ہوتا ہے مثلت له الشمس یعنی دھوپ نکلی ہوئی اس کو نظر آتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ مجھے نماز کو دیر ہوتی ہے۔ میں نماز پڑھ لوں۔ باقی مرنے کے وقت پاس دکھائی دینا نہیں آیا ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو وجہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ اس کی عمر کا خاتمہ ہو گیا ہے اس لئے اگر اس کو دن بھی ختم ہوتا ہوا نظر آتا ہو تو بھی تعجب نہیں لیکن یہ پیشاب پینے کا مضمون قابل اعتبار نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم نے خود دیکھا ہے کہ مرتے وقت لوگوں نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے تو جناب خدا خیر کرے ہم نے ایسے مردے بھی دیکھے ہیں کہ جنہوں نے بیان کیا کہ ہم مر گئے تھے اور جب ہماری جان فرشتے لے گئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک بڈھا سا آدمی بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایک رجسٹر کھلا ہوا رکھا ہے اس نے اس میں دیکھ بھال کر کہا کہ اس کو ہم نے نہیں بلایا وہ دوسرا شخص ہے۔ اس لئے واپس کر دیئے گئے چنانچہ وہ زندہ ہو گئے۔

اس حکایت سے لازم آتا ہے کہ عزرائیل علیہ السلام غلطی کرتے ہیں اور اگر عزرائیل علیہ السلام غلطی کرتے ہیں تو ان میں جبرائیل علیہ السلام میں کچھ فرق نہیں وہ بھی ضرور غلطی کرتے ہوں گے اور جب کسی کے مارنے میں غلطی کی تو کسی شے کے پہنچانے میں بھی غلطی کا احتمال ہے اور وحی بھی ایک شے ہے۔ اس کے پہنچانے میں جبرائیل علیہ السلام نے ضرور احتمال ہے کہ شاید غلطی کی ہو۔ جناب ایسے احتمالات سے تو قرآن سے بھی نعوذ باللہ ایمان اٹھ جاتا ہے۔ اور غالی شیعوں کا مذہب حق معلوم ہوتا ہے کہ ''جبرئیل غلط کردہ مقصود علی بود (حضرت جبرائیل علیہ السلام نے غلطی کی ورنہ مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، نعوذ باللہ) .

توبہ کرو ایسے قصوں سے یہ سب دماغ کا تصرف ہے۔ دماغ میں جیسے خیالات گھومتے ہیں اسی قسم کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں۔ باقی فرشتوں سے غلطی اور خطا کا احتمال نہیں ہے جس کی موت آتی ہے اور جس کی نسبت حکم ہوتا ہے اسی کی جان قبض کرتے ہیں۔ یہ احتمال نہیں کہ دوسرے کی جان قبض کرلیں چنانچہ صاف ارشاد ہے

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی جان لیتے ہیں اور وہ اس میں تقصیر نہیں کرتے۔) دوسرے مقام پر ارشاد ہے جس سے عموماً معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی کسی حکم کے خلاف نہیں کرتے۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ غضب کی بات ہے کہ قرآن کا انکار عقل کے خلاف ایسے امور کا اعتقاد کر لیتے ہیں۔ پس اگر یہ قصہ صحیح بھی ہو تو قوت تخیلہ کا تصرف ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 10، ص 425،426)

گیارہویں جلد کے جواہر

مال قلب سے باہر رہے تو معین

ہمارے حضرت نے اس کی ایک مثال دی ہے کہ مال مثل پانی کے ہے اور قلب مثل کشتی کے اور

آب در کشتی ہلاکت کشتی ست　　　آب اندر زیر کشتی پستی ست

یعنی کہ پانی کشتی کا معین بھی ہے اور اس کو ڈبونے والا بھی ہے اس طرح کہ کشتی سے باہر رہے تو معین ورنہ مہلک اسی طرح مال ہے کہ اگر مال قلب سے باہر صرف ہاتھ میں ہے تو معین اور اگر قلب کے اندر اس کی محبت ہے تو مہلک اور اسی کو کہا ہے۔

مال را نو بہر دین باشی حمول　　　نعم مال صالح گفت آں رسول

حدیث میں ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح نیک مرد کی پاک کمائی اچھا مال ہے ایسی حالت میں وہ لوگ مال اقارب کو دیں گے چندہ دیں گے تو حاصل فیصلہ کا یہ ہوا کہ علماء حب دنیا کو منع کرتے ہیں کسب دنیا کو منع نہیں کرتے تو شح حاجت کا مضائقہ نہیں شح نفس برا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس راز کو خوب سمجھا کہ جب فارس کا خزانہ آپؓ کے سامنے آیا تو آپؓ نے آیت زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ: پڑھی اور فرمایا کہ اے اللہ اس سے معلوم ہوا کہ ہم میں اسی کی رغبت تو پیدا کی گئی ہے تو اس کا ازالہ تو نہیں چاہیے۔ مگر یہ دعا ہے کہ یہ محبت آپ کی محبت میں معین ہو جاوے۔ غرض گرنا پڑنا اور قبلہ بنانا درست نہیں اب میں ختم کرتا ہوں دیکھے خدا تعالیٰ نے کن کن شفقتوں سے ہمارا علاج فرمایا ہے کہ ظاہر و باطن سب کی درستی ہو جاوے اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم سب مل کر ہمت کریں اور علم و عمل کا اہتمام کریں اور یہ سب تدابیر ہیں لیکن تدابیر کا نافع ہونا خدا کی مدد سے ہوتا ہے تو دعا کیجئے کہ وہ اس کی توفیق دے اور ہماری مدد فرما دے۔ آمین ثم آمین

(خطبات حکیم الامت جلد 11، ص 41)

کسل کی قسمیں

اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشاء منازعت نفس ہے یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور دوسری اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا اور رسول پر ہی ایمان نہیں ہے محض کسی مصلحت کی وجہ

سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ پڑھے گا بلکہ بے گارسی ٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا یہ کسل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی شان ہو۔ بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہدہ کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم، اس کسل کے رفع کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے

نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی کا تقاضا کرتا ہے اس کے مقابلہ کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ تو ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں ہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتداء میں مجاہدہ کر کے آئندہ کے لئے مجاہدہ سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو بھی معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں بڑا فرق ہے جس کی مثال اوپر گذر چکی ہے کہ جیسے ایک شخص تو شائستہ گھوڑے پر سوار ہو اور ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس پر آج ہی سواری کی گئی ہے شائشتہ گھوڑے کے سوار کو بھی ہوشیار بیٹھنے کی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے مگر اس کے دبانے میں اس قدر مشقت نہیں ہوتی جس قدر نئے گھوڑے کے دبانے میں ہوتی ہے اس لئے منتہی کا اپنے گذشتہ مجاہدہ وریاضت کو بیکار و بے سود سمجھنا بھی غلط ہے اور آئندہ کے لئے بھی وہ مجاہدہ سے مستغنی نہیں اور اعمال صالحہ کا کرنا کسی وقت بھی مشقت سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ فروع میں اس کی ایک اور مثال یاد آئی مثلاً کسی شخص کے اندر کبر ہے تو اس کے دو علاج ہیں ایک علمی اور ایک عملی۔ علمی علاج تو مثلاً یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کم تر سمجھنا چاہے اور علاج یہ ہے کہ جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدوں اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں مگر اس کا بجالانا دشوار ضرور ہے۔ ہر شخص سے آسان نہیں مگر تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک یہ عملی علاج نہ کیا جائے گا تکبر دور نہ ہوگا۔ ایسے ہی حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی خیر کی خوب دعا کیا کرے اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے چند دن میں حسد دور ہو جائے گا مگر یہ بات آسان نہیں گو فی نفسہ یہ سب اعمال آسان ہیں مگر نفس کی منازعت کی وجہ سے دشوار ہو رہے ہیں۔ مگر ان میں دشواری اول اول ہی ہے کیونکہ نفس کی کشاکشی ابتداء میں زیادہ ہوتی ہے پھر زیادہ منازعت نہیں رہتی مگر ایک دو مرتبہ عملی علاج کر کے بے فکر نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کو

مدت دراز تک جس کو شیخ محقق تجویز کرے کرنا چاہیے ۔کیونکہ ایک دو دفعہ سے مرض کی جڑ نہیں جاتی اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ترجمہ)صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے

غرض یہ طریقہ ہے اعمال کا اور باطن کی اصلاح کا کہ نفس کے جذبات کی مخالفت کی جائے اور اس کو مشقت کا عادی بنایا جائے مگر آج کل لوگوں سے مشقت تو ہوتی نہیں یوں چاہتے ہیں کہ ہمارے آرام میں بھی خلل نہ آوے اور اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے باطن کی بھی اصلاح ہو جائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 11، ص118،117)

گناہ کے وقت نفس کو روکو!

میرا مقصود اس وقت مجاہدہ جسمانیہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مجاہدہ نفسانی کا بیان مقصود ہے کہ گناہ کے وقت نفس کو روکو اور اس میں جو مشقت لاحق ہوتی ہے اس کو برداشت کرنا چاہیے کیونکہ بدون مشقت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا نہ دنیا کا نہ دین کا یہ ہے وہ مسئلہ جس کی ضرورت تھی اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی مخالفت نفس کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرو۔ اور یہ بات اس وقت آپ کو حاصل ہو گی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی مخالفت کیا کرو۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے دس دفعہ میں سے ایک دفعہ اس کی جائز خواہش پوری کر دی اور نو دفعہ ٹال دی، جب مباحات میں تم مخالفت نفس کے عادی ہو گئے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو گئے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو نہیں دبا سکتا تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے یہاں سے معلوم ہوا کہ صوفیہ نے جو ارکان اربعہ مجاہدہ کے تجویز کئے ہیں اس میں انہوں نے ابتداع نہیں کیا اول تو احادیث میں غور کرنے سے ہر رکن کی اصل مل سکتی ہے دوسرے انہوں نے تسہیل مخالفت نفس عند ارادۃ المعصیت کے لئے یہ نوع مجاہدہ کی بطور تدبیر کے تجویز کی ہے تدبیر میں نصوص کی بھی حاجت نہیں البتہ نصوص کے خلاف نہ ہونا چاہیے خلاصہ یہ کہ لوگوں نے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دین کے کاموں میں مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں غلط ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ دین سارا مجاہدہ ہی ہے کیونکہ دین نام ہے پابندی کا اور پابندی نفس کو گراں ہے۔ پس بدون مجاہدہ کے دین کامل نہیں ہو سکتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 11، ص124)

حضور ﷺ نے فرمایا ہم زیادہ تعریف سے خوش نہیں ہوتے!

جب سلاسل ولایت میں بھی تفاضل سے اکابر نے منع کیا ہے تفاضل انبیاء تو یقیناً اشد ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذاق پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے فضائل احادیث میں بیان فرمائے ہیں اس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ ان کے معلوم ہو جانے سے بھی متبعین کو تسلی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا متبوع دیا اور اتباع پر زیادہ رغبت ہوگی۔ گو یہ علوم خود بھی مقصود ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ترغیب اتباع ہی معلوم ہوتا ہے۔

(اویحتمل ان یکون امتثالا لأمره تعالی واما بنعمة ربک فحدث ۱۲)

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق یہ تھا کہ آپ کو اتباع احکام کا سب سے بڑھ کر اہتمام تھا اور جس چیز کو اس میں دخل ہوتا آپ اس کو اختیار کرنے کی کوشش فرماتے اس کے متعلق کہ آپ کو اتباع کا زیادہ اہتمام ہے۔ بنسبت بیان فضائل کے ایک مرد صالح کا خواب بھی ہے جو بعض رسائل میں طبع بھی کر دیا ہے ان کو مولود وغیرہ کا بہت شوق تھا محض محبت نبویہ ﷺ کی وجہ سے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں ہم زیادہ تعریف سے خوش نہیں بلکہ ہم اس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارے احکام کا اتباع کرے مگر آج کل حالت یہ ہے کہ شعراء ایک نعتیہ دیوان لکھ کر اپنے کو سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرب سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ عمل کی یہ حالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً ایسی تعریف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش نہیں ہو سکتے ہیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق پر نظر کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل کو زیادہ تر ترغیب اتباع کی نیت سے بیان فرمایا ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ فضائل تو عقائد کی قبیل سے ہیں جو خود مقصود ہوتے ہیں اور تم ان کو مقصود بغیرہ بتاتے ہو، میں کہتا ہوں کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ ایک شے مقصود بالذات بھی ہو اور دوسرے مقصود میں معین بھی ہو آپ کو خبر نہیں مقاصد شرعیہ کی ایسی حالت ہے جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ ہر مقصود دوسرے کا جاذب اور اس میں معین ہے۔ پس عقائد کا مقصود بالذات ہونا اوروں کے مقصود للاعمال ہونے کے منافی نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 11، ص140،139)

تدابیر نجات

یہاں سے ایک بات اور نکلتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ اتنی شفقت ہے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں کہ ہمارے دماغ کو بدبو سے تکلیف پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جسم کو جہنم میں کیسے چھوڑیں گے۔ ان شاء اللہ بہت کچھ امیدیں ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرد کہ دارد چنیں سید پیش رو

(جو شخص ایسا سردار پیش رو رکھتا ہو وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں نہ رہے گا)

اس کے معنی یہ نہیں کہ جہنم میں جانے نہ دیں گے جس سے ہم لوگ تکیہ کر بیٹھیں کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سروں پر موجود ہیں، فرشتوں کے ہاتھ سے ہم کو چھڑا لیں گے اور عذاب نہ ہونے دیں گے بلکہ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ نے دوزخ میں جانے کے اسباب سے منع فرمایا ہے جیسے بدبو سے بچنے کی تدبیر بتائی ہے کہ جلدی دفن کرو مردہ کو سڑنے نہیں دیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ ﷺ حق تعالیٰ سے دعا کر دیتے کہ مسلمانوں کا مردہ سڑا نہ کرے مگر یہ نہیں ہوا بلکہ تدابیر تعلیم فرمائیں جن کے ذریعے سے سڑنے سے حفاظت رہے اسی طرح وہ اعمال تعلیم فرمائے جن کے ذریعے دوزخ سے نجات رہے ہر تعلیم سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ ایسی شفقت ہے جیسے باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بیٹے کو وہی تدبیریں بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں اور ذرا سی بھی تکلیف بیٹے کی نہیں دیکھ سکتا تو گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس نہیں مگر تدابیر نجات سب بتا گئے ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت موجود نہیں۔ حالتِ حیات ہی کے ساتھ خاص تھی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی شفقت سب کو عام ہے حاضرین کو بھی غائبین کو بھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اب تک ویسی ہی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔ یہ تو زندوں کا نفع بیان ہوا، تعجیل، تجہیز و تکفین میں ایک فائدہ کا بھی بیان ہوا کہ اگر مقتول ہے تو جلدی اپنے ٹھکانے پہنچا دیا جائے گا اور مردہ کا ایک نفع اور بھی ہے اور وہ ایک ذرا باریک بات ہے اس کے لیے اول ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن اللہ خبر دی کہ مردہ کو ایصال ثواب صدقہ خیرات وغیرہ کا ہو سکتا ہے اس طرح زندہ مردہ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ارادہ ایصال ثواب کا جب ہوتا ہے جب مردہ سے محبت ہو اور مردہ کی تکفین میں تاخیر سے بدبو آ جائے گی تو آپ کو اس سے اذیت اور نفرت ہو گی۔ پھر ہرگز ہرگز اس کے تصور کو بھی جی نہ چاہے گا ایصال ثواب تو کیسا۔ تو وہ غریب ایصال ثواب سے محروم رہے گا اس واسطے حکم دیا گیا نفرت پیدا ہونے سے پہلے ہی دفن کر دو، بلکہ مسلمانوں کے مردوں کو خوب دھونی دینی چاہیے خوشبودار کافور بھی ملا جاتا ہے کافور میں بھی حکمت ہے کہ اس سے کیڑے بھاگتے ہیں۔ اس کا خاص طور پر حکم ہے تاکہ کچھ دیر تک تو حفاظت رہے اور نظروں سے پوشیدہ ہونے کے وقت تک کوئی بات موجب نفرت نہ ہونے پائے، غرض سینکڑوں مصلحتیں ہیں جلدی دفن کرنے میں، سب کی سب واقعی مصلحتیں ہیں۔ لے چلنے میں بھی جلدی کا حکم ہے اور نماز میں بھی جلدی کا حکم ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ہماری کتنی حفاظت کی ہے اور ہمارے عیوب کو کسطرح ڈھانکا ہے اور

زندگی میں گندگیوں کو ہمارے جسم میں اس حفاظت سے رکھا ہے کہیں کو پھوٹنے نہیں دیا اگر اتنی حفاظتیں نہ ہوں تو ہم کو اپنی حقیقت نظر آجاوے۔ غرض یہ ہے کہ اگر اپنے ہی حالات ہم کو ملحوظ رہیں تو بھی کبر نہ آوے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 11، ص305،306)

بارہویں جلد کے جواہر

تصوف کی باریکیاں

(تصوف کی باریکیاں فولادی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہیں جب تمہارے پاس ڈھال نہیں ہے واپس آؤ، اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال نہ آؤ اس لئے کہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی)

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ عامل اور ابحاث سے تسلی نہیں ہوتی بلکہ اطمینان اسی سے ہوتا ہے کہ اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے۔ اس کی تائید اس قصہ سے تو ہوتی ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسوسہ کا علاج یہ بتلایا ہے کہ وسوسہ کے وقت اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا) کہو، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل معلوم نہ تھے یقیناً معلوم تھے مگر دلائل میں غور کرنے کی تعلیم اسی لئے نہیں فرمائی کہ یہ سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس سلسلہ میں شبہات پر شبہات نکلتے چلے آئیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 12، ص 357)

تدبیر تبلیغ

جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس جوش کی حالت میں ہوش سے کام لے کر ایسی تدبیریں نکالیں جس سے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے اور زمانہ جوش تک مختصر نہ رہے جس کی صورت آسان یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس تعلیم عربی کے لئے قائم کر رکھے ہیں جو بدون کسی جوش کے زمانہ دراز سے چلے آرہے ہیں اسی طرح کچھ مدارس محض تبلیغ کے لئے قائم کر دیں جن میں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے اور مبلغین تیار کئے جائیں۔ مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام کو ملحق نہ کیا جائے۔ اس سے تعلیم علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ تجربہ سے معلوم ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور علماء میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو فکر معاش وغیرہ سے فارغ ہیں وہ تو اس وقت سے اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دیں اور جو لوگ فکر معاش سے فارغ نہ ہوں مگر اس وقت کسی اور کام میں بھی مشغول نہیں وہ بھی اس کام میں لگ جائیں اور اہل تمول ان کی اعانت کریں اور جو لوگ ملازمت وغیرہ یا درس و تدریس میں مشغول ہیں وہ اپنے کام کو ترک نہ کریں مگر تعطیل کے زمانہ میں یا کچھ رخصت بلا

وضع تنخواہ مل سکے تو رخصت لے کر ان ایام میں تبلیغ کا کام کیا کریں اس طرح ہزاروں مبلغ مفت مل جائیں گے مگر اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اس کام کی اہمیت کا احساس کر کے اس پر توجہ کرے۔ ایک صورت چندہ کی ہے کہ عام لوگ چندہ دیں اور خاص لوگ تبلیغ کا کام کریں مگر یہ صورت بہت بدنام ہوئی ہے اور ہم نے خود اس کو بدنام کیا ہے کہ مخلوق کا روپیہ لے کر کام کچھ بھی نہ کیا اور روپیہ کھا پی کر سب برابر کر دیا۔ ورنہ یہ صورت بہت اچھی ہے اور آسان بھی۔ تمام قومیں مذہبی کام اس طرز پر کر رہی ہیں مگر میں اس صورت کی رائے نہیں دیتا۔

میرے نزدیک چندہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ ہر رئیس اپنی حیثیت کے موافق ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لے یا چند روساء مل کر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لیں اور ہر مہینہ اس کو تنخواہ خود دے دیا کریں۔ کسی انجمن وغیرہ میں چندہ بھیجنے کی ضرورت نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ مبلغ کا انتخاب خود نہ کریں بلکہ علماء سے مشورہ کر کے کسی کو ملازم رکھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ملازم کا سا برتاؤ نہ کریں بلکہ اس کو اپنا مخدوم سمجھیں۔

اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جو انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں ان کی ہی اعانت مال سے کرتے رہیں۔ اگر اس کے کارکن خیانت کریں گے خدا کے یہاں بھگتیں گے مگر جس کی خیانت کا علم ہو جائے اس کو پھر چندہ نہ دیں بلکہ اب اس کو دیں جس کی خیانت کا ہنوز علم نہیں ہوا۔ وعلی ہذا۔ اور جو لوگ مالی اعانت نہ کر سکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے۔

لا خیل عندك تهديها ولا مال فليسعد النطق ان لم يسعد الحمال

اور جس سے دعا بھی نہ ہو سکے تو وہ اس پر عمل کریں۔

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

(یعنی وہ خدا کے واسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکائیں۔)

آج کل ایسے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کام چھوڑ دو۔ اس سے ہندو مسلم اتحاد میں فرق آتا ہے انا للہ وانا الیه راجعون ان کے یہاں اب بھی ہندوؤں سے اتحاد ہی چلا جا رہا ہے مگر مزہ یہ ہے کہ اتحاد تو جانبین سے ہوا کرتا ہے مگر ان کا اتحاد یک طرفہ ہے کہ ہندو تو ان کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ جہاں ان کو موقع ملا ہے مسلمانوں کو مرتد کر لیتے ہیں۔ آبروریزی کیا جان و مال کے درپے ہو جاتے ہیں مگر ان حضرت کا اتحاد اب بھی باقی ہے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جب مسلمانوں کو ہندو مرتد بنا رہے ہیں تو کیا مسلمانوں کو مرتد ہونے دیا جائے؟ ان کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اگر ان کی یہی رائے ہے تو اس کا تو مطلب ہوا کہ چاہے ایمان جاتا رہے مگر اتحاد نہ جائے تو ایسے اتحاد پر لعنت ہے جس کے واسطے ایمان و اسلام کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ جن صاحبوں کی یہ رائے ہے وہ خود تبلیغ نہ کریں مگر جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو یہ کس لئے روکتے ہیں؟

پس مسلمانوں کواللہ کے نام پر کام شروع کرنا چاہیے اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہیے تبلیغ میں بحث و مباحث یا ہلڑ کی ضرورت نہیں۔ سکون ووقار سے کام کرو۔ جہاں مباحثہ کی دوسری طرف سے تحریک ہو، وہاں کرو، خود چھیڑ نہ اٹھاؤ۔ بلکہ صاف کہہ دو کہ ہم اپنا کام کریں۔ تم اپنا کرو۔ جس کا مذہب حق ہوگا اس کی حقانیت خود واضح ہو جائے گی۔(خطبات حکیم الامت جلد12، ص267،266)

تکمیل توحید

دوسری تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا۔ تصویر کا بنانا بھی حرام ہے اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں۔ نہ تو کفار تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم مورتوں کو پوجتے ہیں۔ اس وقت بھی کفار کی یہی حالت ہے اور پہلے بھی یہی دستور تھا

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ

یہ نہیں فرمایا ا تعبدون ماتصورون مگر بایں ہمہ اسلام نے شرک سے اتنا بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا۔ کیونکہ گو اس کی عبادت نہیں ہوتی مگر مفضی الی العبادۃ ہونے کا احتمال اس میں ضرور ہے کیونکہ جب تصویر کی اجازت ہوتی تو لوگ حضور ﷺ کی صحابہؓ و بزرگان دین کی تصویریں بھی اتارتے اور عادۃ تصویر کا اثر قلب پر وہی ہوتا ہے جو صاحب تصویر کا اثر ہوتا ہے تو وہ تصویروں کی تعظیم بھی کرتے۔ پھر رفتہ رفتہ جہلاء شرک میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ پہلے زمانہ میں اسی سے شرک کی بنیاد قائم ہوئی۔(خطبات حکیم الامت جلد12، ص283)

آزادی کے غلط معنی

اب تو ہر امر میں اپنا اثر ڈال کر دوسرے کو مجبور کرنا چاہتے ہیں ہم نے ریل میں ایک مدعی آزادی کو دیکھا کہ گھسی ہوئی دونی قلی کو دی اس نے کہا کہ بدل دیجئے۔ انکار کر دیا اس نے کہا کہ یہ نہیں چلے گی کہا کہ چلا دینا اس نے کہا کیوں کر چلادوں کہا جس طرح ہم نے چلادی ہے۔ ارے تم تو ظالم تھے اس واسطے تم نے چلالی وہ غریب تمہاری طرح کیسے چلا سکتا ہے، وہ بیچارہ روتا ہوا چلا گیا۔ یہ کیا تعلیم ہے، کیا تہذیب ہے تم معاشرت میں جن کی حرص کرتے ہو وہ تو ایسا نہیں کرتے کہ خوامخواہ کسی غریب پر اس طرح کا ظلم کریں۔ کیا یہی معنی ہیں آزادی کے کہ ہم پر تو کسی کا بوجھ نہ پڑے، اصل آزادی وہی ہے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہے۔

بہشت آنجاکہ آزارے نباشد

ان واقعات سے بڑھ کر ایک اور قصہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے شور با پکایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھئی عائشہ بھی چلیں گی انہوں نے کہا نہیں، فقط آپ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں بھی نہیں چلتا، انہوں نے کہانہ سہی وہ چلے گئے دوبارہ پھر آئے پھر یہی گفتگو ہوئی پھر چلے گئے تیسری مرتبہ میں انہوں نے حضرت عائشہ کی بھی دعوت منظور کی، سبحان اللہ کیا آزادی ہے، کیسا بے تکلف کہہ دیا کہ نہ سہی اور جب وہ اس قدر آزاد تھے تو بعد میں جو انہوں نے حضرت عائشہ کی دعوت بھی کر دی تھی تو وہ اس وقت ان کی رائے بدل گئی تھی جبر کی کوئی بات بھی نہ تھی، اللہ اکبر یہ ہے آزادی کوئی ایسا کر کے تو دکھلا دے۔ ہمارے استاد زادہ ہیں حکیم معین الدین صاحب ان کے یہاں مولانا گنگوہی تشریف لائے اس روز ان کے گھر میں سناٹا تھا عرض کیا میرے یہاں تو آج کچھ ہے نہیں، اگر آپ فرمائیں تو کسی اور کو دعوت کی ترغیب دوں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان تمہارے گھر فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا یہ ہیں متبع سنت، وہ تھوڑا ہی کہ دو چار اختلافی مسئلوں میں شور کر دیا بس متبع سنت ہو گئے، مولانا کی برکت سے شام کے وقت ایک شخص آیا حکیم صاحب کو کچھ روپے نذر دے گیا اب کیا تھا مولانا نے فرمایا بکھیڑا نہ کرنا حکیم صاحب نے عرض کیا واہ فاقہ کے بعد بھی بکھیڑا نہ ہو۔ تکلف کا کھانا تیار کرایا۔ حضرت! کیا بے آزار زندگی ہے گاڑھے کے کپڑے ہیں اس میں بھی راضی ہیں دوشالہ ہے تو اس میں بھی خوش ہیں اور اصلی آزادی تو اہل اللہ میں ہے مگر دنیاداروں میں بھی پرانی وضع میں بہ نسبت نئی وضع کے پھر کسی قدر آزادی ہے جو جی چاہے پہن لیجئے آج کل اگر کوٹ پہنیں تو لنگی فیشن کے خلاف، لنگی باندھیں تو کوٹ فیشن کے بالکل خلاف بخلاف پرانی وضع کے کہ لنگے زیر ول لنگے بالا (ایک تہ بند اوپر اور ایک نیچے) سب کھپتا ہے پس آزادی تو یہ ہے اور وہ تو جکڑ بندی ہے خدا جانے اس کا نام آزادی کس نے رکھا ہے جب فیشن ہے تو آزادی کہاں وہ تو اچھی خاصی قید ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 12، ص 332،331)

خود بینی و خود رائی

غرض اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات کو دیکھئے تو پھر اس کا حسن و جمال معلوم ہو اور جو لوگ اس سے کورے ہیں انہوں نے حقیقت ہی نہیں سمجھی سو اسلام کے معنی ہیں اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا اور جب سپردگی ٹھہری تو ایک ذرہ برابر جزو میں بھی اگر خود رائی ہوئی تو سپردگی کہاں رہے گی۔ اب بالکل سمجھ میں آ جائے گا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہننا اسلام کے خلاف کیوں ہے اور ڈاڑھی کٹانا یا منڈانا اسلام کے خلاف کیوں ہے یا پاجامہ کرتہ ٹوپی کی خاص اوضاع اسلام کے خلاف کیوں ہے۔

اوراس سپردگی کی ایک مثال ہے کہ کوئی مقدمہ ایک وکیل کے سپرد کردیتے ہیں یا جج کے سپرد کردیتے ہیں اس عارضی سپردگی کا یہ اثر ہے کہ پھراس میں کوئی رائے نہیں دیتا۔ وہ جو کہے مانتا ہے جو وہ کرلے کرتا ہے اسی طرح خدا کے سپرد کرنے کے بعد بھی رائے زنی نہ کرنی چاہیے، یہ ہے تفویض الی اللہ، اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں:

فکر خود ورائے خود درعالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخود رائی

(عالم عاشقی میں اپنی فکراور اپنی رائے بالکل بے کار ہے اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)

اس زمانہ میں دونوں مرض مرض عام ہیں عام طور سے اسلامی مسائل میں رائے دیتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یوں ہونا چاہیے ارے تم ہو کیا چیز تمہاری ایسی ہی مثال ہے کہ ایک کاغذ کی مل (کارخانہ) ہے اس میں سیکڑوں آدمی نوکر ہیں اس میں حوض بھی ہوتے ہیں اور حوض میں پانی بھی ہوتا ہے، جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں کیڑے ہوتے ہیں خوردبین سے نظر آتے ہیں ان کیڑوں میں سے ایک کیڑا آپ سے یہ کہے کہ میری رائے میں آپ اس کلرک کے بجائے فلاں کلرک کو رکھ لیجئے آپ بہت ہنسیں گے کہ وہ کیڑا جو کہ پانی کے ایک قطرہ سے بھی لاکھوں حصہ چھوٹا ہے ہمیں رائے دیتا ہے اسے کیا خبر کہ کیا ہونا چاہیے جو اس کیڑے کی رائے آپ کے کاغذ کے کارخانے میں وقعت رکھتی ہے۔ واللہ خدا کے کارخانے میں آپ کی رائے کا بھی وہی درجہ ہے بلکہ اس سے بھی بدر جہا زیادہ ذلیل وخوار ہے واللہ بغاوت عظیم ہے کہ ہمارے خیال میں۔ ہمارا خیال ہی کیا چیز ہے شرم نہیں آتی کہ خدا کو رائے دیتے ہو حالانکہ تم خدا کے مقابلہ میں اتنے بھی نہیں جتنا تمہارے مقابلہ میں وہ کیڑا ہے، کیونکہ کمالات باری غیر متناہی ہیں اور تم متناہی اور وہ کیڑا بھی مثل تمہارے متناہی۔ تو رائے ہماری کیا ہے؟

(خطبات حکیم الامت جلد 12، ص 332)

علوم کشفیہ کا مطالعہ

اور میں محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ محض شفقت کی بناء پر کہتا ہوں کہ میرا عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ علوم کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے ان کا مطالعہ نہ کرے نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ ہاں اجمالا اہل کشف کی بزرگی کا معتقد رہے اور اجمالا ان کی تصدیق بھی کرے۔ مگر تفصیل کی فکر میں نہ پڑے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو بڑے رتبہ کے ہیں وہ تو بے دھڑک فرماتے ہیں۔ کہ شیخ اکبر از مقبولان الہی نظرمی آیدمگر علوم اونا مقبول اند (شیخ اکبر مقبولان الٰہی میں سے معلوم ہوتے ہیں مگران کے علوم نامقبول ہیں) مگر مشکل ہماری ہے کہ ہم شیخ کی باتوں کو نامقبول کیسے کہیں ہمارا تو یہ رتبہ نہیں۔ سوالحمدللہ کچھ دن ہوئے ہیں کہ اس اشکال کا جواب سمجھ میں آگیا۔ مگر ایک مسئلہ سمجھ میں آجانے کے بھروسہ دوسرے مسائل کا مطالعہ یہ سمجھ کر نہ کرنا چاہیے کہ ہم کو تو دامن چھڑانا آتا ہے

کیونکہ بعض دفعہ ایسا خار لگتا ہے کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے وہ دامن کو بھی پھاڑ کے رکھ دیتا ہے اور خود نہیں نکلتا۔ دیکھو اگر ایک شخص کو نگاہ نیچی کر لینے کی مشق ہے تو اس کو یہ تو مناسب نہیں کہ اس کے بھروسے خود قصد کر کے بازار میں ایسی جگہ کو نکلا کرے جہاں بازاری عورتوں کا مجمع رہتا ہے۔ صاحبو! بہتر تو یہی ہے کہ بازار ہی میں نہ جائے تا کہ کوئی عورت نظر ہی نہ پڑے۔ ورنہ کبھی تو ایسی نظر پڑے گی کہ یہ ساری مشق رکھی رہ جائے گی۔ تم ہزار نگاہ نیچی کرنا چاہو گے وہ پھر اوپر کو آنکھ اٹھا دے گی اور نگاہ نیچی کر بھی لی تو ایک بار کی نظر سے بعض دفعہ دل پر ایسا تیر لگتا ہے کہ عمر بھر دل سے نہیں نکلتا۔ پھر یوں کہو گئے۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ بحیرتم چہ عجب تیر بے کمال زدہ

تو نے میرے سینے میں بے نشان زخم مارا ہے۔ حیرت ہے کہ کیا عجیب تیر بلا کمان کے مارا ہے۔ اس لئے اہل تجربہ کا قول ہے راہ راست بروا گرچہ دوراست (سیدھے راستہ پر چلو اگرچہ دور ہو)

اس قول پر اہل اقلیدس کو شبہ ہوا ہے کہ خط مستقیم توبوجہ اقصر الخطوط الواصلہ بین النقطین (دو نقطوں کے درمیان جو خطوط ہیں ان سب سے چھوٹے خط کو خط مستقیم کہتے ہیں) ہونے کے اقرب الطرق (راستوں میں قریب تر) ہوگا۔ وہ دور کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی خرابی کا نتیجہ ہے کہ محاورات کو تدقیقات پر محمول کرنے لگے محاورہ میں راہ راست کہتے ہیں راہ بے خطر کو۔ مطلب یہ ہے کہ جس راستے میں خطرہ نہ ہو اس کو اختیار کرو اگرچہ دور ہی کیوں نہ ہو اب کچھ شبہ نہیں۔ پس علوم کشفی کا مطالعہ ہر گز نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ خطرہ سے خالی نہیں۔ بلکہ صرف علوم معاملہ کا مطالعہ کرے کہ وہ بے خطر ہیں۔ اور میں نے وہ قول کشف صحیح کے مامون عن التلبیس ہونے کا قصداً نہیں دیکھا تھا بلکہ نظر سے گذر گیا اور آفت آگئی اور کہیں حاشیہ یا شرح میں اس کا حل بھی نہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ باوجود کسی شخص کی عدم اعانت کے اشکال حل ہو گیا۔

وہ حل یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ صاحب کشف صحیح تلبیس سے مامون ہو جاتا ہے لیکن باوجود امن عن التلبیس کے حجت شرعیہ اس کو لازم نہیں۔ کیونکہ ایسی نظائر موجود ہیں جہاں باوجود امن عن التلبیس کے شرعاً ایک شئے حجت نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ابصار بالنظر گو اکثر اوقات مامون عن التلبیس ہے۔ جس کی نگاہ درست ہو اس کا ابصار عموماً غلطی نہیں کرتا۔ مگر پھر بھی وہ شرعاً حجت نہیں۔ نہ اس کے مقتضاء پر اعتقاد واجب ہے نہ اس کے خلاف کا احتمال گناہ ہے۔ مثلاً ہم کو چاند سورج سے چھوٹا نظر آتا ہے مگر اس پر اعتقاد لازم نہیں ممکن ہے کہ واقع میں بڑا ہو اور ہم کو چھوٹا نظر آتا ہو۔ ہاں وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں شریعت نے ابصار کو حجت مانا ہے۔ جیسے رؤیت ہلال وغیرہ اس نظیر کا ذہن میں آنا تھا کہ بادل سا پھٹا اور اشکال کی ظلمت رفع ہو کر دل میں نور چمکا اور حق تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کیا۔ ورنہ

دل پر پہاڑ سار کھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر پہاڑ پر یہ ثقل ہوتا تو پھٹ جاتا۔ بس خطرات میں قصداً پڑ کر پھر نکلنا یہ عقل مندی نہیں، بلکہ سلامتی اسی میں ہے کہ خطرات کے پاس نہ جاؤ۔

ہر گز بگندمی گوں لا تقربوا کہ زہر ست   حال پدر بیاد از ام الکتاب دارم

گندمی رنگ کے ہر گز قریب مت جاؤ کہ زہر ہے ام الکتاب حال پدر کی یاد رکھتا ہوں) وہ تو شیخ اکبر تھے مگر کہیں تم ان کے علوم کشفیہ کو دیکھ کر شیخ اکفر نہ ہو جاو جیسے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اکبر شاہ کے متعلق کہا کرتے جد ما اکفر بود۔ (ہمارا دادا کافر تھا) وہاں تو خود اکبر کو اکفر کہہ رہے ہیں۔ یہاں اکبر تو اکبر ہی رہیں گے۔ ہاں ان کے کلام کو دیکھنے والا اکفر ہو جائے گا۔

اکبر کے درباری کچھ ایسے بے دین واقع ہوئے تھے کہ ہمیشہ اس غریب کو نئے نئے طریقے سے کافر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سب نے مل کر اس کو نبی بنایا ایک شخص ابو بکر بنا اور ایک عمر بنا۔ ملا دو پیازہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ جب ان کی باری آئی اور ان سے پوچھا گیا کہ ملاجی آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟ تو بولے میں اس امت کا ابو جہل ہوں۔ میں تم سب کی تکذیب کرتا ہوں کہ تمہارا نبی بھی جھوٹا اور اس کے ساتھی بھی جھوٹے۔ کیونکہ نبی کے واسطے اس کی بھی ضرورت ہے کہ کوئی اس کا مکذب بھی تو ہو۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں۔)

ملاجی کی اس بات پر دربار میں قہقہہ پڑ گیا۔ وہ نبوت درہم برہم ہو گئی اور یہ حکایات ہی ہیں۔ ابو الفضل میں اکبر نے ایک مکتوب میں ان سب خرافات سے اپنا تبریہ بھی کیا جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ ہم نے مانا کہ کشف صحیح کو تلبیس نہیں ہوتی مگر پھر بھی کشف شرعاً حجت نہیں۔ نہ خود صاحب کشف پر نہ دوسروں پر، جیسے میں نے ابھی کہا کہ چاند کو ہم آفتاب سے چھوٹا دیکھتے ہیں مگر شرعاً یہ حجت نہیں۔ نہ اس پر اعتقاد رکھنا واجب، نہ اس کے خلاف کا اعتقاد حرام۔ (خطبات حکیم الامت جلد 12، ص 347، 346، 345)

تکوینیات میں حق تعالیٰ کا تصرف

اے آزاد لوگو! اس میں غور کرو کہ تم کو ان دونوں حالتوں میں کس قسم کا اختیار ہے۔ معلوم ہو گا کہ ان میں ذرا بھی اختیار نہیں ہے ان دونوں میں پورا اختیار اور تصرف حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے تو اس نظیر سے سمجھ لو کہ دوسری حالت میں بھی اختیار ہم ہی کو ہونا چاہیے کہ ہم جو چاہیں حکم دیں اور جسے چاہیں منع کریں۔ دیکھو وہ حالت غیر اختیاری یعنی موت اور حیات کس طرح ہمارے قبضہ میں ہے کہ کسی تمہاری مصلحت اور مضرت کے تابع نہیں ایسے ہی اس

حالت اختیاریہ کو بھی سمجھو۔ اور اس میں تعلیلیں اور تاویلیں مت نکالو، حالت تکوینی اور تشریعی دونوں ہم نے اپنے قبضہ میں رکھی ہیں اگر تم حالت تشریعی میں آزادی چاہتے ہو تو حالت تکوینی میں بھی کر کے دکھاؤ لیکن وہاں آزادی نہیں چلتی تو امور تشریعیہ میں کیوں آزادی کا دم بھرتے ہو ہمارے اختیار دینے پر موت مت بھولو ہم نے تم کو فی الجملہ اختیار امتحان کے لئے دیا ہے دیکھیں کون ہمارا حکم اپنے قصد سے بے چون چرامانتا ہے اور کون اس میں تاویلیں کرتا ہے اختیار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ تم کو ہمارا حکم بدل دینے کا بھی اختیار ہے تم اس درجہ کے فاعل مختار نہیں ہو۔

اس کے ثبوت کے لئے اپنے اختیار کو اس حالت میں دیکھو جس میں ہم بالجبر حکومت کرتے ہیں اس میں غور کر کے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم بالکل بے بس ہو ذرہ برابر تم کو اپنے اوپر اختیار نہیں کبھی ہم ایک شخص کو مارتے ہیں ایسی حالت میں کہ اس کی صدہا مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں اس نے کیا کیا منصوبے دل میں گانٹھ رکھے تھے کہ یوں کروں گا اور یوں کروں گا جب ہمارا حکم پہنچا ان سب کو ناتمام چھوڑ کر اور ایک دم قطع کر کے چل دینا پڑا ہزاروں آدمی روتے اور کلیجہ پھاڑتے رہ گئے کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ ایک لحہ کی مہلت دلا دے بچے روتے رہ گئے بی بی سر پیٹتی رہی احباب منہ تکتے رہ گئے اور ہم نے انہیں سب کے ہاتھوں بلا لیا، اے انسان! اس سے سمجھ لے کہ تجھ کو اپنے اوپر قبضہ نہیں تو بالکل دوسرے کے قبضہ میں ہے۔

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے　　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ موت کی حالت ہے زندگی میں دیکھئے کہ انسان کو اپنے اوپر اتنا بھی اختیار حاصل نہیں کہ جو چیز بھول جائے اس کو پھر اپنے اختیار سے یاد کر لے یا جو چیز یاد ہو اس کو اپنے قصد سے بھلا دے جب اپنی کسی تکوینی حالت پر اتنا بھی قبضہ اور اختیار نہیں تو دوسری حالت پر یعنی تشریعی پر کیوں اختیار سمجھتے ہو اور اس میں کیوں آزادی ڈھونڈتے ہو اس میں بھی اپنے آپ کو ہمارے تصرف میں سمجھو اور جو کہیں بے چون وچرا مان لو۔ یہ نکتہ ومحیای ومماتی کے اضافہ میں کہ ایک ایسی نظیر بتلا کر کہ جس میں آزاد نہ ہونا مسلم اور مشاہد ہے۔ سمجھا دیا کہ دوسری حالت میں بھی اپنے آپ کو آزاد نہ سمجھو اور احکام شرعیہ میں تعلیلیں اور حجتیں نہ نکالو اور مصلحتیں نہ تراشو جیسا کہ احکام تکوینیہ میں تمہاری تراشی ہوئی کوئی مصلحت نہیں چلتی اور نہ کسی تعلیل اور حجت سے کام نکلتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 12، ص444،443)

تیرھویں جلد کے جواہر

اخلاص کی برکت

اس ہمت کی برکت پر ایک حکایت یاد آئی۔ کہ ایک بزرگ تھے کہ لمبے سفر میں تو نماز و جماعت کے خیال سے ایک دو آدمی ہمراہ رکھتے تھے اور چھوٹے سفر میں ایسے انداز سے سفر کرتے تھے کہ نماز کے وقت منزل پر پہنچ جاویں۔ اتفاق سے ایک چھوٹے سفر میں راستہ میں کچھ حرج ہو گیا اور ظہر کا وقت آ گیا۔ گاڑی بان ہندو تھا۔ انہوں نے وضو کیا۔ سنتیں پڑھیں، کوئی اور نمازی نہ دکھائی دیا۔ انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمیشہ میں جماعت سے نماز پڑھتا ہوں اور اس وقت میں مجبور ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو اس وقت بھی جماعت سے مشرف کر سکتے ہیں۔ مصلی بچھا کے یہ دعا ہی کر رہے تھے کہ گاڑی بان سامنے آیا۔ کہ میاں مجھے تم مسلمان کرلو۔ بڑی مسرت ہوئی۔ سمجھ گئے کہ دعا قبول ہو گئی۔ کیا پوچھنا ہے اس مسرت کا۔ وجد ہو رہا ہو گا۔ اسی وقت مسلمان کیا اور وضو کرا کر کہا کہ جس طرح میں کروں اسی طرح تو بھی کر اور سب ارکان میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتا رہ، دیکھئے یہ برکت تھی ہمت کی۔

اور اس طرح محض سبحان اللہ سبحان اللہ سے ہماری نماز تو نہیں ہو گی مگر نو مسلم کی ہو جائے گی۔ جب تک اسے سورتیں اور دعائیں یاد نہ ہوں۔ جتنی جتنی یاد ہوتی جائیں۔ اتنی اتنی اسے بھی پڑھنا واجب ہو گا اور بقیہ مواقع میں سے جس موقع کی دعا یا ذکر یاد نہ ہوئی ہو، وہاں سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ لینا کافی ہو گا۔

دیکھئے شریعت نہایت آسان ہے مجبوری میں زبردستی نہیں ہے۔ آسان پر یاد آیا کہ بعض دیہات میں اس قدر دین کی کمی ہے کہ کوئی جنازہ کی نماز تک نہیں جانتا۔ ایک جگہ کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ جنازہ کو بے نماز پڑھے دفن کر دیا۔ یہ سن کر میرا بہت دل دکھا۔ میں نے ان کی آسانی کیلئے شریعت کا مسئلہ عام مجمع میں ظاہر کیا کہ جب تک جنازہ کی نماز کی دعا یاد نہ ہو اس ترکیب سے جنازہ کی نماز پڑھ لیا کرو۔ کہ وضو، استقبال قبلہ اور حضور میت تو شرط ہے اور سب سہل ہیں مگر ارکان صرف تکبیرات اربعہ ہیں اور شرط کے بعد رکن کے ادا ہو جانے سے عبادت ادا ہو جاتی ہے۔ تو میت کو روبرو رکھ کر چار مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کے سلام پھیر لیا کرو۔ بس نماز ہو گئی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 13، ص 45)

تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں

آج کل لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ یہ تو مولویوں کے ذمہ ہے۔ سو اگر یہ کام تنہا مولویوں کے ذمہ ہے۔ تو پھر نماز روزہ کو بھی پیروں کے ذمہ سمجھو اور تم آزاد زندگی گزارو۔ جیسے بعض دیہات والوں کا خیال تھا اور شاید اب بھی کوئی موضع ایسا ہو جہاں یہ خیال ہو۔

چنانچہ ایک پیر گاؤں میں پہنچے تو وہاں کا چودھری اس کو دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ پیر توں، تو بہت دبلا ہو گیا۔ تیرا جی بھی اچھا ہے۔ پیر نے کہا۔ دُبلا کیوں کر نہ ہوں تم لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ تمہارے بدلے میں نمازیں پڑھتا ہوں۔ روزہ نہیں رکھتے۔ سب کے بدلے میں روزے رکھتا ہوں۔ اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ سب کی طرف سے پل صراط پر مجھے چلنا پڑتا ہے۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ چودھری نے کہا واہرے (کلمہ تعجب کا ہے) توں تو بہت کام کرے ہے۔ جا میں نے تجھے مونجی کا کھیت دیا۔ پیر کو خیال ہوا کہ گاؤں والوں کی بات کا کیا اعتبار جلدی سے کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیے تو چودھری سے کہا۔ کہ خان صاحب! پھر کھیت پر میرا قبضہ کرادو۔ کہا ہاں ہاں چل تجھے قبضہ بھی کرادوں۔ تو وہ چودھری پیر کو ڈول ڈوال لے گیا (یعنی کھیتوں کے درمیان جو پتلی پتلی مینڈ ہوتی ہے)۔ اس راستہ سے لے گیا۔ یہ ڈول بہت پتلی ہوتی ہے۔ جس پر چلنا ہر ایک کو آسان نہیں۔ چنانچہ ایک جگہ پیر کا پَیر (پاؤں) پھسلا اور وہ کھیت کے اندر گرا۔ چودھری مرید نے پیر کی کمر میں ایک لات رسید کی۔ کہ توں تو کہے تھا کہ میں پل صراط پر چلتا ہوں جو بال سے باریک تلوار سے تیز ہے، تجھ سے ایک بالشت کی ڈول پر تو چلا نہ گیا۔ پل صراط پر کیا خاک چلتا ہو گا۔ تو جھوٹا ہے۔ جا ہم کھیت تجھے نہیں دیتے۔ تو گاؤں والوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نماز روزہ پیروں کے ذمہ ہے ہمارے ذمہ نہیں۔ جیسے عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے۔ اس کے بعد سونے پر سہاگہ یہ ہو گیا کہ بعض بزرگوں کو یہ منکشف ہو گیا تھا کہ تمہارے سلسلہ والے سب بخش دیئے جائیں گے۔ یہ بات ان پیرزادوں کے ہاتھ آ گئی اس سے مخلوق کو اور بہکاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد نماز کی بھی ضرورت نہیں۔ روزہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی تو وعدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مغفرت کر دی جائے گی تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ نماز وغیرہ کی امت کو ضرورت ہی نہیں رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے درخواست کی تھی کہ میں جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مرافقت چاہتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا

ولکن اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود

کہ تم کو بھی اس میں کچھ سہارا لگانا چاہیے۔ اور وہ سہارا یہ ہے کہ تم نماز کی کثرت کرتے رہنا۔ یہ حدیث صاف بتاتی ہے کہ بزرگوں کے سلسلہ سے جو نفع ہوتا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ ان بزرگ کے طریقہ پر چلتا رہے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تواصي بالحق اور تبلیغ صرف علماء کے ذمہ ہے تو پھر نماز روزہ کو پیروں کے ذمہ کر کے آزاد ہو جاؤ۔ یہ علماء ہی سارا بوجھ لادنے کیلئے کیوں منتخب کئے گئے اور انہیں پر لادا جائے۔

میں نہیں کہتا کہ اس کام میں علماء کو عوام سے امتیاز نہیں ہے امتیاز ضرور ہے مگر سارا کام انہی کے ذمہ نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ خطاب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خطاب عام، دوسرے خطاب خاص۔ دوسری تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب بالمنصوص ہے ایک خطاب بالاجتھاد۔ پس خطاب عام بصورت وعظ تو علماء کا ہی کام ہے۔ انہی کے خطاب عام میں اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کو مقتداء سمجھتے ہیں اور عامی کو مقتدا کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کے وعظ عام میں اثر نہیں ہوتا مگر انفرادی خطاب میں علماء کی تخصیص نہیں۔ انفرادی طور پر ہر مسلمان ایک دوسرے کو نصیحت کر سکتا ہے۔ اسی طرح خطاب بالمنصوص علماء کے ساتھ خاص نہیں۔ (یعنی جو مسائل صاف صاف شریعت میں مذکور ہیں۔ ان کی تبلیغ صرف علماء سے خاص نہیں۔) ہر شخص باآواز بلند کہہ سکتا ہے۔ کہ ایمان لانا فرض ہے۔ نماز و روزہ اور زکوۃ و حج فرض ہے، امور اجتھادیہ سے خطاب کرنا علماء کے ساتھ خاص ہے، عوام اس میں غلطی کریں گے۔ عالم کو اول تو جزئیات بہت یاد ہوں گے۔ وہ اس میں غلطی نہ کرے گا۔ اور اگر جزئیات یاد بھی نہ ہوئے تو علم کی شان کے اعتبار سے اس کو لا ادري (کہ میں نہیں جانتا) کہنے میں عار نہ ہو گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 13، ص140، 139)

ناقص العقل لڑکی

صاحبو! میں آپ کو ایک عبرت ناک کثیر الوقوع واقعہ سناتا ہوں کہ ایک چودہ برس کی ناقص العقل لڑکی جس نے ماں باپ کی گودوں میں پرورش پائی اور ان کے گھر کو اپنا گھر، ان کے دوست کو اپنا دوست، ان کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ دو لفظوں سے یعنی نَکَحْتُ اور قَبِلْتُ سے اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ جہاں اس کے منہ پر سے ہاتھ اُترا اب شوہر کا گھر اس کا گھر ہے۔ اُس کا دوست اِس کا دوست ہے۔ اُس کا دشمن اس کا دشمن ہے۔ گو شوہر کا دوست اس کے باپ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اور شوہر کا دشمن اس کے باپ کا دوست ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اگر کسی وقت اس کا باپ بھی اس کے شوہر کا دشمن ہو جائے۔ تو عموماً عورتیں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہیں۔ افسوس اس لڑکی نے تو عقد کے ایجاب و قبول کو اس پختگی سے نبھایا اور ایسی مردانگی دکھائی اور ہم لوگ باوجود مرد ہونے کے خدا تعالیٰ سے معاملہ منعقد کر کے اس کو نہیں نبھاتے۔ کہ لا اله الا الله محمد رسول الله کہہ کر خدا تعالیٰ کے دوست کو اپنا دوست اور خدا کے دشمن کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ غضب ہے کہ ناقص العقل لڑکی تو ایک انسان سے تعلق جوڑ کر صرف اسی کی ہو جاتی ہے اور ہم خدا سے علاقہ جوڑ کر صرف اس کے نہیں ہوتے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ کا یہ حال ہونا چاہیے۔

دلارامی کہ داری دل درو بند　　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جب محبوب حقیقی سے اپنا دل لگالیا تو پھر تمام دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلو)

بس تمام عالم سے کہہ دو کہ ہم نے ایک ذات سے علاقہ جوڑ لیا ہے۔ جو اس سے ملے وہ ہمارا دوست ہے جو اس سے الگ ہے، وہ ہم سے الگ ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 13، ص 154،153)

کلمہ توحید زبان سے نہ نکلا

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے۔ کہ انہوں نے ایک دفعہ کلمہ توحید زبان سے نکالنا چاہا مگر زبان نہ چلی اور سب باتوں میں زبان چلتی تھی مگر کلمہ زبان سے نہ نکلتا تھا۔ یہ عارف تھے۔ گھبرا گئے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ الہام ہوا کہ فلاں دن جس کو اتنے سال ہوئے تم نے ایک بے جا کلمہ زبان سے نکالا تھا اور اب تک اس سے توبہ نہیں کی۔ آج اس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ کہ کلمۂ حق کی توفیق سلب ہوئی۔ اس گناہ سے توبہ کرو تو عذاب ٹلے۔ چنانچہ انہوں نے توبہ کی، توبہ قبول ہوئی اور یہ وبال رفع ہوا۔ حضرت! اس کو معمولی بات نہ سمجھئے۔ کہ آپ کو ذکر کی توفیق ہوگئی۔ واللہ یہ بڑی دولت ہے۔ ورنہ ہزاروں لاکھوں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ جن کی زبان کو خدا نے توفیق ذکر سے بند کر دیا ہے۔

جیسے ایک حکایت ہے۔ کہ غلام اور آقا بازار کو گئے۔ راستہ میں مسجد آگئی۔ غلام نمازی تھا۔ آقا بے نمازی۔ غلام نے نماز پڑھنے کے لئے آقا سے اجازت چاہی۔ اس نے اس کو اجازت دے دی اور خود مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گیا۔ جب نماز ختم ہوگئی اور نمازی مسجد سے نکلنے لگے تو آقا صاحب کو انتظار ہوا کہ اب غلام بھی آتا ہوگا مگر وہ نہ آیا اور بہت دیر لگا دی۔ اس پر آقا نے جھلا کر پکارا۔ کہ میاں کہاں رہ گئے۔ آتے کیوں نہیں- غلام نے جواب دیا۔

کہ آنے نہیں دیتے۔ کہا! کون نہیں آنے دیتا۔ کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا، وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔ صاحبو! توفیق اور عدم توفیق ہی تو ہے۔ کہ غلام مسجد کے اندر نواب بنا بیٹھا اور آقا صاحب باہر سیڑھیوں پر منتظر نوکر بنے بیٹھے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 13، ص 204)

تجویز محبوب

اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ اس لئے اس مقام پر فرماتے ہیں:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا۔ جس میں اس راستے کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا۔ کہ سننے والوں کو حظ آئے۔ کہ یہ محبوب کا راستہ ہے۔ اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی۔ خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا۔ میرا ابتلایا ہوا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک

یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو۔ خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا ہی اثر ہے کہ جب ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جاوے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے۔ تب بھی یہی اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا اور ذرا اُف نہ کرتا۔ ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی۔ کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی۔ کہ ننانوے کوڑوں پر آہ نہ کی، اخیر میں ایک کوڑے پر آہ کی۔ کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا۔ میری حالت کو دیکھ رہا تھا۔ کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آتی ہے۔ تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوشنما شائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے چلے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آکر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشہ ہو رہا ہے)

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔ تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا۔ جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہو گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 13، ص 280،279)

شیطان نے آٹھ لاکھ سال عبادت کی

اسی طرح شیطان کو دیکھو، کہ خدا کی قدرت ہے۔ آٹھ لاکھ برس تک عبادت کرتا رہا۔ مگر ایک بات سے انکار کر کے مردود و مطرود ہو گیا۔ میں نے اس مقام پر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ وہاں تو ذرا میں پکڑ لے۔ ذرا میں نواز دے۔ میں کہتا ہوں یہ اللہ میاں پر تہمت ہے۔ کہ ذرا میں پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے توبہ کرو۔ وہاں تو سبقت رحمتي علی غضبي ہے۔ ہاں یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ذرا میں نواز دیتے ہیں۔ باقی یہ نہیں ہوتا کہ ذرا میں پکڑ لیں۔ یہ شاہ اودھ نہیں ہیں۔ کہ اندھیر نگری چوپٹ راج ہو کہ ذرا کسی سے ناخوشی ہوئی۔ اب پھانسی کے ادھر اسے مضر نہیں۔ شیطان جو راندہ گیا۔ تو یہ کوئی تھوڑی بات نہیں۔ جس پر راندہ گیا حکم ہوا کہ سجدہ کرو تو کہتا ہے نہیں کرتے۔ اگر آپ کا کوئی نوکر اس طرح کرے۔ تو بتایئے کہ آپ کو کس قدر طیش ہو گا اور وہ نالائق تو حجت بھی کرتا ہے۔ کہ

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ. (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا)

کہ میں آدم کو سجدہ کیسے کروں؟ مجھے نار سے پیدا کیا ہے اور انہیں خاک سے۔ تو اس کی رائے میں یوں ہونا چاہیے تھا۔ کہ آدم اسے سجدہ کرتے۔ حجت کے ساتھ انکار کرتا ہے۔ گویا خدا کے امر کو بے وقوفی سمجھتا ہے۔ پھر یہ کتنی

بڑی بات ہے کہ حکیم مطلق ایک امر کرے اور یہ اس کا مبنی حماقت سمجھ کر اس کے امتثال سے انکار کرے۔ تو دیکھو اتنی عبادت بھی کی، پھر بھی ہونے والی بات ہوئی۔ تو اے نفس! کیا ناز کرتا ہے اپنی عبادت پر، خاقانی کہتے ہیں:۔

ابلیس گفت طاعت من بیکراز بود
سیمرغ وصل رادل وجان آشیانہ بود
آدم زخاک بود من از نورِ پاک او
گفتم منم یگانہ واو خود یگانہ بود
در لوح بد نوشتہ کہ ملعون شود یکے
ہر دم گمان بہر کس بر خود گمان نبود

شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا تھا۔ کہ آدم مخلوق ہوں گے۔ پھر ان کو سجدہ کا حکم ہوگا اور ایک شخص سجدہ سے انکار کر کے ملعون ہوگا۔ مجھے ہر شخص پر شبہ تھا کہ شاید یہ ملعون ہو مگر خود اپنے اوپر شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اپنی عبادت کی وجہ سے اپنے ساتھ حسن ظن بہت بڑھا ہوا تھا اور بڑا ناز تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حکم ہو جائے کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ تو میرا گمان نہ فرعون پر ہو، نہ ہامان پر، نہ قارون پر، نمرود پر۔ بلکہ مجھے ہی خوف ہوگا کہ کہیں وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔ اسی طرح اگر حکم ہو جائے کہ سوائے ایک کے کوئی جنت میں نہ جائے گا تو مجھے یہ احتمال ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں:

اوخواست تافسانہ لعنت کند مرا ۔۔۔ کرد آنچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود
گویند جاہلان کہ نہ کردے تو سجدہ ۔۔۔ نزدیک اہل معرفت ایں چہ بہانہ بود

(اس نے چاہا کہ اس فسانہ سے مجھ پر لعنت کرے، جو چاہا خود کیا آدم خاکی تو بہانہ تھا، جہلاء کہتے ہیں کہ تو نے سجدہ نہیں کیا لیکن اہل معرفت کے نزدیک یہ بہانہ تھا) جہلاء کہتے ہیں کہ تو نے سجدہ نہ کیا مگر اہل جوش جانتے ہیں کہ

جف القلمْ بما هو كائن. (المعجم الكبير للطبرانی: ۲۲۳:۱۱)

یہ بڑا قطعہ ہے مجھے سب تو یاد نہیں رہا۔ مقطع کہتے ہیں۔

خاقانیا تو تکیہ بہ طاعات خود مکن ۔۔۔ کیں بندہ بہر دانش اہل زمانہ بود

(خاقانی تو اپنی عبادت پر بھروسہ نہ کر، زمانہ کے اہل دانش لوگوں نے بھی ایسا کیا ہے)

تو اپنے ظاہری تقدس پر نظر کر کے کبھی کسی کو حقیر نہ سمجھو تمہیں کیا خبر ہے۔ کہ

تا یار کراخواہد و میلش بکہ باشد

(خطبات حکیم الامت جلد 13، ص 316،317)

چودھویں جلد کے جواہر

کھانے کی رعایت

فقہاء نے کھانے کی یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر ٹھنڈا ہونے سے اس کی لذت زائل ہو جانے کا اندیشہ ہو جب بھی نماز کو مؤخر کر دینا جائز ہے اور منشا اس کا وہی ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنے سے جمعیت قلب فوت ہو گی بار بار یہی خیال آئے گا کہ نماز جلدی پڑھو تاکہ کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے معلوم ہوا اصل مطلوب جمعیت قلب ہے کہ اسی سے تشبہ بالملائکہ حاصل ہوتا ہے، کم کھانا مطلوب نہیں اور پہلے صوفیہ سے جو تقلیل غذا کے واقعات منقول ہیں آج کل ان پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان حضرات میں قوت زیادہ تھی ان کو غذا بہت کم کرنے سے بھی جمعیت قلب فوت نہ ہوتی تھی ان کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے بعضے ایسے اشغال منقول ہیں جو آج کل کوئی کرے تو مر ہی جائے چنانچہ ایک شغل صلوۃ معکوس کا ہے اور اس کو اصطلاحاً صلوۃ کہہ دیا گیا ہے ورنہ وہ نماز نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ الٹا لٹک کر شغل کرتے ہیں، بابا فرید گنج شکرؒ سے یہ مراقبہ منقول ہے کہ کسی کتاب میں تو دیکھا نہیں مگر مشہور ہے کہ وہ رات کو ایک کنوئیں میں الٹا لٹک کر شغل کرتے تھے اور نماز کے وقت مؤذن ان کو نکال لیا کرتا تھا، آج کل ایک جاہل شیخ نے اپنے ایک مرید کو یہی شغل تعلیم کیا اس نے شکایت کی کہ مجھے تو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے جو برداشت سے باہر ہے کہا کچھ پرواہ نہیں مجاہدہ تو ہے ہی تکلیف کے لئے، انجام یہ ہوا کہ ایک دن غریب کی جان نکل گئی۔ مگر شیخ جاہل کو کچھ بھی پروا نہیں ہوئی، سمجھ لیا ہو گا کہ شہید ہوا، اور واقعی جب کافر کا مارا شہید ہے تو تیر امارا ہوا کیونکر شہید نہ ہو گا وہ تو شہید ہی ہوا مگر تو جہنمی ہو گیا۔ جیسے ایک جاہل طبیب نے کسی مریض کو مسہل دیا تھا کہ اس کو دست بہت آئے طبیب کو اطلاع دی گئی کہ دست بہت آرہے ہیں بند کرنے کی تدبیر کرنا چاہئے کہا آنے دو مادہ نکل رہا ہے۔ دوسرے دن پھر کہا گیا کہ اب بھی دست بند نہیں ہوئے کہا کچھ پروا نہیں اس میں مادہ بہت ہے نکلنے دو، تیسرے دن وہ مر گیا تو طبیب کہتا ہے اللہ رے مادہ نکل کر تو یہ نتیجہ کیا، اندر رہتا تو نہ معلوم کیا کرتا کوئی اس احمق سے پوچھے کہ موت سے زیادہ کیا کرتا ہاں شاید طبیب کو یہ احتمال ہو کہ اندر رہ کر دوسروں کو بھی مار دیتا کہ ڈاکٹر بعض امراض کو متعدی مانتے ہیں غرض پہلے بزرگوں پر اپنے کو قیاس کر کے تم ان کی طرح غذا کم کرنے کی تدبیر نہ کرو، ان میں قوت بہت زیادہ تھی تم کمزور ہو تم کو زیادہ تقلیل سے تکلیف ہو گی جس سے جمعیت قلب فوت ہو جائے گی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 26)

بنی اسرائیل کے شخص کا ایک قصہ

اس رحمت کی یہ حالت ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمت کے 10 حصے کر کے ایک حصہ تو دنیا میں رکھا جس کا اثر یہ ہے کہ کافروں گناہگاروں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ماں بچوں پر اور جانور اپنی اولاد پر جان دیتے ہیں اور حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس ایک حصہ کو ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر پورے 100 حصوں سے مومنین پر رحمت فرمائیں گے نیز حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ آیا ہے کہ اس نے ننانوے خون کئے تھے اس کے بعد اس کو تنبہ ہوا اور توبہ کی فکر ہوئی وہ ایک عالم کے پاس گیا اور استفتاء کیا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ زاہد خشک تھا، ننانوے خون کا نام سنتے ہی بگڑ گیا اور کہا کہ تیرے لئے توبہ نہیں ہے سائل کو اس کے جواب پر غصہ آگیا اور تلوار سے اس کا بھی فیصلہ کیا کہ 100 میں کسر کیوں رکھی جائے، ننانوے کا پھیرا اچھا نہیں لاؤ پورے سو ہی کر دوں اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ میں نے 100 خون کئے ہیں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں میرے لئے توبہ ہے یا نہیں؟ اس عالم نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور توبہ کا دروازہ بھی بند نہیں ہوا تمہاری توبہ قبول ہوتی ہے مگر ایک شرط ہے کہ تم اپنی بستی سے فلاں بستی کی طرف ہجرت کر جاؤ شاید اس کی بستی کے لوگ اچھے نہ ہوں گے اس لئے عالم نے صحبت اشرار کے ترک اور صحبت اخیار کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا تا کہ توبہ قائم رہ سکے ورنہ بُروں کی صحبت میں رہ کر توبہ پھر ٹوٹ جاتی چونکہ یہ شخص طالب بن چکا تھا اس لئے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنی بستی سے دوسری بستی کی طرف ہجرت کر کے چلا تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ موت کا فرشتہ سامنے آگیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(افسوس چشم زدن ہی میں صحبت یار ختم ہو گئی، ہم گل کی سیر بھی کرنے نہ پائے تھے سبز موسم بہار ختم ہو گیا)

جب موت سر پر آگئی تو چلنے کی ہمت کہاں سے بے چارہ لیٹ گیا اور نزع کی حالت شروع ہو گئی مگر اس نے اس وقت بھی اپنا کام نہ چھوڑا نزع کی حالت میں بھی صلحاء کی بستی کی طرف گھسٹتا رہا اور اپنے سینہ کو اور ادھر بڑھا دیا اب رحمت حق کو جوش آیا زمین کو حکم ہوا کہ اس شخص کی بستی دور ہو جائے اور صلحاء کی بستی قریب ہو جائے چنانچہ زمین کی طنابیں کھینچ گئیں اور صلحاء کی بستی ایک ہاتھ قریب اور اشرار کی بستی ایک ہاتھ دور ہو گئی۔ جب اس کی روح پرواز ہو گئی تو ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور باہم جھگڑنے لگے ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ توبہ کر کے اللہ کے راستہ میں نکل چکا ہے۔

ومن يخرج من بيته مهاجرا إلى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله

(اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ہے)

ملائکہ عذاب نے کہا کہ اس کی توبہ کی تکمیل کے لئے صلحاء کی بستی میں پہنچنا شرط تھا اور شرط نہیں پائی گئی اس لئے یہ جہنمی ہے اور اس کی روح کو ہم نکالیں گے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل اجتہاد میں ان کے درمیان اختلاف نزاع ہوتا ہے اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ مجذوبین بھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ مجذوبین کی شان مثل ملائکہ کے ہے بہر حال حق تعالیٰ نے اس اختلاف کا یوں فیصلہ کیا کہ ایک فرشتہ کو بھیجا کہ ان دونوں جماعتوں سے کہہ دو کہ دونوں بستیوں کی مسافت کی پیمائش کریں اگر یہ صلحاء کی بستی سے قریب ہو تو جنتی ہے اور ملائکہ رحمت اس کو لے جائیں اور اگر اشرار کی بستی سے قریب ہے تو جہنمی ہے اور ملائکہ عذاب اس کو لے جائیں وہ اس کے مستحق ہیں زمین کی پیمائش کی گئی تو یہ شخص بقدر سینہ بڑھا دینے کے صلحاء کی بستی سے قریب تھا کیونکہ اس کا سامان تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا تھا بس ملائکہ رحمت اس کو لے گئے۔ سچ ہے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید — رحمت حق بہانمی جوید

(اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے رحمت حق قیمت طلب نہیں کرتی)

مسلمانو! حق تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ جنت میں تو ان شااللہ پہنچ ہی جاؤ گے مگر پھر بھی اعمال سے بے فکری نہ کرو۔

بلااذن تصرف

دوسرے بلااذن تصرف کرنا کمال عبدیت کے بھی خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون صاحب تصرف ہوگا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تو سارے عالم کو ایک دم سے ولی بنا دیتے کسی کی مجال نہ تھی جو کفر کر سکتا مگر آپ ﷺ نے اس سے کام نہیں لیا۔

حضرت ابو طالب کے متعلق آپ کی خواہش بھی تھی کہ یہ ایمان لے آئیں مگر آپ ﷺ نے قوت تصرف کو استعمال نہیں کیا۔ تو اللہ معاف کرے کہ ابو طالب کے نام کے ساتھ زبان سے حضرت ہی نکلتا ہے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے مگر چونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور محبت بھی ایسی کہ جانثار تھے اور چچا بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے محبت تھی اس لئے زبان پر ان کے نام کے ساتھ بے ساختہ حضرت نکل جاتا ہے ابو جہل کے نام کے ساتھ کبھی نہیں نکلتا کیونکہ وہ آپ کا چچا تھا اگرچہ حقیقی نہ تھا مگر اس کے ساتھ ہی موذی بھی بہت

تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے بہت ایذادی ہے اس لئے اس کے نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہیں نکلتا، ایسے ہی ابولہب کے نام کے ساتھ بھی نہیں نکلتا گو وہ حقیقی چچا ہے مگر ایذا میں ابوجہل کے مثل تھا۔

(خطبات حکیم الامت جلد14، ص159)

حضرت شبلیؒ نے شیر کی تصویر پر توجہ ڈال کر اصلی شیر بنادیا

حضرت جنیدؒ رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کسی بادشاہ سے گفتگو کر رہے تھے ساتھ میں حضرت شبلیؒ بھی تھے اثناء گفتگو میں بادشاہ نے حضرت جنیدؒ کو کوئی سخت کلمہ کہا وہ تحمل سے کام لیتے رہے۔ مگر حضرت شبلیؒ سے نہ رہا گیا وہاں کوئی قالین بچھا ہوا تھا جس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی، حضرت شبلی نے اس تصویر پر توجہ کا اثر ڈالا تو وہ سچ مچ کا شیر بن گیا، حضرت جنید نے دیکھ لیا انہوں نے فوراً اس پر ہاتھ رکھ دیا وہ مٹ گیا اور تصویر ہی تصویر رہ گئی، بادشاہ نے پھر کسی بات پر کوئی سخت کلمہ کہا حضرت شبلیؒ نے پھر توجہ کی جس سے دوبارہ وہ تصویر شیر کی صورت بن گئی، حضرت جنیدؒ نے اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو پھر مٹا دیا کئی بار ایسا ہوا حتی کہ ایک دفعہ بادشاہ کی نظر بھی شیر پر پڑ گئی تو اس کا رنگ فق ہو گیا اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو حضرت جنیدؒ نے تسلی دی کہ آپ نہ گھبرائیں اس کی مجال نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کو کچھ بھی کہہ سکے، آپ ہمارے بادشاہ ہیں آپ کو حق ہے کہ ہمیں جو چاہیں کہیں میں کبھی آپ کے مقابلہ میں تصرف نہ کروں گا، یہ شبلی بچہ ہے اس نے تصرف سے کام لے لیا مگر میں اپنے سامنے اس کے کسی تصرف کو آپ پر چلنے نہ دوں گا، بالکل بے فکر رہیں، حضرت جنیدؒ نے تو اس کو بے فکر کر دیا مگر اس کو ان حضرات کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو کتنی قوت عطا کی ہے۔ بس اس کے بعد سنبھل سنبھل کر باتیں کرنے لگا پھر کوئی گستاخی نہیں کی سو ہمارے اکابر تو ایسے ہوئے ہیں کہ خود تو تصرف کیا کرتے اگر کسی چھوٹے نے کیا بھی تو اس کو مٹا دیا غرض وہ تصرف اس لئے نہیں کرتے کہ اول تو اس میں سالک کو نعمت کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ قدر تو بعد مشقت ہی کے ہوتی ہے دوسرے پھر وہ ہمت توڑ دیتا ہے پس توجہ ہی کے سہارے پر چلتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد14، ص160،159)

توجہ اور تصرف

تیسرے یہ طریقہ خلاف سنت بھی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی تصرف سے کام نہ لیتے تھے اس مقام پر پہنچ کر حضرت مولانا کو ماقبل کا ربط یاد نہ رہا تو جامع وعظ سے دریافت فرمایا تو اس نے اطلاع کی کہ مضمون اس پر چلا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مواخذہ بھی رحمت ہے، خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اس پر فرمایا کہ (جامع) میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر گرفت ہو جانا بھی رحمت ہے، جیسے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ساتھ معاملہ پیش آیا، جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اسی پر یہ مضمون چل پڑا تھا کہ وصول میں تاخیر ہونا بھی رحمت ہے اس میں بھی

بہت سی حکمتیں ہیں اور اسی حکمت کے ضمن میں اپنے اکابر کے تصرف نہ کرنے کی وجہ بھی بتلا دی تھی اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس غریب کا ہدیہ جو دھیلے کی کوڑیاں تھیں واپس کر دیا تو اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کہ اسی دن سے تمام فتوحات بند ہو گئیں اور فاقہ پر فاقہ گزرنے لگا اول تو انہوں نے اس کو حکمت خاص پر محمول کیا کہ شاید رفع درجات کے لئے یہ معاملہ ہو رہا ہے مگر پھر تنبہ ہوا کہ نہیں یہ تو عتاب ہے عارف کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور دیا ہے وہ اس سے سمجھ لیتا ہے کہ کون سی مصیبت رفع درجات کے لئے آئی ہے اور کون سی عتاب کی وجہ سے آئی ہے۔

جس کی ایک علامت یہ ہے کہ جس مصیبت کا منشاء عتاب ہوتا ہے اس سے بے چینی اور پریشانی بڑھتی ہے) غرض آثار سے وہ سمجھ گئے کہ یہ فتوحات کی بندش کسی عتاب کی وجہ سے ہے پھر سوچنے سے خیال آیا کہ فلاں دن اس غریب کی کوڑیاں واپس کر دی تھیں کہ شاید یہ بات ناپسند ہوئی ہے، بس اس وقت گھبرا کر بلایا اور خود سوال کیا کہ بھائی وہ دھیلہ کی کوڑیاں ہمیں دے دو کہاں تو دینے سے بھی نہ لیا تھا، اب خود اس سے مانگ رہے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 161)

شیخ سے استاد کی طرح سوال نہ کرے

بلکہ میں ایک اور بات پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ طالب کو شیخ کے ساتھ علمی مباحث میں بھی گفتگو نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں رد و قدح کا انکار و اقرار کی صورت ہوتی ہے جو شان طلب کے منافی ہے، ہاں طالب علم کو استاد سے خوب چوں چراں کرنا چاہئے کیونکہ استاد اشکالات علمیہ کے حل کرنے کو پہلے سے آمادہ ہو کر بیٹھتا ہے اور شیخ اس کام کے لئے تیار ہو کر نہیں بیٹھتا وہ دوسرے کام کے لئے ہے جہاں عمل کی ضرورت ہے باتوں کی ضرورت نہیں پس شیخ کے ساتھ کان ہو کر رہنا چاہئے اور استاد کے ساتھ زبان ہو کر ہمارے مولانا فرماتے تھے کہ

ہر طالب کہ چوں وچرا نکند وہر درویشے کہ چوں وچرا کند ہر دو را بجر اگاہ باید فرستاد

(ہر طالب علم جو چون و چراں و بحث مباحثہ نہ کرے اور ہر درویش جو چوں و چراں کرے تو طالب علم کو مدرسہ سے اور درویش کو خانقاہ سے نکال دینا چاہئے)

پس شیخ سے استاد کا کام نہ لو اور سنار سے لوہار کا کام نہ لو اس کے سامنے لوہا مت لاؤ بلکہ سونا چاندی لاؤ تاکہ وہ خوبصورت جھمکے اور کرن پھول اور جھومر تیار کر کے تمہارے کان اور سر پر لگا دے، پس یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی کے پاس طالب بن کر نہ جائیں اور اس کو شیخ بنائیں پھر اس سے کام لیں، دوسرے صاحبو! ماں سے ماما کا کام نہ لو گو اس میں ایک میم اور ایک الف زیادہ ہو گئے مگر عزت تو گھٹ گئی کیونکہ ماں کو ماما بنانا ذلت تجویز کرنا ہے۔ لہٰذا شیخ سے علمی

مباحث میں گفتگو نہ کرنا چاہیے مگر آج کل طالبین اس کا خیال نہیں رکھتے، ہاں گاہے گاہے ادب کے ساتھ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں یا عرصہ تک پاس رہنے سے دونوں کی طبیعت کھل گئی تب بھی حرج نہیں کیونکہ انشراح کے بعد پھر ایک ناز کی سی حالت ہو جاتی ہے اور مقام ناز کے احکام جدا ہیں، اسوقت جتنا چاہے بولو اور جو چاہے پوچھو کچھ مضائقہ نہیں اسی کو کہتے ہیں۔

اے خامہ نیاز نہ چلنے سے تو مچل یعنی مقام ناز ہے جس چال چاہے چل

مگر ایسے لوگوں کو شیخ کے ساتھ مباحث علمیہ میں گفتگو کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 184، 183)

آدابِ شیخ

طالب کو شیخ کے سامنے نہایت ادب سے رہنا چاہئے اور کسی کو اس کے سامنے بولتا ہوا دیکھ کر اپنے کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایک خاص حالت انشراح پا چکا ہے، اس کا بولنا اور بحث کرنا سب ادب میں داخل ہے اور تمہارا بولنا بے ادبی میں داخل ہوگا اور بے ادب کا اس طریق میں کچھ کام نہیں۔

بے ادب را اندریں رہ بار نیست جائے او بردار شد در دار نیست

(بے ادب کے لئے اس راہ میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کا مقام دار پر ہے نہ کہ دربار میں ہے)

یعنی بے ادب کی جگہ دار پر ہے (یعنی سولی پر) اور دار کے اندر (یعنی گھر میں اس کے لئے جگہ نہیں، صاحبو! بزرگوں نے جو شیوخ کے آداب لکھے ہیں وہ لغو نہیں اور ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا جی برا نہ کرو، اس کے قلب کو مکدر نہ کرو ورنہ تم کو فیض بھی گدلا ہی پہنچے گا حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے شیخ میزاب رحمت ہے جس کے واسطے سے تم کو فیض پہنچتا ہے پس میزاب رحمت کو میلا مت کرو ورنہ فیض بھی گدلا ہو کر آئے گا۔ یہ خلاصہ ہے ان آداب کا مشائخ نے اپنی پرستش نہیں کرائی بلکہ تم کو خالص و مصفی زلال رحمت پلانا چاہتے ہیں اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ ان کا دل میلا نہ کرو پس ایک حق شیخ کا یہ بھی ہے کہ طالب اپنی رائے اور تجویز کو دخل نہ دے۔

تم یہ مت سوچو کہ میرے واسطے غلبہ شوق مناسب تھا اور اب تک حاصل نہیں ہوا۔ یا التہاب واضطراب کی مجھے ضرورت تھی اور یہ بات پیدا نہیں ہوئی پس تم تو اطلاع واتباع سے کام رکھو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 185)

شہداء میں اولیاء بھی شامل ہیں

اے صاحب جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں واللہ وہ تلوار سے تیز بال سے باریک ہے ان کی جان پر جو بنتی ہے اس کی کسی کو کیا خبر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مشائخ بڑے مزہ میں ہیں لوگ ان کے ہاتھ چومتے ہیں تعظیم و تکریم کرتے ہیں ہدایا تحائف لاتے ہیں بس یہ سب سے زیادہ بے فکر ہیں ارے تم کو ان کے دل کی کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ کے کیا کیا معاملات ان کے ساتھ پیش آتے ہیں اور کیسے کیسے خطرات ان پر گزرتے رہتے ہیں بھلا جس کے سر پر تلوار کھڑی ہو اس کو کسی کی تعظیم و تکریم کا ہاتھ پیر چومنے سے بھی لطف آسکتا ہے، میں محض بدگمانی ہے اولیاء اللہ کے ساتھ تو جب ان کی یہ حالت ہے تو کیا مقتول سیف اور حریق و غریق تو شہید ہوں اور یہ لوگ شہید نہ ہوں یہ بھی ضرور مقتول فی سبیل اللہ کی طرح شہید ہیں اور یہ میں قرآن کی تفسیر نہیں کرتا کہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ

(جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جائے اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے)

میں اولیاء بھی داخل ہیں بلکہ علم اعتبار و قیاس کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ بھی انہیں کے حکم میں ہیں اور کوئی تنہا میری رائے نہیں بلکہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی تفسیر مظہری میں شہداء کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اذا کان هذا حال المقتول بسیف الکفار فکیف بقتیل سیف الجبار کہ جب مقتول سیف کفار کی یہ فضیلت ہے تو جو سیف جبار سے مقتول ہوا ہو اور تلوار عشق کا کشتہ بنا ہو اس کی تو کیا کچھ فضیلت ہو گی اس سے معلوم ہوا کہ میں اس مسئلہ میں متفرد نہیں ہوں بل لي فيه سلف، سلف میں بھی بعض کی یہی رائے ہے پس طالب کو گھبرانا نہ چاہئے۔ ان شاء اللہ وہ ہر حال میں واصل ہے یا شہید ہے خواہ نسبت شوقیہ ہو یا نسبت انسیہ ہو ایک صورت میں وہ حریق ہے اور دوسری صورت میں غریق ہے اور دونوں کے لئے بشارت شہادت ہے (یہاں پہنچ کر پھر حضرت مولانا نے کاتب سے ماقبل کا ربط دریافت فرمایا کہ یہ مضمون کس بات پر بیان ہوا تھا اس نے عرض کیا کہ اس سے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ امور غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 200،199)

تعبیر بازی

اسی طرح تعبیر کے متعلق کہہ دیں اگر یوں بھی کہہ دیا کریں تب بھی غنیمت ہے لوگوں کے عقیدے تو خراب نہ ہوں، اس کی ایک مثال ہے کہ ہم لوگ یہاں قربانی کی کھال اور سری پائے سقہ کو دیا کرتے تھے کیونکہ یہ محض رسم ہے شرعاً اس کا کوئی حق نہیں لیکن جب سقوں نے بہت برا مانا تب میں نے یہ کیا کہ ان سے صاف کہہ دیا کہ شرعاً تمہارا کوئی حق نہیں ہے مگر ان کو پھر پیسے دیدیئے، یہ ہمارے درجے کی بات ہے بس اب ہم تو یہ ہی کرتے ہیں کہ اٹھا

کر پیسے دے دیئے قربانی کا گوشت یا کھال نہیں دیتے یا سری پائے دے دیئے اور کہہ دیا کہ غریب سمجھ کر دے دیتے ہیں تمہارا کچھ حق نہیں، غرض اتنا بھی کریں تو غنیمت ہے مگر بزرگوں کے اخلاق کہ جی برا نہ ہو بس جی اگر جی برا ہونے میں اتنی ہی وسعت ہے تو پھر حق واضح ہو چکا اور اس میں جی برا ہونے کی کیا بات ہے اجی نرمی کے ساتھ کہہ دو کہ سمجھ میں نہیں آئی تعبیر۔ اسی واسطے اگر کوئی مجھے خواب لکھ کر بھیجتا ہے تو میں تجربوں کی بنا پر اکثر یہ شعر جواب میں لکھ دیتا ہوں

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر بیان کروں، محبوب حقیقی کا غلام ہوں پس انہیں کی باتیں کرتا ہوں)۔

صاف لکھ دیتا ہوں کہ خواب کوئی بڑی چیز نہیں بیداری کا قصہ بیان کرو اور واقعی خواب میں اگر کوئی بھی دیکھے کہ میں سور کا گوشت کھا رہا ہوں بلکہ سور ہی بن گیا تب بھی واللہ العظیم اس کو حق تعالیٰ سے مطلق بعد نہیں ہوا اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے بازو پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہی پر جا پہنچا ہوں بلکہ خود جبرئیل بن گیا تب بھی خدا کی قسم اس کو ذرہ برابر قرب حاصل نہیں ہوا ہاں بعد بیداری کے اس نے اب اٹھ کر غیبت کی تو اب بُعد ہوا اور جب خواب میں گو کھاتا پھرتا تھا اور سور بنا ہوا تھا اس وقت بُعد نہ تھا نہ اس طرح جب خواب میں جبرئیل بنا ہوا تھا اس وقت قرب نہ تھا تو نہ جبرئیل بننے سے خواب میں قرب حاصل ہو نہ سور بننے سے بُعد ہو، خواب میں کیا رکھا ہے مگر ہزاروں لوگ غلطیوں میں مبتلا ہیں، یہی حال تعویذوں کا ہے غرض حقائق میں اور صور مثالیہ ہیں جو مناسبتیں ہیں جن لوگوں پر وہ منکشف ہو جاتی ہیں وہی معبر ہوتے ہیں خواہ وہ انکشاف عقل و فراست ہی سے ہو کیونکہ بعض عاقل بھی ان مناسبتوں کو اپنی فراست سے سمجھ جاتے ہیں جیسے ابو جہل دنیا کا بڑا عاقل تھا وہ بھی بہت بڑا معبّر تھا حالانکہ وہ بزرگ تو کیا ہوتا رئیس الکافرین تھا اسی واسطے تو میں کہا کرتا ہوں کہ نری عقل سے نہیں ہوتا جب تک فضل بھی نہ ہو۔

(خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 224،223)

افلاطونی دعوت

اسی بناء پر بادشاہ نے عذر کیا افلاطون کو اس خیال کا ادراک تھا اس لئے افلاطون نے کہا تھا، میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں یہ سن کر بادشاہ نے دل میں تو یہی کہا کہ واقعی اس کے دماغ میں خلل معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ضروری سامان تک نہیں یہ مجھے کھلاوے گا کیا، لیکن زبان سے یہ بات تو ادب کی وجہ سے کہہ نہ سکا کہ یہ عذر کیا کہ آپ کو فضول تکلیف ہو گی، افلاطون نے کہا کہ نہیں مجھے کچھ تکلیف نہیں ہو گی، میرا جی چاہتا ہے۔ جب اصرار دیکھا تو

بادشاہ نے دعوت منظور کرلی کہ اچھا آجاؤں گا اور ایک آدھ ہمراہی بھی میرے ساتھ ہوگا افلاطون نے کہا نہیں مع لشکر اور وزراء امراء سب کی دعوت ہے۔ غرض ایک ساتھ دس ہزار کی دعوت کردی اور لشکر معمولی نہیں خاص شاہی لشکر، بادشاہ نے کہا خیر خبط تو ہے ہی یہ بھی سہی، غرض تاریخ معین پر بادشاہ مع لشکر اور جملہ امراء کے افلاطون کے پاس جانے کے لئے شہر سے باہر نکلا تو کئی میل پہلے دیکھا کہ چاروں طرف استقبال کا سامان نہایت تزک واحتشام کے ساتھ کیا گیا ہے ہر ایک کے درجہ کے موافق الگ الگ کمرہ موجود ہے اور دوطرفہ باغ لگے ہوئے ہیں، رات کا وقت تھا، ہزاروں قندیل، جگہ جگہ ناچ رنگ نہریں اور یہ وہ ایک عجیب منظر پیش نظر تھا، اب بادشاہ نہایت حیران کہ یااللہ یہاں تو کبھی کوئی ایسا شہر تھا نہیں، غرض ہر شخص کو مختلف کمروں میں اتارا گیا اور ہر جگہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان فرش فروش جھاڑ فانوس، افلاطون نے خود آکر مدارت کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا، ایک بہت بڑا مکان تھا اس میں سب کو جمع کرکے کھانا کھلایا گیا کھانے ایسے لذیذ کہ عمر بھر بھی نصیب نہ ہوئے تھے، بادشاہ کو بڑی حیرت کہ معلوم نہیں اس شخص نے اس قدر جلد یہ انتظامات کہاں سے کرلئے، بظاہر اس کے پاس کچھ جمع پونجی بھی نہیں معلوم ہوتی، یہاں تک کہ جب سب کھاپی چکے تو عیش وطرب کا سامان ہوا ہر شخص کو ایک الگ کمرہ سونے کے لئے دیا گیا جو ہر قسم کے ساز وسامان سے آراستہ پیراستہ، اندر گئے تو دیکھا کہ تتمیم لطف اور تکمیل عیش کے لئے ایک ایک حسین عورت بھی ہر جگہ موجود ہے۔ غرض سارے سامان عیش وطرب کے موجود تھے، خیر وہ لوگ کوئی متقی پرہیزگار تو تھے نہیں اہل خانقاہ تھوڑا ہی تھے بلکہ خواہ مخواہ کے آدمی تھے، جیسے مشہور ہے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی، یہ رنگ مہمانی کا دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور رات بھر خوب عیش اڑائے کیونکہ ایسی رات انہیں پھر کہاں نصیب ہوتی، یہاں تک کہ سو گئے۔

جب آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ نہ باغ ہے بلکہ نرا راغ ہے، نہ درخت ہیں بلکہ نرے کرخت ہیں یعنی بجائے درختوں کے دیکھا کہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں اور ایک جوتا سب کی بغل میں ہے اور پاجامہ خراب ہے، یہ عورتیں تھیں بڑے شرمندہ ہوئے کہ لاحول ولا قوۃ یہ کیا قصہ ہے، بادشاہ کی بھی یہی حالت تھی، افلاطون نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ ساری دنیا جس پر تمہیں اتنا ناز ہے ایک عالم خیال ہے اور حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں، اس قدر قوی تصرف تھا، افلاطون کے خیال کا کہ اس نے یہ خیال جمالیا کہ ان سب کے متخیلہ میں یہ ساری چیزیں موجود ہو جائیں بس سب کو ہی نظر آنے لگیں جب وہ لوگ سو گئے اس نے اس خیال کو ہٹالیا، پھر اٹھ کر جو انہوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا، افلاطون مجاہدہ وریاضت بہت کئے ہوئے تھا، اس لئے اس کی قوت اس کے خیال میں پیدا ہوگئی تھی، یہ تصوف نہیں ہے تصرف ہے یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز ہے بس مزہ سب سرد ہوگیا، افلاطون نے کہا کہ جیسے تمہیں ان چیزوں میں مزہ آتا ہے مجھے بالکل نہیں آتا کیوں کہ مجھے ان کی حقیقت معلوم ہے تو واقعی جو کچھ نظر آیا وہ عالم خیال تھا مسمریزم

میں بھی جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی عالم خیال ہی ہوتا ہے اور یہ جو حاضرات واضرات ہے یہ بھی وہی ہے محض قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے روح ووح کچھ نہیں ہوتی، اسی واسطے بچوں پر یہ عمل چلتا ہے بچہ کو آئینہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ دیکھو بھنگی آیا سقہ آیا اسے سچ مچ نظر آنے لگتا ہے کہ بھنگی آیا سقہ آیا، عورتوں پر یہ عمل چلتا ہے کیونکہ ان میں بھی عقل کم ہوتی ہے یا کوئی مرد ہو جو بہت ہی بے وقوف ہو اس پر بھی چل جاتا ہے اور اثر ڈالنے کے لئے بڑی بڑی ترکیبیں کرتے ہیں ناخن پر پانی لگا کر کہتے ہیں کہ نہایت غور کے ساتھ اس سیاہی کے اندر دیکھتے رہو، یہ اس وجہ سے کرتے ہیں تا کہ خیالات بالکل یکسو ہو جائیں، چنانچہ طلسمی انگوٹھی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں اس کا بھی یہی راز ہے ایک صاحب کے پاس طلسمی انگوٹھی تھی ان کے ایک دوست تھانہ دار تھے ان کے یہاں پیشانی پر زخم لگا تھا پھر وہ زخم اچھا ہو گیا تھا، وہاں بھی یہ شرط تھی کہ دیکھنے والا کوئی بچہ ہو یا عورت اور یہ عجیب بات ہے کہ خود عامل کو کچھ نظر آتا نہیں معمول کو نظر آتا ہے ان صاحب نے بچے سے پوچھا کہ داروغہ آئے تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا ہاں ایک شخص آئے تو ہیں انہوں نے پوچھا کیسی شکل ہے اس نے سارا حلیہ داروغہ ہی کا بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ ان کے ماتھے پر ایک لکیر سی ہے اس پر وہ صاحب بہت حیران ہوئے مجھ سے کہنے لگے کہ ایسی صورت میں ہم کیسے سمجھیں کہ یہ مکر و فریب ہے، میں نے کہا یہ تمہارا خیال تھا واقع میں روح نہ تھی، انہوں نے کہا کہ ہاں صاحب واقع میں ٹھیک ہے میں نے کہا تم نے ایسی جلدی کیسے تصدیق کر دی کہنے لگے کہ دوران عمل میں جب میں کتاب دیکھنے لگتا تو وہ اس وقت کہتا کہ اب تو کچھ بھی نظر نہیں آتا، میں نے ان صاحب سے کہا کہ پھر بتلایئے اس کی کیا وجہ تھی، کیا آتے جاتے روح تھک گئی تھی یا لاحول لکھی ہو گی اس کتاب میں تو اس طرح سے ایسے تخیلات اور تصرفات ہوا کرتے ہیں غرض دنیا کی حالت کو تو ایسا ہی سمجھئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد14، ص333،332،331)

قرب کی ایک صورت

بات یہ ہے کہ قرب کی مختلف صورتیں ہیں کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول، جنت میں قرب بصورت عروج ہو گا اور یہاں سجدہ میں بصورت نزول ہوتا ہے اس مضمون کو مولانا رومی نے کیا خوب بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا — نیست از معراج یونس اجتبا

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح مت دو)

مولانا اس مقام پر حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی کی تفسیر فرما رہے ہیں چنانچہ سرخی میں بھی یہی حدیث لکھی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور معراج کے

قصہ کو بطور مثال لائے ہیں، پس فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کا جو قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بدوں صریح اجازت خداوندی کے تبلیغ چھوڑ کر وہ اپنے شہر سے چلے گئے یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی چکر میں آگئی پھر ان کو پانی میں ڈال دیا گیا اور مچھلی نے نگل لیا تو ان کی اس حالت کو نقص پر محمول نہ کرو کیونکہ یہ ان کے لئے ویسی ہی معراج تھی جیسے مجھے معراج ہوئی ہے پس تم میری معراج کو ان کی معراج پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی معراج کو گھٹا دو اور اس کا نقص ظاہر ہو کیونکہ ان کی معراج بھی کامل تھی ناقص نہ تھی گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اکمل تھی اب یہاں عام لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر عروج ہوا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو معراج کہنا درست ہے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو تو عروج نہیں ہوا بلکہ نزول ہوا تھا اس کو معراج کہنا کیوں کر صحیح ہوگا مولانا نے اس کا جواب دیا ہے۔

قرب از پستی ببالا رفتن ست　　　قرب حق از قید ہستی رستن ست

(قرب اس کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ ہستی سے چھوٹ جاؤ)

فرماتے ہیں کہ قرب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیچے سے اوپر کو بلایا جائے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اوپر سے نیچے کو بلایا جائے کیونکہ قرب کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔

نور او از یمن و یسر و تحت و فوق　　　بر سر و بر گردنم مانند طوق

(اس کا نور دائیں، بائیں اوپر نیچے ہر طرف ہے جیسے گلے کا ہار گردن کو گھیرے ہوتا ہے)

ان کی تجلی تو ہر جہت میں ہے اس لئے ہر سمت میں معراج ہو سکتی ہے خود ایک حدیث میں آیا ہے

لوذلیتم محبل الی الارض السفلی لهبط علی الله (رواہ الترمذی)

لیکن اگر ایک رسی کو ارض سفلی تک لٹکایا جائے تو حق تعالیٰ پر پہنچے گی مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی تجلی حق موجود ہے کوئی جگہ اور کوئی سمت ان کی تجلی سے خالی نہیں رہی، عرش کی تخصیص الرحمن علی العرش استوی میں تو اس پر سب کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں عرش مستقر الٰہی المتعارف ہرگز نہیں پھر استوی علی العرش کے کیا معنی ہیں اس کے متعلق سلف نے تو سکوت کیا ہے (اور یہی اسلم ہے) اور خلف نے مناسب تاویلیں بیان کی ہیں ان میں سے حضرت حاجی صاحب کی ایک تاویل ہے فرمایا کہ نصوص میں الله استوی علی العرش نہیں فرمایا بلکہ جابجا الرحمن علی العرش استوی آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی تجلی عرش پر زیادہ ہے پس تخصیص ایک خاص صفت کی تجلی کے اعتبار سے ہے۔ ذات کے اعتبار سے نہیں اسی لئے احکام سب عرش سے آتے ہیں کیونکہ

احکام میں رحمت کا خاص ظہور ہے، بہر حال قرب اسی کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر جانا ہو بلکہ اوپر سے نیچے جانے میں بھی قرب ہو سکتا ہے تو یونس علیہ السلام کو اسی صورت سے قرب عطا ہوا ان کی بھی معراج تھی تو یہی صورت قرب کی دنیا میں نماز کے اندر ہوتی ہے کہ سجدہ میں بندہ کو قرب بصورت نزول ہوتا ہے جب حقیقت قرب ان اعمال میں موجود ہے تو وہ بھی خود مطلوب ہیں جیسے جنت مطلوب ہے کیونکہ وہ بھی قرب ہی کی وجہ سے مطلوب ہے اگر جنت میں اللہ تعالیٰ کا قرب نہ ہوتا تو مطلوب نہ ہوتی اور اگر دخول جنت پر ہی قبول وقرب کا مدار ہو تو نعوذ باللہ ان ملائکہ کو غیر مقبول کہنا پڑے گا جو جہنم کے منتظم ہیں حالانکہ فرشتے سب مقبول ہیں ان میں غیر مقبول کوئی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ جنت پر قرب کا مدار نہیں، دوسری جگہ اور دوسری صورت میں بھی قرب ہو سکتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دوسری صورت جنت کی طرح مطلوب نہ ہو، یہ تو دلائل سے ثبوت تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 14، ص 369،370)

پندرھویں جلد کے جواہر

وقت ریاء

حضرت بایزید بسطامی نے ایک مرتبہ سورۂ طٰہٰ پڑھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامہ اعمال میں سورۃ طٰہٰ پوری لکھی ہوئی تھی۔ مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے۔ آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ اس آیت کی جگہ کیوں خالی رہی۔ میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا۔ جواب ملا کہ جس وقت تم نے اس آیت کو پڑھنا چاہا۔ اس وقت ایک شخص اس جگہ سے گزر رہا تھا تو تم نے اس کو سنانے کو یہ آیت ذرا بنا سنوار کر پڑھی جس سے ریاء ہو گیا۔ اس لئے اس آیت کی تلاوت قبول نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاء کس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ عارفین کاملین کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ ریاء ہو گیا۔ اسلئے اس کا علاج اور علاج کے بعد ہمیشہ نفس کی نگہداشت ضروری ہے ورنہ بعض دفعہ ریاء ایسا بڑھ جاتا ہے کہ انسان مخلوق سے گزر کر خالق کے ساتھ ریاء کرنے لگتا ہے اور تمام عادات ذمیمہ کی یہی حالت ہے کہ جب ان کی جڑ جم جاتی ہے تو خالق کے ساتھ بھی ان عادات کو استعمال کرتا ہے۔ اس پر شاید سامعین کو تعجب ہوا ہو گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریاء کرنے کی کیا صورت ہے۔ سنئے مثلاً ایک شخص مختصر نماز پڑھ رہا تھا پھر اس وقت اس کا کوئی معتقد آ گیا تو اس نے نماز لمبی کر دی۔ یہ تو کھلی ریاء ہے جو ریاء مع الخلق ہے۔ پھر اس نے خلوت میں نماز پڑھی تو اب بھی نماز کو لمبی کرتا ہے اس خیال سے کہ مخلوق کے سامنے تو پھر بھی طویل ہی نماز پڑھنا ضروری ہے۔ سو کبھی حق تعالیٰ یہ نہ کہیں کہ مخلوق کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور میرے سامنے مختصر پڑھتا ہے تو یہ لمبی نماز خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے سامنے ریاء باقی رکھنے کے لئے ہے۔ یہ ریاء مع اللہ ہے۔ ایسے ہی تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا ہے۔ رونے کی سی صورت بنا کر گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آئی ہے۔

اس سے تصوف کا یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ مخلوق کے لئے عمل کرنا بھی ریاء ہے اور ترک کرنا بھی ریاء ہے مخلوق کے لئے کسی عبادت کو ترک کرنا تکبر تو ہے، جیسا کہ اوپر کی مثال میں گزرا ریاء اس لئے ہے کہ عین اشتغال بالعبادت کے وقت مخلوق پر اس کی نظر رہی اور اس کی نظر میں معظم رہنا چاہا۔

اخفاء میں ریاء

ایک فرع تو اس مسئلہ کی یہ تھی یہ تو کھلی ہوئی ہے ایک شعبہ ریاء کا اور ہے جو بہت دقیق ہے وہ یہ کہ محققین کے نزدیک عبادات کے اخفاء کا اہتمام کرنا بھی ریاء ہے۔ یہ شعبہ ایسا دقیق ہے کہ اہل ظاہر نے اس کو ریاء نہیں سمجھا مگر مبصرین طریق کے نزدیک یہ بھی ریاء ہے وہ کہتے ہیں کہ اخفاء عن الخلق کا اہتمام وہی کرے گا جس کی نظر مخلوق پر ہو اور جس کی نظر مخلوق سے اٹھ جائے اور اپنے سے بھی اٹھ جائے کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کام لے رہے ہیں۔ میں خود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اخفاء کا اہتمام نہ کرے گا۔ کیونکہ جب وہ مخلوق کو لاشیء محض سمجھتا ہے تو ان سے اخفاء کیوں کرے گا۔ اور جب اپنے عمل کو اپنا عمل ہی نہیں سمجھتا بلکہ فضل حق سمجھتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے اس پر عُجب کا اثر کیوں ہوگا۔ لیکن اس شعبہ کا ریاء ہونا پہلے شعبہ کے برابر نہیں پہلی صورت تو مطلقاً ریاء ہے اور دوسری صورت یعنی اخفاء عمل کبھی ریاء ہے اور کبھی ریاء نہیں مثلاً جس شخص کے لئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کر دیا ہو اس کے لئے اخفاء عمل ریاء نہیں یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اپنے لئے اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کے لئے بھی اخفاء عمل ریاء نہیں، مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہو جانے سے کوئی مبصر نہیں ہو سکتا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 15، ص19،18)

موت سے قوت روحانی میں اضافہ

شاید کوئی کہے کہ یہ ساری مستیاں موت سے پہلے ہی تھیں جب موت آئی ہو گی نانی یاد آگئی ہو گی تو حضرت یقین رکھئے کہ ان کو نہ نانی یاد آگئی نہ دادی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی یاد آئے اور اسی مستی کے ساتھ ان کو موت آئی۔ چنانچہ ایک نقشبندی بزرگ نے مرتے ہوئے وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے جنازہ کے ساتھ ایک شعر پڑھتا ہوا چلے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما — آفرین بر دست و بر بازوئے تو

آپ کے دربار میں مفلس ہو کر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں سے کچھ عنایت کیجئے۔ ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھایئے آپ کے دست و بازو پر آفرین ہے۔

چشتیہ کا مذاق تو جلنا مرنا ہے ہی ان کے یہاں تو اخفاء حالات ہے ہی نہیں مگر کبھی کبھی نقشبندی بھی اپنا جوش ظاہر کر دیتے ہیں کیونکہ محبت و عشق تو سب ہی میں ہے گو الوان (رنگ) مختلف ہیں۔ تو جس کو مرتے ہوئے نانی یاد آتی ہے

اس کو ایسی وصیتوں کی مستی نہیں سوجھا کرتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو موت کے وقت وہی انشراح وانبساط وجوش وخروش تھا جو زندگی میں تھا۔

اور واقعات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو موت کے بعد بھی یہ انبساط وجوش باقی رہتا ہے اور قاعدہ کے موافق ہونا بھی چاہئے کیونکہ موت سے قُویٰ باطنیہ ضعیف نہیں ہوتیں بلکہ قوت روحانی بڑھ جاتی ہے چنانچہ حضرت سلطان جی کے جنازہ کے ساتھ ایک مرید نے غلبہ حزن میں جو کہ انتقال کے وقت مریدوں پر طاری ہوتا ہے۔ یہ اشعار پڑھے۔

سر و سیمینا بصحرا می روی　　سخت بے مہری کہ بے ما می روی

اے تماشاگاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا می روی

اے محبوب آپ جنگل میں جارہے ہیں سخت بے مہری ہے کہ آپ بغیر ہمارے جارہے ہیں اے محبوب آپکا رخ انور جہاں کا تماشہ گاہ ہے آپ تماشہ کیلئے کہاں جارہے ہیں۔

اس نے جس وقت یہ اشعار پڑھے تو سلطان کے جنازہ پر وجدی کیفیت طاری ہوگئی اور ہاتھ کفن سے باہر نکل کر بلند ہوگیا پھر لوگوں نے اس مرید کو اشعار پڑھنے سے روکا کہ نہ معلوم کیا ہو جائے گا بس خاموش رہو۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ موت کے بعد بھی مطمئن رہتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 37)

شہرت اور خلوص

امام صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ یہ پانچ سو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں آپ اس کو سن کر رونے لگے اور اسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کر دیا۔ کیوں کہ جانتے تھے مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔

آج یہ حالت ہے کہ لوگ اپنی نسبت تقویٰ وطہارت کے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے تدابیر کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کلکتہ میں گیا اور اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے چند گرگے اس غرض کے لئے چھوڑ دیئے کہ اس کو مشہور کریں۔ بہر حال علم میں خواہ حال وقال میں، مگر کرنا سخت غلطی ہے۔ غرض جو حال یا سر ہے بدوں حصول سمجھ میں نہیں آتا اور جو سمجھ میں نہ آوے اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے نہ دوسرے کو بتلانا چاہئے تعلیم اسی چیز کی دینی چاہے کہ جس کی ضرورت ہے ورنہ مجلس گرم کرنے کے لئے بے ضرورت باتیں یا محتمل الضرر مسائل کو ہرگز بیان نہ کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدر کے بارہ میں گفتگو کرنے کی ممانعت سے سبق لینا چاہیے۔ دیکھو بچے کے سامنے کتنے ہی نفیس کھانے ہوں لیکن جب کافی مقدار پیٹ میں جاتی ہے تو شفیق ماں کھانے سے روک دیتی ہے بچہ

ضد کرتا ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ اسکی نظر مصلحت اور فائدہ پر ہوتی ہے اسی طرح ہم کو چاہئے کہ جن امور کو ہمارے لئے غیر ضروری یا مضر قرار دیا ہے۔ ان کے در پے ہم نہ ہوں اور اپنا مذہب یہ رکھیں۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ آنچہ ساقی ماریختہ عین الطاف است

(تلچھٹ ہو کہ صاف شراب تمہیں مجال نہیں کہ بچالو ساقی نے جو کچھ دیا ہے وہ عین الطاف ہے)

(خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 124،123)

نعمتِ عقل

دوسرے عام لوگ مستی کو بھی بڑی چیز سمجھتے ہیں لیکن اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو یہ کوئی چیز بھی نہیں کیونکہ مستی نام ہے عقل کے مغلوب ہو جانے کا۔ اور یہ کوئی محمود شے نہیں۔ ایک فقیر سے میرے سامنے کسی نے سوال کیا کہ مجذوب افضل ہے یا سالک تو اس نے جواب دیا کہ عقل کے مغلوب ہو جانے کی خرابی کی وجہ سے حق تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا تو معلوم ہوا کہ عقل کا مغلوب ہونا اتنی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شراب اتنی پلید اور ناپاک ہو گئی تو اب تم فیصلہ خود کر لو گے افضل مجذوب ہے یا سالک۔ ظاہر ہے کہ جس کی عقل غالب ہو وہ ہی افضل ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے عمر! جب دو فرشتے منکر نکیر قبر میں کڑکتے و گرجتے آویں گے تو کیا حال ہو گا۔ آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت ہم کو عقل بھی ہو گی یا نہیں۔ فرمایا تم اس وقت دنیا سے بھی زیادہ عاقل ہو گے تو اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر خوف نہیں، کسی نے خوب کہا۔

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست   گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

(اگر نکیر آئیں اور دریافت کریں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو جواب دوں گا وہ ہے جس نے ہمارے اس دل دیوانہ کو چھین لیا ہے) حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی حکایت ہے کہ کسی کو مکشوف ہوا کہ جب آپ کی وفات ہوئی اور قبر میں مدفون ہوئیں تو فرشتوں نے پوچھا کہ من ربک (تیرا رب کون ہے) آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں دو گز ہی زمین کے نیچے آئی ہوں۔ کیا اتنی دیر میں اپنے خدا کو بھول جاؤں گی۔ غرض عقل بڑی بھاری نعمت ہے تو مستی اور سکر وغیرہ کوئی کمال نہیں۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کو ایسا وجد جس میں کود پھاند ہو اور عقل مغلوب ہو جائے نہ ہوتا تھا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 154،153)

شاہ ابو سعیدؒ کی تربیت

نقشبندیہ کا مذاق یہ ہے کہ وہ پہلے ہی دن ذکر کی تلقین کر کے تخم ریزی شروع کر دیتے ہیں۔ اور چشتیہ اول ازالہ رذائل کا کام شروع کر کے ناک چنے چبواتے ہیں مگر چبواتے نہیں۔ بلکہ چبواتے تھے۔ کیونکہ اب تو وہ بھی طالب علموں کی ضعف ہمت کی وجہ سے نقشبندیہ کے طریق پر عمل کرنے لگے ورنہ پہلے یہ حالت تھی کہ حضرت ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب طلب طریق سلطان نظام الدین بلخی رحمہ اللہ کی خدمت میں پاپیادہ گنگوہ سے بلخ پہنچے اور حضرت شیخ کو اطلاع ہوئی تو اول تو بڑی خاطر کی۔ شہر کے باہر تک استقبال کو تشریف لائے اور ساتھ میں سلطان بلخ بھی تھا۔ کیونکہ وہ شیخ کا معتقد تھا۔ غرض مرشد زادہ کا بڑی شان سے استقبال کیا۔ اور شہر میں لے جا کر خوب خدمت کی۔ اور کئی روز تک بادشاہ اور وزراء و امراء کے یہاں ان کی دعوتیں ہوتی رہیں۔ جب کئی دن ہو گئے تو شاہ ابو سعید صاحب رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت میں گنگوہ سے کئی میل تک پیادہ چل کر دعوتوں کے لئے نہیں آیا۔ فرمایا صاحبزادے پھر جو خاص مطلب ہو وہ بیان فرمائیے۔ کہا میں تو وہ دولت لینے آیا ہوں۔ جو آپ میرے گھر سے لائے ہیں۔ بس یہ سنتے ہی شیخ کا رنگ بدل گیا۔ اور بزبان حال فرمایا۔

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست   عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

ناز نعمت میں پڑا ہوا دوست تک نہیں پہنچ سکتا۔ عاشقی تو رندان جفاکش ہی کا حصہ ہے۔

فرمایا صاحبزادے اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان و شوکت رخصت کرو۔ اور آج سے عوام کی خدمت تمہارے سپرد ہے۔ جا کر حمام جھونکو اور نقیب خانقاہ سے فرما دیا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح و شام دے دیا کرو اور فرمایا کہ جب تک ہم اجازت نہ دیں اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آؤ، ذکر بتلایا نہ شغل۔ پس نماز روزہ کرتے اور حمام جھونکتے رہو۔ اسی حالت میں ایک عرصہ گزر گیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھنگن سے فرمایا کہ آج کوڑا ابو سعید کے سر پر ڈال دینا بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شاہ ابو سعید نے غصہ سے فرمایا کہ گنگوہ نہ ہوا جو آج تجھے حقیقت معلوم ہو جاتی بھنگن نے عرض کر دیا کہ ابو سعید نے یہ کہا تھا۔ فرمایا ارے ابھی تو خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے۔ گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی ابھی اور حمام جھونکیں۔ چنانچہ اور عرصہ گزر گیا۔ پھر دوبارہ بھنگن کو وہی حکم دیا۔ چنانچہ اس نے پھر ایسا ہی کیا، اس دفعہ شاہ ابو سعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر تیز نظروں سے گھور کر دیکھا۔ شیخ نے یہ حال سن کر فرمایا کہ ابھی کسر باقی ہے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک اور یہی خدمت جاری رکھی اس کے بعد پھر وہی حکم دیا اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ اس وقت شاہ ابو سعید کا نفس بالکل مل دل گیا تھا۔ کوڑا جو گر گیا تھا۔ اپنے اوپر ڈالنے لگے بھنگن نے جا کر شیخ سے یہ حال

عرض کیا تو فرمایا الحمد للہ اول قدم تو طے ہوا۔ واقعی یہ تکبر راستہ میں حائل ہے۔ نکل جائے تو پھر بہت جلد طریق طے ہو جاتا ہے۔ عارف فرماتے ہیں۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حال نیست　　　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں بر خیز

(اللہ اور بندے کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ تو اپنے حجاب خودی کو اے حافظ درمیان سے اٹھادے۔)

مگر یہ تکبر بڑی مشکل سے نکلتا ہے چنانچہ اس ریاضت شاقہ کے بعد اب شاہ ابو سعید کو اتنی اجازت ملی کہ شیخ کی مجلس میں آجایا کریں اور باتیں سنا کریں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ذکر تعلیم کیا گیا گویا اب وصل کی تدبیر شروع ہوئی۔ ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات و کیفیات طاری ہوئیں تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابو سعید میں عُجب پیدا ہو گیا ہے تو فوراً سب ذکر و شغل چھوڑ دیا، اور کتوں کی خدمت سپرد کی وہ شکاری کتے تھے ایک دن شاہ ابو سعید ان کو جنگل ٹہلانے کو لے جا رہے تھے کہ راستے میں کوئی شکار کتوں کو نظر آیا۔ شکار کو دیکھ کر وہ تو ہوا ہو گئے۔ شاہ ابو سعید بھی کچھ دور تک زنجیر کو تھامے ہوئے ان کے ساتھ دوڑتے رہے۔ آخر کہاں تک دوڑتے تھک گئے اور وہ شکاری کتے مضبوط اور قوی ان کے قابو سے باہر ہو گئے۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ زنجیر میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور کتے چھوٹ کر بھاگ جائیں تو شیخ کا عتاب ہوگا۔ آپ نے زنجیر کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور کچھ دور تک اسی طرح دوڑے آخر کو تھک کر گر گئے۔ اب حال ہے کہ کتے بھاگے جا رہے ہیں اور یہ ساتھ ساتھ گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کہیں ڈھیلوں میں سر لگتا ہے کہیں کانٹوں سے بدن زخمی ہوتا ہے۔

اسی حالت میں ان پر غیبی فضل ہوا کہ ایک تجلی خاص ان کے اوپر ہوئی جس کی لذت نے تمام تکلیف کو بھلا دیا۔ ادھر حضرت شیخ کو یہ حالت منکشف ہوئی اور انہوں نے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ابو سعید پر فضل ہو گیا۔ اور ایک خاص تجلی سے حق تعالیٰ نے ان کو مشرف فرما دیا۔ جاؤ جنگل سے ان کو اٹھا لاؤ، خدام تو ادھر دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ پر شیخ الشیوخ حضرت شاہ عبد القدوس قدس اللہ سرہ کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا نظام الدین تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہ لی تھی۔ یہ ایک محبت آمیز عتاب تھا۔ جس سے سلطان نظام الدین کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ اب جو شاہ ابو سعید سامنے آئے ہیں تو سلطان نے ان کو محبت سے سینے سے لگایا اور پھر ذکر و شغل میں لگا دیا۔ اور اسی طرح خاطر مدارت ہونے لگی۔ شاہ ابو سعید کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق تھا۔ کہ وہی تجلی پھر ہو۔ روزانہ ذکر کر کے اس کے مشتاق رہتے تھے جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایک دن حبسِ دم کر کے بیٹھ گئے۔ اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک وہ تجلی نہ ہوگی سانس نہ چھوڑوں گا، چاہے دم نکل جائے کیونکہ ایسی زندگی سے مر جانا ہی اچھا ہے۔ اس طریق میں بھی کیا کیا حالتیں پیش آتی ہیں جس پر گزرتی ہے وہی جانتا

ہے۔ چنانچہ کئی گھنٹے تک سانس روکے بیٹھے رہے بالآخر وہ تجلی شروع ہوئی اور اس کی مسرت میں سانس اس زور سے چھوٹا کہ پسلی پر ضرب پڑی اور ٹوٹ گئی، اس وقت غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں چمچہ میں کوئی دوائی تھی وہ ان کے منہ میں لگادی گئی۔ اس کے کھاتے ہی پسلی فوراً جڑ گئی وہی حالت غیر ہو گئی کہ۔

دردم نہفتہ زطبیبان مدعی باشد کہ از خانہ غیبش دوا کند

خود ساختہ اطباء سے اپنے درد کو چھپائے ہوئے ہوں اس امید پر کہ وہ اپنے خزانہ غیبی میں سے میری دوا کریں۔

اور اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ چوزہ کا شوربا چند روز تک پینا۔ انہوں نے حالت فرو ہونے کے بعد یہ قصہ شیخ سے عرض کیا، شیخ نے فوراً چوزوں کا انتظام کر دیا، اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے۔ اب حق تعالیٰ کی طرف سے خود حکم ہوتا ہے کہ عمدہ عمدہ غذائیں کھاؤ اور پہلے وہ مشقت تھی کہ حمام جھونکو، جو کی روٹی کھاؤ، اس کے بعد خلافت عطا ہوئی اور کامل بن کر گنگوہ آئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 211،210،209)

اخفاء کاملین

دوسرا راز نعماء کے استعمال میں یہ ہے کہ اس سے شہرت نہیں ہوتی۔ جب لوگ اس کو لذائذ و نعم کھاتے ہوئے دیکھیں گے یوں کہیں گے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو عمدہ کھانے کھاتے ہیں تو اس سے ایک گونہ حالت کا اخفاء رہتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ کاملین اخفاء کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرتے کیونکہ اس اہتمام اخفاء سے بھی شہرت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جنگل میں جا کر بیٹھو تو میلہ لگ جائے گا۔ چلہ کشی کرو اور عزلت اختیار کرو، تو مخلوق کا ہجوم ہو جائے گا۔ اس لئے اخفاء کا زیادہ اہتمام بھی طلب شہرت میں داخل ہے۔ صائب کہتا ہے

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

(اگر تم کو شہرت کی تمنا ہے تو گوشہ تنہائی کے دام میں اسیر ہو جاؤ کیونکہ گوشہ گیری کی وجہ سے نام عنقا ہو گیا)

اس لئے کاملین ایسا اخفاء بھی نہیں کرتے جس سے شہرت ہو کیونکہ اصل چیز بچنے کی یہی شہرت ہے جو ایک بلاء ہے جس کی بابت مولانا فرماتے ہیں۔

تن قفس شکل است اماخار جاں از فریب داخلاں وخار جہاں

انیش گوید نے منم ہمراز آتش گوید نے منم انباز نو

اوچو بیند خلق راسر مست خویش از تکبر می رود از دستِ خویش

(تن قفس کے مثل ہے اسی وجہ سے وہ جان اور روح کیلئے مثل خار کے ہو رہا ہے ایک اس کو کہہ رہا ہے میں آپ کا ہمراز ہوں دوسرا کہتا ہے نہیں صاحب میں آپ کا شریک حال ہوں وہ شخص بے چارہ جب ایک مخلوق کو اپنا سر مست اور عاشق دیکھتا ہے بس تکبر کی وجہ سے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے)

آگے شہرت سے بچنے کا امر فرماتے ہیں ؎

خویش را رنجور سازو زار زار　　تا ترا بیرون کنند از اشتہار

اشتہار خلق بند محکم است　　بند ایں از بند آہن کے کم است

(اپنے آپ کو رنجور اور گمنام رکھو تا کہ لوگ تم کو شہرت سے باز رکھیں مخلوق کی شہرت اللہ اور ان کے بندہ کے درمیان مضبوط بند ہے یہ بند لوہے کی بند سے کیا کم ہے)

آگے فرماتے ہیں کہ شہرت سے بعض معاصرین کو حسد بھی ہو جاتا ہے۔

چشمہا و خشمہا در شکمہا　　بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

(غصے اور آنکھیں اور اشک تیرے سر سے اس طرح ٹپکتے ہیں جس طرح مشکوں سے پانی ٹپکتا ہے)

مگر یہ شہرت مذمومہ وہ ہے جو طلب سے حاصل کی جائے اور جو بدوں طلب بلکہ باوجود طلب عدم کے حاصل ہو وہ بلا نہیں ہے۔ حق تعالیٰ اس میں اعانت فرماتے ہیں اور غوائل سے محفوظ رکھتے ہیں بہر حال کاملین اعتدال کے ساتھ اپنی حالت کا اخفاء کرتے ہیں۔ اس لئے بھی نعمتیں کھاتے ہیں۔

حضرت غوث اعظمؒ کا قصہ ہے کہ ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو آپ کے حوالہ کیا کہ اس کو اپنی خدمت میں رکھئے وہ یہ سمجھی ہوگی کہ حضرت کے یہاں ہدایا بہت آتے ہیں۔ میرا لڑکا کھا کھا کر خوب تیار ہو جائے گا۔ مگر چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ تو پہلے سے بھی زیادہ دبلا تھا اور معلوم ہوا کہ اس کو جو کی دو روٹیاں صبح و شام ملتی ہیں۔ پہلے تو اس کو خیال ہوا کہ شاید حضرت کے یہاں آج کل فتوحات کم ہو گئی ہوں گی۔ اس لئے میرے بیٹے کو عمدہ غذائیں نہیں ملیں۔ مگر جب وہ حضرت کے پاس آئی تو دیکھا کہ آپ مرغ کھا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جھلا ہی تو گئی اور کہا حضرت یہ کیا مروت ہے کہ آپ تو مرغ کھائیں۔ اور میرے بیٹے کو جو کی روٹیاں دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تیرا بیٹا ابھی مرغ کھانے کے قابل نہیں ہوا۔ اس نے کہا کیوں کیا میرے بیٹے کو کھانا نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جا۔ ابھی بتلاتا ہوں جب آپ کھانا کھا چکے تو مرغ کی ہڈیوں کو جمع کر کے فرمایا۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ قدرت خداوندی سے اسی وقت وہ زندہ ہو گیا اور پر جھاڑ کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ بھی مرغ کھایا کرے گا۔ یہ جواب تو آپ نے بڑھیا کی عقل کے موافق دیا۔

كَلِّمُوا النَّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُولِهِمْ. (لوگوں سے انکی عقل کے مطابق کلام کرو) کے قاعدے پر۔
(خطبات حکیم الامت۔ جلد 15، صفحہ 242،241)

احمد جامؒ کے پاس ایک مرد عورت اپنے لڑکے کو لائے

جیسا کہ غالباً احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ان کی خدمت میں ایک مرد عورت اپنے لڑکے کو لائے جو کہ اندھا تھا اور آ کر عرض کیا حضرت ہمارے یہی ایک لڑکا ہے جو قسمت سے اندھا ہے، اس کو سوانکھا کر دیجئے، آپ نے فرمایا کیا میں عیسیٰ ہوں جو اندھوں کو سوانکھا کر دوں وہ بے چارے چپکے ہی لوٹ چلے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آپ نے فرمایا مَا کُنِیم ما کنیم اور ان کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ خدام نے ان کو واپس بلایا۔ آپ نے لڑکے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی فوراً بینا ہو گیا۔ بعد میں خدام نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی کہ آپ نے اول تو انکار کیا اور فرمایا کہ کیا میں عیسیٰ ہوں۔ اور بعد میں اتنا بڑا دعویٰ کیا کہ ما کنیم ما کنیم فرمایا کہ ماکنیم میں نے نہیں کہا تھا بات یہ ہے کہ جب میں نے یہ کہا کہ میں کیا عیسیٰ ہوں تو حق تعالیٰ نے عتاب فرمایا کہ سبحان اللہ کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کو مؤثر سمجھتے ہیں بلکہ اس وقت بھی ہم ہی کرتے تھے اور ہم اب بھی موجود ہیں۔ پس ما کنیم ما کنیم دراصل حق تعالیٰ کا کلام تھا جو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا۔ اسی طرح حضرت غوث اعظمؒ سے جو بعض دعوے منقول ہیں۔ وہ سب بامرِ حق تھے یہ باتیں ان کی زبان سے حق تعالیٰ کے حکم سے نکلی ہیں وہ خود نہیں کہہ رہے تھے اسی لئے وہ فرماتے ہیں۔

شکر للہ کہ نمردیم ورسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفریں)

جب سالک تعلق بالحق کے سبب اپنے اعضاء اور اپنی ذات کو خدا کا سمجھنے لگتا ہے۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا کیوں نہ سمجھیں گے۔ یہ معنی ہیں آپ کے غیر حق نہ ہونے کے اور اسی درجہ میں نفس کی حفاظت بھی مطلوب ہو گی کیونکہ وہ نفس من حیث ہی نفس کی حفاظت نہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے کہ وہ خدا کی چیز ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا امر فرمایا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 251)

وسعت رحمت

ناامیدی مانع عطاء ہے مگر خدائے تعالیٰ کے یہاں وہ بھی مانع نہیں۔ بلکہ ناامیدی کے بعد بھی فضل فرماتے ہیں۔
دوسرا مقدمہ یہ کہ خدائے تعالیٰ کو خفایا کی اطلاع مثل ظواہر کے ہے۔ فالقلب عندہ للسان ان کے نزدیک دل کی بات ایسی ہے جیسے زبان سے کہی ہوئی۔ اس لئے قلب کی ناامیدی مانع ہونی چاہئے تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کے ہاں بالکل مانع

نہیں اور یہ واقعی ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ ایسا ہی ہے کہ وہ باوجود موانع کے بھی فضل فرماتے رہے ہیں۔

غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ روز مرہ ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کچھ بارش ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ ایک بزرگ کے الہاموں میں سے ایک الہام یہ بھی ہے کہ رزق میرا ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص پانچوں وقت نماز کے بعد دعا کرے کہ اَللّٰھُمَّ لا تَرْزُقْنِی یعنی اے اللہ! مجھے رزق مت دیجو، تب بھی میں رزق نہ بند کروں تو مانگنے پر کیوں نہ دوں گا۔ اب خیال کیجئے کہ ہمارا یہ گمان کتنا غلط ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے ناامید ہوں غرض کہ جو کچھ کمی ہے ہماری طرف سے ... ادھر سے کوئی دریغ نہیں ہے۔

مومن کو جہنم میں نیند آجائے گی

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جہنم میں مکث طویل کا ادنیٰ درجہ سات ہزار برس ہیں۔ حضرت جہنم کے اندر تو سات دن بھی کوئی عذاب کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر میں مسلمانوں کو بشارت دیتا ہوں کہ ان کو عذاب جہنم کا احساس کفار سے بہت کم ہوگا۔ جس کی حقیقت مسلم کی ایک حدیث میں ان لفظوں سے بیان کی گئی ہے۔ اماته الله فیها اماتة کہ حق تعالیٰ ان کو جہنم میں ایک قسم کی موت دیدیں گے۔ حدیث میں تو اتنا ہی ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ مومنین کو جہنم میں ایک مدت کے لئے ہلکی سی نیند آجائے گی۔ حدیث النوم اخوالموت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ نیز اس سے بھی کہ اماته الله فیها اماتة کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ حقیقی موت تو مراد نہیں۔ ورنہ اماتة بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ صرف اماتهم کافی تھا یہ طرز کلام بتلا رہا ہے کہ خاص قسم کی مراد ہے جو موت کے مشابہ ہے حقیقی موت مراد نہیں واللہ اعلم

شیخ عربیؒ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نیند کی حالت میں وہ یوں خواب دیکھے گا کہ میں جنت میں ہوں اور خود اس کے پاس ہوں۔ یہ بات کہنے کی تو نہ تھی کہیں مسلمان بے فکر نہ ہو جائیں۔ کہ بس جہنم میں جا کر مزے سے سوئیں گے! ہاں کبھی جاگو گے تو ہو ہی نہیں سکتا اگر تھوڑی دیر کو بھی جاگ گئے تو نانی یاد آجائے گی۔ غرض کہ یہ مآل ہے خودکشی کا۔ مگر اس کو انسان سوچتا نہیں ہے۔ اس لئے خودکشی کو حالت موجودہ سے بہتر سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔ پس ہر شخص اپنے نزدیک خیر ہی کا طالب ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 357)

تمام مال و جائید اد وقف نہ کیا جائے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق اس باغ کو حضرت حسانؓ اور ابی بن کعبؓ کے درمیان تقسیم کردیا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ ان کے قریب تھے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان دونوں سے زیادہ قریب تھا مگر مجھے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ ان روایتوں میں بظاہر تعارض ہے مگر محدثین نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ حضرت انسؓ باعتبار خدمت واختلاط کے قریب تھے۔ کیونکہ ہر وقت ایک ہی گھر میں ان کے پاس رہتے تھے۔ اور حضرت حسانؓ و ابی بن کعبؓ باعتبار نسب کے قریب تھے۔ سبحان اللہ خوب تطبیق ہے اور یہ بھی ایک عظیم الشان فن ہے جو اللہ تعالیٰ نے محدثین وفقہاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جس کی بنیاد محض تخلیل وتاویل ہی پر نہیں جیسا بعض نادانوں کا خیال ہے بلکہ وہ واقعی طور پر تطبیق دیتے ہیں اور اس کی ضرورت ہے۔ بدون اس کے چارہ نہیں کیونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ صادقین میں تعارض نہیں ہوسکتا۔ تو جب دو حدیثیں سند صحیح کے ساتھ مروی ہوں اور دونوں میں تعارض ہو تو رفع تعارض لازم ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 15، ص363)

ردّی مال اللہ کے نام پر دینا

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ردّی چیز اللہ کے نام پر صدقہ نہ کرنا چاہے اس سے بِر حاصل نہ ہوگا۔ جیسے آج کل عادت ہے کہ خدا کے نام کی وہی چیز نکالی جاتی ہے جو سب سے ردی ہو۔ جیسا ہمارے ماموں صاحب نے ایک حکایت بیان کی تھی کہ ایک شخص کے یہاں کھیر پکی تھی، کھیر کی ایک رکابی میں کتے نے منہ ڈال دیا تو اس کی بیوی نے اسی مٹی کی رکابی میں اس کو لوٹ دیا اور بچہ سے کہا کہ مسجد کے مُلا کو دے آ، وہ میاں جی کے پاس لایا۔ میاں جی نے مہینوں میں کھیر کی صورت نہ دیکھی تھی فوراً ہاتھ مارنے لگے اور اسی طرف سے کھانا شروع کیا جدھر کتے نے منہ ڈالا تھا۔ لڑکے نے کہا میاں جی ادھر سے مت کھاؤ ادھر کتے نے منہ ڈال دیا تھا۔ میاں جی کو غصہ آیا اور رکابی دور پھینک کر ماری۔ لڑکا رونے لگا، ہے روتا کیوں ہے ایک تو مجھے کتے کے منہ ڈالی ہوئی کھیر کھلائی اوپر سے روتا ہے۔ بچے نے کہا کہ تم نے رکابی توڑ دی۔ میری ماں مجھے مارے گی۔ کہا مٹی ہی کی تو رکابی تھی کہنے لگا کہ میری ماں میرے بھائی کا گو اس میں اُٹھاتی تھی اب وہ مجھے مارے گی۔ اب تو ملا جی کو قے ہونے گی کہ ظرف ومظروف دونوں ہی نور بھرے تھے تو ایسا انفاق تو حرام ہے اس سے بر کامل ہرگز حاصل نہ ہوگا بلکہ اللہ کے نام پر اچھی چیز کو خرچ کرو جو پیاری ہو۔

ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب سے زیادہ پیاری ہو سو پیارا تو ایک پیسہ بھی ہے مجھے خود اپنی حالت معلوم ہے کہ ایک پیسہ ضائع ہو جاتا ہے تو دو چار منٹ تک مجھے تردد ہوتا ہے اور اس کے ضائع ہونے کا قلق بھی ہوتا ہے تو ایک پیسہ کا

خرچ کرنا بھی انفاق مما تحبون میں داخل ہے بس اس کا لحاظ انفاق میں ضروری ہے کہ جو چیز خرچ کرو وہ تم کو محبوب ہو گو کسی دوسرے دولت مند کے نزدیک وہ غیر محبوب ہو کیونکہ حق تعالٰی فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ

(اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور ردی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو۔ (پارہ ۳۔ رکوع نمبر ۵)

کہ اپنی کمائی میں سے پاکیزہ کو خرچ کرو اور اس میں سے خبیث کا قصد نہ کرو۔ بس ہر شخص اپنی کمائی میں سے پاکیزہ کو خرچ کرے گو وہ کسی نواب اور بادشاہ کے نزدیک خبیث ہی ہو مگر تمہارے نزدیک خبیث نہ ہونا چاہئے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 15، ص 382)

سولہویں جلد کے جواہر

قاضی یحیی بن اکثمؒ محدث کا واقعہ

قاضی یحیی بن اکثمؒ محدث کی حکایت یاد آگئی ہے کہ جب ان کا انتقال ہو گیا اور ان کی روح کو حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کیا گیا تو ان سے سوالات شروع ہوئے یہ کسی بات کا جواب نہیں دیتے اور ہکا بکا خاموش کھڑے ہیں ادھر سختی کے ساتھ حکم ہوا کہ بڈھے بولتا کیوں نہیں تو آپ نے حدیث بیان کرنی شروع کی۔ حدثنا فلان عن فلان عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ان الله يستحيي من ذي الشيبة المسلم ہم سے فلاں نے اور ان سے فلاں نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بڈھے مسلمان سے حیا فرماتے ہیں تو میں اس وقت اس لئے خاموش ہوں کہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں اس حدیث کیخلاف میرے ساتھ معاملہ کیوں ہو رہا ہے کیا اس حدیث کے راوی ثقہ نہیں یا کیا بات ہے وہاں سے ارشاد ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ سچے ہیں۔ اور تمہارے راوی بھی سب ثقہ، جاؤ آج ہم تم کو اسی حدیث کی وجہ سے بخشتے ہیں اور بڈھا سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 65)

تراویح میں اجتہاد

ایک شخص دہلی کے نئے مجتہدین سے آٹھ تراویح سن کر مولانا شیخ محمد صاحب کے پاس آئے تھے اور انہیں تردد تھا کہ آٹھ ہیں یا بیس۔ یہ نئے مجتہد اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہیں کیوں صاحب حدیث میں بیس بھی تو آئی ہیں ان پر کیوں نہ عمل کیا کہ ان کے ضمن میں آٹھ پر بھی عمل ہو جاتا۔ بات کیا ہے نفس کو سہولت تو آٹھ ہی میں ہے۔ بیس کیونکر پڑھیں اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے کرتے ہیں اور شاذ اور ضعیف احادیث کو بھی سہارا بنا لیتے ہیں۔ قاری عبدالرحمان صاحب ان کے غلاۃ (غلو کرنے والے) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بے شک عامل بالحدیث ہیں لیکن الف لام الحدیث میں عوض مضاف الیہ کے ہے اور وہ مضاف الیہ نفس ہے یعنی عامل بحدیث النفس تو واقعی یہ لوگ حدیث نفس کے عامل ہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل نہیں یہ لوگ اپنے نفس کے موافق احادیث تلاش کیا کرتے ہیں جیسے کسی کی حکایت مشہور ہے کہ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں قرآن کا کون سا حکم سب سے زیادہ پسند ہے کہا رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ (اے رب ہم پر آسمان سے مائدہ یعنی دستر خوان نازل فرما) تو اسی طرح انہوں نے بھی تراویح کی تمام احادیث میں سے صرف آٹھ رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ

بارہ بھی آئی ہیں اور وتر کی تمام احادیث میں سے ایک رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ تین رکعتیں بھی آئی ہیں پانچ بھی آئی ہیں سات بھی آئی ہیں خیر تو وہ بیچارے ان کے بہکانے سے تردد میں پڑ گئے تھے۔ مولانا سے پوچھا مولانا نے فرمایا کہ بھئی سنو! اگر محکمہ مال سے اطلاع آئے کہ مال گزاری داخل کرو اور تمہیں معلوم نہ ہو کتنی ہے تم نے ایک نمبر دار سے پوچھا کہ میرے ذمے کتنی مال گزاری ہے اس نے کہا آٹھ روپے پھر تم نے دوسرے نمبر دار سے پوچھا اس نے کہا بارہ روپے اس سے تردد بڑھا تم نے تیسرے سے پوچھا اس نے کہا بیس روپے تو اب بتاؤ تمہیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا صاحب بیس روپے لے کر جانا چاہیے اگر اتنی ہوئی تو کسی سے مانگنا نہ پڑے گی اور اگر کم ہوئی تو رقم بچ رہے گی اور اگر بیس سے کم لے گیا اور وہاں ہوئی زیادہ تو کس سے مانگتا پھروں گا۔ مولانا نے فرمایا بس خوب سمجھ لو اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے پاس آٹھ تو کہاں سے لا کر دو گے۔ اگر بیس ہیں اور طلب کم کی ہیں تو بچ رہیں گی اور تمہارے کام آئیں گی کہنے لگے ٹھیک ہے سمجھ میں آگیا اب میں ہمیشہ بیس رکعتیں پڑھا کروں گا۔ بس بالکل تسلی ہوگئی۔ سبحان اللہ کیا طرز ہے سمجھانے کا۔ حقیقت میں یہ لوگ حکمائے امت ہوتے ہیں۔

ایک اور عام شخص نے مولانا سے پوچھا تھا کہا ولا الضالین ہے یا و لا الظالین پوچھا قرآن میں لکھا کیا ہے۔ اس نے کہا قرآن میں تو ولا الضالین لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا بس جو قرآن میں لکھا ہے وہی ٹھیک ہے۔ واقعی ایسے عامی کو اس سے زیادہ سمجھانے کا اس سے بہتر کیا طریقہ ہوگا۔

بہر حال تراویح میں اختصار ان لوگوں نے کیا ہے جو پہلے سے نمازی ہیں افسوس ہے اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ کہتے ہیں جماعت تو سنت موکدہ علی الکفایہ ہے بس محلہ کے تیلی جولا ہے پڑھ لیں گے ہم پر سے بھی ادا ہو جائے گی۔ کیا ظلم وستم ہے تم خدا کے ساتھ قانون بگھارتے ہو۔ اگر خدا تعالیٰ عطاء کے وقت بھی قانون برتیں کہ جس طرح تم ارکان ضروری ادا کرتے ہو وہ بھی ضرورت کے موافق دیدیا کریں تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔ مثلاً ایک دن تمہیں آدھ سیر اناج سے زیادہ نہ دیں یا ایک لوٹے پانی سے زیادہ نہ دیں تو تم کیا کرو گے بلکہ وہ تو اتنا بھی نہ دیں تو تم کیا کرلو کیونکہ ان پر کسی کا دینا واجب تو ہے نہیں محض اپنے فضل ورحمت واحسان سے دیتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 80)

ایک زانی کے غسل کا پانی

ایک زانی کی حکایت ہے کہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا اس کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا۔ ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا اس پانی کو دیکھ کر کہا اس میں زنا بہہ رہا ہے۔ پوچھا حضرت آپ کو کیونکر معلوم ہوا فرمایا کوئی زانی غسل کر رہا ہے۔ مجھے پانی کے ہر ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔ تو حضرت تمام اعمال کے آثار اس میں پیدا ہو جاتے ہیں تو

جو صورت صلوتیہ پہلی ہیں وہ سب اس شخص کے اندر موجود ہیں تو یہ صلوۃ جس میں نفخ ہوا روح کا اسی سے سب میں روح پھیل جائے گی۔ دیکھو جس وقت ایک آئینہ پر روشنی کا عکس پڑتا ہے تو وہ اپنے پاس کے آئینوں کو بھی روشن کر دیتا ہے بشر طیکہ کوئی مانع نہ ہو جو صورت ایک آئینہ کے اندر آتی ہے سب میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر پہلی نمازوں میں قابلیت ہے تو بھی ایک روح ان میں بھی پہنچ جائے گی کما قیل۔

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ

(ایک سورج ہزاروں شیشوں میں چمکتا ہے)

اس واسطے میں کہتا ہوں کہ صورت کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے مگر صرف صورت ہی پر قناعت نہ کرو اس کی بھی کوشش کرو کہ روح کو اس سے متعلق کر دو اور وہ روح کیا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ' (اور میری یاد کے واسطے نماز کو قائم رکھو) نماز حق تعالیٰ کا ذکر ہے اب اپنی اپنی نماز کو دیکھنا چاہیے کہ ہے بھی ذکر۔

(خطبات حکیم الامت جلد16، ص102)

امام غزالیؒ کی والدہ کی ڈانٹ

امام غزالیؒ کے ایک بھائی صاحب کشف تھے۔ وہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ امام غزالیؒ نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی والدہ نے انہیں ساتھ پڑھنے کی تاکید کی۔ خیر انہوں نے امام غزالی کی اقتداء کی اتفاقاً نماز میں انہیں یہ خیال آیا کہ کتاب الحیض کا ایک مسئلہ لکھنے سے رہ گیا بس جھٹ سے نیت توڑ کر الگ ہو گئے۔ امام غزالیؒ نے پھر اس واقعہ کی اپنی والدہ سے شکایت کی والدہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جس کا قلب خون حیض میں آلودہ ہے۔ انہوں نے کہا تم نے خدا کی طرف سے توجہ چھوڑ کر ان کے قلب کی طرف توجہ کیوں کی اگر ان کا قلب خون حیض سے آلودہ ہے تو تمہارا قلب بھی تو اس قلب خون آلودہ سے آلودہ ہے تم کیا منہ لے کر اعتراض کرتے ہو۔ خیر یہ حکایت اس پر یاد آ گئی کہ ایک وہ قلوب تھے کہ فقہ کے خیال کو بھی ذکر حقیقی کے سامنے پسند نہیں کیا۔ ایک ہمارے قلوب ہیں کہ نماز کا بھی خیال نہیں اور وہ صاحب حال تھے ورنہ نماز میں دین کا خیال آنا یہ نماز کے منافی نہیں۔ ہماری نماز میں تو کہیں دوکان کا خیال ہے کہیں مکان کا خیال ہے سوذکر کا بھی ذکر نہیں باقی اول درجہ تو وہی تھا کہ ذکر بھی ذکر نہ ہو فقط مذکور ہی کا ذکر ہو۔

(خطبات حکیم الامت جلد16، ص104،105)

جنت کے عرض کرنے پر اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر کے جنت بھر دے گا

حدیث شریف میں ہے کہ جنت جب خالی رہ جائے گی تو حق تعالیٰ سے عرض کرے گی کہ آپ نے مجھے بھرنے کا وعدہ کیا تھا۔ حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اسی وقت ایک مخلوق پیدا کر کے اس سے جنت کو بھر دے گا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے اس قوم کو جنت کا اتنا مزہ نہیں آئے گا جتنا ہمیں آئے گا۔ کیونکہ انہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی اور ہم دنیا کی مصیبتیں جھیل چلیں گے۔ اس لئے ہمیں اس راحت کی پوری پوری قدر ہو گی۔ سچ ہے لذت انگور میوہ داند نہ خداوند میوہ (انگور کی لذت میوہ جانتا ہے نہ مالک میوہ) مولانا فیض الحسن صاحب کو دہلی کے ایک شاہزادہ نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھلایا۔ اس کے بعد مولانا سے داد چاہی۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کے کھانے سے کیونکر اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسا ہے ممکن ہے کہ اپنی نوع کے لحاظ سے اچھا ہو، ممکن ہے کہ برا ہو، کئی بار پکا کر کھلاؤ تو اندازہ ہو سکتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 132، 133)

رُکانہ پہلوان

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قوت جسمانی بھی بہت تھی۔ چنانچہ ایک شخص رکانہ بہت بڑے پہلوان تھے کہ ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کرنے والے سمجھے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے کُشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ وہ آئے آپ نے انہیں پچھاڑ دیا۔ عرض کیا یہ تو اتفاقاً پچھاڑ دیا اب کے پچھاڑیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پھر سہی پھر آئے پھر اٹھا کر پھینک دیا۔ پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 16، صفحہ 225)

ضرر سماع

اس مقام میں سماع کے متعلق سمجھو کہ اس میں بعض یہ عذر کرتے ہیں کہ جب گناہ نہیں ہے تو حرج کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سلمنا گناہ نہیں ہے لیکن کوئی نفع بھی اس کے اندر نہیں بتا سکتا۔ بہت سے بہت کوئی بڑی عرق ریزی سے مضر نہ ہونا ثابت کرے گا لیکن نافع ہونا تو کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا اور بڑی صاف دلیل اس کے نافع نہ ہونے کی یہ ہے کہ کسی شیخ کے ہاں باوجود سماع ہونے کے اپنے مریدوں کو اس کی تعلیم نہیں دی کہیں کتب تصوف میں اور بزرگوں کے ملفوظات میں اس کا نشان نہیں کہ کسی شیخ نے اپنے مرید کو یہ کہا ہو کہ گانا سنا کرو۔ پس جو شے ایسی ہو کہ اس میں نہ نفع ہو نہ نقصان وہ فضول ہے اور فضول کا چھوڑنا ہمارے اسلام کی تعلیم ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه (اسلام میں انسان کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو ترک کر دے) اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (اور وہ لایعنی سے اعراض کرتے ہیں) (خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 348)

سماع سے دھوکہ

بعض دفعہ یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ سماع سے ہم کو جمعیت قلب ہوتی ہے میں بتلاتا ہوں کہ وہ جمعیت کیسی ہوتی ہے جناب من وہ جمعیت ایسی ہوتی ہے جیسے شطرنج باز کو شطرنج میں ہوتی ہے۔ کہ بجز شطرنج کے کسی شے میں دل نہیں لگتا۔ شطرنج ہی میں سب خیالات آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح صاحب سماع کو گانے میں جمعیت ہوتی ہے کہ تمام تر توجہ ان کی اس میں مصروف ہوتی ہے اس کو وہ جمعیت سمجھتے ہیں، جمعیت مطلوبہ تو وہ ہے کہ ذکر اللہ میں جمعیت ہو غرض اس سے بھی کان کو روکنا چاہیے یہ معنی ہیں گوش بند کے اور لب بند کے بھی یہی معنی ہیں کہ معاصی اور فضولیات سے لب بند کرو یہ معنی ہیں مولانا کے اس شعر کے حبس دم اس کا مدلول نہیں اس لئے کہ حبس دم کوئی ایسی شے نہیں کہ ایسی جلیل القدر کتاب میں اس کا ذکر کرتے مثنوی شریف اس رتبہ کی کتاب ہے کہ جس کی بدولت مولانا جامی فرماتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

حضرت مولانا روم کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن (یعنی الہامی کتاب) ہے) : لیکن اس کا نفع اسی شخص کے لئے ہے جس کا فہم سلیم ہو ورنہ یہ کتاب مومن سے کافر بنا دینے والی ہے اور اگر فہم درست ہو تو کافر سے مومن بنا دینے والی بھی یہی ہے لوگ برا کرتے ہیں کہ جس کو دیکھو مثنوی لئے بیٹھا ہے۔ ہر شخص کو یہ مفید نہیں ہے۔ غرض مولانا کی تعلیم کے یہ معنی نہیں۔ معنی یہ ہیں جو میں نے عرض کئے حاصل یہ ہے کہ خلوت میں اسباب مشوشہ للقلب جب کم ہوں گے تو حضور قلب میسر ہو گا قلب کا انجلاء ہو گا خدا تعالیٰ کی معرفت اور خشیت پیدا ہو گی نور حق سے مولانا کے شعر میں یہی مراد ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی روشنی لالٹین کی نظر آنے لگے گی نور کے معنی اصل میں ظاہر بنفسہ اور مظہر لغیرہ ہیں۔ پس نور سے مراد قوت ادراکیہ ہے چنانچہ اس کا خاصہ ہے کہ اس سے حقائق کماہی کا قلب کو ادراک ہوتا ہے اور خود اس کا ظاہر ہونا ظاہر ہی ہے۔ غرض یہ فائدہ ہے خلوت میں کہ خلوت مجاہدات کی معین ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 352،350)

قبولیت توبہ کی علامت

اسی واسطے بے ضرورت گناہوں کو یاد کرنا اپنے ہاتھوں وحشت کا سامان کرنا ہے اس کے متعلق شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ گناہ معاف ہو جانے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ دل سے مٹ جائے اور جب تک وہ مٹے گا نہیں قلب پر وحشت سوار رہے گی جو اس گناہ کی سزا ہے اس کی شرح میں مشائخ طریق کا ارشاد ہے کہ گناہ کے بعد جی بھر بھر کے توبہ کرے پھر اس کو جان جان کر یاد نہ کرے اس سے بندہ اور خدا کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے مانع ہے۔ ایسی ہی دو دوستوں میں کچھ رنجش ہو جائے پھر صفائی کے بعد اس کو بار بار یاد نہ کرے۔

غرض توبہ کے لئے تو گناہ کو یاد کرے مگر توبہ کے بعد پھر اس کو یاد نہ کرے بلکہ دل سے نکال دے ورنہ اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے ایک شخص کو تحصیلداری مل جائے اور وہ روز روز اپنے افسر سے یوں کہے آپ مجھے برخاست تو نہیں کریں گے ظاہر ہے کہ اس حرکت سے افسر کا دل ضرور افسردہ ہوگا اور پہلے خود اس کا دل افسردہ ہوگا جب ہی تو اس کی زبان سے بار بار یہ کلمہ نکلتا ہے، پس حق تعالیٰ تو تاثر سے بری ہیں مگر تم تو متاثر ہوگے جب بار بار گناہ کو یاد کر کے دل کو افسردہ کر لوگے اور محبت میں ترقی نہ کر سکوگے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطاء میں کمی ہوگی کیونکہ جزاو ثمرات کا ترتب عمل پر ہوتا ہے خواہ عمل جوارح ہو یا عمل قلب ہو خوب سمجھ لو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 411)

حضرت غوث اعظمؒ کے ایک مرید کو 70 مرتبہ احتلام ہوا

اور کبھی گناہ کی وجہ سے بھی طاعات بند ہو جاتی ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

اور جیسے گناہوں میں یہ اثر ہے کہ طاعات کو بند کر دیتے ہیں ایسے ہی طاعات میں بھی اثر ہے کہ ان کی وجہ سے دوسری طاعات ہونے لگتی ہیں۔ بلکہ اس کا اثر اولاد میں بھی پہنچتا ہے باپ کی طاعات سے اولاد کو بھی طاعات کی توفیق ہوتی ہے مگر گناہ کا اثر اولاد میں نہیں پہنچتا ہاں دنیوی تکلیف کچھ پہنچ جاتی ہے طاعات کا یہ بھی اثر ہے کہ ان کی برکت سے گناہ کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ گناہِ مقدر (بتقدیر معلق) بھی ٹل جاتا ہے چنانچہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا بہت نماز تہجد گزار پابند ذکر و شغل اس کو ایک رات میں ستر بار احتلام ہوا وہ بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا مصیبت ہے ساری رات غسل ہی میں گزر گئی نہ تہجد رہا نہ ذکر و شغل، صبح حضرت سے حالت عرض کی فرمایا کہ تم اس حالت سے مغموم مت ہو مجھے معلوم ہوا تھا کہ تیری تقدیر میں ستر دفع زنا کرنا لکھا ہوا ہے میں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس بلا سے نجات دے اللہ تعالیٰ نے میری دعا سے بیداری کے زنا کو خواب کے زنا کی طرف منتقل فرمادیا ہے جس میں گناہ ہی نہیں ہوا اب تم بے فکر رہو بڑی بلا ٹل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ ہم ذکر وغیرہ کر رہے ہیں اور آسانی سے کر لیتے ہیں یہ آسانی خدا تعالیٰ کی عطا ہے ورنہ بہت سی مخلوق ایسی بھی ہے جس کو ذکر کی توفیق نہیں اور ان کے لئے یہ کام سب سے زیادہ دشوار ہے اس پر میں نے استطراداً یہ بھی بتادیا تھا کہ بعض دفعہ ذکر سے زبان بند ہونے کا سبب غایت قرب بھی ہوتا ہے بہر حال آپ کو جو کلمہ شریف پڑھنا آسان ہے خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ کبھی یہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 414)

ہمارے ظاہر و باطن کی مثال

خود میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ میرے ایام تعلیم میں ایک میرا عزیز کم عمر میرٹھ کی عید گاہ میں والد صاحب کے ساتھ گیا اور اس نے نماز کے وقت قضاء حاجت کی فرمائش کی اس کی فرمائش سن کر سخت پریشانی ہوئی اول تو عین نماز کا وقت دوسرے میرٹھ کی عید گاہ میں جس میں ہزاروں کا مجمع کہیں قریب ایسا جنگل بھی نہیں جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب آخری تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنہ دیئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے ان کو بٹھلا لیا چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور اندر یہ تحفہ بھرا ہوا تھا۔

یہاں ایک عبرتناک مضمون خیال میں آیا کہ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اس مٹھائی کی طرح ہمارا ظاہر تو نئے نئے انداز سے پررونق اور چکنا چپڑا رہتا ہے لیکن ہمارے باطن کی یہ حالت ہے کہ گودر گو مرغی کا گو۔ ہوائے نفسانی سے لبریز بیہودہ خیالات سے پُر۔ خدا سے دور شیطان سے قریب۔ ایک محقق نے خوب فرمایا ہے

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — واز درونت ننگ میدارد یزید

ترجمہ: باہر سے کافر کی قبر کی طرح پر شان و شوکت اور اندر کا حال خدا تعالیٰ کا قہر کہ ظاہر میں بایزید اور اندر میں یزید کے بھی چچا۔

صورت تو ایسی مقطع کہ معلوم ہو کہ اگر وحی منقطع نہ ہو چکی ہوتی تو حضرت جبرئیلؑ انہیں کی خدمت میں آتے۔ اور دل کی یہ حالت کہ شیطان کے بھی شیطان۔ جیسا حدیث میں ہے۔

يَلْبَسون للناسِ جُلُودَ الضَّأْنِ مِن اللِّيِنِ، ألسنتُهم أحلى مِن السُّكَّرِ، وقلوبُهم قلوبُ الذِّئابِ

ترجمہ: زبانیں شکر سے بھی میٹھی اور دل بھیڑیوں سے زیادہ کڑوے۔ بھیڑوں کی کھال میں بھیڑیئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 16، ص 431)

جبلہ کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں جبلہ ابن ایہم غسانی جو کہ ملوک غسان میں سے تھا مسلمان ہوا موسم حج میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ ساتھ طواف کرتا تھا اتفاق سے اس غریب آدمی کے پاؤں تلے اس کی ازار کا کنارہ دب گیا جبلہ جب آگے بڑھا تو اس کی لنگی کھل گئی اور برہنہ رہ گیا چونکہ وہ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا اور یہ دوسرا شخص نہایت غریب آدمی تھا لہٰذا اس کو بہت غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ اس بیچارے کا دانت ٹوٹ گیا وہ شخص اس حالت کو لئے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا اور عرض

کیا کہ امیر المومنین جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس بلالاؤ۔ صاحبو غور کیجئے امتحان کا مقام ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک غریب آدمی کے معاملے میں پکڑ کر بلایا جاتا ہے چنانچہ جبلہ کو لایا گیا۔ حضرت نے واقعہ دریافت فرما کر اس غریب شخص کو اجازت دی کہ جبلہ سے اپنا بدلہ لے لے۔ جبلہ نے جب یہ سنا تو طیش میں آکر کہا کہ امیر المومنین مجھ کو اور ایک معمولی بازاری غریب آدمی کو کس چیز نے برابر کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسلام نے اور اس میں امیر غریب سب برابر ہیں تم نے اس کا دانت توڑا تمہارا دانت ضرور توڑا جائے گا۔
(خطبات حکیم الامت جلد16، ص444)

سترھویں جلد کے جواہر

روضۂ انور ﷺ سے ہاتھ مبارک کا باہر آنا

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بہت بڑے شخص ہیں سادات میں سے ہیں اور اس رتبہ کے ہیں کہ جس وقت مدینہ طیبہ پہنچے تو روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ السلام علیکم یا جدّی وہاں سے جواب آیا وعلیکم السلام یا ولدی چونکہ امید اور عادت کے خلاف یہ جواب سنا تو حضرت سید صاحب پر ایک حالت طاری ہوئی اور اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔

في حالة البعد روحی كنت ارسلها تقبل الأرض عني و هي نائبتی
و هذا نوبة الأشباح قد حضرت فامد ديمينك كے تخطی بها شفتی

ترجمہ: (ان اشعار کا یہ ہے کہ آپ سے دوری کی حالت میں اپنی روح کو بھیجتا تھا کہ وہ میری طرف سے میرے نائب ہو کر زمین بوسی کرتی تھی اور اب نوبت ظاہری جسد کے حاضری کی آئی۔ تو آپ ﷺ اپنا دست مبارک دراز کیجئے تا کہ میرے لب اس سے متمتع ہوں)

حضرت سید صاحب نے جو ان اشعار کا تکرار جوش و خروش کے ساتھ کیا تو عجیب قدرت حق تعالیٰ کی ظاہر ہوئی۔ چنانچہ راوی حکایت لکھتے ہیں خرجت يدہ الكريمة صلى الله عليه وآله وسلم یعنی آپ ﷺ کا دست کریم نکلا اور یہ حالت ہوئی کہ اس کے نکلنے سے آفتاب ماند پڑ گیا اور تمام مسجد منور ہوئی اس وقت نوے ہزار آدمی وہاں موجود تھے۔ سید صاحب کی برکت سے سب کو زیارت ہوئی اور سید صاحب نے دوڑ کر دست شریف کو بوسہ دیا اس کے بعد سید صاحب کو خیال ہوا کہ چونکہ مجھ سے ایک عجیب واقعہ ظاہر ہوا ہے کہ ایسا واقعہ کسی سے ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ اس سے میرے نفس میں عجب پیدا ہو جائے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آکر لیٹ رہے اور سب کو کہا کہ سب میرے اوپر کو پھاند کر جائیں اس درجہ کے تو یہ شخص تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک کتے کو دیکھا کہ خارش ہو رہی ہے اور پیپ اور خون میں آلودہ ہے ایک دوا بنائی اور دونوں وقت اپنے ہاتھ سے لیپ کرتے تھے۔ غرض یہ حالت ہے اہل اسلام کے ترحم کی پھر باوجود اس رحم کے ان سب بزرگوں نے بھی فاذبحوا البقرة پر عمل کیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 17، ص 120،119)

پانچ نمازیں کیوں مقرر ہوئیں

کیرانہ کا قصہ ہے کہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ نماز پانچ وقت کیوں مقرر ہوئی اس میں کیا مصلحت ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری ناک آگے کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہ لگی، یہ سن کر بڑے دنگ ہوئے اور کہنے لگے کہ

اللہ میاں نے ایسی ہی بنادی میں نے کہاکہ میں قسم کھاتاہوں کہ نماز بھی میرے اباجان کی بنائی ہوئی نہیں ہے یہ بھی اللہ میاں کی ہی بنائی ہوئی ہے۔ کیالوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ احکام مولویوں کے تصنیف کردہ ہیں۔

ایک بڑھیا کی حکایت یاد آئی جب حج میں صفامروہ کے دو تین چکر لگا چکی تو ہاتھ جوڑ کر مطوف سے کہتی ہے کہ مولوی صاحب اب چلا نہیں جاتا اللہ کے واسطے معاف کردو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے گھر کی تو بات نہیں مت چل تجھے اختیار ہے غرض احکام شرعیہ سب اللہ میاں کے بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں سے حکمتیں پوچھ لیناوہ یا توزبان سے جواب دیں گے یاہاتھ سے اور زبان سے کیوں دینے لگے ہاتھ سے ہی جواب دیں گے۔ فقط اتنی بات کہ خدا کا حکم ہے یانہیں یہ تو تحقیق کرلو۔ پھر یہ مت دیکھو کہ اس میں کیا حکمتیں ہیں حکمتیں مقرر کرنے والا جانے ہمیں امتثال سے مطلب۔ اس طرز کی برکت سے ان شاءاللہ ایک دن وہ بھی آجائے گا کہ حکمتیں اور اسرار بھی معلوم ہوجائیں گے۔

ثمرہ اطاعت

شاید کسی کو بہت ہی شوق ہو۔ میری تقریر سن کر وہ کہتاہوگا کہ انہوں نے تو بالکل ہی بند کر دیا جی میں ارمان ہی رہ گیا۔ سو میں بشارت دیتاہوں کہ اگر اسرار جاننے کا شوق ہے تو طرز یعنی اطاعت اختیار کیجئے۔ میں وعدہ بلکہ دعویٰ تجربہ کی بناء پر کرتاہوں کہ اطاعت سے ایک نور اس کے قلب میں ایساپیداہوگا جس سے یہ حالت ہوگی کہ

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

(اپنے اندر بے کتاب و بے مددگار و استاد، انبیاء کے جیسے علوم دیکھوگے) خود بخود اس کے قلب میں اسرار جھلکیں گے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص بغاوت کرتاہے اور پھر چاہتاہے کہ میں شاہی اسرار پر مطلع ہوجاؤں خزانہ شاہی کے حالات معلوم ہوجائیں بلکہ شاہی بیبیوں کے خط وخال اور حسن وجمال کا مشاہدہ کرلوں تو بادشاہ اس کے استنے لگاوے گا کہ یہ بھی یادرکھے گا۔ اگر اسرار معلوم کرناچاہتے ہو تو فداہوجاؤ بادشاہ پر۔ فدوی جو آج کل لکھاجاتاہے یہ شاہی زمانہ میں بڑارتبہ تھاجس سے بہت ہی زیادہ خصوصیت ہوتی تھی اس کو فدوی کا منصب دیاجاتاتھا۔ اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ بادشاہ کے فدائیوں اور جاں نثاروں میں ہیں۔ پرانے زمانہ کی مہریں میں نے بھی ان میں بعض ناموں کے ساتھ فدوی لکھاہے۔ یہ بڑی خصوصیت کا رتبہ تھا عاشق کا ہم معنی ہے تو بس تم بھی حق کے فدوی ہوجاؤ۔ کامل اطاعت اور جانثاری کی شان پیداکرو۔ عجب نہیں کہ وہ دن آوے کہ بادشاہ خوش ہوکر خود ہی کہے کہ آؤ میں تمہیں اپنا خزانہ دکھلادوں۔ اور خزانہ شاہی پر لے جاکر کھڑاکردے کہ یہ جوہرات ہیں اور یہ محلات ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 17، ص 330،331)

اٹھارہویں جلد کے جواہر

امیر یہودی کا واقعہ

چنانچہ اس زمانے کے ایک متمول کی حکایت ہے کہ وہ ایک روز اپنے خزانے کو دیکھنے گیا جو زیر زمین بڑے مکان میں تھا اور وہ مکان گاہ گاہ کھلتا تھا اتفاق سے اس کو وہاں دیر لگ گئی اور کسی کو خبر تھی نہیں ملازموں نے دروازہ بند کر لیا اور وہ بہت بڑا مکان تھا اور دروازوں کا سلسلہ بڑی دور تک تھا اور یہ اتنی دور تھا کہ وہاں سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی۔ الغرض وہ یہودی وہاں جواہرات کے ڈیروں میں بھوکا پیاسا مر گیا۔ اس وقت کوئی اس سے پوچھتا تو اس کے نزدیک ایک بسکٹ اور پانی کے سامنے سارا خزانہ ہیچ تھا۔ ایسی ہی حکایت ہے کہ کسی بھوکے کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا تو اشرفیاں پھینک کر زمین پر ماریں اور افسوس کیا اور کہا کہ اگر گیہوں کے دانے ہوتے تو کچھ کام آتے۔

توبہ میں جلدی

الغرض فراغ اور صحت اور ضروری سامانِ خرچ یہ بہت غنیمت چیزیں ہیں۔ یہ ہر وقت میسر نہیں آتیں۔ اس لیے اس کو غنیمت سمجھے۔ اس وقت کی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور توبہ بہت جلدی کر لے۔ بعض لوگ اللہ تعالٰی کی رحمت اور مغفرت کے ناز پر توبہ نہیں کرتے حالانکہ رحمت اور مغفرت کی خبریں اس لیے دی گئی ہیں کہ تائب کو یاس نہ ہو۔ کہا گیا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آجا، اگر کافر آتش پرست اور بت پرست ہے تو بھی واپس آ، یہ ہمارا دربار نا امیدی کا دربار نہیں ہے اگر سو بار تو نے توبہ توڑی ہے تو واپس آجا)

اور جرأت اور دلیری کے واسطے نہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو بلکہ احسان اور رحمت خداوندی کی اطلاع کا مقتضاء یہ تھا کہ متاثر ہو کر اور بھی طاعت اور فرمانبرداری کرتے نہ کہ اور جرأت اور گستاخی اور نافرمانی کی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت و اطاعت کرتا ہے نہ کہ مخالفت و سرکشی۔

لذت گناہ

رہا یہ اشکال کہ واقعی اس کا مقتضاء تو یہی تھا مگر ایک دوسرا مقتضاء کہ لذت ہے وہ غالب ہو گیا۔ چنانچہ گناہ میں ظاہر ہے کہ کیسا مزہ اور لذت ہے اس کو چھوڑنا اس لیے مشکل ہے سو اگر ادراک صحیح ہو تو یہ اشکال بالکل ٹھیک نہیں کیونکہ گناہ میں جو لذت ہے اس کی مثال کھجلی جیسی ہے کہ خود اس میں کوئی لذت نہیں محض مرض کی وجہ سے لذت معلوم ہوتی ہے پھر فوراً ہی سوزش پیدا ہوتی ہے۔ سو یہ دراصل مرض ہے جیسا سانپ کے کٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے سو کسی عاقل کو یہ لذت علاج سے نافع نہیں ہوتی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 22،23)

ایک ویران گھر میں جن رہتا تھا

جناب پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک دن پیران پیر سے واپس ہوتے ہوئے سہارن پور تشریف لائے لوگوں نے آپ کو ایک ایسے مکان میں اتروایا کہ وہاں ایک جن نے سخت آزار پہنچا رکھا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مکان بالکل معطل چھوڑ دیا گیا تھا۔ جب حضرت رات کو اٹھے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک آدمی آیا اور سلام کیا اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت نے تعجب سے پوچھا کہ تم کون ہو کیونکہ مکان بند تھا اس نے عرض کیا میں ایک جن ہوں اور میری ہی وجہ سے یہ مکان خالی پڑا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تم کو خدا کا خوف نہیں کہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو اس نے عہد کیا کہ میں اب تکلیف نہ دوں گا اس کے بعد وہ جن اس مکان سے چلا گیا اور وہ مکان آباد ہو گیا تو یہ اثر جن پر حضرت کی طاعت ہی کا تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 25)

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ پاک سے فرمایا کوئی دوست اپنے دوست کو مارا بھی کرتا ہے!

جس وقت یہ گناہ کر رہا ہے اس کو یہ کیا خبر ہے کہ میری عمر اتنی ممتد ہو گی کہ میں بعد اس گناہ کے زندہ رہوں گا اور جو مصلحت توبہ و خلو نفس کی میں نے سوچی ہے وہ مرتب ہی ہو جائے گی۔ بعض مرتبہ آدمی دفعۃً ہی مر جاتا ہے۔ کان پور میں ایک شخص اپنے گھر آئے اور کھانا مانگا چنانچہ ماما کھانا لائی دیکھا تو مرے پڑے ہیں ایسے واقعات ہزاروں ہیں کہ آدمی فوراً مر جاتا ہے کوئی سبب ظاہری بھی موت کا نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استنجے سے فارغ ہو کر فوراً تیمم فرما لیتے تھے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پانی موجود ہے فرمایا کہ کیا خبر ہے کہ پانی لینے تک میں زندہ رہوں گا یا نہیں حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی موت دفعۃً نہیں آتی بلکہ ان سے اول پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے پاس آنا چاہتے ہو یا دنیا میں رہنا پسند کرتے ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس جب یہ اطلاع آئی تو فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ سے عرض کرو کہ کوئی دوست اپنے دوست کو مارا بھی کرتا ہے۔ وہاں سے حکم ہوا کہ کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے سے عذر بھی کیا کرتا ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی

پوچھا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے جب مشورہ کیا انہوں نے فرمایا کہ تشریف لے چلئے حق تعالیٰ مشتاق ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنا اشتیاق ظاہر کیا اور تشریف لے گئے تو باوجودیکہ آپ کی وفات اس اطلاع کے بعد ہوئی۔ جب بھی خدا تعالیٰ کی عظمت کے غلبہ کا یہ اثر تھا کہ موت کو ہر وقت حاضر سمجھتے تھے اور ہمارے پاس تو کوئی نوشتہ بھی نہیں کہ ہم دس برس یا دس ماہ یا ہفتہ یا دو ہفتے بلکہ پانچ منٹ تک بھی زندہ رہیں گے پھر یہ دھوکہ کس بنا پر کہ گناہ کر کے توبہ کرلوں گا اور بعض اوقات تو وہ گناہ بھی نصیب نہیں ہوتا خواہ مخواہ نیت بگاڑ کر ہی گناہ گار ہوتے ہیں۔ ایک عورت کے ہاں ایک شادی تھی اس احمق نے باوجود سب کی فہمائش کے رسوم شادی پوری کرنے کے لیے اپنی جائیداد فروخت کردی اور روپے نقد لا کر گھر میں رکھا رات کو تمام روپیہ چور لے گئے گناہ بھی ہوا اور مقصود بھی حاصل نہ ہوا اس لیے کہ جب آدمی پکا ارادہ گناہ کا کرلیتا ہے تو وہ گناہ تو لکھا ہی جاتا ہے بڑا سخت دھوکہ ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 53،54)

سالک سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا کرے

کہنے کی بات تو نہیں تھی لیکن چونکہ نافع ہے اس لیے کہتا ہوں تاکہ بعض سالکین کی جو حالت پیش آتی ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ ہائے ہم سے یہ کیوں ہوا اور اس غم میں اپنا شب و روز صرف کرتے ہیں، یہ پسندیدہ نہیں بس نادم ہو کر اس سے توبہ کر کے دل کو خالی کرے۔ اگر یہ اس مطالعہ میں رہا تو خدائے تعالیٰ کا مطالعہ کب کرے گا اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی یہ بھی رحمت ہے کہ گناہ بعد توبہ کے اس قدر ہجوم کے ساتھ یاد نہ آئیں ورنہ سخت مصیبت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سخت مجاہدہ ہے کہ گناہ یاد آویں اور اس سے انقباض بھی ہو اور پھر بھی طاعت میں مشغول رہے۔ پس علاج اس کا یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے پھر اس کی طرف التفات نہ کرے۔

چنانچہ حدیث شریف میں اس واسطے یہ دعا آئی ہے:

رَبِّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي

(یا اللہ بخش دے جو کچھ پہلے کیا میں نے اور جو کچھ بعد میں کیا اور جو کچھ پوشیدہ کیا اور جو کچھ اعلانیہ کیا اور جو کچھ تو اسے زیادہ جانتا ہے مجھ سے)

یہ نہ فرمایا کہ یہ یہ گناہ میں نے کیے بالکل یہ فرمایا کہ جو گناہ میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا؛ تاکہ گناہوں کی فہرست مستحضر نہ کرنا پڑے کہ اس میں مشغول ہونا تشاغل عن الحق ہے پس شان طالب کی یہ ہے کہ گناہ گو یاد آویں مگر اپنے کام کو خراب نہ کرے اور خدا کے سوا کسی چیز کو بھی گو وہ گناہ ہی کی یاد ہو دل میں جگہ نہ دے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 103،104)

طاعون کیا ہے؟

شعور فی الجماد

بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ حادث اور بندے ہیں اور خدا کے مسخر ہیں تو وہاں کا تو یہ قانون ہے۔

نیارد ہوا تا نگوئی ببار | نیارد زمین تا نگوئی بیار

یعنی کوئی چیز بھی بلا حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ایک حکایت کے ضمن میں وہ حکایت یہودیوں کی ہے کہ انہوں نے اہل ایمان کو آگ میں ڈالا مگر وہ نہ جلے تو بادشاہ نے غصے میں آکر آگ سے خطاب کیا کہ تجھے کیا ہوا تو آگ نہیں رہی آگ نے جواب دیا:

گفت آتش من ہانم | اندر آتا تو بنی تابشم

طبع من دیگر نگشت و عنصرم | تیغ آشتم حقم ہم بدستوری برم

(آگ نے کہا کہ میں آگ ہی ہوں آپ تشریف لایئے تاکہ میری تیزی حرارت کو دیکھو۔ نہ میری خاصیت میں فرق پڑا اور میرے عنصر میں تغیر آیا، میں آگ ہوں اور جلانا بدستور میرا کام ہے)

آگے مولانا فرماتے ہیں:

بادو خاک وآب وآتش بندہ اند | بامن وتو مردہ باحق زندہ اند

(ہوا، مٹی، پانی اور آگ (سب اللہ کے غلام ہیں تمہارے اور میرے نزدیک مردہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک زندہ ہیں) ایسا مسئلہ ہے کہ جمہور عقلاء بھی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ بعض عقلاء تو شعور فی الجماد تک کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں پتھروں میں بھی کچھ سمجھ ہے انسان کی سی نہ سہی اور نباتات میں تو شعور ہونے کے آج کل تقریباً سب قائل ہوتے جاتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ ہر چیز اپنے مالک کے احکام کو پہچانتی ہے۔ ہاں بعض حواس بعض چیزوں میں نہیں ہیں مثلاً امرود میں حس لمس نہیں ہے اور امرود کو کھائے جانے کی تکلیف نہیں ہوتی تو اس سے مطلقاً غیر ذی حس اور بے جان ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ خود ہمارے بدن میں بعض اعضاء ایسے موجود ہیں جن کو حس لمس نہیں مثلاً بال غیر ذی حس ہے مگر حق تعالیٰ کی معرفت فطری ہے ممکن ہے کہ وہ ہر چیز کو حاصل ہو اور امرود کو بھی حاصل ہو اور اکل کا الم نہ ہو۔ اور اگر یہ بھی کہا جائے کہ الم بھی ہوتا ہے تب بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس کو الم حق تعالیٰ نے دیا اور ہم کو حکم کھانے کا کیا ہم حکم سے کھاتے ہیں جیسے گائے کو ذبح کی تکلیف ہوتی ہے مگر ہم کو حق تعالیٰ نے کھانے کی اجازت دی ہے اس لیے ہم کھاتے ہیں۔ غرض یہ بات بدلیل ثابت ہے کہ کوئی چیز بلا اذن خالق جل شانہ کے اثر نہیں کر سکتی تو جراثیم بھی اگر کسی کے بدن میں تعدیہ کا اثر کر سکتے ہیں تو حکم ہی سے کر سکتے ہیں یہ تو تحقیق ہوئی اصل مسئلہ کی۔

اب مزید تقریب الی الفہم کے لیے کہتا ہوں کہ اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں قریب اور بعید اور دونوں کی طرف مسبب کی نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً پھانسی ایک فعل ہے اس کے سبب ظاہر میں کئی ہو سکتے ہیں مگر ایک ایسے شخص سے جو عالم ہو خواص افعال کا اس سے اگر سوال کریں کہ اس شخص کی موت کیوں ہوئی تو وہ جواب دے گا کہ اس کا سبب حقیقی ڈکیتی ہے سو اس شخص کی نظر اصلی سبب پر ہے اور اگر سائنس والوں سے جو محض خواص اشیاء سے واقف ہیں یہی سوال کیا جائے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ رسی کا پھندا سبب حقیقی ہے موت کا۔ میں پوچھتا ہوں کہ دونوں میں سے صحیح جواب کس کا ہے۔ غالباً سب ہی کہیں گے کہ پہلا جواب صحیح ہے حالانکہ اس جواب کے صحیح ماننے میں کئی وسائط بیچ میں ماننے پڑتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس نے اول ڈکیتی کی اس میں خون کیا، پھر گرفتار ہوا اسکے بعد چالان ہوا پھر مقدمہ ثابت ہوا پھر پھانسی کا حکم دیا گیا اور طریقہ اس کا یہ استعمال میں آیا کہ گلے میں رسی کا پھندا ڈالا گیا۔ پس اس سلسلہ میں سبب قریب واقعی رسی کا پھندا ہے اور سائنس والے کی نظر اسی تک گئی سبب بعید تک نہیں گئی اس لیے اس نے اسی کو سبب کہہ دیا لیکن اس عالم کی نظر سبب بعید تک گئی وہ سب کو بیچ میں سے اڑا کر اس سبب کی طرف جو در حقیقت سبب ہے موت کا، کی طرف نسبت کرتا ہے اور ان تمام وسائط کو بھی اسی کی طرف راجع کرتا ہے۔ اب دیکھئے! ہر ایک اسی کی تحقیق کو پسند کرتا ہے اور سائنس والے کو کوتاہ نظر بناتا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے بہت کھا لیا جس سے ہیضہ ہو گیا اور موت کی نوبت آگئی تو اب کہا جاتا ہے کہ بہت کھانا کھا لیا تھا۔ اس وجہ سے مر گیا تو کیا محض اس وجہ سے کہ سبب قریب تو ہیضہ ہے اور کھانا تو سبب السبب ہے یہ کہنا غلط ہوگا اور کھانے کی طرف موت کی نسبت صحیح نہ ہوگی لیکن پھر بھی کہتا ہر شخص یہی ہے کہ کھانے سے مر گیا۔ معلوم ہوا کہ صحیح مذاق یہی ہے کہ سبب اصلی کی طرف نسبت کی جائے گو بعید ہو کیونکہ بیچ کے اور اسباب بھی اسی پر مبنی ہیں اگر وہ سبب اصلی نہ ہوتا تو ان وسائط کا وجود ہی نہ ہوتا اور اثر بھی نہ ہوتا اور سبب قریب کی طرف کرنا قصور نظر ہے۔ اسی طرح طاعون کے بھی دو سبب ہیں ایک سبب بعید ناراضی حق اور دوسرا سبب قریب یعنی جراثیم کا پیدا ہونا شریعت کی نظر سبب بعید پر ہے جو کہ اصلی سبب ہے اگر وہ نہ ہوتا تو جراثیم بھی ہرگز پیدا نہ ہوتے اور اہل سائنس کی نظر سبب قریب پر ہے تو ان کا جراثیم کو طاعون کا سبب کہنا ایسا ہی ہے جیسا موت کا سبب پھانسی کی رسی کے پھندے کو کہا جائے مگر کون نہیں جانتا کہ قصور نظر ہے۔ واللہ یہ ناتمام علم ایسا امر ہے کہ اس سے جہل مرکب پیدا ہوتا ہے جو لاعلاج مرض ہے۔ دیکھئے! آج کل کے سائنس دان اس پر کس قدر اشکال کرتے ہیں کہ گناہوں کو سبب مصائب کا بتایا جاتا ہے لیکن یہ مسئلہ کس قدر صاف ہے کہ سبب کبھی قریب ہوتا ہے اور کبھی بعید اور نسبت دونوں کی طرف ہوتی ہے اور دونوں نسبتوں میں سے صحیح تر سبب بعید کی طرف نسبت ہے جب وہ اصلی ہو چنانچہ اسی لیے یہ کہنا صحیح ہوا کہ پھانسی اس واسطے ہوئی کہ ڈاکہ ڈالا تھا اسی کو سب پسند کرتے ہیں نہ اس کو کہ پھانسی اس واسطے

ہوئی کہ گلے میں رسی کا پھندا تھا سائنس کی تحقیقات سے ہم کو انکار نہیں۔ پس جیسے ہم یہ نہیں کہتے کہ پھانسی والے کے گلے میں رسی کا پھندا نہیں تھا بلکہ اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر ایک سبب بعید اور بھی مانتے ہیں جو راس الاسباب اور سبب الاسباب ہے یعنی ڈاکہ۔ اسی طرح رسی کے پھندے کے قائل ہونے والے کو راس الاسباب سے یعنی ڈاکہ کے سبب ہونے سے انکار کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح اگر سائنس کی تحقیق ہے کہ طاعون کے کیڑے ہوتے ہیں اور وہ سبب ہیں طاعون کے تو ہم اس کے منکر نہیں اور یہ نہیں کہتے کہ کیڑوں کا وجود نہیں کیڑے ہوں مگر ان کے اوپر ایک سبب جو راس الاسباب ہے اور بھی ہو اور وہ گناہ ہے۔ سائنس دان کو بھی اس سے انکار کا کوئی حق نہیں ہے اور جو آج کل کے لوگ انکار کر بیٹھے ہیں اس کی وجہ قصور علم ہے۔ اس تقریر کے بعد کوئی صاحب بتائیں کہ کیونکر ان کو شرعی تحقیق سے انکار کا حق ہے۔ درحقیقت شریعت اور سائنس میں تخالف ہی نہیں یہ ناتمام سائنس کے نتائج ہیں کہ ایسی موٹی موٹی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ شرعی تحقیق یہی تو ہے کہ معاصی سبب ہیں طاعون کے، سو سائنس کی اس میں کوئی مخالفت نہیں، گناہ کرنے سے حق تعالیٰ ناراض ہوئے اور جراثیم کو پیدا کر دیا اور آدمی ہلاک ہو گیا۔ گویا جراثیم سرکاری فوج ہیں فوج گولہ باری سرکار کے حکم سے کرتی ہے اگر کہیں گولہ باری ہونے لگے تو وہاں نسبت فوج کی طرف ہو گی یا سلطان کی طرف اور آیا علاج یہ ہوگا کہ فوج کا مقابلہ کیا جائے یا یہ ہوگا کہ سلطان سے چارہ جوئی کی جاوے۔ ظاہر ہے کہ نسبت کسی معنی میں فوج کی طرف بھی صحیح ہو گی مگر فہیم آدمی یہی کہے گا کہ بادشاہ نے فلاں جگہ پر گولہ باری کی، کوئی نہیں کہتا کہ اصل میں فوج نے کی اور فوج سے اگر مقابلہ کیا گیا تو نتیجہ کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر مقابلہ میں کسی نے ہمت کی بھی کہ فوج پر غالب آ گیا اور سب کو تہ تیغ کر دیا تو کیا ہوگا بادشاہ کے پاس فوج کی کمی نہیں۔ دوسری فوج اسی قسم کی یا اور قسم کی آجائے گی برخلاف اس کے اگر یوں کیا جائے کہ جیسے ہی گولہ باری شروع ہو سلطان کی خوشامد درآمد کی جائے اور معافی چاہی جاوے یا صلح کر لی جاوے تو نتیجہ اچھا برآمد ہوگا۔ یہی فوج گولہ باری بند کر کے چلتی ہو جائے گی اور دوسری بھی نہ آوے گی اور بادشاہ کی رضا جوئی کے ساتھ عقلاً اتنی بھی اجازت ہے کہ گولہ باری کی زد سے بچنے کے لیے کسی محفوظ و مستحکم مکان میں یا تہہ خانے میں گھس جاؤ مگر ہر حال فوج کا مقابلہ نہ کرو کیونکہ یہ بے سود ہے بلکہ زیادہ اہتمام سلطان سے معافی چاہنے کا کرو یہ ہے صحیح طریقہ شریعت کی تعلیم ہے اور علاج معالجہ کی بھی اجازت اور اس کے حدود اس بیان سے نکل آئے کہ بطور تسکین قلب علاج کی بھی اجازت ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے یہ وہ حد ہے جس کو میں نے مکان میں گھس جانا اور گولہ سے بچنا کہا ہے اور علاج پر اتنا بھروسہ کر لیں جس سے اصلی تدبیر یعنی طلب عفو عن السلطان سے غفلت ہو جائے بلکہ اس کی ضرورت ہی سے انکار ہو جاوے مذموم ہے اور یہ وہ ہے جس کو فوج کا مقابلہ کہا گیا کہ ہرگز کارآمد نہیں فوج کے پیچھے دوسری فوج اور

اس کے پیچھے تیسری اور چوتھی فوج ہے طاعونی کیڑوں کو ہلاک کر دو گے بخار کے کیڑے پیدا ہو جاویں گے ان کو ہلاک کر دو گے تو ہیضہ کے کیڑے پیدا ہو جاویں گے حاکم اور احکم الحاکمین سے کہاں تک جیتو گے؟ یہ تحقیق ہوئی معاصی کے سبب بلیات ہونے کی۔

حقیقت مصیبت

اب دوسرا سوال باقی رہا کہ اگر معاصی سبب ہیں طاعون کے تو نیک آدمی طاعون میں کیوں مرتے ہیں اس کے جواب کے لیے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے جو ذرا دقیق ہے وہ یہ کہ جس چیز کو مصیبت کہتے ہیں آیا وہ اپنی صورت سے مصیبت ہے یا حقیقت سے۔ میں اس بات کو نظائر سے صاف کروں گا۔ سو دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ مصیبت جبھی مصیبت ہے جبکہ اس میں حقیقت مصیبت کی موجود ہو۔ صرف صورت مصیبت کے وجود سے اس کو مصیبت نہیں کہا جاسکتا۔ میں اس کی مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ کسی کو بغل میں زور سے دبایا تو ظاہر ہے کہ یہ فعل تکلیف دہ ہے مگر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اس کو ہر جگہ جہاں اس کی صورت کا وجود ہو مصیبت ہی کہیں گے اگر کہیں ایسا ہو کہ صورت تو یہی ہے مگر حقیقت اس کی یعنی اذیت قلب نہ ہو تو وہاں اس کا نام اور کہیں گے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک محبوب ہو اور ایسے ناز نخرے والا ہو کہ کسی کو منہ نہیں لگاتا اور ایک شخص مدت سے اس کی ملاقات کی فکر میں ہو مگر کبھی رسائی نہیں ہوتی اور دفعتاً ایک دن وہ محبوب پیچھے سے آکر اس کو بغل میں دبائے اور ایسا دبائے کہ ہڈی پسلی ٹوٹی جاتی ہو تو اس وقت صورت تو وہی موجود ہے جس کا نام مصیبت تھا مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس کا نام مصیبت رکھیں گے؟ اگر نہیں رکھیں گے تو کیوں اور میں کہتا ہوں کہ آپ تو صرف دور سے دیکھنے والے ہیں اگر خود اس شخص سے جس پر یہ تکلیف گزر رہی ہے اور دبانے کا الم پار ہا ہے پوچھا جائے کہ یہ مصیبت ہے یا راحت؟ تو وہ کیا کہے گا! مثلاً محبوب اس سے کہے کہ اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں تو اس وقت کیا کہے گا اس کی تو یہ حالت ہوگی کہ قالاً اور حالاً یہ کہتا ہوگا:

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے ۔۔۔ کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ۔۔۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

یہ بات بلا مبالغہ ہے کہ دم نکلنا بھی گوارا ہوگا اور چھوڑنا گوارا نہ ہوگا اور یہی کہے گا کہ میرے کہاں نصیب جو یہ موقع ملا اور خصوصاً جبکہ ایسا دبایا ہو کہ موت کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس کو مصیبت کسی طرح بھی نہ کہے گا۔ بتلایئے کہ جب صورت اس کی بعینہ وہی ہے جس کا نام دوسری جگہ مصیبت تھا پھر یہاں اس صورت خاص میں اس کو مصیبت کیوں نہیں کہتے ایک ہی فعل ہے مگر ایک وقت میں تو اس کا نام مصیبت ہے اور ایک وقت میں راحت اس کی وجہ سوائے اسکے کیا ہے کہ صورت مصیبت کو مصیبت نہیں کہتے بلکہ معنی مصیبت کو مصیبت کہتے ہیں۔ ایک وقت میں وہ

معنی موجود ہیں اور ایک وقت میں نہیں حتی کہ اس صورت میں اگر محبوب کہے کہ اگر تجھے تکلیف ہوتی ہو تو میں تجھے چھوڑ کر رقیب کو بغل میں دبالوں سو اگر یہ مصیبت ہے تو کیوں اپنے اوپر سے اسکا ٹلنا اور اپنے دشمن پر اس کا مسلط ہو جانا گوارا نہیں کرتا اس صورت میں تو وہ یہی کہے گا:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر تیری خنجر آزمائی کے لیے سلامت)

بحمد اللہ اس تقریر سے میرا دعوٰی مبرہن ہو گیا کہ صورت مصیبت پر مصیبت کا حکم کر دینا صحیح نہیں بلکہ معنی کا اعتبار ہے۔

اعتبار نسبت

وہ ایک ننھی سی چیز ہے جو نظر بھی نہیں آتی جیسے گھڑی میں بال کمانی کہ ذرا سی نامعلوم سی چیز ہے مگر گھڑی کی چال کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو گھڑی بیکار ہے یا وہ خراب ہو تو چال صحیح نہیں ہو سکتی وہ ننھی سی چیز نسبت ہے۔ ایک ہی فعل کی نسبت ایک کی طرف ہو تو مصیبت بن جائے اور اس فعل کی نسبت دوسرے کی طرف ہو تو راحت بن جائے، دبانے کی نسبت صدیق یعنی دوست کی طرف ہوئی تو عین راحت ہے اور عدو یعنی مخالف کی طرف ہوئی تو مصیبت ہے اس نسبت سے کھانا بھی زہر بن جاتا ہے اور اسی نسبت سے زہر شکر ہو جاتا ہے۔ اب یہ شبہ حل ہو گیا کہ طاعون میں اولیاء اور نیک لوگ بھی مرتے ہیں تو کیا حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو عذاب دیتے ہیں۔ حاصل اس کا یہی ہے کہ طاعون اپنی ذات میں مصیبت نہیں اس کے اندر ایک اور چیز ہے جس سے وہ مصیبت بن جاتا ہے اور وہ چیز وہی نسبت ہے۔ جب طاعون مطیع پر آتا ہے تو اس نسبت سے آتا ہے جس سے وہ دبانا راحت ہوا تھا یعنی دوستی اور محبت و رحمت کے ساتھ آتا ہے اس لیے راحت ہوتا ہے اور جب غیر مطیع پر آتا ہے تو اس نسبت سے آتا ہے جس سے وہ دبانا باعث اذیت ہوا تھا یعنی دشمنی اور قہر کے ساتھ آتا ہے اس لیے مصیبت ہوتا ہے۔ مطیع پر حق تعالیٰ کی نظر رحمت ہوتی ہے لہٰذا ہر بات اس کے لیے باعث راحت ہوتی ہے۔ اس واسطے دعوٰی سے کہا جاتا ہے کہ مصیبت اہل اللہ پر آتی ہی نہیں کیا منہ ہے مصیبت کا جوان کے پاس بھی آسکے اور جس کو آپ مصیبت سمجھتے ہیں یہ آپ کی غلطی ہے وہ مصیبت نہیں ہاں صورت مصیبت ہے۔ میں ایک اور مثال مشاہدات سے دیتا ہوں جس کے بعد اس کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہ رہے گی۔ مصیبت کی مثال لوہ کی سی ہے کہ کیسی ناگوار اور تکلیف دینے والی چیز ہے لیکن یہ ضروری بات نہیں کہ وہ سب کو تکلیف ہی دے کسی کے لیے لوہ تکلیف دینے والی ہے اور کسی کے لیے آرام دینے والی۔ وہ کون شخص ہے جس کو لوہ آرام دیتی ہے وہ وہ ہے جو خس خانہ میں بیٹھا ہے کہ لوہ جتنی سخت اور تیز ہو گی اتنا ہی اس کو آرام پہنچے گا۔ ایک

کوتاہ نظر جس نے خس کی ٹٹی کو نہیں دیکھا وہ دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص بیچ میدان میں ہے وہ اس کو میدان میں چاروں طرف سے بھون دے گی اور رحم کرے گا کہ بیچارہ کس مصیبت میں ہے اور یہ خبر نہیں کہ وہ کس قدر آرام میں بیٹھا ہے وہ اس کو ذرا نا گوار نہیں بلکہ باعث راحت ہے حتی کہ خواہش کر رہا ہے کہ لوہ خوب چلے کیونکہ خس کی ٹٹی کا لطف لوہ ہی میں آتا ہے۔ جتنی لوہ زیادہ چلتی ہے اتنا ہی خس خانہ برف خانہ ہوتا ہے۔ یہی حالت اہل اللہ کی ہے کہ اہل دنیا مصائب کی لوہ دیکھ کر ان پر رحم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مصائب کا شکار ہیں اور یہ خبر نہیں کہ وہ ان ہی پر رحم کھاتے ہیں اور اس قدر مزہ میں بیٹھے ہیں کہ تمنا کرتے ہیں کہ لوہ اور چلے تا کہ خس خانہ رضا کا لطف آوے ان کے پاس ایسی چیز ہے کہ اس سے مصیبت مصیبت نہیں رہتی جس کی مثال بالکل خس کی ٹٹی سی ہے، واقعات آتے ہیں مگر چھنکر اور گرمی چھوڑ کر سرد ہو کر اور اذیت سے خالی ہو کر عین راحت بن کر، اس مصیبت کے وقت ان کے حالات دیکھ کر صاف پتہ چل سکتا ہے کہ وہ تکلیف میں ہیں یا آرام میں بعضوں پر تو ایسا غلبہ ہوا لذت کا کہ موت کے وقت قہقہہ مارتے تھے کیا تکلیف میں کوئی قہقہے مارا کرتا ہے اور اکابر اہل اللہ کا تو کہنا ہی کیا ہے ادنی مسلمان کی حالت میں بھی مصیبت کے وقت کفار کی حالت سے فرق ہوتا ہے جس کو جتنی نسبت حق تعالی سے حاصل ہے اسی قدر مصیبت کی تکلیف کم ہوتی ہے۔ اب شبہ جاتا رہا اور وہ دعویٰ صحیح ہوا کہ اہل اللہ پر مصیبت نہیں آتی۔

مصیبت بر معصوم

اب ایک شبہ یہ رہا کہ اگر مصیبت معصیت ہی سے آتی ہے تو بچوں کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ نزع میں دیکھا ہوگا کہ بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے حالانکہ ابھی بچوں نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وہ ابھی مکلف ہی نہیں ہیں اس میں بھی شبہ کی خرابی غور نہ کرنے ہی سے ہے بلکہ دنیا میں جو کوئی اختلافات ہیں وہ فہم سے کام نہ لینے ہی سے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(بہتر فرقوں کی جنگ میں تمام کو معذور سمجھو جب ان کو حقیقت کا پتہ نہ چل سکا تو انہوں نے ڈھکوسلوں کی راہ اختیار کی)

سنئے! ہم کہتے ہیں کہ بچوں کے لیے بھی مصائب تکلیف دہ نہیں وہ جسم کو تکلیف ہو مگر روح کو تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ ان کی روح کو تعلق مع اللہ حاصل ہے کیونکہ تعلق مع اللہ قطع ہوتا ہے معصیت سے اور ان سے معصیت اب تک ہوئی نہیں تو تعلق باقی ہے لیکن روح سے مراد روح طبی نہیں ہے بلکہ روح الٰہی مراد ہے نزع سے یا دیگر تکالیف سے روح طبی کو بے شک ضغطہ ہوتا ہے یہ روح طبی گویا مرکب ہے روح الٰہی سے اور ان دونوں میں تعلق سوار اور گھوڑے کا سا ہے گھوڑے کو اگر چابک مارا جائے تو سوار کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں ہوتی بلکہ گھوڑا تیز ہو جاتا ہے اور

اس میں سوار کا نفع ہے ہاں سوار کو ہوشیار ہونا چاہیے تا کہ گر نہ پڑے جسم کو تکلیف پہنچنے سے روح حقیقی کو تکلیف نہیں تھی کیونکہ وہ جسم کا جزو نہیں ہے اس کو تم سے صرف ایک خاص تعلق ہے جیسے ہم کو گرمی کے موسم میں جاڑوں کے ان کپڑوں سے تعلق ہوتا ہے جن کو تہہ کر کے رکھ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ہماری رضائی ہمارے سامنے جلادے تو ہم کو ایک قسم کی تکلیف تو پہنچتی ہے جس کو رنج کہتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو واقعہ رضائی پر ہوا وہی ہم پر ہوا۔ اس رضائی کے جلنے سے ہمارا جسم نہیں جلا۔ اسی طرح جو تکلیف بچوں پر نظر آتی ہے وہ روح طبّی اور جسم پر ہوتی ہے روح حقیقی پر نہیں اور یہ بہت موٹی بات ہے۔ اہل فلسفہ کے نزدیک بھی ایک خاص عنوان سے یہ مسئلہ مسلم ہے کیونکہ روح مجرد ہے اس کو آرام و تکلیف جسم سے نہیں پہنچتی کیونکہ وہ جسم میں حلول کیے ہوئے نہیں ہے ہاں اس کو تعلق ہے جسم سے۔ جیسے بادشاہ کو تعلق ہے ملک سے کہ بادشاہ بیٹھا ہے لندن میں اور کام سب یہاں تک ہو رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بادشاہ یہاں موجود ہو تب ہی حکومت کے آثار ظاہر ہوں یا جیسے آفتاب کہ بنابر مشہور فلک چہارم ہے اور روشنی و حرارت اس کی زمین تک پہنچتی ہے فلک چہارم پر میں نے بناء بر مشہور کہہ دیا ورنہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر نصوص سے آفتاب کا آسمان اول پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور آج کل کے سائنس والوں نے تو اپنے زعم فاسد میں یہ قصہ ہی نہیں رکھا آسمان ہی کا انکار کر دیا، چہارم اور اول سے بحث ہی نہیں رہی۔ انہوں نے ایسا کیا جیسے ایک شخص کی ناک پر مکھی بار بار بیٹھتی تھی انہوں نے غصہ میں آکر ناک ہی کو کاٹ ڈالا کہ جا اب کاہے پر بیٹھے گی ہم نے اڈا ہی نہیں رکھا۔ سو یہ قول بھی غلط ہے اور میں اس وقت اس سے بحث نہیں کرتا یہ مسئلہ دوسری جگہ کا ہے اصل مدعا یہ ہے کہ باوجود دوری کے آفتاب کو زمین سے علاقہ ہے۔ شعراء کے یہاں ضرب المثل ہے۔

كالشمس في كبد السماء ونورها يغشى البلاد مشارقا و مغاربا

روح کو ایسا ہی علاقہ ہے جسم سے کہ گو روح جسم کے اندر نہ ہو مگر جسم پر اثر کرتی ہے اور ان دونوں مثالوں میں پوری ٹھیک دوسری مثال ہے یعنی آفتاب اور زمین والی اور بادشاہ اور ملک والی مثال پوری ٹھیک نہیں کیونکہ بادشاہ کو ملک سے علاقہ صرف حکومت کا ہے جو بواسطہ خدم حشم کے ہوتی ہے اور آفتاب کا اثر زمین پر بلا واسطہ ہے اور روح حقیقی کا اثر بھی جسم پر بلا واسطہ ہے اس لیے دوسری مثال زیادہ صحیح ہے۔ غرض اس روح پر جسم کی تکلیف و راحت کا اثر نہیں پڑتا۔ سو بچوں کو جو تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ صرف روح طبّی کے تغیرات ہیں نہ کہ اصلی اور حقیقی روح کے۔

فراق کی مصیبت

اس روح کی تکلیف و راحت کا مدار تو صرف بُعد عن اللہ اور قُرب الی اللہ ہے اور بُعد ہوتا ہے معصیت سے اور بچوں سے معصیت ہوتی نہیں تو ان کو بُعد عن اللہ نہیں لہٰذا تکلیف بھی نہیں۔ اسی بُعد کو عُشاق فراق سے تعبیر کرتے

ہیں اور ان کے نزدیک بس فراق ہی ایک مصیبت ہے اگر فراق نہ ہو تو پھر کوئی مصیبت مصیبت نہیں۔ عارف رومیؒ نے خوب کہا ہے:

از فراق تلخ میگوئی سخن ہر چہ خواہی کن و لیکن ایں مکن

(جدائی کی تلخ بات مت کرو اور جو چاہے کرو لیکن یہ نہ کرو)

عارف شیرازی فرماتے ہیں:

شنیدہ ام سخنے خوش کہ پیر کنعان گفت فراق یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر کنائے ست کہ از روزگار ہجراں گفت

(پیر کنعاں نے یہ نہایت کیا عمدہ بات کہی وہ یہ کہ فراق محبوب ایسی مصیبت ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، واعظ شہر نے جو قیامت کی گھبراہٹ کی بات کی اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس نے زمانہ کے فراق کا تذکرہ کیا)

پس اصل تکلیف بُعد عن المحبوب ہے اور محبوب پاس ہو تو پھر یہ حالت ہے:

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردوں است نے قصر زمیں

ہر کجا یوسف رخے باشد چوماہ جنت است آں گرچہ قعر چاہ

باتو دوزخ جنت است ای جانفزا باتو زنداں گلشن است اے دلربا

(جس جگہ محبوب خوش و خرم بیٹھا ہو وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند تر ہے نہ کہ پست زمیں جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو اے دلربا تیری ہمنشینی میں دوزخ جنت ہے اور تیرے بغیر جنت بھی دوزخ ہے)

غرض اصل دولت قرب محبوب ہے اگر یہ حاصل ہو تو سب کچھ حاصل ہے اس کے ساتھ کیسے ہی واقعات پیش آویں تکلیف نہیں ہوگی اہل اللہ کو موت کا بلاوا بھی آجائے تو پرواہ نہیں بلکہ وہ تو موت کو ڈھونڈتے اور بلاتے پھرتے ہیں۔

عارف شیرازی فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانے مکان (دنیا) سے جاؤں جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں)۔

موت جس سے لوگ بھاگتے پھرتے ہیں ان کے یہاں اس کی خوشیاں منائی جاتی ہیں اور نذریں مانی جاتی ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بردم

(میں نے یہ نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش و خرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

جن پر موت کا یہ اثر ہو ان پر دیگر معمولی واقعات کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اہل اللہ پر مصیبت نہ آنے کے معنی یہ نہیں کہ ان کو واقعات پیش نہیں آتے۔

ذکر کی عجیب خاصیت

واقعات سب پیش آتے ہیں جیل خانہ، موت، بیماری، فاقے بلکہ بعض اوقات یہ ان کو اوروں سے زیادہ پیش آتے ہیں مگر یہ سب چیزیں باہر ہی باہر رہتی ہیں اور اندرونی حالت ان کی یہ ہوتی ہے جس کو ایک شاعر نے دکھایا ہے۔

عذل العواذل حول قلب التائه   وهوى الأحبة منه في سودائه

(ملامت گروں کی ملامت قلب کے ارد گرد ہے اور محبوب کی محبت قلب میں جاگزیں ہے)

یہ شعر صرف ملامت کے بارے میں ہے۔ گو ملامت بھی ایک مصیبت ہے مگر اہل اللہ کے لیے تو ہر مصیبت کی حالت یہی ہے کہ باہر ہی باہر رہتی ہے قلب کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی ان کے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے ایک صاف بوتل کے اندر کوئی میٹھی چیز رکھی ہوئی ہے اگر اس پر مکھی آ بھی جاوے تو چاروں طرف گھومتی پھرتی ہے مگر مجال نہیں کہ اندر چلی جائے ناواقف آدمی اور دور سے دیکھنے والا جو بوتل کی اس خاصیت کو نہ جانتا ہو کہ یہ جرم شفاف ہے جس میں نظر بھی پار ہو سکتی ہے کوئی اور چیز نہیں جاسکتی وہ دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ اس چیز پر مکھیاں بھنک رہی ہیں اور ضرور اس کو خراب کرتی ہوں گی مگر جو بوتل کی خاصیت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ مکھی بوتل کے اندر نہیں ہے، اہل دنیا ذکر اللہ کی خاصیت کو جانتے نہیں اس واسطے اہل اللہ پر واقعات کا ہجوم دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں یا افسوس اور رحم کرتے ہیں کہ بیچارے سخت تکلیف میں ہیں اور یہ خبر نہیں کہ یہ سب مکھیاں باہر ہی باہر ہیں اندر مجال نہیں کہ چلی جاویں۔

سلطنت قلب

اندر ایک ایسی ذات کی سلطنت ہے جس کے سامنے کوئی فرشتہ اور جن بھی دم نہیں مار سکتا اور جس کے سامنے تمام عالم سر بسجود ہے وہ حق تعالیٰ ہے ان کے ہوتے ہوئے وہاں دوسرے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ دوسری چیز آ ہی نہیں سکتی اور ان کی وسعت کی یہ حالت ہے کہ تمام دنیا بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ ؎

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست   وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(اگر تمام مخلوق مثل آفتاب کے ہے خدا تعالیٰ کے سامنے ایک ذرہ کے بھی برابر نہیں۔ اسی طرح سات دریا حق سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں ایک ذرہ کے بھی برابر نہیں)

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں)

انہوں نے عالم سے اپنے کو مستور کر دیا ہے اگر موقع تجلی سے پردہ اٹھا دیتے تو سارا جہاں مٹ جاتا۔

حدیث میں ہے: **"حجابه النور لوکشف الحجاب لا حرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره"** (اس کا حجاب نور ہے اگر حجاب اٹھالیا جائے تو جملہ اطراف جہاں تک نظر پہنچتی ہے سب کو جلا دے) اور یہ حجاب اجسام پر ہے مگر قلب میں ایک خاص تجلی ہے۔ گو آخرت جیسی نہ سہی، سو جہاں انوار الٰہی موجود ہیں وہاں ظلمات اور تکدّر کا کیا کام، اور جب منبع سکون اور اطمینان وہاں موجود ہے تو پریشانی کا کیا ذکر۔ واقعات و مصائب موجود ہیں مگر اثر نہیں کرتے۔ دیکھنے والا جو ناواقف ہو وہ جو چاہے سمجھے اس کا کون ذمہ دار ہے غرض مطیعین کے لیے مصیبت واقع میں مصیبت نہیں۔ تو یہ شبہ رفع ہو گیا کہ نیک لوگوں پر طاعون یا اور مصائب کیوں آتے ہیں اور اس کا جواب پہلے ہی ہو چکا کہ اسباب طبعیہ کو مصائب میں کہاں تک دخل ہے میں نے ثابت کر دیا ہے کہ اسباب طبعی کو مصائب کے آنے میں دخل صرف اتنا ہے جتنا رسی کو پھانسی میں کہ اصل سبب پھانسی کا ڈکیتی ہے مثلاً اور رسی صرف ایک ذریعہ ہے سزا کا۔ اسی طرح اصلی سبب مصائب کا خدا تعالیٰ کے معاصی اور حق تعالیٰ کی ناراضی ہے اور ان معاصی کے لازمی اور متعدی مفاسد بھی سب بیان ہو چکے غرض سب شبہات حل ہو کر اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تمام مفاسد کی جڑ معصیت ہے خواہ وہ مفاسد دنیوی ہوں یا دینی۔ جب معصیت تمام مفاسد کی جڑ ہے تو اس کا مقابل اطاعت ہمیشہ سبب ہوگی ہر قسم کی راحت کی۔ جب وہ شبہات جو حائل تھے معاصی کے موجب فساد ہونے میں رفع ہو گئے تو وہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ فقط معصیت ہی مرض ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مرض مسلمانوں میں بھی موجود ہے اسی کی وجہ سے خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسرے بھی پریشان ہوتے ہیں۔ تو بتلایئے! اس کے دفعیہ اور علاج و تدبیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ضرور ہے اور ظاہر ہے کہ جب اصل مرض معصیت ٹھہرا تو علاج تمام مفاسد کا ازالہ معصیت ہی ہو سکتا ہے کما ہو ظاہر۔

معصیت ماضیہ اور عقل

اب ایک اور بات سمجھئے کہ معصیت دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے یعنی وہ گناہ جو کیے جا چکے اور ایک وہ جن کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے آئندہ کیے جا سکتے ہیں اور گو ایک زمانہ حال بھی ہے اس کے لحاظ سے ایک تیسری قسم اور بھی ہونی چاہیے لیکن زمانہ حال خود منقسم الی الجزء میں ہے ایک جزو اس کا ماضی ہے اور ایک مستقبل اور دونوں اجزاء کے بیچ میں کوئی جزو ایسا نہیں جس میں کوئی عمل کیا جا سکے وہ صرف ایک آن ہے جو محل عمل نہیں ہو سکتی لہٰذا تیسری قسم نکالنا فضول ہے۔ غرض ایک قسم تو وہ ہے معصیت کی جس کا تعلق ہو زمانہ ماضی سے اس کا

مقتضایہ ہے کہ وہ اب آپ کے اختیار میں نہ رہے اور جو اثر اس پر مرتب ہونے والا ہو وہ ضرور مرتب ہو۔ مثلاً ایک شخص ڈکیتی کر چکا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ سزا ہو۔ گویا اس معصیت کی جس کو زمانہ ماضی سے تعلق ہو عقلاً یہ خاصیت ہے کہ اس پر سزا ضرور ہونی چاہیے اور اگر یہ قاعدہ نہ مانا جائے تو کسی جرم پر سزا نہ ہونی چاہیے اور تعزیرات بے کار ہی ہوں بس مجرم یہ کہہ کر چھوٹ جاوے کہ زمانہ تو گزر گیا اور فعل زمانہ کے ساتھ ساتھ تھا وہ بھی گزر گیا تو تم ایک معدوم فعل پر مجھے سزا کیوں دیتے ہو؟ اس وقت مجھ میں جرم کا وجود کہاں ہے اگر کوئی مجرم یہ کہے تو اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ تو نے جرم کو ایسا موقع کیوں دیا جو وہ تجھ میں موجود ہو کر معدوم ہوا تو یہ سزا معدوم محض پر نہیں بلکہ معدوم بعد الوجود پر ہے تو مقتضائے عقل یہ ہوا کہ اگرچہ یہ بات ہے کہ زمانہ اختیار میں نہ رہا تو زمانی بھی (یعنی وہ فعل) اختیار میں نہ رہا نہ وہ لوٹ سکتا ہے نہ اس کے ساتھ حقیقتاً مجرم موصوف ہے لیکن سزا کا مدار اس پر نہیں بلکہ مطلق وجود اگرچہ اس پر عدم طاری ہو گیا ہو سزا کے لیے کافی ہے اس لیے گزشتہ جرم پر سزا ضرور ہونی چاہیے۔

عقل کی بے رحمی

یہاں بطور جملہ معترضہ کہا جاتا ہے کہ آج کل عقل کا زمانہ ہے لوگ عقل کے ایسے دلدادہ ہوئے ہیں اور ایسی دوستی کی ہے عقل سے کہ شریعت کو بوجہ خلافِ عقل فتویٰ دینے کے چھوڑ دیتے ہیں مگر عقل کی درستی دیکھ لی آپ نے کہ اس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ گزشتہ جرم پر سزا ہونا چاہیے مگر حق تعالیٰ نے یہ فتویٰ منظور نہیں کیا اور کہہ دیا ہم بہت سے گناہوں کی سزا معاف کر دیں گے۔ شریعت جو آپ کو ناگوار ہے وہ اس قدر آپ کی خیر خواہ ہے اور رحم کرتی ہے اور عقل جس کے آپ مرید ہیں وہ ایسی آپ کی دشمن ہے مقابلہ کر کے فیصلہ کیجئے جس نے دونوں کو دیکھا ہے اس نے تو کہہ دیا۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دور اندیش کو بارہا آزمایا بعد میں اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا)

اور کہہ دیا کہ:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　　مر عسس را دید و در خانہ نہ شد

(وہ دیوانہ دیوانہ نہیں ہے جو کوتوال کو دیکھتا ہے اور اس کے ڈنڈے سے بچنے کے لیے) گھر چلا جاتا ہے۔

یہ خیر خواہ صاحب ایسے ہیں جیسے الف لیلی کے نائی نے اپنے آقا کی خیر خواہی کی تھی کہ وہ کسی باوجاہت شخص کی بیٹی سے تعلق رکھتا تھا اور خفیہ اس کے پاس گیا تھا، یہ نائی صاحب بھی خدمت کے لیے ساتھ تھے وہ شخص گھر آیا تو چور صاحب چھپ گئے اتفاق سے وہ شخص اپنے نوکر کو کسی قصور پر مارنے لگا نائی سمجھا میرا آقا پٹ رہا ہے آپ حمایت کے

لیے دوڑے اور اس شخص سے کہلا بھیجا کیا میرا آقا خود آیا ہے؟ تیری ہی بیٹی نے بلایا ہے پھر میرے آقا کو کیا کہتا ہے غرض نائی صاحب نے بتلایا کہ میرا آقا تیرے گھر میں ہے پھر تو اس کو تلاش کر کے نکالا گیا اور خوب رسوائی اور کندہ کاری ہوئی یہ قصے بچپن میں دیکھے تھے۔ ہیں تو یہ لغویات مگر بچپن کا شغل بھی اس وقت کام دکھا گیا اور نتیجہ اس سے اچھا نکل آیا غرض عقل ایسی خیر خواہ ہے سیکڑوں قصے اس قسم کے موجود ہیں جن سے عقل کی بدخواہی اور بے رحمی ثابت ہوتی ہے۔

شریعت کی خیر خواہی

میں ایک نظیر اور دیتا ہوں اس بات کی کہ عقل آپ کے ساتھ ہمدردی کرتی ہے یا شریعت۔ دیکھئے عقل کا مقتضیٰ ہے کہ جتنی بڑی چیز مقصود ہو اتنی ہی کوشش بھی زیادہ چاہیے۔ ایک مقدمہ یہ ہوا اور اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ آخرت کی دنیا سے کیا نسبت ہے ظاہر ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور فانی اور باقی میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض اعلیٰ مقاصد بھی اتنی کوششوں کے محتاج ہیں کہ تمام عمران میں کھپ جاتی ہے پھر بھی بعض وقت میسر نہیں ہوتے تو اس حساب سے آخرت کے کسی ادنی مقصد کے لیے بھی کوشش اس دنیوی مقصد سے زیادہ ہی ہونا چاہیے کیونکہ وہ کیسا ہی ادنیٰ ہو مگر باقی ہونے کی وجہ سے فانی سے تو اعلیٰ ہی ہے۔ ادنی کہنا کسی مقصد آخرت کو صرف بنسبت دیگر مقاصد آخرت کے ہے ورنہ دنیا کے تو کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کو بھی اس سے کچھ لگاؤ نہیں ہو سکتا۔ غرض عقل حکم کرتی ہے کہ آخرت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ کوشش اس کے اندازہ کے موافق ہو اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تھوڑی کوشش بھی کافی ہے پھر وہ تھوڑی کوشش بھی دس حصے تک بڑھا دی جاتی ہے بلکہ رعایات کو اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ صرف بہانہ دیکھا جاتا ہے کہ ذرا سی کوشش کرے بلکہ کوشش کا ارادہ ہی کرے بلکہ ذرا رخ بھی اوپر کو کرے تو اس کے اوپر انعامات کی بارش کر دیں۔ اب دیکھ لیجئے! کہ عقل کی خیر خواہی بڑھی ہوئی ہے یا شریعت کی۔ پھر افسوس ہے کہ اس کو خیر خواہ کہیں جس کے یہاں ضابطہ کے سوا رعایت کا نام ہی نہیں اور واقعی خیر خواہ کو دشمن سمجھیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عقل بری چیز ہے نہیں عقل کام کی چیز بھی ہے مگر اس قید سے کہ اس سے زیادہ دوستی نہ کرو تھوڑا کام لو وہ کام یہ کہ اس کے ذریعے سے اصول دین کو سمجھ لو باقی فروع میں یہ بیکار ہے فروع میں اس کے فتویٰ پر عمل نہ کرو۔

(خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 137 تا 150)

ایک کفن چور کا قصہ

ایک کفن چور کا قصہ ہے اس کی ایک بزرگ سے دوستی تھی ایک دفعہ ان بزرگ نے اس سے کہا کہ بھائی ہم کو اندیشہ ہے کہ تم ہمارا کفن بھی چراؤ گے اس نے کہا توبہ توبہ آپ سے ایسی گستاخی کبھی نہیں کروں گا۔انہوں نے فرمایا ہم کو اطمینان نہیں البتہ ایک صورت اطمینان کی ہے کہ ہم سے تم کفن کی قیمت لے لو اور وعدہ کرلو! اس نے اس سے انکار کیا۔انہوں نے اصرار کر کے قیمت سپرد کردی اور فرمایا بس اصل مقصود تمہارا یہی روپیہ ہے سو تم کو یہ حاصل ہی ہو گیا اب مت چرانا اس نے کہا اول تو اس کی حاجت نہ تھی مگر خیر اب تو کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اتفاق سے ان بزرگ کا انتقال ہو گیا یہ صاحب وہاں پہنچے اور وہی حرکت شروع کی ان بزرگ کی کرامت ظاہر ہوئی کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب یہی ٹھہری تھی؟ یہ خوف سے وہاں ہی گر گیا اور دم نکل گیا کسی خلیفہ نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ ہم نے تو ہنسی میں اس سے کہا تھا ورنہ کفن چورانے سے ہمارا کیا ضرر تھا مگر وہ ایسا بزدل نکلا کہ مر ہی گیا گو وہ فاسق ہے مگر ہم نے اس کا بازو پکڑ لیا ہے اس کی لاج آتی ہے اب میں اس کی سفارش کر کے بخشوانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم اس کی بھی تجہیز و تکفین کرو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 223)

حضرت شاہ ولی اللہ کو نبی ﷺ نے تین باتوں کا حکم دیا

اسی خدمت دین کی بدولت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہا جاتا ہے ورنہ عبادت کی کثرت اور قلت کسی کی مدون نہیں اور اگر کسی نے ظاہری فضائل کی چھان بین کی بھی ہے تو اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کثیر الفضائل ہونا معلوم ہوا ہے۔ محدثین نے اس کی تشریح کی ہے۔اب یا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس قسم کے فضائل اس قدر مدون کم ہوئے ہیں یا فی الواقع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے فضائل میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زائد ہوں لیکن پھر بھی محققین اور اہل نظر یہی کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمیع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل ہیں۔

اور اس نظر کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالم شہادت اور برزخ دونوں سے ہوتی ہے۔ سو احادیث تو سب کے پیش نظر ہیں اور نہ ہوں تو وہ مدون ہیں ہر ایک دیکھ سکتا ہے ہاں برزخی اقوال سے ایک قول نقل کرتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کا حکم فرمایا اور یہ تینوں باتیں میری مرضی کے خلاف ہیں مگر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اپنی مرضی کو چھوڑ دیا۔

ایک تو یہ کہ میرا رجحان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل کی طرف تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو افضل الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمجھو۔ دوسرے میرا میلان ترک تقلید کی جانب تھا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ ہو۔ تیسرے میں ترک اسباب کو پسند کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک کر تشبث بالاسباب کا حکم فرمایا۔

ان تینوں حکموں میں بہت سے راز ہیں لیکن یہ وقت ان کی تفصیل کا نہیں لہٰذا اس کو یہیں چھوڑا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عالم برزخ میں بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھو! غرض حدیث سے، کشف سے، محققین کی رائے سے ہر طرح شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس مسئلے کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ خاص اسی متن کی پوری طرح شرح ہوگی۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت بہت زیادہ ہوئی۔ پس علم کی افضلیت کی تو یہ حالت لیکن باوجود افضل العبادات ہونے کے اس کی صورت عبادت کی نہیں ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 273،272)

اکبر بادشاہ ایک دن تنہا شکار کو نکلا

اکبر بادشاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شکار میں گیا اتفاقاً تن تنہا کہیں دور نکل گیا ایک دیہاتی کے یہاں مہمان ہوا جب چلنے لگا تو اس دیہاتی سے کہا کہ اگر تم کو کبھی حاجت واقع ہو تو تم دار السلطنت میں ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ ایک بار آیا کہ اس وقت نماز پڑھ رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر اس نے دعا مانگی جب دعا سے بھی فراغت کر چکا تو اس دیہاتی نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے اکبر نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگ رہا تھا۔ دیہاتی نے کہا تم کو بھی مانگنے کی ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ بیشک مجھے بھی ضرورت ہے۔ کہنے لگا کہ پھر مجھے تم سے حاجت کہنے کی کیا ضرورت؟ جو شخص تمہارے شاہانہ سوالات کو پورا کرے گا کیا وہ میرے غریبانہ سوالات کو پورا نہ کرے گا؟ تو یہ استغناء اس توحید ہی کے رنگ کی بدولت تھا جو کہ چھلک اٹھا اسی کو کہتے ہیں:

موحّد چہ برپائے ریزی زرش   چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس   ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(ایک اللہ تعالیٰ پر یقین اور بھروسہ رکھنے والا سونے چاندی کو ٹھوکر سے مارتا ہے خواہ تم اس کے قدموں میں زر و سیم رکھ دو یا اس کے سر پر ہندی لوہے کی مشہور تلوار رکھ دو)

اسی طرح عقائد کے ہر مسئلہ کی ایک غایت علاوہ نجات کے قرآن شریف وحدیث شریف میں ملے گی تو ان غایات کو بالکل نظر انداز کر دینا بڑا ظلم ہے ان کو بھی لینا چاہیے۔ اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح ہر عمل کو علم سے تعلق ہے اسی طرح ہر علم کو بھی عمل سے تعلق ہے۔ گو کیفیت تعلق کی مختلف ہو لہٰذا بڑی کمی ہو گی کہ صرف علم کو بیان کر کے چھوڑ دیا جائے اور اس کے متعلق عمل کو بیان نہ کیا جائے۔ یہاں تک تمہید تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحث علمی کے بعد ضرورت اس کی بھی ہے کہ اعمال سے بحث کی جائے۔ اسی واسطے میں نے اس آیت کو اس وقت پڑھا ہے تا کہ مولوی شبیر احمد صاحب کے بیان علمی کے بعد اسی آیت کا بیان عملی بھی ہو جائے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 318،317)

40 دن کی فضیلت

غرض علماء سے وحشت یا ان پر اعتراضات یا مسائل اسلام میں شکوک اس وقت تک ہیں کہ جب تک آپ ان کے پاس جا کر نہیں رہے مگر نہایت افسوس ہے کہ اظہار طلب اور شکوک ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہوتا کہ چالیس دن کسی کے پاس جا کر رہ لیں۔ قصبہ کیرانہ میں ایک تحصیلدار صاحب نے ایک صاحب کو پیش کر کے کہا کہ ان کو بعض مسائل اسلام میں شکوک ہیں میں نے کہا ان شکوک کا علاج نہیں کہ اس مختصر جلسہ میں یہ ان کو پیش کریں اور میں جواب دے دوں اور سن کر چلے جائیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ چند روز کے لیے میرے پاس تھانہ بھون میں آ کر رہیں اور میں جو کہا کروں اس میں غور کیا کریں ان صاحب نے نہایت زور کے ساتھ تھانہ بھون آ کر رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مدت گزر گئی اور ان کا وعدہ وفا نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اپنی اس حالت کو مرض نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ کوئی مرض بھی اس کے برابر نہیں۔ نیز مرض بھی پرانا ہے لہٰذا ایک دو جلسہ میں اس کا ازالہ ممکن نہیں کم سے کم ایک چلہ تو ضرور طبیب کے پاس رہنا چاہیے۔ جیسا حدیث میں مذکور ہوا اسی حدیث کا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا ترجمہ کیا ہے:

شنیدم رہروی در سرزمینی ... ہمے گفت ایں معمارا قرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف ... کہ در شیشہ بماند اربعینے

(کسی ملک میں میں نے ایک راستہ چلنے والے شخص سے یہ بات سنی وہ اس بات کو بڑے قاعدے اور مزے سے کہتا تھا کہ اے صوفی شراب اس وقت صاف ہوتی ہے جبکہ شیشے کے اندر چالیس روز رہے)

شیشے سے مراد قلب ہے اور شراب سے مراد محبت الٰہی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک چلہ علاج کرنے سے ان شاء اللہ اصل مرض جاتا رہے گا اور پھر ان شاء اللہ عمر بھر مقویات پہنچتی رہیں گی۔ گویا مسہل تو طبیب کے پاس رہ کر ہو جائے گا

اور ازالہ مرض کے بعد تقویت پہنچانے والی دوائیں دور رہ کر بھی پہنچتی رہیں گی۔ خدا کے لیے صاحبو! اس علاج کو آزما کر تو دیکھو اور چونکہ میں نے اصل علاج بتلادیا ہے لہٰذا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں لوگوں کے جزوی شکوک اور شبہات کا جواب دوں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 321،320)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک یہودی کا کچھ قرض تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ ایک یہودی کا کچھ قرض آپ کے ذمہ تھا ایک روز اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے باکانہ کچھ الفاظ کہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو دھمکایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان لصاحب الحق مقالا" (جس کسی کا کسی دوسرے پر کچھ حق ہوتا ہے اس کو کہنے کا حق حاصل ہے) تو آزادی یہ ہے کہ حکومت کر کے رعایا کو اتنا آزاد کر دیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 18، ص 355)

انیسویں جلد کے جواہر

شراب کے نو مٹکے توڑ دیئے

امراء سے ملنا اور ثابت قدم رہنا بڑے قوی آدمی کا کام ہے۔ جس کی شان حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی سی ہو۔ ان کی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پیچھے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اتر رہے ہیں پوچھا کہ ان میں کیا ہے کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفہ وقت معتصم باللہ کے لئے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر انہوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شراب خلیفہ کیلئے لائی گئی تھی اس لئے ان کا براہ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا۔ معتضد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔

معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو معلوم ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔ معتضد یہ جواب سن کر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو؟ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے۔ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ۔ (قائم کر نماز کو حکم کر نیک باتوں کا۔ اور روک لوگوں کو بری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر)۔

معتضد یہ بے باکی کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا۔ مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکا تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسن! تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ اس کیلئے ہوگا اس لئے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔

ایسی ہی حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لکھی ہے کہ آپ ایک کافر کے قتل کرنے کے واسطے اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا آپ فوراً اتر پڑے اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ

باوجود اس کے کہ مجھ پر غالب ہو گئے تھے۔ اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آگیا تھا، پھر گستاخی بھی سخت کی باوجود ان مقتضیات کے پھر کیا وجہ پیش آئی کہ الگ ہو گئے اور قتل نہیں کیا فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کے واسطے تجھ کو مارنے کی تھی اور جب تو نے تھوکا تو غصہ آگیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام کر دو۔ تو اب نفس کی آمیزش ہو گئی اگر قتل کرتا تو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نہ ہوتا۔ اس لئے میں نے چھوڑ دیا وہ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

یہ حکایت خلوص کی مناسبت سے بیان کی گئی۔ اصل قصہ حضرت ابوالحسن نوری کی حق گوئی کا بیان کیا گیا تھا۔

حاصل یہ کہ اگر علماء امراء کے پاس جا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر سکیں تو خیر ان سے ملنے کا ڈر نہیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا پڑے اور حق گوئی نہ کر سکے تو اجتناب ہی بہتر ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 24،25)

اے نفس تجھ کو حجرہ میں شہید کر دوں گا!

ایک بزرگ ایک حجرہ میں عزلت نشین تھے اور ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً کفار و مسلمین میں مقابلہ پیش ہوا۔ ان بزرگ کے نفس میں خیال آیا کہ چلو جہاد کریں اور شہید ہوں گے پھر سوچا کہ یہ کیا بات ہے اس نے یہ کیوں تجویز کیا ضرور اس میں کوئی کید خفی ہے بہت سوچنے سے معلوم ہوا نفس نے اس میں اپنے لئے نجات سمجھ کر یہ بات تجویز کی تھی اور سوچا تھا کہ یہ شخص رات دن مجھ کو ستاتا ہے اور میرے سر پر ناگوار امور کے ہر وقت آرے چلاتا رہتا ہے اور طاعات میں ہر وقت مجھ کو گھونٹا ہے اور کسی وقت چین لینے نہیں دیتا۔ شہید ہونے میں ایک دفعہ پاپ کٹ جائے گا اور اس مصیبت سے نجات ہو جاوے گی جب یہ مکر معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو جواب دیا کہ میں تجھ کو اس مصیبت سے کبھی نجات نہ دونگا۔ میں تجھ کو یہاں حجرہ میں شہید کر دوں گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 31)

امام غزالیؒ کے حالات

امام غزالی جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر نکلے تو بہت بڑے عالم ہوئے تین سو علماء ان کے ساتھ چلتے تھے۔ ایک مدت تک اسی حالت میں رہے اس کے بعد خدا طلبی کا جوش ہوا اور دل میں آیا کہ سب چھوڑ کر خلوت اختیار کریں، ایک مدت امروز و فردا میں رہے۔ آخر ایک بار سب ترک کر کے صحرا قدس میں جا کے معتکف ہو گئے اور مدت تک سخت مجاہدہ و ریاضت کی۔ اور دس برس تک ان پر قبض واقع رہا اور بجز پوست اور استخواں کے کچھ باقی نہ رہا۔ قریب المرگ ہو گئے بعض آس پاس کے رہنے والے ان کی حالت دیکھ کر کسی نصرانی ڈاکٹر کو لائے اور ان کی نبض دکھائی اس نے نبض دیکھ کر کہا کہ ان کو محبت کا مرض ہے اور محبت بھی مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے جب تک ان کو وصل میسر نہ ہوگا شفا نہ ہوگی۔

قد لسعت حية الهوىٰ كبدي فلا طبيب لها ولا راقي
إلا الحبيب الذي شغفت به فعنده رقيتي وتُرياقي

(میرے جگر کو عشق کے سانپ نے کاٹ لیا ہے نہ اس کیلئے کوئی طبیب ہے نہ جھاڑ پھونکنے والا بجزاس محبوب کے جس کی محبت نے میرے دل میں جگہ کرلی ہے اس کے پاس میری جھاڑ پھونک اور میرے لیے تریاق ہے)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے غرض مدتوں کے مجاہدے وریاضت کے بعد کامل ہوئے اور پھر بغداد میں آئے اور ایسی شان سے آئے کہ علماء وطلباء وصوفیہ سب کے امراض روحانی بیان فرماتے تھے۔ اس پر بعض علماء دشمن ہو گئے اور کفر کا فتویٰ ان پر لگایا گیا۔ احیاء العلوم جلائی گئی۔

الحمد للہ! یہ سنت امام غزالی کی ہم کو بھی نصیب ہوئی کہ مجھ پر کفر کا فتویٰ بھی دیا گیا اور میری کتاب بہشتی زیور جلائی گئی۔ حاصل یہ کہ کسی کیلئے ذوق وشوق مصلحت ہے کسی کیلئے گھلنا اور پگھلنا ہی حکمت ہے۔ اس لئے ان خیالات کو چھوڑ کر کام میں لگنا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص36)

دل کا زنا

جس کا خیال قصداً دل میں لائے گا خواہ کسی اجنبی عورت کا یا کسی امرد کا۔ تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ قلب کو دوسری طرف متوجہ کرنا اس کے اختیار میں تھا اسی کو فرماتے ہیں والقلب یزنی کہ دل بھی زنا کرتا ہے یعنی سوچ سوچ کر مزے لیتا ہے ایسے وقت میں واجب ہوگا کہ اپنے قلب کو دوسری طرف متوجہ کر دے پھر اگر دوسری طرف متوجہ کرنے کی حالت میں بھی پہلی توجہ کا اثر رہے جس کا دور کرنا اس کے اختیار میں نہیں تو اس پر مواخذہ نہیں اسی کے بارہ مین ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ یہ حقیقت ہے اس کی۔ اب بتلائیے یہ کہنا کیسے ہوگا کہ قلب پر اختیار نہیں ہے بے شک قلب پر اختیار ہے مگر بہت لوگ اس سے غافل ہیں وہ فعل قلب کو مطلقاً گناہ ہی نہیں سمجھتے اور بعض اس کو گناہ تو سمجھتے ہیں مگر ہدی کا اتباع یعنی اس کی شرعی تدبیر نہیں کرتے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص60)

اللہ تعالیٰ کا کسی مصیبت میں ڈالنا نشتر کے قائم مقام سمجھے

تیسرے اس معرفت سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے۔ اور کوئی محب محبوب کو تکلیف نہیں دیا کرتا لہٰذا ہم پر جو ظاہراً تکلیف آئی ہے یہ ایسی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کا بچے کے دنبل میں جس نے اس کو بے

حد تکلیف دے رکھی ہو یا آئندہ تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو نشتر لگواتے ہیں کہ وہ ظاہراً تو تکلیف ہوتی ہے لیکن واقع میں کامل راحت کا سامان ہوتا ہے۔ اس تکلیف کی وہ حالت ہوتی ہے کہ

طفل می لرزد زنیش احتجام　　　　مادر مشفق ازاں غم شاد کام

کہ بچہ تو ڈرتا ہے لرزتا ہے اور ماں خوش ہو رہی ہے حتی کہ نشتر لگانے والے کو انعام دیتے ہیں۔ سو اگر کوئی اجنبی تعجب کرنے لگے اور کہے کہ یہ انعام کس بات کا دیا ہے اس شخص نے تو تکلیف پہنچائی ہے اس کو سزا دینی چاہیے تو ماں باپ کہیں گے کہ احمق! تکلیف نہیں ہے بلکہ یہ عین راحت ہے جس کی بدولت لڑکے کی زندگی کی امید ہو گئی۔ ورنہ یہ دنبل بڑھتا اور اس کا زہریلا مادہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا اور لڑکا ہلاک ہو جاتا۔

تو جب ماں باپ کا نشتر لگوانا اور اس کو تکلیف دینا بوجہ راحت ہونے کے ناگوار نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کو ماں باپ سے بدرجہ زیادہ محبت اپنے بندوں سے ہے پھر اگر وہ فقر و فاقہ ڈال دیں یا کسی اور مصیبت میں گرفتار کر دیں تو اس کو نشتر کے قائم مقام کیوں نہیں سمجھا جاتا۔ تو علم سے یہ فائدے ہیں جو کہ مال سے نہیں ہو سکتے اور یہ فائدے تو دنیا میں ہوتے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایمان پر خاتمہ ہو اور یہ علم کی بدولت ہوتا ہے۔ جاہل آدمی کا خاتمہ خراب ہوتا ہے لیکن جاہل سے مراد وہ ہے کہ نہ تو خود پڑھے اور نہ اہل علم سے ملے نہ کسی سے پوچھے تو ایسے شخص کے ایمان کا بھروسہ نہیں کیونکہ جب یہ شخص مرتا ہے تو شیطان اس کو یہ سمجھاتا ہے کہ تو اس وقت اپنی سب پیاری چیزوں سے چھوٹ رہا ہے اور خدا تعالیٰ تم کو ان چیزوں سے چھڑا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے بغض ہو جاتا ہے اور کفر پر خاتمہ ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے اگر علم ہو تو اس قسم کے اندیشے نہیں رہتے لیکن عالم سے خاص وہی مراد نہیں جو عربی ہی پڑھا ہو۔ بلکہ یا پڑھا ہو یا علماء کی صحبت میں بیٹھ کر علم حاصل کر لیا ہو۔ یا علماء سے پوچھ پوچھ کر قدرے ضروری معلوم کر لیا ہو۔ غرض علم ایک نعمت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 104،103)

حضرت عمرؓ ایک گھر کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے

صاحبو! اگر کوئی بُرا ہے تو تم کو کیا غرض اور اچھا ہے تو تم کیا مطلب؟ تمہیں اپنی اچھائی برائی کی فکر ہونی چاہیے۔ باقی ہر شخص کی خبر رکھنا یا اس کا خیال ہونا یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے یا اس کے بندے کا کام ہے جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو کہ اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر علم حالات اصلاح ممکن نہیں ہے اور اسی وجہ سے میں نے بلا ضرورت کی قید لگا دی تھی اس لئے کہ مثلاً حاکم وقت جب تک تفتیش حالات نہ کریگا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو

اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپؓ رات کے وقت گشت لگارہے تھے کہ ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی۔ آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی سن نہ سکے آخر آپؓ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے لیکن چونکہ جانتے تھے کہ خلاف سے حضرت عمر کو ہرگز غصہ نہ آئے گا۔ اس لئے ایک شخص نے جرأت کر کے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم لوگوں نے صرف ایک ہی گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کیے ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں چلے آئے۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف حکم ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ (اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ ان سے اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرلو) دوسرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے وَلَا تَجَسَّسُوا (تجسس نہ کرو) تیسرا یہ کہ آپ مکان کی پشت پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا (کوئی نیکی نہیں کہ اپنے گھروں میں ان کی پشت سے داخل ہو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کرلو۔

آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا ان مدعیان آزادی میں کہ بہائم کی طرح نہ نماز کے نہ روزے کے کھالیا اور ہوا پرستی میں عمر گزاری۔

صاحبو! واللہ یہ آزادی نہیں نفس کی شرارت اور اتباع ہویٰ اور مطلق العنانی ہے اور یہ آزادی سانڈ کی سی آزادی ہے کہ جس کھیت میں چاہا منہ ماردیا جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کرلیا تو کیا کوئی آزاد صاحب سانڈ صاحب کو پسند کرتے ہیں اگر اس کا جواب نعم ہے تو آج سے آپ بھی ہماری طرف سے یہی لقب لیجئے اور اگر لا میں جواب ہے تو پھر ذرا مہربانی کر کے اپنے اور سانڈ میں کچھ فرق بتلایئے اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگران ہو تو اس کی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے۔ یا شوہر ہو کر اس کو بھی بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے متعلق اس کی اصلاح ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو کہ اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ بھی نہ کرسکے گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 111،112)

فرعون کے جادوگر

صرف وضع کی درستگی اور ظاہر کی آراستگی کا نام آجکل دینداری رکھ لیا ہے باقی اعمال واخلاق وہ چاہے کیسے بھی ہوں اور عوام کی حالت پر ایک اعتبار سے اس سے بھی زیادہ افسوس ہے کہ ان کا ظاہر بھی درست نہیں دینداروں میں

اگر ایک کمی ہے تو ان میں دو ہیں اور یاد رکھو کہ ظاہر کی درستی بھی بے کار نہیں ہے اس کا بھی باطن پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ جب ساحران فرعون کے مقابلے کیلئے تشریف لے گئے تو مقابلے کے بعد ساحر تو سب مسلمان ہو گئے تھے لیکن فرعون نہیں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ سے اس کا سبب پوچھا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ! ساحران فرعون اس وقت تمہارا لباس پہن کر آئے تھے ہماری رحمت نے گوارا نہ کیا کہ تمہارے ہم لباس دوزخ میں جائیں اس لئے ہم نے ان کو ایمان کی توفیق دیدی اور فرعون محروم رہا۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ ظاہر کی درستی بھی اچھی چیز ہے مگر اس کی درستی پر اکتفانہ کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ باطن کو بھی درست و آراستہ بنانے کی فکر ہوئی چاہیے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 117)

غصہ کے دیگر علاج

غرض ایک علاج غصہ کا علماء نے یہ کہا ہے کہ اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے ظاہر ہے کہ جب دوسری جگہ چلا جائے گا تو نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا نہ وہ اسباب وہاں موجود ہوں گے جو باعث غصہ کے ہوئے تھے۔ غصہ آپ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ جس کو غصہ زیادہ آتا ہو ایک کاغذ پر یہ لفظ لکھ کر کسی ایسے موقع پر لگا دے کہ اس پر ضرور نظر پڑتی ہو وہ لفظ یہ ہے "خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے کہ جتنی تجھ کو اس پر ہے۔" غصہ جبھی آتا ہے کہ جب دوسرے کو اپنے سامنے کمزور پاتا ہے اور جب دوسرا از بردست ہوتا ہے تو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ اگر تیسرا بھی ایک زبردست موجود ہو اس کے سامنے بھی تو غصہ نہیں آتا۔ کہیں ایک ہاتھی مست ہو گیا تھا اور لوگوں کو مارنا شروع کیا بہت تدبیریں کیں مگر قابو میں نہ آیا۔ یہاں تک کہ مالک نے اجازت دیدی کہ گولی سے مار دیا جائے ایک پرانے فیل بان نے یہ تدبیر بتلائی کہ ایک شیر ببر کا کٹگڑا اس کے سامنے لا کر رکھ دو۔ بس شیر کا لانا تھا کہ وہ مستی اور شور سب جاتا رہا اور ہاتھی چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی کی بھی جان بچ گئی اور مالک کا بھی نقصان نہ ہوا۔ اسی طرح جب اس عبارت کو دیکھ کر ایک قادر قوی کا استحضار ہوگا یعنی حق تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ذہن میں گزرے گی۔ بس پھر غصہ کا نام کہاں۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ گو غصہ اپنے سے کم مرتبہ والے پر آیا ہے مگر انسان سوچے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے۔ اس وقت میں زبردست ہوں لیکن ممکن ہے ابھی ذرا دیر میں یہ شخص زبردست ہو جائے اور میں زیردست ہو جاؤں ایسے واقعات دنیا میں دن رات رہتے ہیں۔ یہ ہماری صرف کوتاہ نظری اور غفلت ہے کہ یاد نہیں رکھتے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ شخص زبردست نہیں ہو سکتا تو دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچنا چاہیے کہ وہ ممکن ہے کہ آخرت میں مجھ سے بہتر ہو اور بلکہ دنیا ہی میں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہو اور حق تعالیٰ کے اولیاء

میں سے ہو کسی کی نیکی اور بدی پیشانی پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کی نسبت حق تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ میرے اولیاء کو جو کوئی ستاتا ہے تو میں اس کو اس نظر سے دیکھتا ہوں جس سے شیر اس شخص کو دیکھتا ہے جو ان کے بچوں کو چھیڑتا ہے اور ایک حدیث ہے من عادی لي وليا فقد آذنته بالحرب فليغرم بحرب من الله (یہ روایت تفسیر مظہری کی ہے) یعنی جو شخص میرے کسی مقرب بندہ سے عداوت رکھے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار رہے، العظمة لله ۔ جب کسی دنیا کے حاکم سے بگاڑ ہو جاتا ہے تو کسی کی کچھ نہیں چلتی۔ خدا تعالیٰ کے سامنے کیا کوئی پیش لے جا سکتا ہے۔ تو گو وہ شخص ضعیف ہے مگر اس کی پناہ پر سب سے بڑا زبردست موجود ہے۔

غرض اس مضمون کے استحضار سے بھی وہی کام نکلے گا جو شیر کا کٹگڑا ہاتھی کے سامنے رکھنے سے نکلا تھا۔ غرض اتنے علاج علماء نے لکھے ہیں گو کلام کو طول ہو گیا۔ اور بظاہر زائد مضامین بیان ہوئے لیکن ان کی قدر وہی جان سکتا ہے جو غصے کو برا سمجھتا ہو اور جس کو غصے کا علاج کرنا منظور ہو غصے کی برائی کوئی معمولی برائی نہیں ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کوئی خاص نصیحت کیجئے حضور ﷺ نے فرمایا لا تغضب اس نے پھر اور درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا لا تغضب اس نے پھر اور درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا تغضب یعنی غصہ نہ کر، اور غصہ نہ کر اور غصہ نہ کر، تاکید کے واسطے تین دفع مکرر فرمایا۔ اس شخص کی درخواست پر ایک بار جواب دینے سے جو کچھ غصہ کی برائی ثابت ہوتی ہے وہی کیا کم تھی کیونکہ قرینہ مقام بتا رہا ہے کہ کوئی خاص فضیلت اور کام کی باتوں کا لب لباب ہے۔ چہ جائیکہ تاکید پر تاکید فرمائی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 230،231)

غصہ کیوں آتا ہے

یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ جب غصہ ایسی بری چیز ہے تو انسان میں اس کی ترکیب کیوں رکھی گئی ہے اس کا جواب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصول سے دیتا ہوں۔ حضرت فرماتے تھے ہر چیز میں برائی اور بھلائی دونوں میں موقع استعمال کے فرق سے ایک ہی چیز خیر اور شر ہو جاتی ہے جیسے روپیہ کہ اسی سے آدمی کی بسر معاش ہے اور اسی کو جرائم میں خرچ کیا جائے تو آدمی مجرم بن جاتا ہے تو اسی روپیہ کی بدولت جس سے آرام پاتا تھا۔ اب قسم قسم کی تکالیف اٹھاتا ہے وجہ یہی ہے کہ بے موقع خرچ کیا گیا۔ اسی طرح غصے کو حق تعالیٰ نے مضرب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس میں دفعہ کا ایسا اثر ہے جیسے تلوار میں کاٹنے کا کسی اپنے عزیز کے گلے پر تلوار رکھ دو جب بھی کاٹے گی اور کسی دشمن کے گلے پر رکھو۔ جب بھی کاٹے گی پس غصہ میں فی ذاتہ کوئی برائی نہیں بلکہ قصور کام لینے والے کا ہے۔ اعداء اللہ کے

مقابلہ میں اس سے کتنا کام لے سکتے ہیں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو حضرت حاجی صاحب اس کے استعمال کا موقع بتاتے ہیں کہ اپنے نفس پر اس سے کام لو کیونکہ سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے چنانچہ فرمایا گیا اعدی عدوك التي بين جنبيك سب سے بڑا تمہارا دشمن وہ ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔) جب غصہ میں تلوار کی طرح سے دشمن کے دفع کرنے کی خاصیت ہے تو اس موقع پر بڑا اچھا کام دیگا غصہ دوسروں پر چلانے سے پہلے اپنے اس بڑے دشمن پر چلایئے یہ نفس آپ کا ایسا چھپا دشمن ہے کہ جس کی دشمنی کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے دشمن آپ کے کھلم کھلا مخالف ہوتے ہیں اور یہ جو کام آپ سے کراتا ہے لذات اور شہوات کے پردہ میں کراتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے آپ کا ایک مخالف آپ کو سکھیا دے اور کہے کہ یہ کھا لیجئے آپ اس کو ہرگز نہ کھائیں گے اور ایک آپ کا دوست جو درحقیقت دشمن ہو اور آپ کے قتل کی فکر میں ہو، لڈو میں ملا کر زہر دیدے تو آپ اس کو بڑے شوق سے کھالیں گے اور جب تک اس زہر کا اثر نہ ہوگا آپ کو ذرا بھی وہم نہ ہوگا۔

اسی طرح نفس آپ سے لذات اور شہوات کی آڑ میں ایسے بڑے کام کرا دیتا ہے کہ ان کے نتیجے بہت ہی خراب ہیں اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا جس وقت وہ نتائج ظاہر ہوں گے تو ان کا تدارک مشکل ہو جائے گا۔ مثلاً کسی سے ناخوش ہو کر آپ نے اس کی غیبت کی تو اس وقت تو آپ کو ایک قسم کی لذت حاصل ہوئی لیکن وہ کام ہو گیا جس کا تدارک اب آپ کے ہاتھ میں نہیں جیسا کہ تیر کمان سے چھوٹنے کے بعد تیرانداز کے قبضہ میں نہیں رہتا۔ اب یہ گناہ اپنے نتائج ضرور لائے گا توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا چونکہ حق العبد ہے اس سے معاف کرائے جس کی غیبت کی مگر اس سے کیا امید ہے کہ وہ معاف کریگا جب اسے معلوم ہوگا کہ میرے بلا معاف کئے معاف نہیں ہو سکتا۔ اور معاف نہ کرنے کی صورت میں اس کو نیکیاں ملیں گی۔ دیکھئے نفس نے لذت کی آمیزش سے آپ کو کس خطرناک بات میں ڈال دیا تو اس کی دشمنی کی کچھ گہری ہوئی اس ہتھیار کو جو خدا نے دفع مضرت کیلئے دیا ہے یعنی غصہ کو ایسے دشمن کے مقابلہ میں استعمال کیجئے تو اعلیٰ درجہ کی عقلمندی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 232،233)

ضبط غضب کا انعام

مگر کوئی آسان کام نہیں نفس پر تو اس کا استعمال بہت ہی مشکل ہے نفس کی خواہش کی جگہ سے غصہ کو روکنا بھی کچھ آسان نہیں۔ اسی واسطے اس کا اجر بھی بہت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اپنے غصے کو روک لے ایسی حالت میں کہ وہ اس کے اجراء پر قادر ہے اس کو خدائے تعالیٰ قیامت کے دن علی رؤس الخلائق با اختیار کر دیں گے کہ جس حور کو چاہے پسند کرے جیسا عمل ہوتا ہے ویسا ہی اجر ہوا کرتا ہے اجر کا بڑا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عمل بھی مشکل ہے اور واقعی غصہ کا روکنا کوئی آسان بات نہیں آدمی غصہ میں اپنا قتل تک بھی کر ڈالتا ہے مگر

آدمی ہمت کرے اور خیال رکھے تو کچھ دشوار بھی نہیں خدا تعالیٰ نے انسان کو قدرت بھی دی ہے غصہ سے مجبور نہیں پیدا کیا۔ ہاں ہمت شرط ہے نفس کے کہنے کے موافق نہ کیا کرے یہ غصہ کا بیان ہوا۔ اس کو طول اس واسطے دیا گیا کہ عورتیں اس میں بہت مبتلا ہیں۔

مرد و عورت کے غصہ کا فرق

اس میں کوئی بی بی شبہ نہ کریں کہ غصہ تو مردوں میں زیادہ ہوتا ہے بات بات پر لڑتے اور چلاتے ہیں عورتیں اتنا کہاں چلاتی ہیں۔ بیبیو! سمجھ لو کہ چلانے کا ہی نام غصہ نہیں بلکہ دل میں ناخوش ہونے کا نام غصہ ہے مردوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے اس واسطے ان کی ناراضی کا اثر مارنے پیٹنے چلانے وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور عورتوں کی فطرت میں حیا و برودت رکھی گئی ہے۔ اس واسطے اس ناراضی کا اثر کم ظاہر ہوتا ہے ورنہ درحقیقت اس ناراضی میں عورتیں مردوں سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور چونکہ عقل میں ان کے نقصان ہے موجب ناراضی کو صحیح سمجھ بھی نہیں سکتیں ان کو ایسے موقعوں پر بھی غصہ آسکتا ہے جہاں مردوں کو نہیں آتا۔ تو ان کے غصہ کے مواقع ویسے بھی زیادہ ہیں اس کے علاوہ چیخنے چلانے کی نسبت میٹھا غصہ دیرپا ہوتا ہے چیخنے چلانے والوں کا غصہ اُبال کی طرح سے اُٹھ کر دب جاتا ہے اور میٹھا غصہ دل کے اندر جمع رہتا ہے۔ اسی کو کینہ کہتے ہیں کینے کا منشاء غصہ ہے۔ سو ایک عیب تو وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ تو میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں اور کینہ میں ایک عیب اور ہے کہ جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بہانہ اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں تو یہ صرف ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے اور کینہ میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھا غصہ عورتوں میں زیادہ ہے مردوں کا غصہ ایسا نہیں مردوں کا غصہ جوشیلا ہے اور عورتوں کا غصہ میٹھا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص 235،234)

انعام بقدر قربانی

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت لکھی ہے کہ جب بلخ کی سلطنت چھوڑ کر نکلے ہیں تو اول ہی دن ایک جنگل میں پہنچے وہاں شام ہو گئی۔ ایک مقام پر لیٹ رہے۔ بھوکے پیاسے تھے۔ اور قریب ہی ایک اور درویش بھی رہتا تھا۔ شب کے وقت ان کے واسطے غیب سے ایک خوان آیا کہ کھانوں کی خوشبو سے تمام جنگل مہک اٹھا۔ اور اس درویش کے واسطے دو روٹی جو کی آیا کرتی تھی۔ حسب معمول وہی آئی وہ درویش یہ دیکھ کر جل گیا۔ اور حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے تو یہاں پڑے ہوئے اتنے سال ہو گئے میرے واسطے تو یہی جو کی روٹی ہے آج تک ترقی نہ ہوئی اور یہ آج ہی آیا۔ اس کے واسطے ایسے کھانے بھیجے، ہاتف کے ذریعہ سے ندا آئی کہ یاد کر کہ تو کون تھا۔ اور اس کو دیکھ یہ کون ہے تو ایک گھاس کھدا تھا اس قابل نہ تھا پہلے صبح سے شام تک مصیبت بھرتا تھا۔ اب بے مشقت اس

سے زیادہ ملتا ہے غنیمت نہیں سمجھتا۔ اگر پسند نہیں فلاں درخت کے نیچے تیرا کھرپہ جالی رکھا ہے نکل اور گھاس کھودنا شروع کر۔

غرض توکل میں تو نے کون سا کمال کیا۔ کمال تو اس شخص کا ہے کہ سلطنت اور حشم وخدم کو ہمارے واسطے اس نے چھوڑ دیا۔ بہر حال اگر تجھ کو سیدھی طرح کھانا ہے کھا۔ ورنہ کھرپہ جالی تیرا رکھا ہے جا! اور سنبھال! یہ سن کر لرز گیا اور بہت توبہ استغفار کی پس روٹیوں کے واسطے گوشہ اختیار کرنا توکل نہیں شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان

(روٹی اہل اللہ نے گوشہ عبادت کے لئے لی ہے نہ گوشہ عبادت روٹی کے لئے ہے)

یعنی روٹی اس واسطے لیتے ہیں کہ اللہ اللہ کریں نہ کہ اللہ اللہ اس لئے کریں کہ روٹی ملے۔ یہ خداع اور مکاری ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 19، ص380)

بیسویں جلد کے جواہر

ناشکری و حرص

اور اس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اگر خدا تعالیٰ ان کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرمادیں تو یہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اس پر خدا کا شکر کرتی ہیں بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لو أحسَنتَ الى إحدَاهُنَّ الدَّهرَ، ثُمَّ رَأتْ مِنكَ شيئًا، قالَتْ: ما رَأيتُ مِنكَ خَيرًا قطُّ. کہ اگر کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلاف مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات فراموش کر جاتی ہیں۔ جہاں کسی دن ان کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اور انہوں نے اس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اس نگوڑے کے گھر میں آکر تو میں نے سدا تنگی ہی دیکھی، باپ ماں نے مجھے جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دے دیا، میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا۔ غرض جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتیں کہ آخر اس گھر میں ساری عمر میں نے عیش برتا ہے۔ مجھے اس کو نہ بھولنا چاہئے اور خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے کلفت آج ہی دکھلائی اور زیادہ زمانہ عیش میں گزارا۔ سو عورتوں میں چونکہ ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اس لئے ان کو تھوڑے سامان پر قناعت نہیں ہوتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض عورتوں کے پاس سال بھر کے کپڑے موجود ہوتے ہیں جو صندوق میں بھرے رکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی کیا مجال ہے کہ پھیری والا بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے جہاں بزاز کی آواز سنیں گی فوراً اس کو دروازہ پر بٹھلا کر اور کپڑا پھڑوا لیں گی۔ برتن گھر میں ضرورت سے زیادہ ہوں گے مگر پھر بھی ان کی فرمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوگا۔ واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے۔ دہلی میں مولانا عبدالرب صاحب ایک واعظ تھے وہ عورتوں کی اس صفت کو بڑے لچھے دار فقروں میں بیان کیا کرتے تھے کہ ان عورتوں کی یہ عادت ہے کہ ان کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب پوچھے کہ تمہارے پاس کتنے کپڑے ہیں تو یوں ہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہیں دو چیتھڑے اور جوتوں کے چاہے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو لیتھڑے اور برتن چاہے کتنے ہی ضرورت سے زیادہ ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں

دو ٹھیکرے۔ خیر یہ تو مولوی صاحب کا لطیفہ ہے مگر حقیقت میں عورتوں کی عادت کا فوٹو انہوں نے خوب کھینچا۔ غرض ان کو دنیا کی تکمیل کی بہت زیادہ فکر ہے ہر وقت اسی دھن میں رہتی ہیں ان کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، زیور کی ہوس کا یہ حال ہے کہ بعض عورتیں سر سے پیر تک لدی رہتی ہیں مگر پھر بھی بس نہیں اگر نیا زیور نہ بنوائے گی تو پہلے ہی زیور کی توڑ پھوڑ میں روپے برباد کرتی رہیں گی۔ آج ایک زیور بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ کل کو کسی عورت کے پاس وہی زیور دوسرے نمونہ کا دیکھ لیا تو اب ان کو توڑ پھوڑ کی بی کلی لگتی ہے کہ میں بھی اسی نمونہ کا بنواؤں گی۔
(خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 65)

برقعہ کے اوپر بیل وغیرہ لگانا حرام ہے۔

خذوا زینتکم۔ اپنا لباس پہن لیا۔ اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لباس ہی ہے اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں اور زینت کو تو برقعہ چھپالیتا ہے مگر برقعہ میں ایسی چین بیل لگی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر ہی دوسرے کا دل بے چین ہو جائے۔ واقعی وہ برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی حور کی بچی ہو گی گو کہ منہ کھولنے کے بعد چڑیل ہی کی ماں نکلے تو شریعت نے ایسی زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے کہ پھر بھلا چہرہ اور گلا کھولنا مطلقاً کیونکر جائز ہو سکتا ہے جو مجمع المحاسن ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 139)

حضرت اماں عائشہؓ صدیقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے روٹھ گئے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے تو دروازہ میں سے حضرت عائشہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا چلا کر بات کرتے ہوئے سنا غصہ آیا جب اندر پہنچے تو صاحبزادی (عائشہؓ) سے کہتے ہیں میں بھی سن رہا ہوں کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بول رہی ہے۔ یہ کہہ کر طمانچہ مارنے کو ہاتھ اٹھایا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک لیا جب حضرت ابو بکر صدیقؓ چلے گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں دیکھا میں نے تم کو کیسا بچالیا ورنہ پٹ گئی ہوتیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 224، 223)

علم و عمل

پس چونکہ اس اعتبار خاص سے عمل مقدم ہے علم پر اس لئے المحصنات کو پہلے لائے اور المومنات کو بعد میں یہاں یہ نکتہ ہے مقدم لانے میں اور اعتبار خاص سے میں نے اس لئے کہا کہ دوسرے اعتبار سے علم مقدم ہے عمل پر وہ یہ ہے کہ بدوں علم کے عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر ہیں دونوں ضروری علم بھی اور عمل بھی۔ یہ نہیں کہ جو عمل نہ کرتا ہو وہ

علم بھی حاصل نہ کرے جیسا بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عمل ہی نہیں ہو سکتا تو احکام جاننے سے وعظ سننے سے کیا فائدہ۔ بات یہ ہے کہ جب دونوں فرض ہیں تو جس نے علم حاصل کیا گو عمل نہ کیا تو وہ ایک ہی جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے ایک ہی ضروری چیز کو چھوڑا اور جس نے علم بھی حاصل نہ کیا وہ دو جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے دو ضروری چیزوں کو ترک کیا اور اس کا یہ عذر مقبول نہ ہو گا کہ علم اس لئے حاصل نہیں کیا تاکہ علم سے پھر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ عمل تو پھر بھی فرض ہی رہے گا۔ اس جاہلانہ عقیدہ پر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص نے مسئلہ سنا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ آپ گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے کواڑ بند کر لئے کہ نہ چاند دیکھوں گا نہ روزہ فرض ہو گا۔ کئی روز وہیں گزر گئے وہاں ہی کھانا وہاں ہی ہگنا۔ بی بی پاخانہ اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہوئی۔ بس ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا جنگل میں آپ پہنچے، قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی تالاب کے کنارہ پر پہنچ سر جھکائے ہوئے تھے کہیں چاند نظر نہ پڑ جائے بیچارہ اتنا جانتا نہ تھا کہ پانی کے اندر عکس ہوتا ہے تالاب کے کنارے بیٹھے تو پانی میں چاند نظر پڑا اور روزہ فرض ہو گیا آپ کہتے بھلے ہیں ہم تو تجھے دیکھتے نہیں تو زبردستی آنکھوں میں گھسا جاتا ہے۔ پس جیسے اس نے سمجھا تھا کہ جو چاند نہ دیکھے روزہ فرض نہیں ہوتا ایسے ہی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر علم حاصل نہ کریں گے تو عمل ہی فرض نہ ہو گا۔ سو یاد رکھئے کہ فرض دونوں چیزیں ہیں علم بھی عمل بھی، اور اس اعتبار سے علم کا حاصل کر لینے والا گو اس نے عمل نہ کیا ہو اس سے اچھا ہے جس نے علم و عمل دونوں حاصل نہ کئے ہوں ہاں زیادہ مقصود بے شک عمل ہے اور اسی وجہ سے المحصنات کو مقدم لائے المومنات پر گویا اس میں عمل کی مقصودیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم یہاں اس کو اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ عمل کو زیادہ مقصود سمجھو اور اس میں رد ہو گیا ان لوگوں کا جو تعلیم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اول کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ علم دین حاصل کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کمال حاصل کر لیا میں نے اس مذاق کے علماء دیکھے ہیں کہ بس علم حاصل کر کے اپنے کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور انکو ناز ہوتا ہے اپنے علم پر حق تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ۔ کہ جو علم ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 257،256)

لا الٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھئے

اب فرض کیجئے کہ یہ شخص نلکح اس مذاق کا تھا کہ من قال لا إله إلا الله کے محض لفظی معنی کا قائل تھا نکاح کے چند روز بعد ماں باپ نے علیحدہ کر دیا کہ کماؤ کھاؤ جب علیحدہ ہوئے تو بی بی نے کہا میاں گھی چاہیے آٹا چاہیے دسوں قسم کے جھگڑے بتا دیئے اس نے سن کر کہا نکاح میں یہ کب ٹھہرایا تھا کہ یہ بھی لاؤں گا اور وہ بھی لاؤں گا اس کا تو ذکر تک بھی نہ ہوا تھا نہ اس کو میں نے قبول کیا تھا۔ غرض تکرار بڑھا سارا محلہ جمع ہو گیا میں ان صاحب سے پوچھتا ہوں کہ

اگر آپ کے سامنے ایسے شخص کا مقدمہ پیش ہو اور آپ جج ہوں تو آپ کیا فیصلہ کریں۔ ظاہر ہے کہ آپ یہی فیصلہ کریں کہ یہ جملہ ضروریات اس کے ذمہ ہیں اور کسی عورت کو نکاح میں قبول کرنے کے معنے یہی ہیں کہ میں نے آٹا لانا بھی قبول کیا، کھانا، کپڑا دینا بھی قبول کیا، جملہ ضروریات قبول کیں، نکاح کے قبول کرنے میں یہ سب چیزیں بھی آ گئیں بس اسی طرح لا إله إلا الله کے معنی سمجھ لو کہ جس نے لا إله إلا الله کا اقرار کیا تو اسمیں یہ سب اقرار بھی آ گئے کہ نماز بھی پڑھوں گا، روزہ بھی رکھوں گا، زکوۃ بھی دوں گا، حج بھی کروں گا تمام احکام کا اقرار اسی میں آ گیا۔ اب حدیث میں جو ہے دخل الجنة کہ وہ تو جنت میں داخل ہو گا تو یہ بالکل صحیح ہے اس پر اگر کوئی یوں شبہ کرے کہ اس حدیث میں یہ بھی تو ہے وان زنی وان سرق کہ جس نے لا إله إلا الله کہہ لیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا اگرچہ زنا اور چوری کرے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لا إله إلا الله کہہ کر چاہے جو کرے سمجھ لیجئے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان افعال پر اصرار نہ کرے لیکن اگر گناہ بھی ہو جائے تو توبہ کر لے کیونکہ توبہ بھی تو لا إله إلا الله ہی کے اقرار میں داخل ہے۔ بس توبہ کے بعد پھر پہلی حالت ہو جائے گی اور یہ معنی نہیں کہ فقط لا إله إلا الله کہہ کر فارغ ہو گئے اور کچھ ذمہ ہی نہیں رہا۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایمان لا کر کسی چیز کو ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ بعضے تو صرف مسلمان کے گھر پیدا ہونے کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور بعض کو خود اس ایمان کی بھی خبر نہیں کہ کیا چیز ہے؟

(خطبات حکیم الامت جلد 20، ص260)

کمر پر شیر کی تصویر

مولانا نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی گودنے والے کے پاس اپنی کمر پر شیر کی تصویر بنوانے گیا تاکہ کمر میں قوت رہے۔ چنانچہ وہ بدن ننگا کر کے تصویر بنوانے بیٹھا گودنے والے نے تصویر بنانا شروع کی دم سے ابتداء کی۔ کچ سے سوئی چبھوئی تو آپ کہتے ہیں آہ، پھر پوچھتے ہیں کہ کیا بنا رہے ہو اس نے کہا دم بنا رہا ہوں آپ نے کہا یہ شیر مکھیاں تھوڑا ہی جھلے گا ضرورت ہی کیا ہے دم کی۔ اس نے دم چھوڑ کر پیٹ بنانا شروع کیا۔ دوسری جگہ کچ سے سوئی چبھوئی پھر کہا آہ اور پوچھا اب کیا بناتے ہو اس نے کہا پیٹ بناتا ہوں آپ بولے کہ یہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی پیٹ بھی جانے دو اس نے تیسری جگہ سوئی چبھوئی۔ پوچھا اب کیا بناتے ہو اس نے کہا سر بناتا ہوں۔ آپ بولے کہ یہ دیکھے یا سنے گا تھوڑا ہی اس کو بھی رہنے دو اس پر گودنے والے نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور کہنے لگا

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید ایں چنیں شیرے خدا خود نافرید

(شیر بغیر کان، سر اور پیٹ کے کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا)

کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا کہ جس کے کان ہوں اور نہ سر نہ پیٹ۔ پھر میں کیا بناؤں تمہارا سر۔ تو جیسے اس تصویر بنوانے والے نے چاہا تھا کہ تکلیف تو ہو نہیں اور شیر کی تصویر بن جائے ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت ہے کہ کچھ تکلیف تو ہو نہیں اور کام ہو جاوے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن پس تو از شیر ژیاں ہاں دم مزن

(جب تم کو سوئی چبھنے کی برداشت نہیں ہے تو پھر ایسے شیر کا نام مت لیں یعنی اگر مشقت و ریاضت کا تحمل نہیں ہے تو طلب حق کا دعویٰ مت کرنا)

ہماری تو یہ حالت ہے کہ ذرا شیخ نے تنبیہ کی اور شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ لا حول ولا قوة یہ کیا لغو بات ہے کیا اتنا بھی تحمل نہیں اس کو فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

(جب تم عشق کے ایک ہی زخم سے بھاگتے ہو تو تم بجز عشق کے نام کے کچھ نہیں جانتے)

(خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 276،275)

قِصّہ جریج

غرض جریج ایک عابد تھے۔ ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آکر پکارا، سخت پریشان ہوئے کہ جواب دوں یا نہ دوں۔ جواب دوں تو نماز جاتی ہے، نہ دوں تو ماں کی خفگی کا اندیشہ، آخر انہوں نے جواب نہیں دیا، اس نے دو تین آوازیں دیں اور بددعا دے کر چلی گئی کہ اللھم لا تمته حتی تریه وجوه المومسات (کہ اے اللہ جب تک یہ کسی زانیہ کا منہ نہ دیکھ لے اس کی موت نہ آئے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ لو كان فقيها لاجاب امه (اگر فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتا) اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ نماز نفل تھی کیونکہ فرض کو بالاجماع توڑنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر کسی پر کوئی مصیبت آوے مثلاً جلنے لگے تو اس وقت اس کے بچانے کے لئے نماز فرض بھی توڑ دینا واجب ہے۔ خواہ ماں ہو یا کوئی غیر ہو۔ صاحبو! آپ نے شریعت کی تعلیم کو دیکھا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت کا قانون ہے۔

شریعت تو ایسی حسین و خوبصورت ہے کہ اس کی جس چیز کو دیکھو دلربا ہے، جس ادا کو دیکھو دلکش ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس قدر ضرورت کے قوانین ہیں کہ جب کسی کو گرفتار مصیبت دیکھو تو نماز فرض بھی توڑ دو اور ایسے موقع پر پہنچو اور نفل میں تو اگر بلا ضرورت بھی ماں باپ پکاریں تو نیت توڑ دینا چاہئے۔ بشرطیکہ ماں باپ کو اطلاع نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ مگر جریج چونکہ فقیہ نہ تھے اس لئے جواب نہ دیا۔ اور ماں کی بددعا لگ گئی اور یہ واقعہ ہوا کہ

قریب ایک آوارہ عورت تھی۔ اس کو کسی کا حمل رہ گیا تھا۔ کچھ لوگ جریج کے دشمن تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو جریج کا نام لے دینا کہ اس کا بچہ ہے اس کمبخت نے ایسا ہی کیا، لوگ اس کے عبادت خانہ پر چڑھ آئے اور اس کو توڑنے لگے اور جریج کو پیٹنا چاہا اس نے پوچھا کہ آخر اس حرکت کا کوئی سبب بھی ہے یا نہیں کہنے لگے کہ تو ریاکار ہے عبادت خانہ بنا کر زنا کرتا ہے فلاں عورت سے تو نے زنا کیا ہے اس کے بچہ ہوا ہے، عبادت خانہ سے نیچے اترے آخر اللہ کے مقبول بندے تھے۔ رحمت خدا کو جوش ہوا اور ان کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرت جریج نے اس لڑکے سے پوچھا کہ بتلا تو کس کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا ہوں یہی قصہ حدیث میں مذکور ہے اس سے ماں کا کتنا بڑا حق معلوم ہوا، مگر اس پر اجماع ہے کہ اگر پیر پکارے تو نماز نفل کا بھی توڑنا جائز نہیں تو پیر کا حق ماں سے زیادہ نہیں۔ اور یہ کیسے پیر صاحب ہیں کہ دوسرے کے پائے پلائے پر قبضہ کر لیا۔ کیا پیری مریدی کے یہی معنی ہیں۔ اور میاں جی بھی یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکے ہماری ملک ہیں اس لئے مارنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر یوں کہو کہ خطا پر پیٹتے ہیں تو صاحب! یہ محض غلط ہے، غصہ پر مارتے ہو۔ جب تک غصہ ختم نہ ہو اس وقت تک مار ختم نہیں ہوتی، خطاء پر مارنا یہ ہے کہ اس کے انداز سے سزا دے، مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 305،306)

نکاح کا تکوینی راز

اس کے بعد میں ایک تکوینی راز نکاح کا بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ مظہر اتم حق تعالیٰ کا بن جائے سو بدوں نکاح کے یہ مظہریت اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا تو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ بدوں احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچے کے پیدا ہونے میں بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو، بس اب میں ختم کر چکا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 20، ص 305،306)

اکیسویں جلد کے جواہر

خدا کی جانچ پڑتال کرنا بے ادبی ہے

حضرت علیؓ کا قصہ ہے کہ آپ سے ایک ملحد نے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ بے وقت موت نہیں آتی آپؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ جب آپ کا عقیدہ ہے تو پھر چھت کے اوپر سے کود یے آپ نے فرمایا کہ خدا کی جانچ کرنا بھی بے ادبی ہے۔ یہ تو خدا کی جانچ ہے۔ ہاں البتہ اگر اتفاق سے گر پڑیں گے تو گرتے وقت یہ عقیدہ لے کر چلیں گے کہ اگر اس وقت موت نہیں تو ہم مر نہیں سکتے۔ حضرت علیؓ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ تدبیر کی مزاحمت کرنا ٹھیک نہیں، تدبیر ہو اور اس کے ساتھ توکل ے

گر توکل مے کنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

(اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو یعنی کسب اور کام کرو۔ اور ان کے اثر بخشنے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو)

حتی کہ جو تارک اسباب ہیں ان کیلئے بھی مطلق ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل کی ہے بعض اسباب کے ترک کی اجازت ہے اور بعض کی نہیں مثلاً امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جو ترک اسباب کرے اس کو دروازہ بالکل بند کر کے بیٹھنا جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو گناہ گار ہو گا۔ پس دروازہ بند کرنا متوکل کیلئے بھی ناجائز ہے دروازہ تو کھلا رہے ہاں کواڑوں پر نظر نہ ہو۔ نظر صرف حق تعالیٰ پر ہو۔ لیکن ان دونوں باتوں کا جمع کرنا یہ ہے بہت دشوار، ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ ے

بر کف جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

(شریعت اور عشق دونوں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں)

مباشرت اسباب (اسباب میں لگ جانا) کا علم انسان کے واسطے تو ہے ہی خدا نے تو یہاں تک اس کی رعایت کی ہے کہ جانور جو کھاتے ہیں ان کو بھی اسباب ہی کے واسطے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم خدا پر نظر کرو تو تم کو ایسا رزق ملے کہ جیسے پرندوں کو ملتا ہے تغدو خماصا وتروح بطانا صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو چھکے (پیٹ بھرے) ہوئے آتے ہیں محققین نے لکھا ہے کہ تدبیر کی طرف یہاں بھی اشارہ ہے کہ گھونسلہ سے نکلنا ان کیلئے بھی شرط ہے تو جب رزق جانوروں کو بھی تدبیر ہی کے واسطے دیا جاتا ہے۔ تو خیال فرمایئے

تدبیر کو کون باطل کر سکتا ہے۔ آخر وہ بھی تو سرکاری اوزار ہے، پھر اس کو معطل کرنے کی کب اجازت ہو سکتی ہے۔ پس جب توکل بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہے اور تدبیر بھی تو دونوں کو جمع کرنا چاہئے۔ اب یہ بات کہ کس طرح سے جمع ہو۔ یہ ہر ایک کیلئے جدا ہے جیسی کسی میں قابلیت ہو گی اس کے موافق اس کو اسباب اختیار کرنے کا حکم ہو گا۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 22،21)

جلی ہوئی روٹی نہ کھائیں لیکن اسے حقیر نہ سمجھیں

مجھے ایک حکایت یاد آئی، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی کہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گزری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی کھاتے تھے اور بغیر چھانے ہوئے۔ بس یہ طریقہ تھا کہ آٹے میں پھونک مار کر بھوسی اڑا دی جو رہ گیا اس کی روٹیاں پکالیں حضور اکرم ﷺ کے چھاننے کا طریقہ نہ تھا۔ جب آپ نے یہ حدیث دیکھی تو خدام سے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جو کا آٹا بے چھنا ہو۔ یہ چھاننا خلاف سنت ہے۔ پس آج سے چھانا نہ جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا گیا اور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی پکائی گئی مگر اس کو جو کھایا تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اب وقت ہے امتحان کا کوئی بے ادب تو یہ کہتا کہ اچھا اتباع سنت کیا۔ جس سے تکلیف ہوئی مگر وہ لوگ نہایت مؤدب تھے کہنے لگے کہ در حقیقت ہم نے بے ادبی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا کہ ہر عمل میں کمال حاصل کرنا چاہا اور ہم نے کامل اتباع سنت کا دعویٰ کیا ابھی ہم اس قابل نہیں۔ ہم ضعیف ہیں ہم کو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ پس آٹا تو جو ہی کا ہو لیکن چھنا ہوا ہو، ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درجے نیچے رہنا چاہئے سبحان اللہ کیا احترام ہے۔ اب مسلمانوں سے یہ بات کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ تو دقیق ادب تھا اب تو بہت موٹے موٹے موقع پر استخفاف (خفیف جانا) کرتے ہیں، اور تحقیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ نے یہ ادب کیا کہ سنت میں کسی طرح کی کمی نہیں نکالی بلکہ خود اپنے اندر ضعف سمجھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 26،25)

خلوت میں نیت

مجھے صوفیاء کا اس کے مناسب ایک لطیفہ نہایت پسند آیا کہ وہ کہتے کہ اگر کوئی خلوت اختیار کرے تو اس میں دوسروں کے شر سے بچنے کی نیت نہ کرے۔ بلکہ یہ نیت رکھے کہ میں اپنے شر سے خلقت کو بچاتا ہوں اپنے کو سانپ سمجھ کر بھٹ میں رکھے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ہم سے دوسروں کو زیادہ تکلیف ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو دشمن کو دوست بنانے کا نسخہ بتایا ہے۔ کہ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔ برائی کو ایسے طریقے سے رد کرو جو کہ عمدہ ہے۔ یعنی نرمی سے، پس یکایک کہ وہ شخص کہ تمہارے اور اس کے

درمیان عداوت تھی ایسا ہو جاوے گا کہ جیسے مخلص دوست ہے۔ تو جب ایسا نہیں ہوا اور پھر بھی وہ تمہارا دشمن ہی رہا۔ تو معلوم ہوا کہ ہم سے اس کو کوئی صدمہ پہنچا ہے یا آئندہ کسی ضرر کا اندیشہ ہے۔ بہر حال سبب اس کی عداوت کا جو ہے وہ ہم سے ضرر پہنچنا ہے خواہ وہ ضرر بالفعل (یعنی اسی وقت) ہو یا بالقوہ (آئندہ) پس ثابت ہوا کہ زیادہ تکلیف ہم ہی سے دوسروں کو پہنچتی ہے۔ تو جب یہ بات واقع کے مطابق ہے تو سمجھ لے کہ میں چونکہ صاحب شر ہوں اس واسطے خلوت اختیار کرتا ہوں تاکہ مخلوق میرے شر سے مامون ہو جاوے۔ خلاصہ یہ کہ نقص اپنے اندر سمجھے نہ کہ دوسروں میں، تو جیسے صوفیاء کی یہ تعلیم ہے اسی طرح خواجہ بہاؤالدینؒ نے یہ نہیں کہا کہ سنت میں کوئی کمی ہے بلکہ اپنے کو ضعیف اور غیر متحمل فرمایا پس اسی طرح ہم کو بھی مضر چیز کے چھوڑنے میں یہی نیت کرنی چاہئے کہ ہم ضعیف ہیں۔ بہر حال ایسی شئ کے ترک کی اجازت تو ہوئی خواہ تم میں تضرر (نقصان پانا) کا مادہ زیادہ ہو یا اس میں اضرار کا مادہ ہو۔ باقی محض شان اور تفاخر کے لئے کسی چیز کا چھوڑ دینا یہ سمجھ کر کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے جائز نہیں۔ چنانچہ بعض لوگ اس خیال سے انگلیاں نہیں چاٹتے کہ یہ خلاف تہذیب ہے حالانکہ یہ سنت ہے تو ایسا سمجھنا نِرا تکبر ہے۔ پس اس خیال سے کسی چیز کا چھوڑنا ہرگز جائز نہیں ہے ہاں اگر مضر ہو تو چھوڑ دو اور اگر چھوڑنے میں کوئی ادب کی نیت نہ ہو تو مضر ہی ہونے کی نیت سہی ہم لوگوں کیلئے یہ بھی کافی ہے اور بڑے لوگوں کی حالت دوسری ہے۔ ان کو ہر بات میں ادب کی رعایت لازم ہوتی ہے۔ اگر ان سے ذرا بھی کوتاہی ہوتی ہے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔ غرض یہ مضمون تو استطراداً بیان ہو گیا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ان بزرگ پر جلے ہوئے ٹکڑے چھوڑنے پر عتاب ہوا۔ پس وہ اس سے کب خوش ہوں گے کہ تدبیر جو ان کیلئے ایک بڑی بھاری نعمت ہے اس کو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تدبیر حق تعالیٰ نے مشروع کی ہے ہر کام کے اندر تدبیر کی رعایت رکھی ہے حتیٰ کہ معجزات بھی جو کہ بلا اسباب ہوتے ہیں اکثر صورتاً ان کا بھی اقتران (ملنا نزدیک ہونا) اسباب ہی سے ہوتا ہے۔ گو وہ اسباب مؤثر نہیں ہوتے مگر اقتران ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں موجود ہے کہ حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی انہوں نے غزوۂ خندق میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ بھوک لگی ہے۔ بس وہ جا کر اپنی بیوی سے کھانا پکانے کو کہہ آئے۔ اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کیلئے کچھ کھانا تیار کرایا ہے تشریف لے چلئے، آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جابرؓ نے دعوت کی ہے ان کے یہاں کھانے کیلئے، یہ سن کر جابرؓ بہت گھبرائے کیونکہ انہوں نے کھانا تھوڑا ہی تیار کرایا تھا۔ اور آکر بیوی سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ کے تشریف لا رہے ہیں۔ اور کھانا ہے تھوڑا، اب کیا کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا تم گھبراؤ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری حالت خوب معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے کچھ سمجھ کر ہی صحابہؓ کو ساتھ لیا ہوگا۔ غرض آپ ﷺ تشریف لائے

اور اپنا لعاب دہن آٹے میں اور ہنڈیا میں ڈالدیا پھر فرمایا اب پکانا شروع کردو غرض روٹیاں پکتی گئیں اور سب لوگ کھاتے گئے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تمام آدمی کھانا کھا چکے اور جتنا کھانا تھا اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ یہ معجزہ ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 26،27)

توکل کا مفہوم

پس ایسے اسباب کو ترک کردینا جائز نہیں ہاں ایسی تقلیل جو مفضی الی الضعف المفرط نہ ہو جائز ہے اور جس طرح ترک اسباب ناجائز ہے اسی طرح اسباب میں انہاک بھی ناجائز ہے۔ مثلاً کھانے ہی کی صورت میں نہ یہ جائز ہے کہ بالکل ترک کردے اور نہ ایسا انہاک جائز ہے جو ملے کھا جائے، نہ حرام کی تمیز کرے نہ حلال کی ایسے امور میں اسی توسط کا نام توکل ہے ایک قسم اسباب کی یہ ہوئی اور بعض اسباب وہ ہیں کہ مسبب ان پر بلا اسباب کے بھی مرتب ہو جاتا ہے جیسے کسب مال کے ذرائع تحصیل مال کے لئے مسبب ان ذرائع پر موقوف نہیں ہے بلا ان اسباب کے بھی بکثرت ترتب ہو جاتا ہے۔

اسباب میں توکل

اسباب میں توکل یہ ہے کہ اگر اپنے نفس میں قوت پائے اور پریشانی نہ ہو تو ترک کردینا جائز ہے تیسرے اسباب وہمیہ کہ سبب کا مرتب ہونا ان پر بہت بعید ہے جیسا دور دراز کا سامان کرنا کہ فلاں جگہ سے روپیہ مل جاوے تو جائیداد خریدوں گا۔ اور اس جائیداد کی آمدنی سے ایک تجارت کا کارخانہ کھولوں گا اس کے بعد فلاں کام کروں گا یہ سوچ کر ان اسباب میں ایسا مشغول و منہمک ہو گیا کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہی ایسے اسباب کا ترک واجب ہے۔

اسباب کی تین اقسام

پس اسباب کی کل تین قسمیں ہوئیں، اسباب قطعیہ، اسباب ظنیہ، اسباب وہمیہ۔ اسباب قطعیہ کا ترک حرام اور اسباب ظنیہ کا ترک بشرط قوت نفس مندوب اور اسباب وہمیہ کا ترک واجب، صوفیہ کرام توکل سے مراد اسباب ظنیہ کا ترک لیتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں جہاں توکل کا امر ہے اس سے کہیں تو تقلیل یا ترک اسباب ظنیہ مراد ہے اور کسی جگہ ترک اسباب وہمیہ مقصود ہے یہ تقریر تو نفس توکل کے متعلق تھی۔

خواص متوکلین کی ایک غلطی

اس کے بعد سنئے کہ توکل کے متعلق بعضے خواص متوکلین ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ متوکلین کی حالت باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی حالانکہ توکل کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام احوال میں حق تعالیٰ

پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے اور اس فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک میں جتنی انکی نظر حق تعالی پر ہے اس قدر نظر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں نہیں ہوتی حالانکہ دونوں مواقع توکل کے ہیں کہ دونوں میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہیے گو اسباب کے اختیار کرنے کو اصطلاحاً توکل نہیں کہا جاتا۔

توکل کی حقیقت

لیکن توکل کی حقیقت جو تفویض الی لحق ہے وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب دونوں میں یکساں ظاہر ہونا چاہیے اس لئے کہ الشيئ اذاثبت ثبت بلوازمه تو توکل کے لوازم بلکہ حقیقت اس کی یہی تفویض الی الحق ہے کہ ہر موطن میں اس کا ظہور ہونا ضروری ہے گو اعتقادا تو یکساں حالت ہے لیکن حالاً یکساں نہیں ہے دیکھ لیجئے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کر لیجئے متوکلین اور غیر متوکلین سب اس بات کو احساس کر سکتے ہیں کہ ترک اسباب جو کیفیت قلب کی تفویض کے اعتبار سے ہوتی ہے اس درجہ کی کیفیت اسباب کے اختیار کرنے میں نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص نوکری یا تجارت چھوڑ کر بیٹھ گیا تو جیسی نظر اس صورت میں حق تعالی پر ہوتی ہے اس مرتبہ کی نظر اس صورت میں نہیں ہے کہ کھانا کھا رہے ہیں اس صورت میں حالاً نظر اس پر ہے کہ کھانا کھانے سے شبع ہوگا یہ حالت نہیں ہے کہ خدا تعالی اگر چاہیں گے تو شبع اور قوت حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ یا مثلاً مکان بنوا رہے ہیں یہاں اس قسم کی نگاہ حق تعالی پر نہیں بلکہ اسباب پر نظر ہے جتنا روپیہ پاس ہے اس پر نظر ہے اور آئندہ کے لئے فکر ہے کہ کیسے اس کی تکمیل ہوگی، پس اس فرق کے کیا معنے، یہ ہے وہ غلطی جو اول میرے ذہن میں آئی اس کے بعد تلاش ہوئی کہ کہیں شریعت میں بھی اس کا پتہ ہے یا نہیں چنانچہ بعد تلاش کے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ صریح دلالت اس مضمون پر اس آیت کو ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے پھر جب آپ عزم کریں گے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے اس آیت میں ایک مرتبہ تو ہے مشورہ کا اور دوسرا مرتبہ ہے عزم کا لیکن جب مشورہ میں پختہ ارادہ ایک جانب کا طے ہو جائے اس کے بعد حکم ہے کہ اللہ تعالی پر بھروسہ کیجئے یہ ظاہر بات ہے کہ مشورہ ایک تدبیر ہے پس مشورہ کا محل وہ امر ہوگا جو محل تدبیر ہو اور اس کا تعلق اسباب اور تدبیر سے ہو غیر اختیاری نہ ہو نیز عزم کا حاصل ہے ترجیح احد المقدورین، اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امر اختیاری کے متعلق یہ ارشاد ہے پس حاصل یہ ہوا کہ جن امور کا تعلق اسباب سے ہے انکی نسبت ارشاد ہے کہ ان کے اسباب اور تدبیر میں اول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشورہ فرمایئے اور مشورہ میں جو امر طے ہو یعنی جس سبب کی مباشرت قرار پائے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سبب کا عزم فرما دیں تو اللہ تعالی پر بھروسہ کیجئے پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ توکل کچھ

اسی موقع کیساتھ خاص نہیں ہے کہ جس میں اسباب کو ترک کر دیا جائے بلکہ اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی توکل مع اپنے آثار ولوازم کے ہونا چاہئے اب دیکھ لیجئے کہ اس حالت میں توکل کس کے اندر ہے عوام تو عوام خواص جو تارک اسباب یا مقلل اسباب ہیں ان میں بھی یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے جیسے ان کی نظر ترک اسباب کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اس درجہ کی نظر اسباب کے اختیار کرنے کی حالت میں نہیں ہوتی تو بڑی کوتاہی ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 87،86،85)

سبب کی تشریح

اب عملی کوتاہی رہ گئی اس کو آپ رفع کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حاجت میں دعا کیا کریں اور دل سے دعا کیا کریں اور اس کے ساتھ تدبیر بھی کرو کیونکہ تدبیر امر مشاہد ہے اور مشاہدے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے اور دعا کو تدبیر کہنا تو برائے ظاہر ہے ورنہ حقیقت میں اسکا درجہ تدبیر سے آگے ہے۔ دعا کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست وسوال ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے باقی اسباب وتدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریلوے کا ملازم جھنڈی دکھلا دے جس سے ریل گاڑی فوراً رک جائے گی۔ ظاہر ہے کہ لال جھنڈی میں تاثر کی قوت نہیں اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار لال جھنڈیاں بھی پامال ہو جائیں گی پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ یہ ڈرائیور نے اصطلاح مقرر کر لی ہے کہ ہم ایک ایسی جھنڈی سے گاڑی کو روک دیں گے۔ اور دوسری قسم سے چلا دیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ اس قرارداد کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی اصل طاقت نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ جو اسباب کو اختیار کرے گا ہم مسببات کو ان پر فائض کر دیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ مسببات کو پیدا نہ کرنا چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 111)

معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو

اور کسی حاجت کے لئے بھی مت سوچو کہ یہ تو معمولی سی بات ہے اس کے واسطے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کریں کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نمک تک مانگو، اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شبہ کو رفع کیا ہے وہ یہ کہ بعض لوگ چھوٹی سی چیز مانگنی شانِ خداوندی کے خلاف سمجھتے ہیں جیسے سکندر سے کسی نے ایک روپے کا سوال کیا تھا سکندر نے کہا کہ ایک روپے مانگنا میری شان کے خلاف ہے سائل نے کہا پھر سلطنت دے دو کہا یہ تیری شان کے خلاف ہے سلاطین دنیا کے مذاق پر قیاس کر کے جس کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ بھی چھوٹی چیز کے سوال سے ناخوش ہوں گے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سلاطین چھوٹی چیز کے سوال سے اس واسطے ناخوش ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک کوئی چیز بڑی بھی ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کی بھی کچھ وقعت نہیں ان کے نزدیک عرش اور نمک کی

ڈلی برابر ہے حالانکہ عرش اتنا بڑا ہے کہ ساتوں آسمان زمین اس کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ شیخ عبدالکریم جیلی بڑے صاحب کشف ہیں ان کو ایک دریا مکشوف ہوا ہے جس کی ایک ایک موج اتنی بڑی ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو غرق کردے مگر ملائکہ انکے محافظ ہیں وہ اس کی موجوں سے زمین وآسماں کو بچاتے ہیں مگر عرش اس سے بھی بڑا ہے عرش کے برابر کوئی چیز نہیں ہے عرش کا پیدا کرنا اور نمک کی ڈلی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے کیونکہ ان کو تو صرف حکم کرنا پڑتا ہے ایک کلمہ کن سے وہ عرش بھی بنادیتے ہیں اور نمک کی ڈلی بھی۔ پس جو شخص نمک کی ڈلی مانگنے کو شان خداوندی کے خلاف سمجھتا ہے وہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے سامنے عظیم ووقیع بھی سمجھتا ہے اور یہ خیال غلط ہے اس لئے حق تعالیٰ سے ہر چیز مانگو اسکا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی چیز کو بڑی سمجھ کر مانگو بلکہ مطلب یہ ہے کہ بڑی کو بھی چھوٹی سمجھو۔ صاحبو! جب خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز آسان ہے کوئی چیز دشوار ومشکل نہیں تو اس سے کیوں نہیں مانگتے اصل یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں ماقدروا الله حق قدره۔

یہ گفتگو تو اعیان سے متعلق تھی حق تعالیٰ کے نزدیک بڑی سے بڑی چیز بھی بے حقیقت ہے اور اب اعراض کے متعلق یہ بتلاتا ہوں کہ گناہ بھی بڑے سے بڑا حق تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کے سامنے بے حقیقت ہے حدیث میں حق تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا ابن ادم لو اتيتني بقراب الأرض ذنوبا ثم استغفرتني لغفرتها لك ولا ابالی او کما قال یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو روئے زمین کے برابر میرے پاس گناہ لیکر آئے پھر مجھ سے مغفرت چاہے تو میں سب گناہوں کو بخش دوں گا اور ذرا بھی (اس کثرت کی پرواہ نہ کروں گا ہاں ضرور ہے کہ توبہ واستغفار کے وقت یہ عزم کرلیا جائے کہ آئندہ گناہ نہ کریں گے مگر محققین کے نزدیک یہ بھی شرط نہیں بلکہ یہ عزم مستقل طاعت ہے، صحت توبہ کا موقوف علیہ نہیں، محققین کے نزدیک توبہ کی حقیقت صرف ندامت ہے جیسا حدیث میں ہے التوبة الندم (ندامت اور شرمندگی کا نام توبہ ہے) ہاں یہ ضرور ہے کہ توبہ کے وقت مضاد توبہ کا عزم نہ ہو یعنی جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے توبہ کے وقت دل میں قصد نہ ہو کہ یہ گناہ پھر بھی کروں گا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 21، صفحہ 116،115)

حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیارہ کی حکایت

چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی توجہ سے ایک شخص مر گیا تھا۔ حضرت خاتم مثنوی نے یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ متوکل تھے بعض دفعہ فاقہ بھی ہوتا۔ چنانچہ ایک دن حضرت کے یہاں فاقہ تھا، اتفاق سے اسی دن مہمان آگئے حضرت کو مہمانوں کی وجہ سے فکر ہوئی۔ ایک بھٹیارہ حضرت کا معتقد تھا اس کو حضرت کی فکر کا احساس ہوا تو وہ فوراً کھانا سب مہمانوں کے لئے تیار کر کے لایا۔ حضرت کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور جوش مسرت

میں فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ بھٹیارہ نے کہا کہ حضرت وعدہ کر لیجئے کہ جو میں مانگوں گا آپ دیں گے فرمایا میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے مانگو گے دوں گا۔ کہا میں ایسی چیز مانگوں گا جو آپ کے پاس ہے۔ فرمایا ہاں ہاں مانگو۔ کہا مجھے اپنے جیسا کر دیجئے، حضرت نے فرمایا ؎

آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ　　　بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو　　　گھاس کا ایک پتہ پہاڑ نہیں اکھاڑ سکتا

بہت سمجھایا کہ یہ بات تمہارے تحمل سے زیادہ ہے۔ اس ہوس سے باز آؤ مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو اپنے حجرہ میں لے جا کر توجہ اتحادی ڈالی جس کا اثر ہوا کہ توجہ کے بعد جو دونوں حجرہ کے باہر آئے تو صورت میں بھی اتحاد ہو گیا تھا۔ کسی کو بھی امتیاز نہ ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب کون سے ہیں اور بھٹیارہ کونسا ہے صرف یہ فرق تھا کہ بھٹیارہ پر اضطراب غالب تھا اور حضرت پر سکون، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھٹیارہ مر گیا اس سے تحمل نہ ہو سکا کیونکہ سلوک سے جذب قوی وارد ہو گیا تھا۔ رہا یہ کہ پھر خواجہ صاحب نے اس کی درخواست کو کیوں منظور کیا اور ایسی توجہ کیوں دی جس سے ہلاکت واقع ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو بھی معلوم نہ تھا کہ مر جائے گا۔ یہ خیال ہو گا کہ بہت مجذوب ہو جائے گا لیکن اس درجہ ضعف کا علم نہ تھا کہ زندہ بھی نہ رہے گا کیونکہ دوسرے کا ضعف پوری طرح معلوم نہیں ہو سکتا۔

حضرات نقشبندی سلاطین اور حضرات چشتی مساکین ہیں

نقشبندیہ کے یہاں توجہ اور تصرف بہت زیادہ ہے۔ یہ حضرات سلاطین ہیں دوسروں پر بھی تصرف کرتے ہیں اور چشتیہ مساکین ہیں ان کا سارا تصرف اپنی ہی ذات پر ہوتا ہے ضرب بھی اپنی ہی ذات پر ہے اور سوزش وشورش بھی ان کا تو وہ حال ہے ؎

افروختن سوختن وجامہ دریدن　　پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت

(روشن ہونا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا، پروانہ اور شمع وگل نے مجھ سے سیکھا ہے)

پس جذب اگر سلوک سے مقدم ہوتا ہے تو یا ہلاک ہوتی ہے یا اعمال سے تعطل ہوتا ہے اور دونوں حالتوں میں ترقی بند۔ کیونکہ ترقی اعمال سے ہوتی ہے اور اسی لئے مسلمان کے لئے طول حیات موت سے افضل ہے جبکہ وہ اپنی زندگی میں اعمال صالحہ کرے کیونکہ اعمال سے ترقی ہوتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 139، 138)

بیماری میں آہ کا منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں

جیسے یعقوب کا قول ہے قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں) اسی طرح آنسو بہانا آہ آہ منہ سے نکلنا بھی خلاف صبر نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے بلکہ رو لینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ دل کا غبار نکل جاتا ہے تو دل میں خدا سے شکایت پیدا نہیں ہوتی بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے وہ بیماری میں آہ آہ کرنے کو خلاف صبر سمجھتے ہیں اس لئے اللہ اللہ کرتے ہیں تاکہ قوت قلب ظاہر ہو مگر یہ معرفت کے خلاف ہے اس پر مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کی حکایت مجھے یاد آئی کہ ایک بار وہ بیماری میں اللہ اللہ کر رہے تھے کہ ان کے بھائی آ گئے وہ بھی بڑے بزرگ تھے انہوں نے فرمایا بھائی جی آہ آہ کرو کیونکہ اللہ مظہر الوہیت ہے اور آہ آہ مظہر عبدیت ہے اور اس وقت وہ عبدیت کو دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے آہ آہ شروع کی اور بہت جلد صحت ہو گئی کیونکہ مقصود پورا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو عجز و نیاز اور تضرع وزاری بہت پسند ہے۔ اور یہ بات بھی آہ ہی میں ہے اللہ اللہ کرنے میں نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تا نگرید کودک حلوا فروش — بحر بخشایش نمی آید بجوش

(جب تک حلوائی کا لڑکا نہ روئے اسکی بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا)

اور فرماتے ہیں:

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست — اے خوشا آں دل کہ اں بریان اوست

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

(ہر غم کے بعد خوشی ہوتی ہے انجام پر نظر رکھنے والا مرد بہت اچھا ہے۔)

اس لئے ایک بار حضرت عمرؓ سے بیماری میں جب کسی نے یہ پوچھا کہ کیسی طبیعت ہے فرمایا اچھی نہیں سائل نے کہا کیا آپ شکایت کرتے ہیں فرمایا کیا میں خدا کے سامنے اپنی بہادری ظاہر کروں کہ وہ تو بیمار کریں اور میں کہوں نہیں میں تو اچھا ہوں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ شکایت منافی صبر وہ جو خود مقصود ہو اور جو کسی حکمت سے ہو وہ عبدیت ہے ان مقامات کو عارفین سمجھتے ہیں کہ اس وقت کیا مطلوب ہے اور دوسرے وقت کیا مطلوب۔

(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 159)

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت

اس پر مجھے حضرت مولانا جامیؒ کی حکایت یاد آئی کہ جب وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں امیرانہ ٹھاٹ دیکھا تو بہت جھلائے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے پاس اس قدر دنیا بھری ہوئی ہے آپ نے اسی وقت جھلا کر یہ مصرع پڑھا۔

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ اللہ والا نہیں جو دنیا کو دوست رکھتا ہے)

اور یہ کہہ کر چل دیئے اور ایک مسجد میں آکر سو رہے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک شخص ان کے سر ہو گیا کہ میرے پیسے دلواؤ جو تمہارے ذمہ ہیں مولانا جامیؒ بڑے پریشان ہوئے کہ یہاں اس کو کہاں سے پیسے دوں اس نے کہا پھر نیکیاں دلواؤ۔ یہ اسی کشمکش میں تھے کہ ایک طرف سے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی سواری بڑی شان سے آتی ہوئی نظر پڑی خواجہ صاحب نے مولانا جامیؒ کو پریشان دیکھ کر سواری روکی قرض خواہ کو دھمکایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو جاؤ جو کچھ تمہارا مطالبہ ہو ہمارے خزانہ سے وصول کر لو جو ہم نے یہاں پہلے سے جمع کر رکھا ہے یہ کہہ کر مولانا جامیؒ کو اپنے ساتھ سوار کر لیا یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ اب تو ان کو تنبہ ہوا کہ خواجہ صاحب بڑے درجہ کے درویش ہیں اور میں نے سخت غلطی کی جو ان پر اعتراض کیا یہ اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں خواجہ صاحب نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے یہ دوڑ کر قدموں میں گر پڑے اور خطا معاف کرائی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا وہ اپنا مصرعہ تو پھر سناؤ جو آتے ہی سنایا تھا مولانا جامی نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری حماقت تھی فرمایا کہ ایک بار تم نے اپنی خواہش سے حماقت کی تھی اب ہماری خوشی کے لئے وہ حماقت کر لو چنانچہ آپ نے پڑھا کہ ؎

نہ مرداست آنکہ دنیا دوست دارد (وہ اللہ والا نہیں جو دنیا کو دوست رکھتا ہے) تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔

اگر دارد برائے دوست دارد (اگر وہ مال رکھتا ہے تو اللہ کی خاطر رکھتا ہے)

غرض مال کی محبت کا یہ درجہ خلاف زہد نہیں اور نہ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زُہد ہے البتہ اس کو ذریعہ معاصی بنانا یہ خلاف زہد ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کچھ حرج نہیں بلکہ بعضوں کے لئے مالدار ہونا مفید ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 162،161)

عجب کا علاج معصیت سے کرنے کی مثال

علیٰ ہذا اہل دل کو بھی بسا اوقات اسی قسم کا دھوکہ ہوتا ہے چنانچہ اگر عجب پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج کسی معصیت سے کیا جاتا ہے اور مصلحت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ہم اپنی نظروں میں ذلیل رہیں گے اور اس سے عجب کی

جڑ کٹ جائے گی۔ صاحبو! یہ ایسا علاج ہے جیسا کہ کوئی شخص بدن سے پاخانے کو بذریعہ پیشاب دھونے لگے نیز دربردہ لوگ شریعت محمدی ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنوز کامل نہیں سمجھتے کیونکہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ سے بچنے کی ترکیب یہ کہیں نہیں بتائی کہ ایسا گناہ میں مبتلا ہو جاؤ اور یہ لوگ اس ترکیب کو علاج سمجھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امراض باطن کے علاج میں ناقص سمجھتے ہیں اور مقابلہ ہے۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا) اور کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے بھی اس کو علاج بتلایا ہے تو ہم کہیں گے اگر حکایت صحیح ہے تو انہوں نے غلطی کی اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کا نام کتاب میں لکھا ہو ضرور شیخ قابل تربیت ہو یا اس قابل ہو جائے کہ اس کی تقلید کریں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 216)

قرض کی فضیلت

قرض دینے کی فضیلت سن کر ایک رقم قرضہ علیحدہ کر دیتے تھے کیونکہ قرض دینے کی فضیلت صدقہ سے زیادہ ہے ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ قرض میں ایک کے عوض اٹھارہ ملیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل کیا بات ہے کہ قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ کیا، اچھا جواب دیا کہ صدقہ تو وہ شخص بھی لے لیتا ہے جس کو ضرورت نہ ہو اور قرض وہی لیتا ہے جس کی جان پر بنی ہو تو ایسے شخص کی امداد زیادہ باعثِ فضیلت ہے صاحبو! اس وقت نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہوں گے جن کی جان پر بن رہی ہے مگر ہمیں کیا ہم تو آرام سے دونوں وقت کی کھاتے پیتے ہیں اور رات کو سو رہتے ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 298)

حکایت حضرت اورنگزیب عالمگیر اور بہروپیہ

اس نقل پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ جب عالمگیر تخت نشین ہوئے تو ایک بہروپیہ آیا جیسا کہ دستور ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خوشی کے وقت انعام کے امیدوار ہوا کرتے تھے عالمگیر متقی شخص تھے ان خرافات کی ان کے دل میں قدر نہ تھی ایسے دینے کو اسراف سمجھتے تھے اس لئے ایک لطافت کے ساتھ دفع الوقتی کی کہ اپنا کمال دکھلا کر مستحق انعام ہو سکتے ہو تمہارا کمال یہ ہے کہ ہم تم کو نہ پہچان سکیں وہ مختلف اشکال میں آیا اور پہچانا گیا اتفاق سے عالمگیر کو سفر دکن کا پیش آیا اس بہروپیہ کو اطلاع ہو گئی وہ پہلے سے آگے جا کر ایک گاؤں میں صوفی بن کر بیٹھ گیا عالمگیر فقراء کی بہت تعظیم کرتے تھے راستہ میں جہاں کسی بزرگ کا نام سنتے ان کی زیارت کرتے اور نذر پیش کرتے اس گاؤں پر بھی گزر ہوا۔ (یہ حکایت کتابی نہیں سُنی ہوئی ہے) معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک بزرگ رہتے ہیں تو اول وزیر کو بھیجا کہ ان

بزرگ کو دیکھ کر آؤ کہ کیسے ہیں اس کو بھی دھوکہ ہوا کہ اس نے کہا واقعی بہت بڑے صوفی ہیں اس کے بعد عالمگیر خود گئے ان کو بھی بہت اثر معلوم ہوا اور آبدیدہ ہو گئے اور چلتے ہوئے ایک ہزار کا توڑہ پیش کیا اس نے انکار کیا بادشاہ نے بہت ہی اصرار کیا اس نے ایک نہ مانی بادشاہ اپنا سامنہ لے کر روپے ساتھ لے آئے جب عالمگیر اپنے خیمہ میں پہنچے تو پیچھے پیچھے بہروپیہ بھی پہنچا اور جھک کر سلام کیا عالمگیر نے پہچان لیا کہ اس بہروپیہ نے مجھے دھوکہ دیا۔ یہی صوفی بن کر بیٹھا تھا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا معمولی انعام کیلئے حکم دیا اس نے سر آنکھوں پر رکھ کر قبول کئے۔ اور بادشاہ کو دعائیں دینے لگا۔ عالمگیر نے کہا کہ ہم تمہارے کمال کے قائل ہو گئے مگر ساتھ ہی حماقت کے بھی قائل ہیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس وقت ہم تم کو ہزار دیتے رہے اور تم نے نہ لئے اور اب اس سے کم پر راضی ہو گئے۔ اس نے کیا حیرت انگیز جواب دیا ہے کہ حضور اگر میں اس وقت لے لیتا تو نقل ٹھیک نہ ہوتی اس وقت تو میں درویشوں کا بہروپ بنائے ہوئے تھا اس کا یہی مقتضا تھا جو میں نے کیا وہ درویش کیا جس کی ذرا سی بات پر رال ٹپک پڑے صاحبو! ہم اس بہروپیہ کے بھی برابر نہیں۔ اس سے بھی بدتر ہیں اس نے تو اپنے بہروپ کی رعایت اس قدر کی کہ دنیا پر لات ماردی اور ہم حکم خداوندی کی بھی رعایت نہیں کرتے حرص و طمع کے مارے مال گھر میں جمع کئے ہوئے ہیں حکم الٰہی کے بعد بھی حرص کو نہیں چھوڑتے اور خرچ نہیں کرتے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 306)

اپنے عیوب دوسروں میں نظر آنے کی عجیب مثال

مجھے اس حالت پر ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک احمق بڈھا بیٹھا ہوا تھا اس کا بچہ روٹی کھا رہا تھا ایک ٹکڑا لوٹے میں گر پڑا اس نے لوٹے میں سے وہ ٹکڑا نکالنا چاہا تو اسے اپنی شکل لوٹے میں نظر آئی یہ سمجھا کہ اس نے ٹکڑا چھین لیا ہے تو اس نے باپ سے شکایت کی کہ اس نے جو لوٹے میں ہے میرا ٹکڑا چھین لیا ہے باپ صاحب جو اس لوٹے میں سے ٹکڑا نکالنے گئے تو ان کو بھی اپنی صورت مع ریش مبارک نظر پڑی تو آپ اس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تف ہے تیری اوقات پر کمبخت اس لمبی ڈاڑھی کے ساتھ بچے کا ٹکڑا لیتے ہوئے شرم نہ آئی تو ہماری مثال اسی احمق کی سی ہے کہ ہم خود اپنے ہی کو برا کہہ رہے ہیں اور اپنے ہی عیبوں کا پردہ فاش کر رہے ہیں ذات حق اس سے بہت برتر ہے کہ اس کی طرف ذرا بھی کسی عیب کی نسبت ہو سکے اس کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے ہم نے اپنے عیبوں سے یہاں تک آنکھیں بند کی ہیں کہ کھلی ہوئی سیاہی بھی نظر نہیں آتی۔ صاحبو! ذرا اپنی مجموعی حالت کو دیکھو اور پھر اپنے کو خدا کا گروہ کہتے ہوئے شرماؤ۔ صاحبو! اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا کوئی مردہ زندہ ہو جائے اور ہماری اس حالت کو دیکھے تو شاید وہ ہمیں مسلمان اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ سمجھے اس کو اس وقت کی اور اس وقت کی حالت

میں زمین آسمان کا تفاوت نظر آئے گا۔ کیا صاحبو! اس وقت یہی حالت تھی ہماری آمدنی کی جو آج ہے کہ حلال وحرام کا بھی خیال نہیں۔ کیا یہی حالت تھی ہمارے اخلاق کی جو آج ہے کہ دیگر اقوام بھی دیکھ کر طعنہ دیتی ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 308)

صبر شکر کی مشترکہ حالتیں

تیسری ایک قسم عقلی اور ہے یعنی وہ حالت جس کے متعلق صبر وشکر دونوں ہوں اور وہ حالت کوئی جداگانہ نہیں بلکہ جو مواقع صبر کے ہیں وہ بعینہ شکر کے بھی ہیں اور اسی طرح جو حالتیں شکر کی ہیں وہ صبر کی بھی ہیں اور اگرچہ ظاہر تقسیم کا مقتضی تو یہ تھا کہ تین قسمیں جدا جدا ہوتیں اول جس سے شکر محض کا تعلق ہو۔ دوسرے جس سے صبر محض کا، تیسرے مرکب لیکن ایسی کوئی حالت نہیں کہ جس میں صبر محض یا شکر محض ہو بظاہر مصیبت ایسی حالت ہے کہ اس میں صرف صبر ہے لیکن ابھی معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق شکر سے بھی ہے اور اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے مثلاً ایک شخص بیمار ہوا اور طبیب نے مسہل تجویز کیا لیکن وہ طبیب کسی وجہ سے ناراض ہو گیا نسخہ مسہل کا لکھ کر نہیں دیتے بڑی کوشش کے بعد وہ راضی ہوئے اور نسخہ لکھا اب بتلایئے کہ یہ حالت شکر ہے یا نہیں بے شک شکر کی بات ہے۔ چنانچہ اس طبیب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے حالانکہ مسہل پینے میں اور دستوں میں سخت تکلیف ہے لیکن اس پر بھی شکریہ طبیب کا کیا جاتا ہے تو وہ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ مادہ فاسدہ کا ازالہ ہو کر یہ بیمار بالکل صحیح وتندرست ہو جاوے گا تعجب کی بات ہے طبیب اگر نسخہ مسہل لکھے اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اللہ میاں اگر مسہل تجویز کریں تو ان کا شکر نہ کریں۔ اب رہی یہ بات کہ مرض اور مصیبت مسہل کیوں کر ہے۔ اس کو میں بتاتا ہوں۔ صاحبو یہ روحانی مسہل ہے۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں چنانچہ حدیثوں میں کثرت سے آتا ہے کہ اہل مصیبت کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا بڑھتی ہے کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے بیت الحمد، بیت الحمد نام ہونے اور بیت الصبر نام نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں ہم کو حمد بھی سکھلائی گئی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 349،348)

ہمارے اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچنا

تحصیلدار کو اپنی فکر تو ہوتی ہے اپنے عملہ کی بھی فکر ہوتی ہے اگر عملہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے تو اس سے تحصیلدار کو بھی ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اسی لئے حدیث میں ہے لا تسودوا وجھی یوم القیمۃ کہ قیامت کے دن میرا منہ کالا مت کر دینا یعنی مجھ کو شرمندہ مت کرنا ہمارے اعمال بد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمندگی کیسی آپ کو یہ ندامت کیوں ہوگی یہ وہی سنت الٰہی ہے جس کو سعدیؒ اس شعر میں فرماتے ہیں۔

کرم بین ولطف خداوندگار گنہ بندہ کردہ است واو شرمسار

(یعنی حق تعالیٰ کا لطف وکرم دیکھو کہ بندہ گناہ کرے اور حق تعالیٰ شرمندہ ہوں اور حق تعالیٰ کو یہ حیا اس وجہ سے ہے کہ ہمارا ہو کر یہ حرکت)

سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو قیامت کے دن شرمندہ نہ کرنا یعنی شرمندگی کہ ہمارے کہلا کر یہ حرکت، غرض کہ آپ کو اس فکر نے گھلا دیا تھا کہ میں اپنے آپ تو مستقیم بن سکتا ہوں مگر ساتھیوں کا ذمہ دار کون ہو اس غم نے آپ کو بوڑھا کر دیا، پھر یہ غم زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔

وصال کے بعد بھی ہمارا آپ ﷺ کو رنجیدہ کرنا

افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں ایسے رحیم وکریم وشفقت ورافت کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے بعد بھی رنج پہنچتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہفتہ میں دو تین مرتبہ میرے پاس امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں نیک اعمال کو دیکھ کر آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں اور گناہوں کو دیکھ کر غمگیں، یہی وہ حقیقت ہے جو اس ایرانی پر منکشف ہوئی تھی جو مرزا قتیل دہلوی کے دیوان کو دیکھ کر اس کو صوفی وعارف سمجھ کر ایران سے اس کی زیارت کو چلا تھا کیونکہ قتیل کا کلام تصوف کے مضامین لئے ہوئے ہوتا تھا پھر جب دہلی پہنچا اور مرزا قتیل سے ملا تو اس کو داڑھی منڈاتے پایا طالب چونکہ آزاد ہوتا ہے اس لئے فوراً سوال کیا کہ آغا ریش می تراشی، قتیل نے اس کا جواب بھی تصوف کے رنگ میں دیا بلے ریش می تراشم ولیکن دل کسی نمی خراشم، ایرانی نے اس کا ایسا پاکیزہ جواب دیا کہ قتیل کا سارا بناوٹی تصوف رکھا رہ گیا اس نے کہا ارے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراش یعنی جب تیرا یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچتا ہے کہ تم کو یہ بھی خبر نہیں کہ کتنے بڑے دل کو صدمہ پہنچا رہے ہو۔ یہ حقیقت مرزا قتیل پر جب منکشف ہوئی تو وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش آیا تو بزبان حال یہ شعر اس کی زبان پر تھا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانجاں ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے محبوب حقیقی تک پہنچا دیا)

طلب بھی عجیب چیز ہے

واقعی طلب بھی عجیب چیز ہے یہ بے کار نہیں جاتی وہ ایرانی اپنی اصلاح کے واسطے مرزا قتیل کے پاس آ رہا تھا اس کی وہ صورت دیکھ کر اس کو افسوس ہوا ہوگا کہ میری ساری محنت رائگاں گئی مگر حق تعالیٰ نے اس کی محنت کو دنیا میں بھی ضائع نہ کیا اس کے ذریعہ سے مرزا قتیل ہی کی اصلاح کر دی جس کا اس کو اجر عظیم ملا ہوگا اور اپنا طلب اور سعی کا ثواب

جدار ہا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قویٰ ایسے عمدہ تھے کہ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو آپ کو غالباً اخیر عمر تک بھی بڑھاپا نہ پہنچتا اب اس سے اندازہ کیجئے کہ ان اسباب کے ہوتے ہوئے جو حقیقت میں انسان کو گھلا دینے والے ہیں پھر بھی آپ کے قویٰ کیسے زبردست تھے کہ اخیر عمر میں آپ کے معدودے چند بال سفید ہو گئے تھے جو بیس سے زیادہ نہ ہوں گے اس لئے ہجرت کے وقت بظاہر حضرت ابو بکر بڑے معلوم ہوتے تھے کیونکہ ان کے بال زیادہ سفید ہو گئے تھے تو اکثر لوگ انہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر مصافحہ ان سے کرتے تھے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 372)

ایک ہندو کا جنت میں جانا

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا وہ مر گیا تو مولانا نے اس کو جنت میں پھرتا دیکھا پوچھا کہ لالہ جی تم یہاں کہاں؟ کہنے لگا مولوی جی مرتے وقت میں نے ان کہنی (یعنی کلمہ شریف) کہہ لی تھی اس وقت تک فرشتے نظر آئے تھے وہ ان کہنی قبول ہو گئی لیجئے۔ لالہ جی نے ساری عمر تو کفر میں گزاری اور اخیر عمر میں جنت لے کے مرے، تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں اس لئے کسی خاص شخص سے خواہ وہ کافر ہی ہو اپنے کو افضل نہ سمجھے، البتہ اجمالاً یہ عقیدہ رکھے کہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہو گا وہ ان لوگوں سے اچھے ہیں جو کافر مریں گے۔ نیز دل میں کسی مسلمان سے دنیاوی معاملات کی وجہ سے عداوت نہ رکھے، یہ دل کا شکر ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 386)

ذکر اللہ سے ہمت میں برکت ہوتی ہے

قیامت میں یہ برادری کام نہ آئے گی تمہاری ہمت ہی کام آئے گی۔ پھر اس ہمت کو برکت اور قوت اللہ اللہ کرنے سے ہوتی ہے اس لئے کچھ ذکر شروع کر دو اور یہ مت سمجھو کہ اصلاح کے لئے بس تسبیح پڑھ لینا کافی ہے یہ تنہا کافی نہیں اس سے تو صرف ہمت کو قوت ہو جاتی ہے دل میں انوار پیدا ہوتے ہیں اور ان سے عمل میں برکت ہوتی ہے اور اصل ضرورت عمل کی ہے۔ اسی طرح یہ خیال نہ کیا جائے کہ ذکر و شغل کرنے سے پھر ہمت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمت سے تو پھر بھی کام لینا ہو گا۔ اگر ہمت ہی ہار دی تو پھر بیچاری تسبیح کیا کر لے گی۔ پھر اس سب کی امانت کے لئے ایک کام کرو کہ سوتے ہوئے موت کا مراقبہ کرو۔ سوچو کہ ایک دن ہم دنیا سے جانے والے ہیں موت کے فرشتے ہماری جان نکالیں گے اس وقت دنیا کے تمام دھندے خود بخود چھوٹ جائیں گے اور اس وقت ہم کو نیک کاموں کی حسرت ہو گی کہ ہم نے نیک کام بہت زیادہ کیوں نہ کئے تو ہم کو چاہئے کہ ابھی سے برے کاموں کو چھوڑ دیں اور نیک کاموں کا شوق کے ساتھ اہتمام کریں اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگیں پھر قبر کا حال سوچو پھر حساب و کتاب اور قیامت کا تصور

کرو۔ یہ سمجھو کہ ایک دن خداتعالیٰ کے سامنے جانا ہے حق تعالیٰ سب کاموں سے سوال کریں گے قیامت میں گناہ گاروں کو رسوائی ہوگی اس مراقبہ سے خداتعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا بہت سے کام خوف سے درست ہو جاتے ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 387)

حق تعالیٰ شانہ، کی شکایت کا سبب

ہم نے بعضوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ فلاں تو وقت سے پہلے مر گیا ابھی اس نے دیکھا ہی کیا تھا اب یہ رائے دینا نہیں تو اور کیا ہے گویا خدا کے احکام میں نقص نکالتے ہیں گویا یہ شخص موت کے وقت کو خدا سے زیادہ جانتا ہے جو کہتا ہے کہ فلاں وقت سے پہلے مر گیا۔

تو صاحبو! بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کے دماغ سڑ گئے ہیں ہم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں مثل مشہور ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں گزرتا اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ ایک حکایت بھی مشہور ہے کہ ایک اونٹ کی اور چوہے کی دوستی ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ دونوں سیر کو چلے راستے میں دریا مل گیا تو اونٹ تو اس میں گھس گیا چوہا کنارہ ہی پر رہ گیا تو اونٹ نے اس سے کہا کہ چلے آؤ پانی بہت کم ہے صرف ٹخنوں تک پانی ہے چوہے نے کہا اجی حضور ذرا اپنی ٹانگوں پر نظر کیجئے تمہارے ٹخنوں تک پانی ہے میں تو ڈوب ہی جاؤں گا چوہے کی یہ بات سن کر اونٹ کا دماغ کہاں تھا سمجھا کہ میں بہت ہی بڑا ہوں مگر خدا کی رحمت ہوئی کہ راستہ میں ایک پہاڑ پڑ گیا اب اونٹ کی گردن نیچی ہوئی کہ نہیں کوئی مجھ سے بھی اونچا ہے۔ صاحبو! ہماری حالت اس اونٹ کی سی ہو رہی ہے ایک تو خود ہم میں خناس سما رہا تھا اوپر سے لوگوں کی تعظیم نے ہمارا ناس کر دیا اب ہم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے یہاں تک دماغ سڑا کہ حق تعالیٰ کے افعال و تصرفات میں عیب نکالتے ہیں اور اعتراض شکوہ شکایت کرتے ہیں۔ گویا خدا نے ہماری مرضی کے خلاف کیوں کام کیا۔ صاحبو! اگر حاکم دنیوی کسی مقدمہ میں آپ کے خلاف ڈگری کر دے اگرچہ اس سے غلطی ہی ہو گئی مگر سامنے یہی کہو گے کہ حضور بجا کیا، درست کیا، مجھے ایک اپنے دوست کی حکایت یاد آئی کہ جن کا نام اس وقت بیان کرنا مناسب نہیں جانتا کہ حاکم کے یہاں ان کا مقدمہ تھا، اتفاق سے حاکم نے ان کے خلاف فیصلہ کر دیا پھر اس حاکم نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس شخص کا میری طرف کیا گمان ہے اس نے ٹیلیفون کے ذریعہ سے ان سے گفتگو کی اور دھوکہ دیا کہ اپنا نام اس کے کسی دوست کے نام پر بدل دیا کیونکہ اس میں آواز نہیں پہچانی جاتی اور پھر کہا کہ فلاں حاکم نے بڑا ظلم کیا کہ آپ کو ہرا دیا ہے حالانکہ آپ حق پر تھے مجھے اس کا سخت افسوس ہے اس وقت ان کے دل میں خدا کی طرف سے بات آ گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گفتگو کرنیوالا خود وہی حاکم ہو اس لئے کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہئے جس پر گرفت ہو سکے انہوں نے یہ جواب دیا کہ نہیں صاحب ہمیں حکام سے بدگمانی نہیں کرنی چاہیے وہ ظلم نہیں کر سکتے وہ

اپنی طرف سے معلوم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں انہوں نے جو بھی فیصلہ کیا وہ عین عدل ہے تو صاحبو! دیکھئے اس احتمال پر کہ کہیں حاکم نہ سن رہا ہو ہمت نہیں پڑتی کہ ان کے کام پر اعتراض کیا جائے اور حاکم حقیقی جس کے بارہ میں یقین ہے کہ وہ سنتا اور دیکھتا ہے بے باکانہ گستاخیاں کرتے ہیں اور اسی کے فیصلوں میں عیوب اور نقائص نکالتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 21، ص 395،394)

بائیسویں جلد کے جواہر

مالیخولیا میں علاج سے کم نفع ہونے کا سبب

چنانچہ مالیخولیا میں جو نفع کم ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مریض کو اعتقاد نہیں ہوتا کیونکہ اعتقاد صحت خیال سے ہوتا ہے اور مالیخولیا فساد خیالی کا نام ہے اور اس کے جملہ خیالات فاسد ہیں بلکہ مجنون کو تو الٹی ہی سوجھتی ہے اسی لیے مجنون کے علاج میں بڑے ہوشیار اور عاقل طبیب کی ضرورت ہے تاکہ وہ تدبیر سے خیال کو بدلے۔ایک قصہ ہے کہ ایک شخص کو وہم ہو گیا کہ میرا جسم شیشہ کا ہو گیا ہے۔اسی وجہ سے سب سے الگ رہتا تھا اور ذرا کوئی پاس کو نکلتا تو بچتا کہ میں ٹوٹ جاؤں گا" اطباء اس کے علاج سے عاجز تھے، مشہور ہے کہ وہم کی دارو لقمان کے پاس بھی نہیں۔ایسے علاجوں میں قابلیت دیکھی جاتی ہے۔

یک من علم را دہ من عقل باید

(ایک من علم کے لیے دس من عقل کی ضرورت ہے)

ایک طبیب ایسے بھی مل گئے جن کے خیال میں تدبیر آ گئی۔انہوں نے نبض دیکھنا چاہا تو مریض نے کہا کہ ہاتھ نہ لگایئے میرا بدن شیشہ کا ہے ٹوٹ جاؤں گا۔انہوں نے یہ کیا کہ کسی موقع پر اس کے اوپر لحاف ڈلوا کر سب بدن ڈھانک دیا اور منہ بھی ڈھانک دیا اور کچھ ناکارہ بوتلیں پہلے سے مہیا کر رکھی تھیں ان بوتلوں کو لحاف کے اوپر رکھ کر تڑوا دیا لحاف اوڑھانے میں یہ بھی مصلحت تھی کہ بدن کو آزار نہ پہنچے۔(شریف طبیب بھی کیا چیز ہے جسمانی ہو یا روحانی وہ نہیں چاہتا کہ مریض کو تکلیف پہنچے) وہ بوتلیں ٹوٹنے کے وقت یہ سمجھا کہ میرا بدن ٹوٹ رہا ہے بہت شور مچایا پھر طبیب نے لحاف اتروا کر مریض سے کہا دیکھو یہ مرض تھا واقعی تمہارے جسم پر ایک خول شیشہ کا پیدا ہو گیا تھا اس کو میں نے تڑوا دیا یہ کانچ اسی کا ہے اب جسم تمہارے اندر سے صحیح سالم نکل آیا اب تم دیکھ لو اور امتحان کر لو کہ اب چھونے سے نہ ٹوٹے گا۔اس معالج نے خیال میں تصرف کیا اور اس کو صحیح کر دیا۔یہی مانع تھا، نفع سے اب علاج جو کچھ کرے گا مفید ہو گا یہ بڑے مدبر اور حاذق کا کام ہے تو خیال کا دخل نفع میں اس درجہ ہے اب سمجھ میں آ گیا ہو گا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 71،72)

دوسرے کے کام میں دخل دینا نقصان عقل کی بات نہیں ہے؟

میں کہتا ہوں کہ نقصان عقل کی دلیل ہے کہ اس کام میں دخل دیا جائے جس کو آدمی جانتا نہ ہو کتنا ہی کوئی عاقل ہو اس کو ایک ادنیٰ درجہ کے کام میں بھی جس کو جانتا نہ ہو دخل نہ دینا چاہیے۔ ایک بی اے پاس کو جولاہا کے کام میں بھی دخل دینے کا حق نہیں اور اگر ایسا کرے گا وہ جولاہا اس کی غلطی پکڑے گا۔ اس وقت ثابت ہو جائے گا کہ تعلیم سے جولاہا کی برابر بھی عقل پیدا نہیں ہوتی اور آج کل تو یہ مسئلہ تمام جہان کے نزدیک مسلم ہو گیا ہے کہ تقسیم عمل سے چارہ نہیں اور ترقی کا مدار یہی ہے۔ چنانچہ جس فن کا جو آدمی ہوتا ہے اس کا فیصلہ اس فن کے متعلق نافذ مانا جاتا ہے۔ ایک ڈاکٹر ایک شخص کو کہہ دیتا ہے کہ اس کے قویٰ قابل ملازمت نہیں تو اس کو ملازمت نہیں مل سکتی خواہ ڈاکٹر نے یہ حکم کسی غرض فاسد سے غلط ہی لگا دیا ہو یا ایک انجینئر ایک لاکھ روپے کی عمارت کو کہہ دے کہ یہ گرا دینے کے قابل ہے تو گرا دی جاتی ہے۔ خواہ اس نے بد دیانتی ہی سے کہا ہو مگر چونکہ اس کو ایک فن میں ماہر تسلیم کر لیا گیا ہے اس لیے اس کے احکام میں مزاحمت نہیں کی جاتی غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا کمال عقل حاصل ہوا عقل اتنا ہی مزاحمت سے روکے گی نہ یہ کہ عقل جوں جوں بڑھتی جائے اتنی ہی اس کام میں دخل دینے کی اجازت ہوتی جائے جیسے آج کل کے تعلیم یافتوں کا مذاق ہو گیا ہے۔ گفتگو یہ تھی کہ اعمال میں بھی ادویہ کی مانند خواص ہیں اور بعض اعمال کے خواص کا علم صرف وحی سے ہو سکتا ہے اور ان کا بتانے والا بھی حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہی اس فن کا آدمی ہے اس کو نبی کہتے ہیں تو اس سے مزاحمت کا کسی کو حق نہیں۔ تو اب غلطی ان لوگوں کی واضح ہو گئی جو تھوڑا سرمایہ عقل لے کر نبی سے مزاحمت کی ہمت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا آج کل مذاق ہو گیا ہے اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ آج کل کوئی نبی موجود ہے نبوت ختم ہو چکی ہے لا نبی بعدی تصریحاً حدیث میں آ چکا ہے جو کوئی مدعی نبوت موجود ہو یا پیدا ہو اس کو جھوٹا سمجھو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 75)

وسوسہ کس صورت میں مضر ہو جاتا ہے؟

پھر حدیث النفس سے عزم اور فعل کی نوبت آتی ہے وہ وسوسہ کے مرتبہ میں تو مضر نہ تھا مگر اس پر اتنے مرتبے اور متفرع ہو گئے اب وہ وسوسہ مضر ہو گیا یعنی بواسطہ عزم اور فعل کے اور بواسطہ کی قید میں نے اس لیے بڑھا دی کہ کوئی یہ نہ کہے کہ وسوسے کو تو ابھی غیر مضر کہا تھا اور اب مضر کہہ دیا اور یہ تعارض ہے اس قید سے جواب نکل آیا کہ وسوسہ فی نفسہ خود تو مضر نہیں ہاں بواسطہ مضر ہو گیا۔ یعنی وسوسہ غیر مضر اس وقت تک ہے جب تک کہ وسوسہ رہے اور جب عزم و فعل کے مرتبہ میں آ گیا اب مضر ہے تو وسوسہ کی دو حالتیں ہیں کبھی تو یہ نوبت ہوتی ہے کہ دل میں جم گیا اور عزم و فعل تک پہنچ گیا۔ یہ درجہ مضر ہے اور اس کا مصداق ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَاہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ حق تعالیٰ متقین کی شان میں اور ان کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (جب ان کو شیطان کی طرف سے کسی وسوسہ کا اثر ہوتا ہے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اس سے وہ صاحب بصیرت بن جاتے ہیں۔) اس آیت سے معلوم ہوا کہ وسوسہ بعض حالتوں میں مضر نہیں ہوتا یہ وہ صورت ہے کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا مگر تم نے اس کو قلب سے معاً دفع کر دیا اور اس دفع سے میری یہ مراد نہیں کہ وسوسہ کے پیچھے پڑ گئے اس کا بالکلیہ استیصال ہو جائے کیونکہ یہ تو وسوسہ والے کو بہت مضر ہوتا ہے اور جوں جوں وہ دفع کرتا ہے اتنی ہی اس میں زیادتی ہوتی ہے۔

وسوسہ کا علاج

وسوسے کا علاج تو یہی ہے کہ براہ راست اس کے دفع کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے بلکہ مراد دفع سے یہ ہے کہ وساوس سے توجہ کو ہٹا کر ذکر کی طرف پھیر دے اور کام میں لگ جائے اور وسوسہ کی طرف التفات ہی نہ کرے اس درجہ میں وسوسہ سے نقصان نہیں ہوتا یہی مراد ہے تذکروا سے اس آیت میں اور اسی پر متقین کی مدح کی گئی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 94)

کسی حسین چہرے میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری نہ دیکھے

یہاں سے کوئی یہ خیال کرلے کہ جب تمام عالم مرآۃ حق بن سکتا ہے تو من جملہ اجزاء عالم کے حسینان جہاں بھی ہیں تو ان کی طرف بھی نظر کرنا اس نیت سے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے درست ہونا چاہیے۔ سو یہ خیال غلط ہے کیونکہ حسینوں کو دیکھ کر خدا ایسا یاد آتا ہے کہ حسینوں کی یاد بھی ضرور اس میں شریک رہتی ہے اور شرکت بھی ایسی شرکت کہ غالب انہیں کی یاد ہوتی ہے اور خدا کی یاد مغلوب ہوتی ہے اور ایسی مغلوب کہ صرف نفس کا دھوکہ ہی ہوتا ہے کہ اس میں خدا کی یاد بھی شامل ہے ورنہ یاد خدا اس وقت محض موہوم بلکہ معدوم ہوتی ہے اور اعتبار غالب ہی کا ہوتا ہے تو حسینوں کی طرف توجہ، توجہ بخدا نہیں ہے اور اگر کوئی یہ بھی کرے کہ نظر کرتے وقت غلبہ خدا ہی کی یاد کو دے دے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس میں بھی نفس کا دھوکہ ہی ہے وہ اس وقت میں سمجھوتہ کرلیتا ہے کہ میں شہوت کا خیال نہ کروں گا بلکہ خدا کو یاد رکھوں گا پھر دیکھنے میں کیا حرج ہے اور اس طرح سے جال میں پھنسا دیتا ہے پھر اس میں یہ خاصیت ہے کہ ذرا دیر کے بعد اس کا عکس ہو جاتا ہے اور انہیں کی یاد رہ جاتی ہے یاد خدا کا پتہ بھی نہیں رہتا۔

لہٰذا نظر بہ حسن حرام ہے جبکہ اس کی طرف وہ خاص کشش ہو جو شہوت سے ناشی ہوتی ہے جس کے معیار کے لیے صحیح بصیرت کی ضرورت ہے ہر شخص کا فیصلہ اس کے لیے کافی نہیں اور وہ معیار یہ ہے کہ اگر اس حسین میں کوئی ایسا عیب پڑ جائے جس سے وہ قبیح النظر ہو جائے تو دیکھا جائے کہ اس کی محبت گھٹتی ہے یا بڑھتی ہے اگر گھٹ جائے تو یہ

علامت ہے اس محبت میں شہوت کی شرکت کی اور اگر بڑھ جائے تو علامت ہے خلو عن الشہوت کی اور کسی محل میں دونوں محبتیں جمع ہو جاتی ہیں وہاں دونوں آثار مختلف حیثیتوں سے جمع ہوں گے جیسے اپنی بی بی میں کوئی ایسا عیب پڑ جانے کے وقت۔۔۔ اگر اس جواب کے بعد بھی کوئی یہی کہے کہ حسینوں کی طرف نظر کرنا نظر بخدا ہے کیونکہ حسن دیا ہوا تو خدا ہی کا ہے تو ان کو دیکھ کر صنعت خدا پہ نظر پہنچ گئی لہٰذا جائز ہونا چاہیے تو اس کے لیے ایک دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس سے صنعت خدا کا نظارہ ہوتا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی محبوب نے اپنے سامنے دس آئینے کھڑے کیے ہوں جس میں سے اس کا عکس دیکھا جا سکے لیکن ایک آئینہ ان میں سے آتشیں بھی ہے اس سے محبوب نے منع کیا ہے کہ اس میں مجھے نہ دیکھنا کیونکہ اس میں خاصیت ہے جلا دینے کی جیسا کہ آفتاب کو معمولی شیشہ میں دیکھیں آنکھ کو چنداں صدمہ نہیں پہنچتا اور آتشیں شیشے میں دیکھیں تو گو اس میں بھی وہی نور آفتاب کا ہے مگر اس کی خاصیت یہ ہے کہ جس چیز پر اس کا عکس پڑ جائے گا جلا دے گا تو یہی حسین بھی جمال حق کے لیے آئینے بے شک ہیں مگر آتشیں شیشے ہیں کہ نور حق کا جب ان میں ہو کر پڑے گا تو جلانے کا اثر رکھے گا۔

ہر گز نہ گندمی گوں لا تقربوا کہ زہر ست — حال پدر بیا واز ام الکتاب دارم

نداند صاحب دلاں دل بہ پوست — دگر ابلہے داد بے مغز اوست

(حسینوں کے قریب مت جاؤ کہ زہر ہے، باپ کا حال میں ام الکتاب میں رکھتا ہوں صاحب دل اپنا دل چھلکے کے بدلے نہیں دیتے، دوسرے بیوقوف بغیر مغز کے اسے دے دیتے ہیں)

اور میں کہتا ہوں کہ محبوب نے جب خود اپنی تجلیات کے مشاہدہ کے لیے اس شیشہ کے سوا دوسرا طریقہ اس سے اچھا اور بے خطر بتایا ہے تو خطرناک طریقہ کو اختیار کرنا کیا عقل کی بات ہے یہ حسین ان تجلیات کے سامنے کیا چیز ہیں ان میں ہو کر وہ تجلیات بالکل میلی اور دھندلی ہو جاتی ہیں ان کی طرف نظر کرنا علامت ہے اس کی کہ اصل تجلیات کی جھلک اس شخص پر نہیں پڑی ہے ورنہ آفتاب کے سامنے چراغ کو کون پوچھتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حسینان جہاں توجہ آتشی ہونے کی بناء پر خاص خاصیات عادیہ کے منظر خدا ہونے سے مستثنیٰ ہیں باقی تمام عالم منظر اور آئین خداوندی ہے تو ان کی طرف بھی توجہ بخدا کہی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ حثیت منظریت کی ملحوظ ہے۔ اس تقریر پر کہ ہر منظر پر نظر اور توجہ محبوب ہی کی یاد ہے۔ اس سوال کا جواب ہو گیا کہ ذکر ایک چیز ہے اور ایک چیز کا استمرار عادۃً قلب میں نہیں ہو سکتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 122،121)

عارف کا عالم سے تعلق کس قسم کا ہوتا ہے

عارف کا تعلق عالم کے ساتھ اور ہی طرح کا ہوتا ہے اس کو مصنوعات کے ساتھ تعلق رکھنے سے بھی ترقی ہوتی ہے کیونکہ وہ درحقیقت تعلق بالصانع ہے وہ ہر چیز پر خدا کے علاقہ سے نظر کرتا ہے بدون اس علاقہ کے نظر ہی نہیں کرتا اس لیے ہر چیز سے اس کو ترقی ہوتی ہے اور اسی علاقہ سے عارف کو اپنی ذات سے بھی محبت ہو جاتی ہے وہ اس وقت اپنی ذات کو سرکاری چیز سمجھتا ہے اور اسکے لیے ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کرے جیسے خزانچی کہ سرکاری روپیہ کا محافظ ہے تو اس کو روپے کی دیکھ بھال رکھنا اور اس کے دھندے میں لگا رہنا اور جانچ پڑتال کرتے رہنا برا نہیں بلکہ ضروری ہے اور اس کو طمع یا حرص نہیں کہہ سکتے یہ تو اس کا عین فرض منصبی ہے۔ یہ باریک بات ہے لوگ اہل اللہ کو دنیا کے تعلقات میں دیکھ کر اپنے تعلقات پر قیاس کر لیتے ہیں حالانکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے جیسے اس خزانچی کے بار بار روپیہ شمار کرنے میں اور ایک بنئے کے شمار کرنے میں بڑا فرق ہے۔ خزانچی کو تو اجر ملتا ہے اور بنئے کو اجر نہیں ملتا بلکہ اور کچھ سرکاری ٹیکس مقرر ہو جاتا ہے کیونکہ خزانچی تو اپنے واسطے نہیں گنتا اور بنیا اپنے واسطے اپنا مال سمجھ کر گنتا ہے۔ جب آدمی کو معلوم ہونے لگے کہ ہم اپنے نہیں ہیں بلکہ خدا کے ہیں اور اس کے لیے کچھ خاص علامات ہیں تو اس کو اپنے آپ سے بھی محبت کرنا چاہیے اور جب تک یہ حال پیدا نہ ہو تو اپنی چیز سے بھی تعلق تعلق بغیر اللہ ہے اسی حالت عدم تعلق میں کہا ہے:

بخدا رشکم آید ز چشم روشن خود　　که نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

(خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ایسے حسین سے میری نظر دور رہتی ہے)

مطلب یہ ہے کہ میری آنکھ بحیثیت میری آنکھ ہونے کے لیکن جب تک میری ہے آپ کے دیکھنے کے قابل نہیں اور جب آپ کی ہو جائے تو اس حالت کا حکم ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچتے ہیں ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے)

اس مرتبہ میں آنکھ کی طرف توجہ اور اس کی حفاظت کی تدابیر کرنا توجہ الی غیر اللہ نہیں بلکہ سرکاری چیز کی حفاظت ہے اور توجہ الی اللہ ہی ہے۔ یہ فرق اہل اللہ کے دنیوی تعلقات میں اور ہمارے دنیوی تعلقات میں ہے گو صورۃً دونوں متشابہ ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 75)

قارون کا واقعہ

چنانچہ جب قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی دراصل وہ زکوٰۃ کی وجہ سے مخالف ہو گیا تھا کہنے لگا کہ یہ مال تو میں نے اپنی تدابیر سے جمع کیا ہے کسی کا اس میں کیا حق؟ بناء مخاصمت تو یہ تھی لیکن کمبخت نے دشمنی میں یہ حرکت کی کہ ایک فاحشہ عورت کو کچھ روپیہ دے کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگادے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعظ میں زنا سے ممانعت فرمائی اور تورات کا حکم سنایا کہ جو کوئی زنا کرے گا ہم اس کو رجم کریں گے۔ قارون نے کہا کہ یہ حکم عام ہے یا خاص جواب میں فرمایا عام ہے قارون نے کہا فلاں عورت سے دریافت کیجئے کیا کہتی ہے آپ نے اس کو بلایا اس نے کہا اس کمبخت نے مجھ کو سکھایا تھا کہ حضرت پر تہمت لگانا اب توبہ کرتی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو بددعا کی۔ ارشاد ہوا کہ میں نے زمین کو آپ کے قبضے میں کر دیا آپ نے حکم دیا "یا ارض خذیه" فوراً زمین نے پکڑ لیا اور وہ نیچے اترنے لگا اور آپ بار بار یہی فرماتے تھے آخر غرق ہو گیا مخالفوں نے کہا کہ اس کا مال لینے کے واسطے غرق کر دیا۔ آپ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کا مال بھی لے لے تو ساتھ میں مال بھی غرق ہو گیا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) قارون تم کو پکارتا رہا اگر وہ مجھ کو پکارتا تو اس پر رحم ہو جاتا۔ صاحبو! یہ اس کی عنایت ہے کہ ہم کو بدون ہماری دعا ہی کے محفوظ کر رکھا ہے اور پیشتر یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ شفقت ہے اللہ تعالیٰ کی کہ وہ بلا اپنی کسی غرض کے ہمارا کام کر دیتے ہیں پھر ہم جب مخلوق کا احسان مانتے ہیں جو کہ سب کاموں میں اپنے اغراض کا بھی محتاج ہے تو خدا کی عنایات بے علت میں غور کر کے تو اس پر جان قربان کر دینی چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 132،133)

ایک جوہری اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی حکایت

میرے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ کوئی شخص حضرت خضرؑ کی ملاقات کے لیے دعا کیا کرتا تھا ایک روز خضر علیہ السلام تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اسکی دعا کر دیجیے کہ دنیا میں مجھے کوئی غم نہ ہو، فرمایا یہ دعا تو کر نہیں سکتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تو دنیا میں جس شخص کو سب سے زیادہ بے غم دیکھے اس کے موافق تیری حالت ہونے کی دعا کر دوں تو ایسے شخص کو منتخب کر لے۔ وہ پھرتا پھرتا حیران ہو گیا اور کوئی امیر درئیس بے غم نہ ملا آخر ایک جوہری کو دیکھا جو صبح کو دکان پر آتا خوبصورت لڑکے (بیٹے) اس کے ساتھ ہوتے بہت سے

نوکر چاکر بھی ہمراہ آتے صبح سے شام تک خرید و فروخت کرتا اور غرباء کو بہت کچھ خیرات کرتا اس نے اس کو مجموعی حالت سے خیال کیا ضرور بے غم ہوگا میں ایسا ہونے کی دعا کرالوں پھر دل میں کہا کہ قبل دعا کرا لینے کے اس سے تو حال دریافت کر لینا چاہیے شاید کوئی مخفی حالت ہو۔ چنانچہ اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا بھائی صاحب مجھ کو خضر علیہ السلام سے دعا کرانی ہے کہ تمہارے جیسا ہو جاؤں بتلاؤ تو سہی تم کو تو کوئی غم نہیں ہے اس نے سرد آہ بھری اور کہا بھائی مجھ کو تو ایسا غم ہے کہ کسی دشمن کو بھی نہ ہو اور قصہ سنایا کہ ایک بار میری بیوی جو میری بڑی ہی محبوب تھی سخت بیمار ہوگئی میں رونے لگا اس نے کہا روتے کیوں ہو میں مر جاؤں گی تم اور شادی کر لینا میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ بولی ممکن ہے اب تو تیرا ایسا ہی خیال ہے مگر پھر نہیں رہ سکتا بہت دیکھا یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ جب اس کو کسی طرح یقین نہ آیا میں نے شدت عشق میں اپنا عضو تناسل اس کے سامنے کاٹ ڈالا کہ اب تو یقین آگیا اتفاق سے وہ مری نہیں اچھی ہوگئی اور میں بیکار ہو گیا اب وہ کمبخت نوکروں سے سازش رکھتی ہے اور یہ سب بچے دوسروں ہی سے ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں اور کڑھتا ہوں اس نے کہا بھائی تو تو بڑے ہی گندے غم میں مبتلا ہے اللہ بچاوے۔ آخر حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گیا اور سارا حال سنایا۔ پوچھا اب کیا خیال ہے اس نے کہا بس دین کی دعا کر دیں۔ غرض اہل دنیا کی تو یہ حالت ہے بے شک چین جس کا نام ہے دنیا اور آخرت دونوں کا دینداروں ہی کو میسر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یاد رکھو کہ بلاشبہ اولیاء اللہ کو نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (دیکھئے صاف ارشاد ہے کہ) متقیوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں خوشخبری ہے (اور پھر اس کی تاکید فرماتے ہیں) لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ یعنی اللہ کا کلام بدلتا نہیں ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یعنی یہ بڑی کامیابی ہے) تو یہ برکت ہے دین کی مگر پھر بھی ضرور کہوں گا کہ اس حیثیت سے ان اعمال کی تعلیم نہیں کی گئی کہ دنیا کا چین نصیب ہو بلکہ ان کی تعلیم محض دین کے لیے ہے اور عمل میں بھی خالص اطاعت خداوندی ہی کی نیت کرنا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 142،141،140)

حکایت حضرت حبیب عجمیؒ

حضرت حبیب عجمی ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا دیکھا تو ان کے الفاظ درست نہیں ہیں اس لیے ان کی اقتداء نہ کی خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا تو پوچھا کہ اے اللہ بہترین

اعمال کیا ہیں حکم ہوا کہ حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھنا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل شے اخلاص ہے، کوئی یہ نہ کہے کہ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے

کہ "اولہم بالإمامة أقرأهم" کہ اولیٰ امامت کے لیے وہ ہے جو اقرء ہو، بات یہ ہے کہ یہاں اقتداء اور امامت کی بحث نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے سے کھڑے پڑھ رہے تھے اس حکایت کی غرض یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ہاں وہ عمل مقبول ہے جو دل سے ہو البتہ حروف کی تصحیح بے شک واجبات سے ہے سوان کی اقتداء جائز ہو گی تو مطلب یہ نہیں کہ حرفوں کو بھی صحیح نہ کرے، لیکن شکایت تو اس کی ہے کہ اصلاح قلب کو لوگوں نے بالکل ہی پس پشت ڈال دیا ہے اس کی طرف مطلق التفات نہیں ہے حالانکہ مدار قلب پر ہے بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ظاہری حالت انکی اچھی نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ قلوب ان کے اللہ تعالیٰ کی محبت سے پُر ہیں اس لیے وہ مقبول ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ظاہر ان کا بہت اچھا ہے لیکن قلب میں چونکہ حب دنیا ہے اس لیے مطرود ہیں۔

اصلاح کا زیادہ مدار قلب پر ہے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو صرف اپنے اعمال ظاہرہ پر نظر کر کے اس کی بناء پر اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ زیادہ مدار قلب پر ہے اور قلب کا حال اکثر خود کو بھی معلوم نہیں ہوتا تو اپنے کو کیسے اچھا سمجھے اسی طرح دوسرے کے قلب کا حال معلوم نہیں تو اس کو کیسے برا سمجھے۔ مثنوی شریف میں شبان موسیٰ کی حکایت اس کی شاہد ہے کہ بظاہر وہ کلمات بے ادبی کہہ رہا تھا لیکن چونکہ دل سے اور رغبت سے کہتا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ ان کو روک دینے کے پرسش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح　　　سندیاں را اصطلاح سند مدح

ہندیوں کے لیے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندیوں کے لیے سند کی اصطلاح مدح ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 184، 183)

حضرت سیدنا غوث پاکؒ اور شاہ سنجر کی حکایت

ایک اور حکایت یاد آئی سیدنا غوث پاکؒ کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے عریضہ لکھا کہ ایک حصہ میرے ملک کا ہے نیمروز، وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں کیونکہ آپ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ ہے مہمانوں کی کثرت رہتی ہے واردین صادرین کثرت سے آتے رہتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ اس کے جواب میں نہایت بے پروائی کے ساتھ لکھتے ہیں: ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب من ملک نیمروز بیک جونمی خرم

(یعنی آدھی رات کو اٹھ کر جو نفلیں پڑھتا ہوں اور اللہ کی یاد میں مشغول رہتا ہوں اس کے لطف کے سامنے سب گرد ہے حکومت اور سلطنت، میں ملک نیمروز کو ایک جو کے برابر نہیں سمجھتا)

حضرت تو وہ کیا بات ہے ان کو اسی میں چین ملتا تھا تو دیکھئے ظاہر میں سب کے الگ الگ مطلوب ہیں لیکن حقیقت میں سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں یعنی چین کے۔ یہ دوسری بات ہے کہ واقعی چین کس میں ہے جو آگے ثابت ہو جائے گا۔ جب یہ بات ہے تو دنیا کے طالب بھی واقعی چین کے طالب ہیں تو چین دنیوی ضرورت کی چیز ہے کوئی ایسا نہیں جس کو راحت اور چین مطلوب نہ ہو۔ رہی آخرت سو آخرت کے چین کا مطلوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کسی کو اس میں کلام بھی نہیں۔ بفضلہ ایک مقدمہ تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ چین دنیا اور آخرت دونوں ضرورت کی چیز ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ باقی رہا کہ چین کس چیز میں ہے۔ سو حق سبحانہ وتعالیٰ دعویٰ فرماتے ہیں کہ خدا ہی کی یاد میں چین منحصر ہے اب ذکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اب اس کا ثابت ہوتا رہا کہ چین صرف ذکر اللہ ہی میں ہے۔ سو یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا دار ہرگز راحت میں نہیں ٹٹول لیجئے طالبان راحت اور اسباب راحت جمع کرنے والوں کو یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کی عمر گزر گئی سامان راحت جمع کرنے میں اور سامان جمع بھی ہو گیا۔ اول تو سب سامان جمع ہوتا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ام اللإنسان ماتمنى (عربی شعر) ماكل ما يتمنى المرء يدركه تجري الرياح بمالا تشتهي السفن (ہر وہ چیز جس کی انسان تمنا کرے اسے نہیں مل جایا کرتی کبھی ہوائیں کشتیوں کی خواہش کے خلاف چلتی ہیں)

یعنی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو کشتی کے مقتضا کے خلاف ہے لیکن اگر ہر شخص اپنی سب تمنائیں حاصل بھی کر لے تب بھی راحت نہیں یعنی فرض کرو ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی سب تمنائیں پوری ہو گئیں یعنی سامان راحت جسے وہ سمجھتا تھا وہ سب جمع ہو گیا لیکن خود راحت تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے یعنی دیکھنا یہ ہے کہ سعی سے کیا چیز جمع ہو سکتی ہے راحت یا سامان راحت۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 212، 211)

اللہ والے مصیبت میں پریشان نہیں ہوتے

اسی طرح اہل اللہ کو اگر کوئی صدمہ پیش آتا ہے تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے۔ جیسی میں نے ابھی بیان کی کہ عاشق کو معشوق کے دبوچنے سے تکلیف تو ہے لیکن اندر سے قلب نہایت راضی ہے نہایت خوش ہے اس کے جسم کو تکلیف ہے لیکن روح کو آرام ہے اگر ان کا بیٹا مر جائے تو وہ محزوں بھی ہوں گے، آنکھ سے آنسو بھی جاری ہو جائیں گے لیکن قلب کے اندر پریشانی نہ ہو گی کہ ہائے یہ کیا ہو گیا، اب کیسی ہو گی۔ ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا، میں بقسم کہتا ہوں، پھر

بقسم کہتا ہوں اور پھر بقسم کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوتا کہ حسرت ہو اور ارمان ہو کہ ہائے یہ رہتا بلکہ ان کا قلب نہایت مطمئن ہوتا ہے کہ یہ بالکل مناسب ہوا۔ الحمدللہ جو کچھ ہوا بہت ٹھیک ہوا بالکل حکمت ہے، سراسر رحمت ہے بلکہ انہیں تفصیلاً حکمتیں معلوم ہو جاتی ہیں ایمان ان کا درجہ حال میں ہوتا ہے۔ درجہ اعتقاد میں تو سب مسلمانوں کا ہے ان کو حال کا درجہ حاصل ہوتا ہے یہی راز ہے کہ انہیں خدا سے زیادہ محبت ہوتی ہے بنسبت مخلوق کے یہ نہیں کہ انہیں مخلوق کی محبت نہیں ہوتی مخلوق کی محبت ہوتی ہے لیکن واللہ ثم واللہ مخلوق کی محبت، محبتِ حق کے مقابلے میں بالکل مغلوب۔ گویا معدوم ہو جاتی ہے۔ موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ غالب غالب ہی ہے اور مغلوب مغلوب۔

چو سلطان عزت علم بر کشد — جہاں سر بجیب عدم در کشد

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست — دگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(جب عزت کا بادشاہ یعنی خداوند عالم ظاہر ہوتا ہے تو تمام دنیا معدوم ہو جاتی ہے جب سورج نکلا ہو اس وقت ذرہ کی کوئی حقیقت نہیں اور جس وقت سات سمندر موجود ہوں تو ایک قطرہ قابل توجہ نہیں)

جس وقت محبوب حق کا غلبہ ہوتا ہے چاہے محبت مخلوق بھی ہو اور مخلوق کے کسی صدمہ سے کلفت بھی ہو لیکن اندر سے پریشانی نہیں ہوتی وہ کلفت پر بھی راضی ہے اور وہ خوش ہے کہ ہمارے لیے یہی مصلحت ہے اسی میں حکمت ہے۔ یہی حال اس کا دعا کے ساتھ ہے کہ عین دعا کے وقت بھی تقاضا نہیں ہوتا کہ ایسا ضرور ہو ہی جائے اگر نہ ہو تو بھی تنگی نہیں ہوتی وہ اس پر بھی دل سے راضی ہے کہ خدا کی یہی رحمت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد22، ص223،222)

حکایت حضرت فرید الدین عطارؒ

حضرت فرید الدین عطار پہلے عطاری کی دکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے ایک درویش کمبل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہو کر انہیں تکنے لگے دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو دیکھ کیا رہے ہو، درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دکان میں خمیرے، شربت، معجونیں بہت سی چپکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے، اس پر حضرت عطار کو تو باطن کا چسکا تھا ہی نہیں بے دھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری بھی نکل جائے گی، درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گیا۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مزاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر گئی تو شبہ ہوا پاس جا کر کمبل اٹھایا تو درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل

دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا اسی وقت دکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے، پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں:

ھفت شہر عشق را عطار گشت ماھنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے ساتوں ملکوں کی سیر کی اور ہم ابھی تک ایک ہی گلی میں پڑے ہوئے ہیں) (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص226)

سلاطین کو اولیاء اللہ کی روحانی دولت کا علم نہیں

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جائے جو ہمارے پاس ہے تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی، حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جن کا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں اور کیا ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(دل کے اطمینان کے ساتھ تھوڑی دیر نظر ایک معشوق پر کرنا اس سے بہتر ہے کہ بادشاہت کی چھتری سر پر ہو اور دن رات شور و غل مچا ہو)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(خاقانی کو تیس سال کے بعد اس بات کی تحقیق ہوئی کہ خدا کے ساتھ ایک گھڑی مشغول ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بہتر ہے)

بالکل سچ بات ہے میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ ہاں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یوں سمجھ میں نہ آئے تو خود امتحان کر لیجئے اور جن کی یہ حالت ہے کچھ دن ان کے پاس رہ کر دیکھئے میرے دعویٰ کا یقین آجائے گا۔ اس کام کے لیے چھ مہینے خالی کرو تین ماہ تو دنیا کے متمول لوگوں میں جا کر رہو اور تین مہینے اللہ والوں میں اور ان دونوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کرو کہ کس کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے واللہ آپ دوزخ اور جنت کا فرق پائیں گے۔ یہ میں نہیں کہتا حضرات اہل اللہ کبھی بیمار نہیں پڑتے یا ان کا کبھی کوئی بیٹا نہیں مرتا یا ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی اول تو واقعی ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں اور اگر ایسا موقع ہوتا بھی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے صورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً پریشان نہیں ہوتے اور یوں تو آخر وہ بھی بشر ہیں۔ واقعات سے ان کو کوفت بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان سے بعض معاصی بھی صادر ہو جاتے ہیں یہ نہیں ہے کہ وہ فرشتے ہو جاتے ہیں اور ان کو گناہ کا میلان ہی نہیں ہوتا جیسا کہ

بعض عوام کا اعتقاد ہے اور واقعی میلان کا ہونا بھی تو کمال ہے۔ گناہوں سے بچنے میں فرشتوں کا کیا کمال ہے کیونکہ انہیں میلان ہی نہیں ہوتا اس غرہ میں نہ رہنا۔ حضرت ان کو میلان بھی ایسا ہوتا ہے جیسا اوروں کو بلکہ بعض دفعہ اوروں سے بھی زیادہ کیونکہ ان کی حس نہایت لطیف ہو جاتی ہے مگر وہاں اس کے ساتھ ہی چونکہ اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق ہے اس لیے تقاضائے نفس کے روکنے میں جو کلفت ہوتی ہے اس کو برداشت کرتے ہیں اور واللہ اس کلفت میں بھی ایک لذت ہوتی ہے سلطنت کی لذت کی کچھ حقیقت نہیں مثلاً ابتلاء ہو گیا کسی صورت کے ساتھ بلا قصد و باوجود اہتمام احتراز ہوتا ہے ایسا کیونکہ ادھر تو ان کا ادراک لطیف ہوتا ہے اور پھر کسی کی تحقیر قلب میں ہوتی نہیں اس لیے ان کو جس سے ہوتا ہے بے حد میلان ہوتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد22، ص227)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے

قرآن و حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اس قدرت سے کام لو جب تم عامل ہو گے تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ واقعی ہمیں قدرت حاصل ہے رہا شیطان سو بخدائے لا یزال میں سینکڑوں قسمیں کھاتا ہوں کہ مومن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکتا ہر مومن ہر شیطان پر غالب ہے۔ مثلاً نظر حرام کے موقع پر آنکھ اپنی نیچی رکھیں۔ پھر شیطان کیا زبردستی اس پر کرے گا۔ ہاں شاید کوئی شیطان الانس ایسا بھی کر دے تو آنکھیں بند کر لے اور اگر اس پر بھی نہ مانے اور زبردستی آنکھیں چیر کر کھولے تو نظر کی شعاع کو آگے نہ بڑھنے دے۔ یہ تو اس جابر کے اختیار میں نہیں غرض کوئی بات نہیں جو انسان نہیں کر سکتا، ہاں تکلیف ضرور ہوتی ہے تو اس کو برداشت کرنا چاہیے خدا کے ساتھ نسبت اور پھر تکلیف سے بچنا چاہو۔ حضرت بلا تکلیف اٹھائے تو کبھی کچھ نہیں ہو سکتا۔

نازپروردہ تنعم نہ بردراہ بدوست عاشقی شیوہ رنداں بلاکش باشد

(عیش و عشرت میں پرورش پائے ہوئے دوست تک راہ نہیں لے جاتا یعنی راہ قطع کر کے دوست تک نہیں پہنچ سکتا۔ عاشقی تو مصیبت جھیلنے والے رندوں کا شیوہ ہے)

اپنی طرف سے تو ساری عمر تکلیف میں رہنے کے لیے آمادہ ہو جانا چاہیے پھر مالک چاہے دو دن بھی تکلیف میں نہ رکھے تم کو تجویز کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ یہ خدائی ہے یا بندگی ہے۔ جناب یہ بندگی ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ بس اپنا مذہب یہ رکھنا چاہیے۔

چونکہ برمیخته بہ بندوبسته باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جس وقت تجھ کو میخ سے باندھ دیں، بندھ جا اور جس وقت کھول دیں تو اچھل کود)

سوچا کہ اگر خدانا کردہ ساری عمر کے لیے کوئی بیماری لگ جائے مثلاً اندھا ہو جانا ہے تو کیا مر رہو گے آخر برداشت کرو گے اور عمر اسی طرح ختم کرو گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد22، ص229،230)

دل کھول کر گناہ کرنے سے ارمان نہیں نکلتا

نافرمانی میں خاص اس وقت تو لطف آ جاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گزری نفس نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کر لیں نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوئی لیکن جب الگ ہو گئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہو گی اور سارا دن اور ساری رات آرام میں گزرے گی اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گزرے گی کہتے ہیں صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی کلفت نہ اٹھائی اور چار دن کی کلفت اٹھالو گے یہ تو وہی ہوا کہ گنانہ دے بھیلی دے بعض کو بعض معاصی کی نسبت یہ غلطی ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کر لینے سے ارمان نکل جائے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین کی سی ہو جائے۔

تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا یہ پیو گے اتنی ہی اور لت بڑھے گی اور اگر ہر بار خواہش کو روک لو گے تو کچھ دن بعد بجھ جائے گی یونہی نفس کو مارو۔ ان شاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جائے گا خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی، دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے۔۔۔۔۔۔ (خطبات حکیم الامت جلد22، ص331،332)

نفس شیطان سے زیادہ چالاک ہے

نفس وہ چیز ہے جس نے شیطان کو بھی غارت کیا نفس شیطان سے بھی زیادہ چالاک ہے شیطان کو بھی دھوکہ دیتا ہے اس کو وہ چالاکیاں آتی ہیں جن کا پتہ بھی نہیں چلتا بڑے بڑوں کو اس نے ہلاک کیا ہے پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا دشمن جو چالاک بھی ہو کیسا خطرناک ہو گا اس لیے محققین نے نفس کو زیادہ دشمن سمجھا ہے اور اس سے ہوشیار رہنے کی زیادہ تاکید کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ماند خصمے زو بتر در اندروں
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

(یعنی اے بزرگو! تم نے ظاہر دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو اس سے بدتر اور ضرر رساں ہے باطن میں رہ گیا یعنی نفس اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا محض عقل و ہوشیاری کا کام نہیں ہے کیونکہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں ہے جب وہ شیر خرگوش کے داؤ میں آ گیا تھا یہ شیر باطن ایسا نہیں ہے)

نفس کے بڑے بڑے گھات ہیں جن سے وہ انسان کو ہلاک کرتا ہے بسا اوقات یہ معصیت پر ایسا رنگ چڑھاتا ہے کہ وہ طاعت معلوم ہونے لگتی ہے پھر کیسے کوئی اس کے مکر سے بچے نفس کے مکروں پر تنبہ جبھی ہو سکتا ہے کہ قلب میں نورانیت ہو اور ایسا صحیح حس حق و باطل کے پہچاننے کا پیدا ہو گیا ہو جیسے زبان میں ہے کڑوا اور میٹھا پہچاننے کا۔ جب قلب ایسا ہو جائے گا تو اس کو قرآن میں وہ چیزیں ملیں گی جو بیان میں نہیں آسکتیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 332)

مستحب کی قدر

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ وہ محبوب کی خوشی کی ذرا ذرا سی بات کی تلاش میں رہتا ہے اور جب اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب فلاں فلاں بات سے خوش ہوتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ بھی کرلوں وہ بھی کرلوں اور کوئی بات اس کے خوش کرنے کی مجھ سے رہ نہ جائے۔ اگر ہم لوگوں کو یہ مذاق عاشقانہ نصیب ہو جائے تو اس وقت ان مستحبات کی قدر معلوم ہو اور ان کے بیان کو خداوند تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت سمجھیں گے کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس تفصیل سے ان باتوں کو بتلا دیا جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہیں اور اگر شریعت میں صرف ضروریات ہی کا بیان ہوتا مستحبات کا ذکر نہ ہوتا تو عشاق کو سخت بے چینی ہوتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ عاشق محض ضروریات پر اکتفاء نہیں کیا کرتا ان کو تو وہ اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ فرض منصبی کے علاوہ بھی میں کچھ ایسا کام کروں جس سے محبوب کو مجھ پر زیادہ توجہ ہو۔ (دیکھئے ایک نوکر تو وہ ہے جو محض تنخواہ کے لیے کسی خاص کام پر آپ کا ملازم ہے۔ وہ تو یہ چاہے گا کہ فرض منصبی کو ادا کرتا رہوں۔ اس سے زیادہ کی اس کو خواہش نہ ہوگی اور ایک وہ نوکر ہے جس کو بچپن سے آپ نے پالا پرورش کیا ہے اور اس کو آپ کے ساتھ جان نثاری کا تعلق ہے وہ ہرگز فرضی منصبی پر اکتفاء نہ کرے گا بلکہ وہ اس کی کوشش کرے گا کہ آقا کے خوش کرنے کا جو کام بھی ہو وہ میرے ہاتھ سے ہو جائے۔ وہ اپنے خاص کام کے علاوہ رات کو آپ کے پیر بھی دبائے گا پنکھا بھی جھلے گا اور آپ کے جاگنے سے پہلے تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا سامان کرے گا اور کبھی خیال نہ کرے گا کہ یہ کام تو میرے فرض منصبی سے زیادہ ہیں انہیں کیوں کروں بلکہ اس کی محبت اور جان نثاری مجبور کرے گی کہ جس کام سے بھی آقا خوش ہو وہ ضرور کرنا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 338،337)

ایک عالم کا دل ہلا دینے والا قصہ

چنانچہ میں آپ کو ایک عجیب عبرت انگیز حکایت سناتا ہوں جو میں نے مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شیخ دہان (تاجر روغن) نے جو مکہ مکرمہ کے ایک بڑے عالم تھے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں

ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں ان کو دفن کرنا چاہا مکہ مکرمہ میں یہی دستور ہے کہ ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ان کی لاش کی بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا اس نے جو لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور درپردہ مسلمان ہو گئی میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے۔ اتفاق سے بیمار ہو کر انتقال کر گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوئی کہ مسلمان اور نیک تھی لیکن اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان عالم صاحب کی لاش کہاں گئی، بعض لوگوں نے کہا کہ شاید عالم کی لاش اس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی ہو اس پر لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کر دیا۔ چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور لڑکی کے والدین سے اس کا یہ حال بیان کیا اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم اس کی لاش مکہ مکرمہ میں دیکھ لو۔ اخیر رائے یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کو کھودو۔ چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملے کی تفتیش کے لیے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم قطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شیخ دہان نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعہ سے ہم کو اطلاع دی کہ اس کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ مکرمہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ معلوم ہو گئی مگر اس عالم کا مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بنا پر ہوا اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سب نے کہا کہ انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کی بی بی سے پوچھنا چاہیے چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی اس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں لوگوں نے کہا بس

یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ مکرمہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا۔ حضرات آپ نے دیکھا کہ یہ شخص ظاہر میں عالم تقی اور پورا مسلمان تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسان کفر کفر ہے۔ اس لیے وہ تو پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے۔ مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھا دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہ ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جو کافر ہوتا ہے اس میں اول ہی سے کوئی بات کفر کی ہوتی ہے جو تفتیش اور غور کے بعد ہم کو بھی معلوم ہو سکتی ہے مگر ہم غور نہیں کرتے اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان آریہ ہو گیا حالانکہ وہ پہلے ہی سے آریہ تھا اس میں اسلام تھا ہی نہیں مگر ہم کو اس کی بدحالی کا علم نہ تھا ورنہ جو مسلمان ہو گا وہ کبھی کافر نہیں ہو سکتا اسی لیے شیطان کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وکان من الکافرین کہ وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کرنے کے وقت ہی کافر نہیں ہوا جس کا راز اہل تحقیق نے اس طرح فرمایا ہے کہ

در لوح بد نوشتہ کہ ملعون شود یکے — بردم گماں بہر کس و بر خود گماں بنور
آدم ز خاک بود و من از نور پاک او — گفتم منم یگانہ واو خود یگانہ بود

یعنی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے لکھا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک شخص کافر ہو گا (یعنی اس وقت اس کا کفر ظاہر ہو گا) اور شیطان لوح محفوظ کو پڑھ کر اس واقعہ سے باخبر تھا کہ ایک شخص کافر ہونے والا ہے۔ مگر اس کو کبھی اپنے متعلق یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وہ میں ہی ہوں وہ اپنی طاعت و عبادت کی وجہ سے بے فکر تھا کہ بھلا اتنا بڑا عابد کبھی کافر ہو سکتا ہے ہر گز نہیں یہ کوئی اور شخص ہو گا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 369،368)

ایک بزرگ کی لوگ ان کے منہ پر تعریف کر رہے تھے

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا لوگ ان کے منہ پر ان کی تعریف کر رہے تھے اور وہ خوش ہو رہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ کیسے بزرگ ہیں جو اپنی تعریف سے مزے لے رہے ہیں ان کو اس خطرہ کی اطلاع ہو گئی فوراً جواب دیا کہ میری تعریف تھوڑی ہی ہے۔ میرے محبوب کی تعریف ہے کیونکہ ہمارا کمال سب ادھر سے ہی ہے مصنوع کی تعریف حقیقت میں صانع کی تعریف ہے کہ اس نے کس خوبی سے اس چیز کو بنایا ہے اس لیے میں محبوب کی تعریف پر خوش ہو رہا ہوں وہ کہنے لگے کہ مجھے پھر خطرہ ہوا کہ جب یہی بات ہے تو میرا یہ خطرہ بھی محبوب ہی کی طرف سے تھا اس پر اتنی ناگواری کیوں ہوئی ان کو اس پر بھی اطلاع ہو گئی فرمایا محبوب کی طرف بری باتوں کی نسبت کرنا بے ادبی ہے اب تو میں بہت گھبرایا کہ یہاں

تو دل کو سنبھال کر بیٹھنا چاہیے یہ تو ہر خطرے پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ واقعی اہل اللہ کے پاس بیٹھ کر برے خیالات سے دل کی حفاظت کرنا چاہیے کیونکہ ان کو گاہے خطرات پر بھی اطلاع ہو جاتی ہے جس سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔

پیش اہل دل نگہدارید دل تانباشید از گمان بد خجل

(اہل دل کے روبرو دل کی نگہداشت کرو تاکہ بدگمانی سے شرمندہ نہ ہو)

اس پر یہ شبہ ہوگا کہ بعضے خطرات تو بے اختیار آتے ہیں ان سے کیونکر حفاظت کی جائے۔

(خطبات حکیم الامت جلد22، ص375،376)

اور اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھنے کا ادب

بس اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اہل اللہ کے پاس بیٹھنا ہی نہ چاہیے تو سمجھ لیجئے کہ جن کو خطرات کی اطلاع ہوتی ہے ان کو اللہ تعالیٰ بھی معلوم کرا دیتا ہے کہ یہ اختیاری ہے اور یہ غیر اختیاری ہے اور وہ ایسے نہیں ہوتے کہ غیر اختیاری امور پر مواخذہ کریں اور نہ غیر اختیاری خطرات سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ پس نگہدارید دل کے معنی ہیں کہ اختیاری خطرات سے ان کے پاس بیٹھ کر دل کی حفاظت کرو غرض واقع میں ہم اپنے نہیں ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہیں تو خدا کو یاد کرے گا وہ اپنے کو اس طرح یاد کرے گا کہ اس کی نظر اول خدا پر پڑے گی پھر اپنے پر (اور یہ التفات الی الغیر نہیں ہے) اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حسین شخص کے گھر میں آئینہ رکھا ہو جس میں اس کی صورت نظر آ رہی ہو اور ایک عاشق بھی وہاں بیٹھا ہوا ہے جو محبوب کی طرف رعب جمال کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا اس لیے وہ آئینے میں اس کی صورت دیکھ رہا ہے اور ایک دوسرا ہے جو عاشق نہیں وہ بھی اس آئینہ کو دیکھ رہا ہے مگر اس نیت سے کہ دیکھوں یہ آستین جلی ہے یا چینی ہے تو یہ دونوں شخص آئینے کے دیکھنے سے شریک ہیں مگر دونوں کے دیکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

بحر تلخ بحر شیریں ہمعناں درمیان شان برزخ لایبغیان

(بحر تلخ اور بحر شیرین برابر دونوں جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مختلط اور متشبہ نہیں ہونے پاتے)

ظاہر میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں الگ الگ ہیں عاشق کی نظر اول محبوب کی تصویر پر پڑے گی۔ گو تبعاً آئینہ پر بھی نظر ہے اور غیر عاشق کی نظر اول آئینہ پر پڑے گی گو تبعاً حسین کی تصویر پر بھی نظر پڑ جائے گی مگر اس کا مقصود حسین کی تصویر دیکھنا نہیں ہے بلکہ صرف آئینہ کی خوبی دیکھنا مد نظر ہے۔ اسی طرح عارف

بھی مخلوقات کو دیکھتا ہے اور ہم بھی دیکھتے ہیں مگر بڑا فرق ہے۔ اس کی نظر اول خدا تعالیٰ پر پڑتی ہے پھر تبعاً مخلوق بھی اس کے سامنے ہے اور ہماری نظر اولاً مخلوق پر پڑتی ہے۔ گو حق تعالیٰ کی قدرت وصنعت کا بھی خیال آجائے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 377)

شیطانی نسیان

ایک شخص نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے گھر میں ایک جگہ روپیہ دفن کیا تھا اب وہ جگہ بھول گیا کسی طرح یاد نہیں آتی کوئی ترکیب بتلائیے جس سے جگہ یاد آجائے۔ اول تو امام صاحب نے عذر کیا کہ بھائی اس کی ترکیب میں کیا بتلاؤں کوئی شرعی مسئلہ پوچھو تو میں بتا سکتا ہوں مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر نماز پڑھو اور یہ عزم کر لو کہ جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے گی برابر نماز پڑھتا رہوں گا۔ چنانچہ اس نے دو رکعتیں پڑھی تھیں کہ جگہ یاد آ گئی۔ اس کا راز پوچھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو شیطان نے پریشان کرنے کے لیے بھلا رکھا تھا اس لیے میں نے یہ تدبیر بتلائی کہ میں جانتا ہوں کہ شیطان کو یہ کب گوارا ہو گا کہ ساری رات نماز پڑھے اس لیے اس نے جلدی ہی یاد دلا دیا۔ مگر یہ ترکیب ہر جگہ کام نہیں دے سکتی ترکیب وہاں کام دیتی ہے جہاں نسیان شیطان کے سبب ہو طبّی نہ ہو یہ امام صاحب کا کمال ادراک تھا کہ اس شخص کی حالت سے سمجھ گئے کہ اس کو طبّی نسیان نہیں ہے بلکہ شیطانی نسیان ہے۔ شیطان نے پریشان کر رکھا ہے اس کا علاج بتلا دیا کہ نماز پڑھتے رہو یاد آجائے گا کیونکہ شیطان جب یہ دیکھے گا کہ بدون میرے یاد کرائے یہ شخص نماز سے باز نہ آئے گا تو جلدی یاد دلا دے گا۔ غرض نماز میں شیطان ایسی باتیں خوب سوجھاتا ہے اسی لیے حساب بھی نماز میں خوب یاد آتا ہے جس طرح نیند بھی خوب آتی ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 22، ص 430)

تیئسویں جلد کے جواہر

فرعون نے شیطان سے کہا بارش برساؤ

چنانچہ ایک حکایت میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ فرعون خدائی کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ ایک سال بارش نہ ہوئی قحط ہو گیا لوگوں نے آکر شکایت کی کہ ہم لوگ قحط میں ہلاک ہو رہے ہیں تم کیسے خدا ہو بارش کیوں نہیں برساتے فرعون نے شیطان سے کہ کسی وقت اس سے دوستی ہو گئی تھی یہ سب قصہ کہا شیطان نے وعدہ کیا کہ کل بارش ہو گی چنانچہ اس نے سب شیطانوں کو جمع کر کے کہا کہ سب اوپر جا کر موتو چنانچہ بارش ہوئی لیکن بدبو کے مارے دماغ پھٹے پڑتے تھے۔ فرعون نے پوچھا کہ یہ کیسی بارش، شیطان نے کہا کہ احمق ہوا ہے جیسے تو خدائے باطل ہے ویسی ہی تیری بارش ہے اور جیسے وہ خدائے حقیقی ہیں اسی طرح کی ان کی بارش ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص26)

کمال عبدیت

صاحبو! اگر ہم اپنے افعال پر ناز کریں تو ہمارا یہ ناز ایسا ہی ہو گا۔ جیسا اس بچے کا ناز تھا جس کے باپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ لکھوا دیا تھا، جس میں بچے کا کوئی کمال نہ تھا اگر باپ اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہ لیتا تو اس کی کیا مجال تھی جو ایک حرف بھی لکھ سکتا اسی طرح اگر ہم ناز کریں کہ نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں دین کی خدمت کرتے ہیں تو محض نادانی ہے۔ کیونکہ تم نے کیا ہی کیا ہے۔ واللہ اگر اس طرف سے مدد نہ ہوتی تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ میں اختیار کی نفی نہیں کرتا۔ اختیار تو مسلم ہے مگر حضرت وہ اختیار ہی تو دوسری طرف سے عطا ہوا ہے۔ اختیار کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ اراد اور شاء موجود ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ یعنی تمہاری غیر مستقل مشیت سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک ان کی مشیت نہ ہو۔ بعض لوگ جبریہ کے اعتقاد کو عبدیت کے قریب سمجھتے ہوں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اس میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت کو تسلیم کر کے اس کو مشیتِ حق کا تابع سمجھے۔ اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں ہے کہ اپنی مشیت کی بالکل نفی ہی کر دے اور جبر کا قائل ہو جائے۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشاہدہ کر رہا ہے پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے۔ جیسے کسی شخص کے پاس لاکھ روپے ہوں مگر وہ اپنے آپ کو چار لاکھ والے کے مقابلے میں غریب سمجھ رہا ہے۔ بخلاف

اس کے جو غریب ہو کر اپنے آپ کو غریب سمجھتا ہے یہ کیا کمال ہے۔ اسی طرح اپنے اختیار کی بالکل نفی کرنے میں کچھ عبدیت نہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ مشاہدہ ہو اپنے اختیار کا پھر اپنے اختیار کو ماتحت سمجھے دوسرے کے اختیار کا یہ ہے کمال عبدیت۔ دوسری اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں اور اگر کوئی نواب حیدر آباد جیسا اپنے کو کسی قدر بااختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کا تابع بنادے یہ کمال عبدیت ہے۔ پس جبریہ کی مثال رعیت کی سی ہے اور اہل سنت کی مثال نواب جیسی ہے کہ انسان کو باوجود خلیفۃ اللہ اور فی الجملہ بااختیار نائب سلطنت سمجھنے کے پھر بھی اس کے اختیار کو اللہ تعالیٰ کے اختیار وارادہ کا تابع مانتے ہیں اب انصاف کرلیجئے کہ عبدیت زیادہ کس میں ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 50)

اللہ تعالیٰ سے دوری کے سات درجات

چنانچہ صوفیہ نے حجاب کے سات درجے بیان کئے ہیں۔ اول اعراض، دوسرے حجاب، تیسرے تفاصل، چوتھے سلب مزید، پانچویں سلب قدیم، چھٹے تسلی، ساتویں عداوت یعنی اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت اور توبہ نہ کی حجاب ہو گیا اگر اس کے بعد بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق وشوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت کیفیات زائدہ سے پہلے اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر پھر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے۔ اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بہ بغض وعداوت ہو گئی یہ آخری حجاب ہے جو سب سے اشد ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو حق جل شانہ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جب دو طرف سے آپس میں تکدر ہو جاتا ہے تو یہی سات حالتیں یکے بعد دیگرے وہاں بھی پیش آتی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

احب مناجات الحبیب باوجه ولکن لسان المذنبین کلیل

کہ ہم گنہگاروں کی زبان جو ہے وہ درماندہ ہے کہ اٹھانے سے اٹھتی ہی نہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ انسان جس سے شرمندہ ہوتا ہے اس کے سامنے اتنے کہنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ میرا قصور معاف کردو۔ یہ ہے تو ایک حال لیکن اگر اس کے مقتضیٰ پر عمل کرلیا گیا تو سخت مضر ہے ایک عذاب ہے وبال ہے۔ خیر یہ بزرگ تو صاحب حال تھے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے بچے ہوئے تھے مگر بعض لوگ تو اس حال کے مقتضیٰ پر عمل بھی کرتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 65،66)

محققین کے علوم انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہوتے ہیں

ابن القیمؒ نے الدواء الکافی میں ایسی حکایتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ جب اس کا آخری وقت ہوا تو اس سے توبہ کیلئے کہا گیا تو کہنے لگا کہ اتنے گناہوں میں توبہ کیا کام دے گی۔ اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا یہ حقیقت میں جہل ہے۔ محققین نے اسی کو ایک مثال سے بالکل سمجھا دیا ہے۔ محققین کے علوم بھی انبیاء علیہم السلام کے علوم کے مشابہ ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کا یہ طرز ہے کہ وہ معقولات کو محسوسات بنا کر بیان فرماتے ہیں۔ (اسی طرح ان محققین کی بھی وہی شان (بفضلہ تعالیٰ اس شان کا ظہور جیسا کہ اس وعظ میں متعدد جگہ ہوا ہے اسی طرح شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی دیگر تقریروں اور تصانیف میں سینکڑوں اور ہزاروں جگہ ہوا جس کا جی چاہے مشاہدہ کر لے۔ حمید حسن دیوبندی) ہوتی ہے تو ایک بزرگ ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے میں کسی گناہ کی وجہ سے دیر نہ کرنا چاہئے تمہاری ایسی مثال ہے جیسے ایک گندا ناپاک شخص دریا کے پاس گیا تو دریا نے کہا تو میرے پاس آ، پاک ہو جائے گا اس نے جواب دیا کہ تو پاک اور صاف وشفاف اور میں پلید و ناپاک تیرے پاس ایسی حالت میں کیونکر آؤں۔ دریا نے کہا اچھا مت آ مگر بچہ جی ساری عمریوں ہی ناپاک رہو گے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی چیز پانی کے سوا نہیں جو ناپاک کو پاک کر دے اگر ناپاک آدمی پاک ہونا چاہے تو اسکو چاہئے کہ ایسی ناپاکی اور گندگی کی حالت ہی میں دریا کے اندر چلا جائے محققین فرماتے ہیں کہ خواہ تم کیسے ہی گنہگار ہو اور اپنے گناہوں سے تم کتنے ہی شرمندہ ہو مگر تم اسی حالت میں اللہ کے دربار میں جا کھڑے ہو اور آنکھیں بند کر کے یہ کہنا شروع کر دو کہ اے اللہ توبہ ہے اے اللہ توبہ ہے اور اس قدر کہو کہ وہ حجاب جو تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان واقع ہو گیا ہے۔ وہ بالکل اٹھ جائے یہ حجاب وہ چیز ہے جو توبہ کی توفیق حاصل کرنے کا اہم طریقہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک دفعہ ہمت کر کے زبان سے توبہ شروع کر دو اور کرتے رہو یہاں تک کہ دل سے توبہ نکلنے لگے۔

صاحبو! اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ زبان سے توبہ کا لفظ نکالنے پر تم کو قدرت حاصل ہے کبھی یہ بھی سلب نہ ہو جائے۔

گناہ ایک عظیم بلا ہے

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دن وہ ذکر کرنے بیٹھے اور انہوں نے زبان سے اللہ کا نام نکالنا چاہا تو نہ نکلا بہت حیران ہوئے کہ کیا بات ہے اور باتیں تو زبان سے نکلتی ہیں مگر اللہ کا نام زبان سے نہیں نکلتا، آخر جب مجبور ہو گئے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو سجدے میں گر کر دل سے دعا کرنے لگے اور بہت گڑگڑائے کہ اے اللہ یہ کیا قہر نازل ہوا، الہام

ہوا کہ فلاں دن ہنسی مین ایک کلمہ تمہاری زبان سے ایسا نکلا تھا کہ جس میں دین کا استخفاف تھا۔ آج اس کی یہ سزا دی گئی ہے کہ تم کو ہمارا نام لینے کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ تم نے اس کلمہ سے توبہ نہ کی تھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زبان بند کر دی جاتی ہے اس وقت سنبھلنا ہر ایک کا کام نہیں، یہ خاص لوگوں کا کام ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے تو ہم کو زبانی توبہ کی قدر کرنی چاہیے مگر ایک بار دو بار پر تو کفایت نہ کرنا چاہئے بلکہ اتنی کثرت کی جائے کہ دل سے توبہ نکلنے لگے۔

اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ گناہ کتنی بڑی بلا ہے کہ ذکر سے بھی محروم کر دیتا ہے اور اگر کسی کو ایسا ہی اتفاق ہو جائے تو وہی کرے جو ان بزرگ نے کیا بہر حال توبہ کرنے سے گناہ کا یہ اثر نہیں رہتا وہ تو بڑے غفور رحیم ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ. وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا.

(اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ قدر کرنے والے اور جاننے والے ہیں۔)

اور یہاں شکر سے مراد عمل ہے ای عملتم صالحا مثلاً توبہ ہی ہے کہ یہ بھی عمل صالح ہے تو ان کو تم سے ضد تھوڑا ہی ہے کہ توبہ کر رہے ہو اور وہ پھر بھی تم کو عذاب دیں۔ غرض جتنے حجابات ہیں وہ سب اوپر ہی سے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 66،67)

ساحرین کے ایمان لانے کا سبب

آپ نے سنا ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت ایمان دی مگر وہ ایمان نہ لایا اور وہ ساحر جو موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے مشرف بایمان ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری سے اس کی وجہ دریافت کرنا چاہی ارشاد ہوا کہ ساحر تمھاری وضع بنا کر آئے تھے لہٰذا ہم نے نہ چاہا کہ جو ہمارے محبوب کی شکل اختیار کرے اس کو محروم چھوڑ دیں اور محبوب نہ بنائیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 73)

ایک نظر میں کامل کر دینے کا مفہوم

" حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید اپنے شیخ کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ویرانہ میں ایک مسجد ملی وہاں چند مکار مراقب بنے بیٹھے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو توجہ دے رہے تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ اے مرزا اگر تم نے مکاروں کو نہ دیکھا ہو تو ان کو دیکھ لو۔ خیر بات ختم ہوئی تھوڑی دیر کے بعد مرزا صاحب کو اتفاقاً پھر پکارا وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ جب تشریف لائے تو شیخ نے فرمایا کہاں گئے تھے کہا حضرت آپ کے ارشاد کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ ان پر حضرت کی نظر تو پڑ ہی گئی ہے میں نے گوارا نہ کیا کہ جس پر حضرت کی نظر پڑے وہ محروم رہے لہٰذا

ہیں ان کے قلب میں القائے نسبت کر رہا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سب کو ایک نظر میں کامل کر دیا۔ اب یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک نظر میں کامل کیسے ہو گئے تو یہ غور کرنے کی بات ہے۔ ایک نظر میں کامل کر دینے کے معنی ہیں کہ استعداد کمال کی پیدا ہو گئی یوں شاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ایک نظر میں کمال حاصل ہو جائے جب پہلے سے استعداد ہو اسی واسطے کہا گیا ہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ باشی

(پلک جھپکنے کے برابر اس شہنشاہ حقیقی سے غافل مت ہو، شاید اس کی نگاہ لطف تجھ پر پڑتی ہو اور تجھ کو خبر نہ ہو)۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 73)

مغفرت کی خاصیت بارود کی مانند ہے

اور جب یہ ہے کہ ان کو بھی تم سے محبت ہے تو پھر ذرا بہانہ چاہئے رحمت کے لئے مگر یہ آثار اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب ادھر سے بھی طلب ہو یعنی تم بھی ارادہ کرو۔ ورنہ ارشاد ہے کہ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ (کیا ہم تمہیں اپنی رحمت چپکا دیں جبکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو) ان کے اندر استغنا بھی ہے۔ اور معشوقوں میں ہوتا ہی ہے اور وہ تو استغنا سے کام بھی نہیں لیتے مگر تمہاری بے رخی اور اعراض، علاج کرنے کی مصلحت سے کبھی کبھی کھڑ کھڑا بھی دیتے ہیں جیسے کوئی معشوق اپنے عاشق کے پاس آیا۔ دیکھا تو عاشق پڑا سو رہا ہے اس نے ایک ٹھوکر مار کر جگا دیا تو شان استغنا ہے مگر یہاں یہ ہے کہ معشوق نے رحم کھا کر اٹھا دیا اور ملامت کر کے اس کی بغل میں بیٹھ گئے یہ تو بہت ہی عجیب ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بے چارہ معذور ہے انسان کو نیند سے چارہ نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو جو تہجد کے عادی ہیں وقت پر جگا کر اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف دے دیتے ہیں اور یہ شان تو انہیں کی ہے کہ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ (اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند) حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخیر شب میں آسمان اول پر نزول فرماتے اور یہ ندا دی جاتی ہے کوئی طالب مغفرت ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں کوئی طالب رزق ہے کہ اس کو رزق دے دوں۔ اس وقت بہت لوگ غافل پڑے سوتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بانگ می آید کہ اے طالب بیا　　　جود محتاج گدایاں چوں گدا

(آواز آئی کہ اے طالب آ، سخاوت خود محتاج کی مانند فقیروں کو تلاش کرتی ہے)۔

جب یہ بات ہے تو کیا تمہارا گمان ہے کہ وہ توبہ قبول نہ کریں گے بھلا ان کے متعلق یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے۔ اس جہل کو نکالو اور توبہ سے مت رکو کہ صاحب ہمارے تو گناہ بہت بڑے ہیں، ارے صاحب تمہارے گناہ تو کیا بڑے ہوتے تم ہی کہاں کے بڑے ہو وہ گناہ تو تمہاری صفت ہے جب موصوف بڑا نہیں تو صفت کیسے بڑی ہو جائے گی،

بخلاف ان کے کہ ان کا ہر فعل چھوٹے سے چھوٹا بھی بڑا ہے یہی معنی ہیں اس کے جو حدیث میں آیا ہے کہ اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جائے تو وہ سب کو مٹا دیتی ہے۔ دیکھئے بارود ذرا سی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اڑا دیتی ہے بفرض محال اگر مغفرت چھوٹی بھی ہوتی تو اس کی خاصیت بارود کی سی ہے۔ اگر بندوں کو رحمت کا مشاہدہ ہونے لگے تو گناہوں کو بڑا سمجھنے پر شرمندگی ہوگی ناامیدی تو کیا ہوتی۔ مگر اس شرمندگی کے مقتضٰی پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ گناہ اگرچہ رحمت کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں مگر تمہارے لئے تو بڑے ہی ہیں تولہ سنکھیا (زہر) اگرچہ من بھر تریاق کے سامنے چھوٹا ہے مگر معدہ کے مقابلے میں بڑا ہے تو گو تریاق کے مقابلے میں سنکھیا اپنا اثر نہیں کرتا مگر بغیر تریاق استعمال کئے تریاق کا اثر کب ظاہر ہو سکتا ہے بس اس تریاق کا استعمال یہی ہے کہ زبان سے کہو:

اللھم اغفرلي اللھم اغفرلي. (اے اللہ مجھے بخش دے اے اللہ مجھے بخش دے) وہ تمہاری مغفرت کے لیے ہر وقت تیار ہیں مگر تم مغفرت تو مانگو اس تریاق کا اثر ظاہر تو کریں گے وہی مگر تم اس تریاق کا استعمال تو کرو۔ دیکھو اگر وہ تریاق تمہارے سامنے رکھ دیتے اور ترکیب کھانے کی نہ بتلاتے تو تم کیا کرتے پس کتنی بڑی عنایت ہے کہ زہر گناہ کے لئے تریاق بھی بنایا اور اس کی ترکیب بھی ہم کو بتلا دی صرف استعمال کی دیر ہے۔

حکایت آصف الدولہ

اس مضمون پر مجھے ایک حکایت یاد آ گئی۔ آصف الدولہ لکھنو کے بادشاہ کا وزیر تھا۔ اور بہت سخی تھا، عوام میں بطور مثل مشہور تھا کہ ایسا خوش نصیب ہے کہ اگر پتھر سے اس کے گھوڑے کی ٹاپ لگ جائے تو وہ سونا بن جائے۔ ایک بڑی بی نے جو سنا تو ایک سل لے کر اصطبل میں پہنچیں اور اس کے گھوڑے کے سم سے اس کو ملنے لگیں۔ اتفاق سے آصف الدولہ ادھر آ نکلا پوچھا بڑی بی کیا کر رہی ہو۔ بڑی بی نے جو سنا تھا بیان کر دیا۔ آصف الدولہ نے کہا مائی تم نے سچ سنا مگر اس کی ترکیب تم کو نہیں آتی اس کو ہم جانتے ہیں تم اپنی سل یہیں چھوڑ جاؤ، کل آ کر لے جانا، وہ چھوڑ گئی آصف الدولہ نے فوراً حکم دیا کہ ایک سل اتنی بڑی ٹھوس سونے کی بنائی جائے چنانچہ بن گئی۔ اور بڑی بی بھی پہنچیں تو کہا لو مائی اپنی سل دیکھو اب وہ سونے کی بن گئی ہے دیکھیے اس شخص نے احسان بھی نہ جتلایا اور اس کو مالا مال کر دیا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 76،75)

ایک شخص اپنے آپ کو رب العالمین کہتا تھا

چنانچہ ایک دفعہ مولوی صاحب اپنے پیر کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں ایک مقام پر گزر ہوا جہاں ایک شخص مدعی الوہیت تھا کمبخت اپنے کو خدا کہتا تھا مولوی صاحب کے پیر کو بڑا غصہ آیا اور اس کو مارنا پیٹنا چاہا مولوی صاحب نے کہا حضرت مارنے پیٹنے سے کیا ہوگا خواہ فساد ہوگا کچھ لوگ اس کے موافق بھی ہوں گے وہ برسر مقابلہ ہوں گے۔

آپ ٹھہریئے میں جاکر اس کی اصلاح کرتا ہوں، چنانچہ آپ نے جیب میں باسی روٹیاں، سڑی بھسی لیں اور ان پر سڑا ہوا سالن رکھ کر پہنچے اور اس شخص سے ملے اور پوچھا کہ آپ کا اسم شریف اس نے کہا کہ میں اللہ رب العالمین ہوں مولوی صاحب نے کہا الحمدللہ کہ حضور سے دنیا ہی میں ملاقات ہوئی اور ہم کو عرش سمٰوٰت طے کرنے نہ پڑے آپ ہی نے عرش سے دنیا میں نزول فرمالیا اب بندوں کو بہت آسانی ہوگی اس کے بعد وہ روٹیاں جیب سے نکالیں اور ہدیہ میں پیش کیں اس نے بدبو کی وجہ سے ناک بھوں چڑھائی تو آپ فرماتے ہیں کہ حضور جب خالق آپ ہیں تو رازق بھی آپ ہیں جیسا آپ نے ہم کو دیا ویسا ہی ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس پر وہ خفیف ہوا، اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ حضور ایک آیت کی تفسیر میں علماء کا بہت اختلاف ہے کسی جانب کو ترجیح نہیں معلوم ہوتی اب اس سے بہتر کیا موقع ہوگا کہ خود صاحب کلام موجود ہیں تو حضور خود ہی اپنے اس کلام کو حل فرمادیں اور ایسی تقریر فرمادیں جس سے میری تشفی ہو جائے۔

اس کے بعد وہ آیت پڑھی چونکہ وہ شخص بالکل جاہل تھا اس لئے بے ساختہ بول اٹھا کہ میں تو جاہل آدمی ہوں فرمایا پھر خدا کدھر سے ہوا کہ اپنے کلام کے معنی بھی معلوم نہیں، کہنے لگا میں خداودا کچھ نہیں، یہ محض میرے نفس کی شرارت تھی اب توبہ کرتا ہوں۔

مولوی صاحب کے ہاں ایسے لطیفے بہت ہوتے رہتے تھے اور وہ ہر شخص کو اس کے مذاق کے مطابق جواب دیتے اور اسی سے بند کر دیتے تھے، چنانچہ اس موقع پر گفتگو کا یہ طرز اختیار نہیں کیا کہ اس کی الوہیت کا انکار کر کے مباحثہ کرتے بلکہ حکیمانہ طرز اختیار کیا کہ اس کو بظاہر تسلیم کر کے پھر جواب دیا اور اس سے توبہ کرالی اسی حکیمانہ طرز کا وہ جواب بھی تھا جو خان صاحب کو دیا کہ جاؤ ہم نہیں بتلاتے اس طرح کے جواب سے اس بد دماغ کا دماغ درست ہوا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 118، 117)

خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا طالب

حضرت فرید عطارؒ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم نے شیخ سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کے دیدار کی بہت تمنا ہے کوئی تدبیر بتلایئے جس سے خواب میں دیدار ہو جائے شیخ نے فرمایا کہ آج رات کو عشاء کی نماز چھوڑ دو. دیدار ہو جائے گا۔ طالب کو اس تدبیر سے بڑا توحش ہوا کہ شیخ نے یہ کیا فرمایا دولت دیدار معصیت سے حاصل ہوگی پھر چونکہ اسنے اس وقت تک کبھی نماز قضاء نہ کی تھی اس لئے ہمت نہ ہوئی مگر شیخ کے قول کا الغاء (لغو سمجھنا) بھی گوارا نہ ہوا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ لاؤ آج سنتیں چھوڑ دو اور فرض وتر پڑھ لو، سنتوں کا ترک اہون ہے انہیں چھوڑ کر جو سویا تو رات کو خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ آپ فرمارہے ہیں کیوں بھائی ہم نے کیا خطا کی

جو تم نے آج ہماری سنتوں کو چھوڑ دیا اس تنبیہ سے فوراً آنکھ کھل گئی اور اٹھ کر سنتیں پڑھیں صبح کو شیخ سے یہ واقعہ بیان کیا شیخ نے فرمایا کہ اگر فرض چھوڑ دیتے تو خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہی فرماتے ہوئے دیکھتے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے تو قصہ لکھ کر چھوڑ دیا اور اس کی حقیقت مفصل نہ بتلائی کہ فرض چھوڑنے اور دیدار ہونے میں ربط کیا تھا، مجملاً صرف اتنا لکھا ہے کہ طبیب کبھی زہر سے بھی علاج کرتا ہے۔ بس اتنا لکھ کر چلے گئے اور علماء ظاہر کو صوفیہ پر طعن کرنے کا موقع مل گیا کہ یہ مشائخ بھی شریعت کی ذرا تعظیم نہیں کرتے کہ شریعت تو فرض کے چھوڑنے پر وعید سناتی ہے اور یہ فرض کے چھوڑنے کی اجازت دیتے اور اس پر بشارتیں مرتب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا دیدار ہوتا اور یوں ہوتا۔ میں حاجی صاحب کو امام وقت اسی لئے کہتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے وحشت ناک واقعات کو اس خوبی سے حل فرماتے تھے کہ شریعت پر بھی پورا انطباق ہو جاتا تھا حاجی صاحب نے اس حکایت کو بیان کر کے فرمایا کہ وہ طالب مراد تھا شیخ کو معلوم تھا کہ یہ مراد ہے اگر فرض چھوڑ کر سوئے گا تو حق تعالیٰ اس کو نہ چھوڑیں گے فوراً خواب میں تنبیہ فرما کر وقت کے اندر اندر اس سے نماز پڑھوا لیں گے پس شیخ نے ترک نماز کی اجازت نہیں دی بلکہ عمر بھر کے لئے اس کو ایسا پابند کرنا چاہا کہ پھر کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آتا کیونکہ حق تعالیٰ کی تنبیہ کا عشاق پر خاص اثر ہوتا ہے۔ بہرحال مراد تو اگر خود کبھی رکتا ہے تو حق تعالیٰ خود اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں مگر یہ دولت ہر اک کو حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس میں کسب و اختیار کو دخل ہے ہمارے اختیار میں مرید بننا ہے اور مرید کے لئے یہی قاعدہ ہے کہ خود محبوب کی طرف چلنے کی کوشش کرے اگر یہ اعراض کرے گا ادھر سے بھی اعراض ہوگا۔ پس اس کو شرم نہ کرنا چاہئے بلکہ ایسے وقت میں عدوئے شرم کو بلانا چاہئے کہ

اے عدوے شرم و اندیشہ بیا (اے شرم و اندیشہ کے دشمن آتو) دوسرا مصرع یاد نہیں رہا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص126،125)

عورتوں کو صوم و صلوٰۃ کا پابند کرنے کی آسان تدبیر

اور میں ایک آسان تدبیر اس کی بتلاتا ہوں کہ اس پر عمل کرنے سے ضرور دین کی پابندی ہو جائے گی وہ یہ ہے کہ جس روز نماز وغیرہ میں عورتوں کی ذرا سستی دیکھو اس روز ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ یہ ایسی سخت سزا ہے کہ اس کے بعد بہت جلد اصلاح ہو جائے گی کیونکہ جس روز تم ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ گے اس روز یقیناً ان کا بھی فاقہ ہوگا بس جب دو چار روز ایسا ہوگا خود سنبھل جائے گی۔ تو طریقہ یہ ہے۔ صاحبو! کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ نرے الفاظ سے نہیں ہوتا تو زیادہ تر الزام مردوں پر ہے بہرحال چونکہ اسباب عورتوں کی تعلیم کے کم ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب عورتوں کو کچھ سنائے تو انہیں کی ضرورت کا زیادہ لحاظ رکھے، مردوں کی رعایت نہ کرے اس لئے اس وقت کا بیان

بالکل سادہ ہوگا اگرچہ ان میں سہل الفاظ سوچنے میں مجھے گونہ دقت ضرور ہے اور چونکہ اس وقت عورتوں کی طبائع کے انداز پر بیان ہوگا اس لئے جو مضامین صرف مردوں سے متعلق ہیں وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور یہ اس لئے بیان کر دیا کہ آگے یہ شبہ نہ ہو کہ فلاں جزو بیان سے رہ گیا ہے دوسرے اس لئے بھی اس وقت خاص عورتوں کے مضامین بیان کئے جائیں گے کہ مردوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہم جب عورتوں کو نصیحت کیا کریں تو کیا نصیحت کیا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقام پر توبہ کا حکم ہے اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور گناہ کا علم دین کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ گناہ کس قدر ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا گزرتا ہو کہ ہم سے گناہ نہ ہوتے ہوں مثلاً دل ہی ہے کہ اس کے گناہوں کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا حالانکہ اس کے بہت سے گناہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو بہ نظر حقارت دیکھا یہ بھی گناہ ہے جس کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 144)

حکایت حضرت جنیدؒ

حضرت جنیدؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح اور تندرست تھا آپ نے دل میں فرمایا کہ یہ شخص صحیح سالم ہے اور پھر سوال کرتا ہے۔ رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مردار لایا اور کہا کہ اس کو کھایئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مردہ ہے کیونکر کھاؤں اس نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے ایک بھائی کا گوشت کھایا ہے تو اس کے کھانے میں کیوں تامل ہے انہوں نے کہا کہ میں نے تو غیبت نہیں کی۔ اس نے جواب دیا کہ گو زبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں اس کو حقیر تو سمجھا اور دل ہی سے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ آخر جنید رحمۃ اللہ علیہ بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہنچے وہ کوئی کامل شخص تھا ان کو دیکھتے ہی کہا} وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے)

جوارح کے گناہ

سو ان گناہوں کی طرف کبھی ہمارا ذہن بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی گناہ ہیں اسی طرح بعض جوارح کے ایسے گناہ ہیں کہ ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ نہایت بے تکلف کیا جاتا ہے جیسے زبان کے اکثر گناہ اسی طرح اپنے کو بڑا سمجھنا اس کو بھی ہم لوگ گناہ نہیں سمجھتے بلکہ خود بینی اور خودداری کو عزت سمجھتے ہیں اور ضروری جانتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 145)

گنہگار مومن کی مثال

اگر دوسرے مومن میں کوئی عیب ہے تو اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک حسین شخص ہے کہ اس کا منہ کالا کیا ہوا ہے وہ حقیقت میں تو حسین ہے اور بدصورتی عارضی ہے جس کی نظر ہوگی وہ دونوں حالتوں کو الگ پہچان لے گا اور

اس عارضی بدصورتی کی وجہ سے اس کو حسین ہونے سے خارج نہ کرے گا اور یوں سمجھ لے گا کہ یہ وہی حسین ہے لیکن حماقت سے اس نے منہ کالا کرلیا ہے اور بمقابلہ اس کے اگر اپنے اندر لاکھ ہنر ہوں اور بہت سے اوصاف حمیدہ رکھتا ہو تو اپنی ایسی مثال سمجھے کہ در حقیقت تو یہ کالا کلوٹا ہے مگر اس نے پوڈر مل رکھا ہے اگر دونوں کو دھویا جائے تو دونوں کی حالت برعکس ہو جائے تو صاحب نظر نے سیاہی کو بدصورتی سمجھا نہ کہ اس حسین کو۔ اسی طرح مومن حسین ہے اور گناہ کالک اگر اس کالک کو توبہ سے دھوئے تو اچھا خاصا خوبصورت نکل آئے اور اپنی نسبت یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ ہماری طینت ہی خراب ہو اور پوڈر تقویٰ کامل رکھا ہو اور جو کچھ حالت اچھی نظر آتی ہے وہ سب تصنع اور تلبیس ہو اس واسطے اپنی طرف گمان نیک کرنے میں اور دوسرے کو حقیر سمجھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دوسرے کو کبھی حقیر نہ سمجھے ہر مومن میں شان مقبولیت ہے چنانچہ اس کا ظہور کبھی نہ کبھی ہوگا اور ضعیف سے ضعیف مومن بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا غرض کسی مومن پر "وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" صادق نہیں آسکتا یہ شان (حالت) صرف کافر کی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 206)

جميع العلم في القرآن کا جواب

اس سے مراد علوم مقصودہ یعنی علوم دین ہیں اور پھر علوم دین میں کے بھی اصول گو کہیں فروع بھی ہیں مگر جملہ فروع نہیں یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اِلَّا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" (مجھے قرآن کے ساتھ اسکا مثل (حدیث) بھی دیا گیا ہے) چنانچہ میں گدھے کو حرام کرتا ہوں دیکھ لیجئے اس کی حرمت قرآن میں نہیں ہے صرف حدیث سے ثابت ہے غرض اصول اور مہماتِ دین تو سب کے سب مذکور ہیں قرآن میں اور بعض فروع بھی ہیں فروع کے احاطے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور آج کل اسی کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر ہر فرع قرآن ہی سے نکالی جائے بلکہ دین تک بھی اس کا حصہ نہیں رہا دنیا کی باتیں بھی قرآن سے نکالنا چاہتے ہیں اور اس کو قرآن کا بڑا کمال سمجھتے ہیں، اخباروں میں ایسے مضمون چھپتے ہیں مثلاً ایک سوال نوجوانوں کا یہ شائع ہو رہا ہے کہ داڑھی کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے اور چونکہ یہ بات ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 213)

ایک بزرگ کو چوروں کے ساتھ جیل میں ڈال دیا گیا

سوچنے کے لفظ پر ایک اور حکایت یاد آئی۔ اہل اللہ کسی وقت بیکار نہیں رہتے ہر وقت اپنے حالات کی نگرانی رکھتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ کہیں چور پکڑے جا رہے تھے یہ بھی کہیں وہاں موجود تھے یہ بھی پکڑ لئے گئے انہوں نے دل میں سوچا کہ یا اللہ میں نے کیا قصور کیا جو چوروں میں داخل کرایا گیا۔ الہام ہوا کہ تم نے دعا مانگی کہ ایسا سامان کر دیجئے کہ مجھے دو روٹی اس وقت اور دو روٹی اس وقت مل جایا کریں اور عافیت کو نہیں کہا تھا سو ہم نے اس کا

سامان کر دیا۔ اب دو روٹی اس وقت اور دو روٹی اس وقت مل جایا کریں گی۔ انہوں نے توبہ کی کہ یا اللہ غلطی ہوئی اپنی رحمت سے معاف کر دیجئے توبہ کا کرنا تھا کہ حاکم کا پروانہ پہنچا کہ فلاں شخص رہا کیا جائے وہ بے قصور ہے ان لوگوں کو دعا میں بھی ادب سکھلایا جاتا ہے۔ یہ قصہ سوچنے کے متعلق یاد آ گیا ایک بزرگ نے سوچا کہ یہ کس بات کا وبال ہے کہ کلمہ زبان سے نہیں نکلتا الہام ہوا کہ فلاں دن ایک کلمہ دین کے خلاف بطور استہزاء (تمسخر، مذاق) تم نے کہا تھا آج یہ اس کی ظلمت ہے بس گر پڑے سجدے میں اور زار زار رونے لگے ہیں بس کلمہ زبان پر جاری ہو گیا توبہ کا یہ اثر ہے اور گناہ کا یہ اثر ہے کہ نورانیت تو کہاں بعض اوقات توفیق بھی نہیں ہوتی طاعت کی اور ایک تیسرا اثر اور گناہ کا ہے کہ ایک گناہ سے دوسرا گناہ پیدا ہوتا ہے۔ طاعت کی نورانیت گئی اور اس طاعت سے محروئی ہوئی اور اس پر بھی بس نہیں اس گناہ کی بدولت اور گناہ پیدا ہوتے ہیں گناہ سے بچنے کی ہمت نہیں رہتی۔ وقت زیادہ جا چکا ہے اس واسطے میں بیان کو مختصر کرتا ہوں۔ اتنی تقریر سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ توبہ کی کس قدر ضرورت ہے حق تعالیٰ نے بہت جگہ اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔

گناہ کی شدت

اور اس حکایت کے سننے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گناہ کس قدر بری چیز ہے کہ بلا اس سے توبہ کے عبادات کالعدم ہوتی ہیں اور کوئی اثر ان کا نہیں پیدا ہوتا اور قرآن سے بطور استنباط بھی اس کی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ اور حدیث " لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ " موجود جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اس قدر شدید چیز ہے کہ ایمان کو بھی کھو دیتا ہے یہ اگرچہ مبالغہ ہے اور معنی حقیقی مراد نہیں یعنی زنا سے کفر نہیں ہوتا اور ایمان سے خروج نہیں ہو جاتا اور احکام ارتداد کے جاری نہیں ہوتے جیسا کہ یہ بحث کتب فن میں مبسوط (مفصل) ہے اور بقدر ضرورت میں نے بھی اس کو بیان کر دیا تاہم زنا کے ساتھ ایمان کا جمع نہ ہونا کسی معنے کر تو حدیث میں ہے ہی وہ یہی ہے کہ کمال ایمان اور نورانیت ایمان جاتی رہتی ہے اس سے گناہ کی شدت جیسی کچھ ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے اور کشف سے اور وجدان (دریافت کرنا) وغیرہ سے بھی ثابت ہے کہ بلا توبہ کے اعمال میں برکت نہیں تو کیسے افسوس کی بات ہے کہ اعمال میں محنت تو پوری کی جائے مثلاً نماز کے لیے نیند چھوڑ کر اٹھا جائے وضو کیا جائے، بہت سے کاموں کا حرج کیا جائے لیکن ثمرہ حاصل نہ ہو (یعنی ثمرہ کامل اور اگر ناقص حاصل ہوا تو کیا ہوا کیونکہ کالعدم ہے) اور یہ نتیجہ ہے ذرا سی فرو گزاشت کا کہ اعمال سے قبل توبہ نہ کرلی۔ عقل مند سے تو یہ بات بہت بعید ہے کہ جب کام کرے تو محنت اتنی ہی کرے جتنی سے بدرجہ اکمل اس کا ثمرہ حاصل ہو سکتا ہے اور ایک ذرا سی بات کو نظر انداز کر کے محنت

رائگاں کردے اس بات کو ضرور کرنا چاہئے اور اہتمام کے ساتھ کرنا چاہئے تاکہ اس محنت کی راحت پاکر دل تو خوش ہو۔ مجھے مقصود تھا ثابت کرنا اس بات کا کہ اول اعمال توبہ ہے اور وہ بحمد اللہ ثابت ہو گیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 236)

مالی حقوق اور قرض

مالی حقوق ادا کرو تب ہی معاف ہوں گے اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ بضرورت قرض لیا تھا پھر اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوئی تو حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں اگر نیت میں فتور نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہوتی ہے ادا کر دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ حلوے اور مٹھائیاں اڑاؤ اور جب قرض مانگا جاتا ہے تو جواب دے دو کہ ہے نہیں، نہیں بلکہ ایک روپیہ کا حلوا کھاؤ تو ایک قرض میں بھی دے دو تو اگر نیت سالم ہے تو امید ہے کہ جو ادا ہونے سے رہ گیا ہو گا وہ قیامت کے دن معاف کر دیا جائے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ایک روایت لکھی ہے کہ مومنین سے حق تعالیٰ قیامت کے دن حقوق باہمی کی معافی اس طرح کرائیں گے کہ صاحب حق کو بڑے بڑے محل جنت کے دکھلائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم اپنے بھائی کو معاف کر دو تو تم کو یہ محل ملیں گے۔ پھر کون ہے کہ معاف نہ کر دے۔

غیر مالی حقوق کا طریق معافی

دیکھئے حقوق العباد وہ چیز ہیں کہ جنت میں جانے سے مانع ہوں گے تاوقتیکہ ان سے سبکدوش نہ ہو جائے جنتی شخص بھی جنت میں نہ جا سکے گا اور ان کو حق تعالیٰ براہ راست خود معاف نہ کریں گے بلکہ صاحب حق سے اس ترکیب سے معاف کروائیں گے یہ بھی محض رحمت ہے جب حاکم چاہے تو معافی ہو ہی جاتی ہے اور بعض حقوق العباد غیر مالی ہیں ان میں کوئی چیز ادا کرنے کی نہیں ہے ہاں اس کی ضرورت ہے کہ صاحب حق سے معافی حاصل کرو اس کی خوشامد درآمد کر کے یا اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کے یا گڑگڑا کر یا جس طرح ممکن ہو اس صورت میں اگر آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کر لی اور وہ معاف نہیں کرتا تو اب وہ گنہگار ہے بعض لوگ ایسے سنگدل اور بے رحم ہوتے ہیں کہ قصوروار کا قصور کسی طرح معاف ہی نہیں کرتے اور اس کو فخر اور شان سمجھتے ہیں کہ وہ خوشامد کر رہا ہے اور ان کی ناہاں نہیں ہوتی یہ تکبر ہے سمجھ لینا چاہیئے کہ تم بھی خدائے تعالیٰ کے قصوروار ہو کہیں تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ کیا جائے کہ تم معافی چاہو اور معافی نہ دی جائے تب کیا ہو گا۔

غرض حقوق العباد اگر حقوق مالیہ ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے اور اگر حقوق مالیہ نہیں ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 239)

مصافحہ کرنے کا واقعہ

بعد ختم وعظ لوگوں نے مصافحہ کرنا چاہا تو فرمایا میں تھک گیا ہوں مصافحہ سے معاف رکھا جائے ایک شخص نے اصرار کیا اور کہا ایک ہاتھ اِدھر کو پھیلا دیجئے اور ایک اُدھر کو، اس میں کیا تکلیف ہوگی، فرمایا کہہ تو دیا مگر تم کو کرنا پڑے تو معلوم ہو اچھا میں تم کو اس کام کے لئے وکیل کرتا ہوں بجائے میرے تم سب سے مصافحہ کر لو تاکہ معلوم ہو کہ اس میں بھی کچھ تعب ہوتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 241)

تصوف کی اصطلاحات کی دو قسمیں

مگر واقعہ یہ ہے کہ تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں ہیں بلکہ مقاصد میں اصطلاحات تصوف کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے اور دوسرے وہ اصطلاحات ہیں جو امورِ زوائد کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں جیسے تجد دامثال، توحید وجودی، شغل، رابطہ وغیرہ مگر مجاہدہ نفس کشی امور زوائد میں سے نہیں ہے بلکہ مقاصد میں سے ہے کیونکہ یہ مامور به في الشرع (شرع میں ان کا حکم کیا گیا ہے) ہے نصوص میں جابجا مجاہدہ کا ذکر ہے، کہیں بصورت خبر، کہیں بصیغہ امر۔

چنانچہ ارشاد ہے

وَ مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِه:(جو شخص مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے مجاہدہ کرتا ہے) وَ الَّذِينَ جَاهَدُوْا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا:وَ جَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِه:(جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب ثواب یعنی جنت کے راستے دکھادیں گے۔ اور اللہ تعالٰی کی راہ میں پوری مشقتیں برداشت کرو) وغیرہ وغیرہ پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہیے جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہی اس کی حقیقت ہے حالاں کہ حقیقت اور چیز ہے اور اس کا طریق تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طریق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں (مثلاً بیماری میں پرہیز کرنا مضرات سے ضروری ہے لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ پرہیز کی حقیقت وہی ہے جو فلاں طبیب نے فلاں مریض کو بتلائی تھی کہ 6 ماہ تک پانی نہ پئے کسی سے میل جول اختلاط نہ کرے اور سوائے دو چپاتیوں کے کچھ نہ کھائے سخت غلطی ہے کیونکہ وہ طریقہ اسی مریض کے ساتھ مخصوص تھا سب کے لئے وہی طریقہ نہیں اور نہ پرہیز کی حقیقت اس طریقہ میں منحصر ہے خوب سمجھ لو۔ 12 جامع)۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 270)

مجاہدہ کی زیادہ ضرورت کب ہے

اور اطباء نے لکھا ہے کہ عودِ مرض ابتداء مرض سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح عارفین نے فرمایا ہے کہ ابتدائی مجاہدہ کے بعد جب نفس اصلاح پذیر ہو جائے تو اس وقت مجاہدہ کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ابتداءً مجاہدہ میں تو بدپرہیزی کے ضرر کا احساس جلد ہو جاتا ہے نیز اس وقت چونکہ قوائے نفسانیہ میں قوت ہوتی ہے اس لئے نفسانی خواہش کا تقاضا شدت کے ساتھ ہوتا ہے تو نفسانی خواہش پر تنبہ بھی جلد ہو جاتا ہے اور مجاہدہ سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ تقاضائے نفس کمزور ہو جاتا ہے اس لئے اس کا احساس دیر میں ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے تو یہ حالت تھی کہ جہاں غیر محرم پر نظر پڑی فوراً احساس ہو گیا کہ اس نظر میں ہوائے نفس ملی ہوئی ہے اس لئے فوراً متنبہ ہو جاتا تھا اور مجاہدہ سے فارغ ہو کر جب غیر محرم پر نظر پڑتی ہے تو فوراً احساس نہیں ہوتا کہ اس میں ہوائے نفس ملی ہوئی ہے کیونکہ اس وقت تقاضائے نفس کمزور ہے۔ اب اس کو سوء نظر میں وہ ہیجان نہیں ہوتا جو پہلے ہوتا تھا اس لئے سالک اس غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس نظر میں ہوائے نفس نہیں ہے پھر وہ اس سے اجتناب (بچنا) کی کوشش بھی نہیں کرتا حتی کہ چند روز میں وہ سوء نظر کا عادی ہو جاتا ہے۔ نیز ابتداء میں اس کے ضرر کا احساس جلدی ہو جاتا تھا کیونکہ قلب میں کیفیات کا رسوخ نہیں ہوا تھا ذرا سی بے اعتدالی سے کیفیت قلبی میں تغیّر محسوس ہوتا تھا مجاہدہ کے بعد چونکہ کیفیات قلبیہ میں رسوخ ہو چکا ہے تو اب بعض اوقات کسی بدپرہیزی اور بے اعتدالی سے ضرر کا احساس جلدی نہیں ہوتا جس سے سالک اس غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس فعل میں ہوائے نفس کا کچھ دخل نہیں ہے ورنہ میری قلبی کیفیت میں ضرور فرق ہوتا پھر وہ اس کو غیر مضر سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا اور نفس کو ڈھیل دے دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفس اس فعل حرام کا عادی ہو جاتا ہے اور اب کسی وقت سالک کو اس کے ضرر کا احساس بھی ہو جائے تو وہ بعض اوقات نفس کے روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابتدائے مجاہدہ میں جس طرح تقاضائے نفس شدید تھا ویسے ہی نفس میں قوت کف (رکنا) بھی زیادہ تھی اور مجاہدہ کے بعد جس طرح تقاضائے نفس کمزور ہو گیا ہے اسی طرح بعض مجاہدات سے قوت کف بھی کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ مجاہدہ اولیٰ سے تمام قویٰ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا کہ فراغ من المجاھدہ (مجاہدہ سے فارغ ہونا) کے بعد مجاہدہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ اس وقت ہوائے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے اس لئے اِسْتِرْسَال (ڈھیل) ہوتا رہتا ہے اور استرسال کے بعد جب ہوائے نفس کا احساس ہوتا ہے تو بعض دفعہ نفس کو روکنے پر قدرت نہیں پاتا کیونکہ اس شخص کی قوت کف کمزور ہو چکی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 274)

عاشق صادق فاسق نہیں ہوتا

اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ عاشق نہیں بلکہ عاشق فاسق ہے صادق تو نہ کہنا چاہئے اور کیونکہ عاشق صادق فاسق نہیں ہوا کرتا۔ اور جو فاسق ہوتے ہیں وہ عاشق نہیں بد معاش ہیں عشق کے ساتھ بھی برا خیال آہی نہیں سکتا ہیبت محبوب ان وساوس سے مانع ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق ہائے کز پئے رنگے بود　　　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

(جو عشق رنگ وروپ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ انجام کار عشق نہیں شرم ندامت ہوتی ہے)۔

جس عشق میں فسق کا خیال آئے وہ نفس کی شرارت ہے۔ بہر حال قرب زیادہ اس میں ہے کہ جب محبوب عاشق کو اپنے پاس سے اٹھا کر کسی کام میں لگا دے تو اس کام میں لگ جائے اگر وہ عاشق صادق ہے تو اس وقت بھی محبوب سے غافل نہ ہوگا بلکہ اس کام کو مرآۃ جمال بنالے گا اور یقیناً اس وقت وہ محبوب کی نظر میں زیادہ مقرب ہے کیونکہ محض محبوب کی رضا کے لئے اس نے اس کام میں مشغولی اختیار کی ہے ورنہ اس کی طبیعت کا تقاضا تو کچھ اور ہی تھا یہی حالت ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارشاد خلق میں کہ وہ اس خدمت میں حق تعالیٰ کی رضا کے لئے مشغول ہوتے ہیں جس میں مخلوق پر توجہ بھی کرنا پڑتی ہے۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غین فرماتے ہیں۔ چونکہ عارفین پر یہ حالات گزرتے ہیں اور وہ مقامات فناء وبقاء کا ذوق رکھتے ہیں اس لئے وہ اس غین کو سمجھ گئے علماء ظاہر اول تو اس کو سمجھے نہیں اور جو کچھ سمجھتے بھی ہیں تو نامعلوم کہاں کہاں پہنچتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ انبیاء سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر ذلت کا صدور ہوسکتا ہے یہ غین اسی کا اثر تھا وغیرہ وغیرہ مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب نہیں کیونکہ آپ سے کسی ذلت کا صدور عمداً نہیں ہوا بلکہ اگر ہوا بھی ہو تو خطا اجتہادی سے ہوا جس سے قلب پر غین طاری نہ ہونا چاہیئے کیونکہ خطاء اجتہادی سے قرب میں کمی نہیں ہوتی بلکہ ترقی ہی ہوتی ہے بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ یہ غین وہ گرانی ہے جو توجہ الی الخلق سے آپ کے قلب پر ہوتی تھی اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر اس سے استغفار کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو کوئی گناہ کی بات نہیں جواب یہ ہے کہ وہ جو غیبت واقع ہوگئی تھی اس کا تدارک حضور بلاواسطہ سے فرماتے تھے اور ہر چند کہ یہ تدارک ہر ذکر سے ہو سکتا تھا مگر وہ غیبت چونکہ صورۃً بُعد تھا۔ اس لئے استغفار سے اس کا تدارک مناسب تھا اور ایک جواب یہ ہے کہ ہر چند یہ گرانی طبعی ہے جس میں عاشق کا دل مجبور ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید العاشقین ہیں اس طبعی گرانی سے بھی استغفار کرتے تھے۔ اور آپ چاہتے تھے جب مجھ کو توجہ الی الخلق کا امر ہے تو اب مجھ کو حضور بلاواسطہ کی طرف میلان اور اس حضور بواسطہ سے گرانی کیوں ہو اسلئے آپ استغفار کرتے تھے اور حق تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے تھے)

میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اپنے لئے مشیحت وغیرہ کچھ تجویز نہ کرو بعض دفعہ حق تعالیٰ کسی کو صاحب ارشاد نہیں بناتے اور اپنا مقرب بنالیتے ہیں اور اصل مقصود قربت ہی ہے جو صاحب ارشاد ہونے پر موقوف نہیں سو اپنے لئے اس کو کیوں تجویز کرتے ہیں خدا کے سپرد کرو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 302،303)

نفس ہمارا ہی نام ہے

اور اہل لطائف علم اعتبار کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ گویا نفس کشی کا امر ہوا تھا۔ گویا بقرہ سے نفس کو تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بہت مناسب ہے کیونکہ گائے بیل بھی بہت حریص ہوتے ہیں کھانے پینے کے اور نفس بھی بہت حریص ہوتا ہے اس لئے نفس کو بقرہ کہنا تو مناسب ہے لیکن آج کل نفس کو کتا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شعراء کے کلام میں سگ نفس بکثرت مستعمل ہے مگر یہ واہیات ہے۔ اسی طرح بعض لوگ نفس کو کافر کہتے ہیں یہ اس سے بھی واہیات ہے۔ ہمارا نفس تو الحمد للہ نہ کتا ہے نہ کافر ہے۔ ہاں بقرہ تو ہوگا۔ نہ معلوم لوگ نفس کو کیا سمجھتے ہیں، لغت میں تو نفس حقیقت شے کو کہتے ہیں۔ پس نفس زید حقیقت زید ہوئی تو حقیقت میں نفس ہمارا ہی نام ہے ہم سے الگ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے تو اپنے کو کتا یا کافر کہنا کیا زیبا ہے اور اگر نفس کوئی مستقل چیز بھی ہو تب بھی اول تو وہ ہمیشہ شریر نہیں ہوتا کہ اس کو کتے سے تشبیہ دی جائے۔

نفس کی تین اقسام

نفس کبھی مطمئنہ ہوتا ہے کبھی لوامہ بھی ہوتا ہے کبھی امارہ ہوتا ہے، چنانچہ نصوص میں یہ تینوں صفات مذکور ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا، نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لَاأُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (1) وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے)۔ اور تیسری جگہ ارشاد ہے يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو) پھر اگر شریر بھی ہو تب بھی مسلمان تو ہے تو مسلمان کو کافر کہنا یا کتے سے تشبیہ دینا کیا مناسب ہے ہاں بقرہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا مضائقہ نہیں غرض جس طرح بقرہ کے ذبح کا امر ہوا تھا اسی طرح نفس کو بھی مجاہدہ سے ذبح کرنا چاہئے بدون مجاہدہ کے کامیابی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے بس ویسے ہی کامیاب ہو جائیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 329)

فنا کیا ہے؟

تودرو گمشو یہ تو فنا ہے اور گم شدن گم کن یہ فناء الفنا ہے کہ ایسا فنا ہو کہ اپنی فنا کی بھی خبر نہ ہو اور یہ مبالغہ شاعری نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے لوگ اس کو شاعری مبالغہ سمجھے ہوں گے مگر میرے پاس ایک نظیر موجود ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ فناء کے لئے فناء الفنا لازم ہے وہ فنا ہی نہیں ہے جس میں اپنے فانی ہونے کی بھی خبر ہو دیکھئے نائم وہ ہے جس کو اپنی نوم کی بھی خبر نہ ہو اگر نائم کو اپنی نوم کی خبر ہو اور وہ اتنی بات جانتا ہو کہ میں سو رہا ہوں تو وہ نائم نہیں ہے بیدار ہے نیند تو اسی کا نام ہے کہ سونے والے کو بھی خبر نہ ہو کہ میں سو رہا ہوں اسی طرح فنا وہی ہے جس میں اپنی فنا کی بھی خبر نہ ہو اور جو اپنے کو فانی سمجھتا ہے وہ فانی نہیں ہے بیدار ہے بلکہ مدعی ہے تو جس پر یہ حال غالب ہو فناء الفنا کا وہ بھلا معتقدین کی زیادتی سے کیا خوش ہو سکتا ہے وہ تو اس سے خوش ہو گا کہ کوئی بھی اس کو نہ پہچانے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 332)

ساری اصلاح کسی ایک شخص پر موقوف نہیں

اہل قشر کہتے ہیں کہ قصداً ایسی حرکت نہ کرنا چاہئے جس سے معتقد کم ہوں کیونکہ اس سے فیض اصلاح بند ہوتا ہے ہائے وہ اسی چکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح معتقد کم نہ ہوں اور دل میں یہ تاویل کر لی ہے کہ ہمارا مقصود نفع خلق ہے میاں بس جانے دو ساری اصلاح آپ ہی پر تو موقوف ہے بس لوگ آپ کے معتقد نہ ہوں گے تو ان کو کہیں سے فیض ہی نہ ملے گا۔ خدا کے سینکڑوں بندے صاحب ارشاد موجود ہیں تم نے فیض کو اپنے ہی اوپر کیوں منحصر سمجھ لیا ہے یاد رکھو تمہارے معتقد کم ہونے سے فیض بند نہیں ہو سکتا اس لئے عارف ان تاویلوں پر کبھی توجہ نہیں کرتا بلکہ اس کو لوگوں کی بے اعتقادی سے خوشی ہوتی ہے اسے اپنے صاحب فیض ہونے کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔ عارفین کا اصلی مذاق تو یہی ہے باقی جب ان کے گلے ہی مڑھ دیا جائے کسی خدمت کو اس وقت وہ مجبور ہو کر اسے انجام دیتے ہیں مگر اس حالت میں بھی وہ ہر وقت اس کے لئے آمادہ ہوتے ہیں کہ ان کا دنیا میں ایک بھی معتقد نہ رہے اس لئے کسی کی بے اعتقادی سے ان کو رنج نہیں ہوتا اور نہ کسی کے جاہل کہنے سے غصہ آتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 331)

مولانا قاسم نانوتویؒ کے پیچھے پولیس لگ گئی

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر چار حرفوں کی تہمت نہ لگی ہوتی تو میں ایسا اپنے کو غائب کرتا کہ کوئی یہ بھی نہ جانتا کہ میں دنیا میں پیدا بھی ہوا ہوں مگر اس غائب نہ کر سکنے پر بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ ایسی وضع سے رہتے تھے کہ دیکھ کر کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ بس ایک لنگی گاڑھے کی کندھے پر ڈالے ہوئے رہا کرتے تھے۔ غدر میں مولانا کے پیچھے پولیس پھرتی تھی مگر کسی نے بھی آپ کو نہ پہچانا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا

مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے پولیس آئی اور خود مولانا ہی سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کہاں ہیں تو آپ ذرا سا اپنی جگہ سے کھسک کر فرماتے ہیں کہ ابھی تو یہاں تھے، پولیس واپس چلی گئی۔ سفر میں جب کبھی جاتے تو ساتھیوں کو نام بتلانے کی ممانعت تھی کہ میرا نام کسی سے ظاہر نہ کرنا اور اگر کوئی آپ سے دریافت کرتا کہ آپ کا نام کیا ہے تو فرماتے میرا نام خورشید حسن ہے یہ مولانا کا شاید کسی تصرف سے تاریخی نام تھا۔ مگر اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا، مشہور نام محمد قاسم تھا وہ نہیں بتلایا کرتے تھے اگر کوئی وطن کا نام پوچھتا تو فرماتے الٰہ آباد۔ ایک بار کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا وطن نانوتہ ہے الٰہ آباد کیسے ہو گیا۔ فرمایا نانوتہ بھی تو خدا نے آباد کیا ہے۔ بتلا دیا کہ معنی لغوی کے اعتبار سے وہ بھی الٰہ آباد ہے، سبحان اللہ! کیسا اخفائے حال تھا مگر باوجود اس اخفا کے چھپے تھوڑا ہی رہتے تھے آخر عشاق نے پہچان ہی لیا طالبوں نے تاڑ ہی لیا پھر ایسے مشہور ہوئے کہ دنیا میں نام روشن ہے، بھلا آفتاب کہیں چھپ سکتا ہے۔ جب شاہجہانپور میں مباحثہ ہوا ہے مسلمانوں کا اور آریوں اور عیسائیوں کا تو مسلمانوں نے مولانا کو بھی بلایا تھا، مولانا تشریف لے گئے مگر وقت سے کچھ ہی پہلے پہنچے تھے اسلئے آپ سیدھے میدان مناظرہ میں تشریف لے گئے، صورت سے کسی نے بھی نہ پہچانا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ ایک نیلی لنگی موٹی سی سر پر ڈال رکھی تھی اس شان سے آپ پہنچے۔ لوگ سمجھے کہ کوئی معمولی آدمی ہیں مگر آپ کا سادہ حسن تکلف والوں کے حسن سے بڑھا ہوا تھا، بڑے بڑے جبے عمامے والے مولوی آپ کے حسن خداداد کے سامنے گرد تھے کیونکہ

حسن الحضارة مجلوب بنظرية وفی البداوة حسن غیر مجلوب .

(شہریوں کا حسن بناوٹی ہوتا ہے اور دیہاتیوں کا حسن خداداد ہے)۔

اور آپ کی شان یہ تھی۔

دل فریبان بناتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

دل فریبان بناتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں حسن خداداد ہے)۔ حسن خداداد کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت عمامہ کی اور کیا ضرورت ہے، جبہ کی۔

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

غرض جب آپ تقریر کے لئے اٹھے ہیں اور تقریر فرمائی ہے تو تمام جلسہ محو حیرت تھا اس وقت مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور مولانا کے تشریف نہ لانے کے خیال سے جو رنج ہو رہا تھا مبدل بخوشی ہو گیا۔ آپ کی تقریر میں ایسی خداداد شوکت تھی کہ اس زمانہ میں ایک ہندو نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا۔ کہ شاہجہاں پور کے مناظرہ میں ایک نیلی لنگی والا چھوٹے قد کا مولوی سب سے جیت گیا۔ حالانکہ اس ہندو نے شاید مولانا کی تقریر کا ایک لفظ بھی نہ

سمجھا ہو گا مگر اتنی بات وہ بھی سمجھ گیا کہ یہ سب سے جیت گئے کیونکہ علوم و حقائق میں ایک نور اور ایک شوکت ہوتی ہے جو باطل میں کبھی نہیں ہو سکتی۔ حقائق کو سن کر ہر شخص کو اس کا غلبہ نظر آ جاتا ہے گو وہ سمجھا بھی نہ ہو۔
(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 332،333)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے غلام سے عفو و در گزر

ایک بار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے اور مہمان بھی حاضر تھے۔ غلام کا پاؤں پھسلا اور شوربہ کا پیالہ حضرت امام کے اوپر گرا۔ حضرت نے اس کو نظرِ تادیب سے دیکھا۔ غلام نے فوراً یہ آیت پڑھی وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ یعنی اللہ تعالیٰ مدح فرماتے ہیں غصہ پینے والوں کی۔ اللہ اکبر اس وقت کے غلام بھی ایسے ہوتے تھے کہ اِس وقت آقا بلکہ بزرگ بھی ایسے نہیں۔ ہر بات میں قرآن و حدیث ہی ان کی زبان پر تھا۔ قرآن شریف سنتے ہی حضرت امام نے فرمایا کظمتُ غیظی یعنی میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔ پھر غلام نے پڑھا وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح فرماتے ہیں جو لوگوں کا قصور معاف فرمانے والے ہیں۔ فرمایا عفوت عنک یعنی میں نے تجھ کو معاف کیا۔ پھر اس نے آگے پڑھا وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی اور اللہ احسان کرنے والے بندوں کو چاہتے ہیں فرمایا اعتقتک یعنی میں نے تجھ کو آزاد کیا۔

حضور علیہ الصلوۃ السلام کی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے معنیً اقویٰ تھی

جناب رسول ﷺ سے زیادہ کوئی نہیں ہوا اور نہ ہو گا کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ صاحب سلطنت بھی تھے اور سلطنت بھی آپ ﷺ کی سب سے زیادہ تھی بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بڑی ہوئی تھی لیکن میں ایک قصہ عرض کرتا ہوں اس سے معلوم ہو گا کہ حضور ﷺ کی سلطنت معنیً سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر تھی۔ گو صورۃً سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اشد تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے تو شیطان ایک آگ کا شعلہ لے کر اس طرف چلا۔ اللہ اکبر اس کی جسارت تو دیکھئے کہ بارگاہ نبوی میں بھی اس کی یہ ہمت ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا اعوذ باللہ منک (میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) یہ فرمانا تھا بھاگ گیا۔ بعد نماز کے حضور ﷺ نے یہ قصہ بیان فرمایا اور یہ فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو اس کو پکڑ لیتا اور ستون سے باندھ دیتا کہ مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے مگر مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے یہ دعا فرمائی تھی قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ یعنی اے رب میرے مجھ کو ایسی سلطنت بخش کہ میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو۔ اس قصہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی سلطنت اقویٰ تھی کیونکہ کسی کو پکڑ کر وہ چھوڑ سکتا ہے جس کو

پورا اطمینان ہو کہ جب چاہوں گا پھر پکڑلوں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا شیطان کو قید کر دینا صورۃً تسلط عظیم ہے مگر یہ چھوڑ دینا معنیً تسلط اعظم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخلاق حسنہ

پس آپ ﷺ اتنے بڑے تو صاحب سلطنت مگر آپ ﷺ کے اخلاق تو دیکھئے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس کامل خدمت کی ہے یہ بچے سے تھے اور بچپن بھی ایسا کہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ کسی کام کو فرماتے تو میں کہہ دیتا تھا کہ میں نہیں جاتا۔ اور دل میں یہ ہوتا تھا کہ جاؤں گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے کبھی ان دس برس میں حضور ﷺ نے کسی کام کے متعلق بھی نہیں فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ اور یہ کیوں کیا۔ حالانکہ اس سے زیادہ بھی آپ ﷺ معاملہ فرماتے تو ہر گز اس کو ناگوار نہ ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت

کیونکہ آپ ﷺ کی شان محبوبیت وہ تھی کہ آدمی تو آدمی جانور تک یہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قربان ہو جائیں، حجۃ الوداع میں سو اونٹ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی فرمائی جن میں سے 62 اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اونٹوں کی یہ حالت تھی کلھن یزدلفن الیہ یعنی ان میں ہر ایک آپ ﷺ کے قریب ہوتا تھا کہ مجھ کو نحر فرمادیں گویا وہ حالت کی جو شاعر نے کہا ہے ۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف　　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(صحرا کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید میں کہ کسی دن شکار کو آئے گا)۔

پس اگر حضور ﷺ کسی کے ساتھ سختی بھی فرماتے تو وہ سختی بھی ہزاروں نرمی سے لذیذ تھی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 393، 394)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی

لیکن باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی عمر کے 63/سال اس حالت سے گزار دیئے کہ کسی کو اُف تک نہیں فرمایا۔ اپنے اہل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر نرم تھے اور اسقدر دلجوئی فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئی تھیں۔ آپ ایک مرتبہ ان کے

ساتھ دوڑے تھے، نیز آپ ﷺ اپنے گھر کا خود کام بھی کر لیتے تھے بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ اپنی جوتی سی لیتے تھے جھاڑو دے لیتے تھے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 23، ص394، 393)

ظلم کا انجام

بنی اسرائیل میں ایک سپاہی نے ایک مچھلی والے کی مچھلی چھین لی۔ مچھلی والے نے کہا کہ اے اللہ! میں اس سے یہاں ہی بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ وہ سپاہی مچھلی گھر لایا اور بیوی سے کہا کہ اس مسَلَّم کو تلو۔ چنانچہ وہ تلی گئی جب سامنے آئی توجب اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اس مچھلی نے ہاتھ میں کاٹ لیا اور اس میں شدت کا درد پیدا ہو گیا۔ اطباء کی رائے ہوئی کہ ہاتھ جب تک نہ کٹے گا آرام نہ ہو گا۔ چنانچہ ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد وہ درد آگے سرایت کر گیا کسی اہل دل نے کہا کہ جب تک اس مچھلی والے سے دعا نہ کراؤ گے اس وقت تک آرام نہ ہو گا۔ اس کو تلاش کیا وہ مل گیا۔ اس نے دعا کی درد فوراً جاتا رہا اور صبح کو جب سو کر اٹھا ہاتھ بھی سالم پایا۔

حضرت داؤد کے دور کے ایک مصیبت زدہ کا واقعہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے فقر وفاقہ سے تنگ آکر دعا کی کہ اے اللہ! حلال روزی دے اتفاقاً ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس کو کاٹ کر کھا گیا جس کی وہ گائے تھی اس نے داؤد علیہ السلام کے یہاں نالش کی، داؤد علیہ السلام کو وحی سے علم ہوا کہ اس کو چھوڑ دو۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! اس نے تو کھلا ظلم کیا ہے۔ یہ فیصلہ سمجھ میں نہیں آیا، حکم ہوا کہ فلاں درخت کے نیچے گڑھا کھدواؤ۔ چنانچہ گڑھا کھودا گیا تو اس میں سے ایک مقتول شخص کی لاش نکلی اور ایک چھری بھی نکلی اس پر اس گائے والے کا نام کندہ تھا۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ یہ مقتول اس مفلس کا باپ تھا اور یہ گائے والا اس کے یہاں نوکر تھا اور گائے بھی اسی کی تھی اس نے اس کو قتل کر کے گائے پر بھی اور اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا تھا چنانچہ اس پر قتل کا مقدمہ قائم ہوا اور قصاص لیا گیا۔

مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے

اس امت پر حق تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ کھلم کھلا سزا نہیں ہوتی اس لئے کہ اس میں رسوائی ہے۔ ہاں درپردہ سزا ہوتی ہے جس سے ظاہر بین اہل دنیا یہ نہیں سمجھتے کہ یہ اس کے گناہوں کی سزا ہے بلکہ اسباب ظاہرہ کی طرف اس کو مضاف کرتے ہیں لیکن واقع میں وہ اس کے ظلم کی سزا ہوتی ہے خصوصاً جبکہ وہ مظلوم بددعا بھی کرے کیونکہ مظلوم کی بددعا بہت جلدی قبول ہوتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از واحق بہر استقبال می آید

(مظلوموں کی بددعا سے ڈرو کہ ان کے دعا کرنے کے وقت قبولیت اللہ کی طرف سے استقبال کو آتی ہے)

حتی کہ کافر پر بھی اگر کوئی ظلم کرے اس کی بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا ہے

ایک ظلم بیوی پر اور بھی ہوتا ہے جس میں دینداری کے مدعی بکثرت موجود ہیں وہ یہ کہ جو کچھ کماتے ہیں ماں باپ کی نذر کر دیتے ہیں اور بیوی کو ان کا دست نگر رکھتے ہیں اور ماں باپ بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کی خبر گیری نہیں کرتے اور بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ نہیں کرتے کہتے ہیں کہ گھر کی ہوا نکل جائے گی۔ پرانی بوڑھیوں کے زیادہ تر ایسے ہی خیالات ہیں یاد رکھو حق تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں اگر بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ رکھنا اسکا حق اور ضروری ہے بلکہ اس زمانہ میں تو اسی میں مصلحت ہے کہ الگ رہیں شامل رہنے میں بہت فساد ہیں یہ پرانی عورتیں اکثر بہوؤں کو بہت ستاتی ہیں اور عجیب بات ہے اگر بیٹا بیوی کی طرف ملتفت ہوتا ہے وہ اس سے بھی جلتی ہیں اور اگر ملتفت نہ ہو تو نمک پڑھواتی پھرتی ہیں۔ تعویذ کراتی ہیں الگ رہنے میں ان سب بکھیڑوں سے نجات ہے اور اگر یہ کہو کہ بہویں آجکل نالائق ہوتی ہیں ساسوں سے لڑتی ہیں۔ دق کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ان کو الگ کر دو۔ غرض علیحدہ رہنے میں طرفین کو راحت ہے یہ تو بیوی کے حقوق کا ذکر تھا۔

والدین کے حقوق میں کوتاہی

بعض لوگ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور بیوی کی جانبداری کرتے ہیں اس کی اصلاح بھی اوپر عرض کر چکا ہوں کہ الگ رہیں کہ ایسے معاملات ہی نہ ہوں جن میں جانبداری کی نوبت آئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 23، ص 396،397)

چوبیسویں جلد کے جواہر

تین شخصوں پر لعنت

حدیث شریف میں تین شخصوں پر لعنت آئی ہے۔ اول ملک کذاب یعنی جھوٹے بادشاہ پر اس لئے کہ جب وہ بادشاہ ہے تو اس کو جھوٹ کی کیا ضرورت جھوٹ تو وہ بولے جو کسی سے دبتا ہو اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی ہے تو اس کو کیا حاجت ہے۔ دوسرے عائل متکبر پر لعنت آئی ہے یعنی غریب ہو کر تکبر کرے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض غریب باوجود اپنی شکستہ حالی کے بھی اینٹھ مروڑ میں رہتے ہیں۔ امیر بے چارے ریجھ جاتے ہیں مگر یہ غریب اپنی شیخی میں رہتے ہیں۔ خاص کر تقریبات میں اکثر اینٹھ جاتے ہیں اور بلانے سے بھی نہیں آتے۔ تقریب والے مناتے ہیں، خوشامدیں کرتے ہیں مگر ان کی ناک ہی سیدھی نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں ایک مال دار شخص تھے، ان کے یہاں تقریب تھی۔ ایک مفلس شخص کو جو کہ ان کے یہاں دعوت اور انتظار طعام میں بیٹھے تھے ان کے یہاں کا سامان دیکھ کر بہت حسد ہوا۔ سوچنے لگے کہ کوئی عیب نکلے۔ چنانچہ ایک بات نکلی سقاء کارخانہ میں جارہا تھا۔ اس کی مشک میں ایک سوراخ تھا۔ اس میں سے پانی نکل کر ان کے کپڑوں پر گرا۔ بس شیخ صاحب کہاں تھے چھٹک کر کھڑے ہو گئے اور خدا جانے گھر والے کو کیا کیا کہا۔ اب مناتے ہیں منتے نہیں، ایسوں کا علاج تو یہ ہے کہ ان کو منہ نہ لگانا چاہئے۔ اگر خفا ہو جائیں بلا سے۔ تیسرے شیخ زانی پر لعنت آئی ہے اور بدنگاہی اور دل کے اندر خیال پکانا بھی زنا ہی میں داخل ہے اور وجہ یہ ہے کہ تقاضا کرنے والی کوئی چیز اندر رہے نہیں جو مجبور کرے۔ اس پر بھی کم بخت مبتلا ہوتا ہے، تو یہ زیادہ موجب وعید ہے۔ یہ وقت تو وہ تھا کہ ذکر و فکر میں گزارتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 29،30)

دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص دن بھر میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرے تو اس کو شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور شہادت کا مرتبہ معلوم ہے کتنا بڑا ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور بے حساب و کتاب جنت میں جاتا ہے۔ سو علاج کے ساتھ انعام بھی، کیسی عنایت ہے۔ اس پر ایک مثال یاد آگئی، مجھ کو ایک مرتبہ بچپن میں والد صاحب نے مسہل دیا، میں وہ مسہل پیتا نہ تھا تو والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک روپیہ دیں گے اگر تم یہ پی لو۔ دیکھئے ہمارے ہی نفع کے لئے وہ تھی اگر ہم پئیں گے ہمارا ہی نفع ہو گا نہ پئیں گے تو اس کا ضرر ہم کو ہو گا لیکن دوا

پینے پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔ یہ غایت شفقت ہے۔ شفاخانہ میں تو ذرا تجربہ کر کے دیکھو، اس سے حق تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر رافت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے نفع کے لئے ایک علاج تجویز فرمایا اور پھر اس پر انعام کا وعدہ بھی یعنی شہادت جو کہ اعلیٰ مراتب میں سے ہے، اس کے عطاء کا وعدہ، یہ تو ذکر موت کی فضیلت ہوئی جس کو میں نے انعام سے تعبیر کیا۔ باقی رہے اس کے آثار جن کے ترتب کے اعتبار سے اس کا یاد کرنا علاج قرار دیا گیا ہے۔ سو وہ یہ ہیں کہ موت کو جب کثرت سے یاد کرے گا تو دنیا سے دل اس کا سرد ہو جائے گا اور دنیا کے بکھیڑوں میں پڑنا پسند نہ کرے گا اور اس کی مزید ایک نظیر ہے وہ یہ کہ جس زمانے میں طاعون پھیلا تھا اس وقت یہ حالت تھی کہ کام تو دنیا کے سب کرتے تھے بازار والے، تجارت والے، زراعت والے سب اپنا اپنا کام کرتے تھے مگر سب میں ایک سونا پن تھا کہ کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث في نفسك بالصبح ۔ (یعنی جب صبح کا وقت آوے شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کا وقت آوے تو صبح کا انتظار مت کرو)، کا مرتبہ ہر شخص کو بلا مجاہدہ حاصل تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 30،31)

سات آدمی سایہ عرش الٰہی میں

سوائے عرش کے اور وہ سایہ سات آدمیوں کو ملے گا۔ ایک ملک عادل، دوسرے شاب عابد تیسرے جس کا دل مسجد میں زیادہ لگتا ہو، چوتھے جو خلوت میں خدا کو یاد کر کے رونے لگے، پانچویں جن دوستوں میں اللہ کے واسطے محبت ہو چھٹے جو خفیہ خیرات کر دے، ساتویں جس کو کوئی عورت حسین بلائے اور وہ خدا کے خوف سے رک جائے۔ پھر سوچے کہ حساب کا وقت آئے گا ہم کو الگ الگ بلایا جائے گا وہاں کوئی وکیل، بیرسٹر نہ ہوگا۔ جب یہاں کی عدالت کی جرح کا تحمل نہیں تو وہاں کیسے ہوگا۔ پھر صراط کو یاد کرے اس پر چلنا ہوگا وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگی اس کے بعد جہنم اور اس کے قسم قسم کے عذاب کو یاد کرے غرض ایک وقت مقرر کر کے اس طرح ہمیشہ بلا ناغہ کم از کم ایک گھنٹہ یہ مراقبہ کر لیا کرے۔ اول اول تکلف سے یہ یاد ہوگی اور خاص وقت میں یاد ہوگی پھر رفتہ رفتہ اکثر وقت میں اور ہر وقت یہ حالت پیش نظر رہنے لگے گی اور معصیت چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ جن لوگوں پر یہ حالت غالب ہو جاتی ہے ان سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی۔

ایک بادشاہ اور فقیر کی حکایت

یہاں مجھ کو ایک حکایت یاد آ گئی۔ ایک بادشاہ ایک فقیر کے معتقد تھے اور ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور ہمیشہ دیکھتے تھے کہ وہ فقیر ایک گولی روز کھاتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک دن پوچھا کہ حضرت یہ گولی کیسی ہے؟ فقیر نے ایک گولی بادشاہ کو بھی دے دی۔ بادشاہ نے وہ گولی کھالی۔ اس کے سبب شہوت اس قدر ہوئی محل میں جس قدر

بیبیاں، لونڈیاں تھیں سب سے قربت کی لیکن ان سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ بادشاہ کے دل میں وسوسہ گزرا کہ میں نے یہ گولی آج ہی کھائی ہے میری یہ حالت ہوئی اور یہ فقیر روزانہ کھاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس عورتیں آتی ہیں اور اس وسوسہ نے اس کو زیادہ پریشان کیا۔ ان بزرگ کو بذریعہ کشف اس خطرہ کی اطلاع ہوئی۔ جب دوسرے روز بادشاہ آئے تو چاہا ایک تدبیر لطیف سے اس کا وسوسہ زائل کریں۔ ان حضرات کی عادت ہوتی ہے کہ زبان سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ترکیب سے مرض زائل کرتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 35)

حقیقی مجاہدہ

اسی طرح یہاں بھی ہمت کر کے بار بار نفس کے تقاضوں کی مخالفت کرو۔ چند روز کے بعد پھر مخالفت کی عادت ہو جائے گی اور عادت سے ہر کام سہل ہو جاتا ہے بس اسی کا نام حقیقی مجاہدہ ہے اس سے اتباع کامل اور استقامت نصیب ہو جاتی ہے اور یہی بڑی کرامت ہے اس کے سامنے ہزار کرامتیں ہیچ ہیں۔

بزرگوں کو استقامت مجاہدہ کی بدولت ملی (تمام تصوف کا خلاصہ)

یاد رکھو! بزرگوں میں یہ استقامت اور گناہوں سے احتیاط کسی توجہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ان کو یہ دولت مجاہدہ سے ملتی ہے اور مجاہدہ سے مراد وہی ہے مخالفت نفس۔ بس اسی طریقہ سے تم بھی گناہوں سے بچ سکتے ہو نفس معاصی کا تقاضا کرتا ہے اس کو روکو اور اطاعت میں کسل کرتا ہے اس کا مقابلہ کرو۔ بس یہی خلاصہ ہے تمام تصوف کا، اذکار، اشغال اور مراقبات بھی اسی لئے کئے جاتے ہیں تاکہ نفس کے تقاضوں کا مقابلہ آسان ہو جائے اور ہمت میں قوت اور برکت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ایک مراقبہ اس آیت میں بھی تعلیم کیا گیا ہے جس کو میں نے تلاوت کیا تھا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ کہ جس شخص کو خدا سے ملنے کا اشتیاق یا خوف ہو وہ اس کو سوچا کرے کہ خدا سے ملنے کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ جنت اور دوزخ کے احوال واہوال کے سوچنے سے دل میں رغبت اور خوف پیدا ہوگا اور نفس کا مقابلہ سزا کے استحضار سے آسان ہوتا ہے اور طاعات میں مشقت ومحنت ثواب کے استحضار سے سہل ہوتی ہے تو اس مراقبہ سے دونوں کام بن جائیں گے گناہوں سے بچنے کی بھی ہمت ہو جائے گی اور طاعات میں کسل بھی نہ رہے گا۔ جس وقت نفس میں معصیت کا تقاضا پیدا ہو اس وقت پانچ منٹ کے لئے دوزخ کا تصور کر لینا چاہئے کہ اس تھوڑی سی لذت کا انجام یہ ہوگا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا اور جس وقت طاعات میں سستی اور کاہلی پیدا ہو اس وقت جنت کی نعمتوں کا تصور کرنا چاہئے کہ ذرا سی مشقت برداشت کر لینے سے ابدالآباد کی راحت نصیب ہوگی تو صاحبو! جس کسی کو گناہوں سے بچنے کا شوق ہو وہ قرآن کی اس تعلیم پر عمل کرے ہمارے اندر رغبت

اور خوف دونوں کی بہت کمی ہے اسی وجہ سے ہم گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اگر یہ دو باتیں پیدا ہو جائیں تو پھر کبھی معاصی کا ارتکاب ہی نہ ہو اور اطاعت میں سستی نہ ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 67)

کفر تکبر کی شاخ ہے

اب تکبر اور کفر دونوں میں علاقہ معلوم ہو گیا وہ یہ کہ تکبر سبب ہے کفر کا اور کفر سبب ہے دخول جہنم کا تو تکبر ہی سبب ہوا دخول جہنم کا لیکن بواسطہ یعنی سبب السبب ہوا اور بناء بر تقریر مذکور متکبرین کے لفظ میں اشارہ ہے تمام عقائد اور اخلاق کی خرابی تکبر ہی سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تکبر اصل ہے ہر ذمیمہ کی اور تکبر کا نتیجہ بیان کیا گیا دخول جہنم تو اس میں ہر برے عقیدے اور ہر ذمیمہ کی برائی آ گئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے کہ میٹھا کھانے سے خون میں گرمی پیدا ہوتی ہے تو اس میں گڑ بھی آ گیا جو جڑ ہے مٹھائیوں کی اور جلیبی بھی آ گئی اور قلاقند بھی۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ تکبر ہی سبب ہوا ہے ابلیس کے کفر کا اور اس کے ملعون ہونے کا، تو خیال کرنے کی بات ہے کہ لوگ کفر سے تو بچتے ہیں اور اس کے نام سے بھی ڈرتے ہیں جو ایک شاخ ہے تکبر کی اور تکبر سے نہیں بچتے اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ اصل ہے کفر کی، حیرت ہے شاخ سے تو ڈرا جائے اور جڑ سے نہ ڈرا جائے۔ یہ ایسا ہوا جسے کوئی جلیبی اور قلاقند سے تو بچے لیکن گڑ خوب کھاوے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 129)

اشد کبر

یہ وہی کبر ہے جس کو مولانا نے فرمایا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے صورت تو ایسی کہ بالکل سراپا متواضع معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ہم کو متواضع سمجھیں اور اس طرح ان کے دلوں میں ہماری وقعت اور بڑائی آ جائے تو بڑائی مقصود ہوئی نہ کہ تواضع، یہ کبر بڑا خطرناک ہے۔ یہ اس کبر سے اشد ہے جو بعض دنیاداروں میں ہوتا ہے کہ کھٹ پٹ کرتے ہوئے آئے اور سب سے اونچی جگہ بیٹھ گئے، یہ بھی کبر ہے مگر دونوں میں فرق ہے اس سے نہ بیٹھنے والے کا کبر اشد ہے کیونکہ وہ چھپا ہے اور یہ ظاہر ہے اس لئے تپ دق اوپر کے (یعنی ظاہری) بخار سے زیادہ خطرناک ہے۔ دوسرے اس لئے اشد ہے کہ یہ فعل صف نعال میں بیٹھ جانا اور تواضع کی صورت اختیار کرنا محمود عند الناس ہے اس سے زیادہ رفعت حاصل ہونے کی امید ہے اور اسی واسطے اس کو اختیار کیا جاتا ہے اور اس شخص کی وضع جو کہ خود آ کر اونچی جگہ پر بیٹھ گیا ہے لوگوں کے نزدیک بھی محمود نہیں اس سے اتنی رفعت حاصل ہونے کی امید نہیں جتنی اس میں تھی تو یہ بڑا ہوا اس سے، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی وضع قائم رکھنے کے لئے اپنے بھائی کا کہنا نہ مانا یہ صف نعال میں دوسروں کی دل شکنی کر کے اس لئے بیٹھتا ہے کہ اپنی وضع میں فرق نہ آ جائے۔

مخفی تکبر

خلاصہ یہ کہ ایک کبر بشکل کبر ہوتا ہے اور ایک کبر بشکل تواضع ہوتا ہے اور یہ اہل علم میں زیادہ ہوتا ہے اور یہ ایسا تکبر ہے کہ اس کا اپنے دوسروں کو تو کیا صاحب مرض کو بھی پتہ نہیں چلتا، عوام تو علماء کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں کہ علم کا نام آتے ہی ان کی ہر بات کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور یہ عالم صاحب حقیقت سے ناآشنا اور افعال کی صورت اچھی پا کر مطمئن ہیں کہ ہم عالم باعمل ہیں، تواضع ہم میں موجود ہے، زہد ہم میں موجود ہے، حالانکہ نہ تواضع نہ زہد، صرف تکبر ہی تکبر ہے اگر کسی حقیقت شناس کے پاس بیٹھتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ کیا ہے؟ کچھ تو یہ خود اس غلطی میں مبتلا ہیں اور کچھ لوگوں کے منہ سے تعریف سن سن کر ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ کوئی بات تو ہے جو ہماری تعریف کی جاتی ہے۔ غرض سرتاپا مریض ہو گئے اور مرض کے ساتھ خدر یعنی سن کر مرض بھی ہو گیا کہ مرض کا حس باقی نہیں رہا بلکہ حس الٹا ہو گیا کہ مرض کو صحت سمجھنے لگے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 139)

عالم میں عبودیت ہے یا تکبر

اس سے تو وہ شخص اچھا ہے جس کو مٹھائی بنانی تو ایک بھی نہیں آتی مگر لڈو کسی سے خرید کر یا مانگ کر یا جس طرح بھی ہو گود میں بھر رکھے ہیں اور کھا رہا ہے اور مزے لے رہا ہے اور مقصود اس کو حاصل ہے، یہی حالت ان عالم صاحب کی ہے کہ ساری عمر علم دین کی خدمت میں صرف کی اور علم کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور تمام شہر ان کا شاگرد ہے، ہزاروں کو ان سے فیض ہو رہا ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ اس حلوائی کی طرح گدی پر چڑھے بیٹھے ہیں اور شاگردوں کو بھی بتلا رہے ہیں اور مٹھائی تمام شہر کو بھی کھلا رہے ہیں مگر خود کبھی نہیں کھائی، واللہ باللہ ان کا منہ میٹھا نہیں ہونے کا۔ ہزاروں آدمی ان کی بدولت دیندار ہو جاویں گے مگر ان کو دین کا ذائقہ بھی نہیں معلوم ہونے کا، پس دین کا نام اس تعلق کا ہے جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہے، جس کا نام عبودیت ہے۔ جس کی ضد تکبر ہے، اہل علم اس کو غور کر لیں کہ ان میں عبودیت ہے یا اس کی ضد، بس اس کی تفصیل میں زیادہ نہیں کرتا کیونکہ وہ علم رکھتے ہیں اور ان کی ماہیتوں کو وہ خود جانتے ہیں، بس شکایت میں اس کی کرتا ہوں کہ اپنے احوال میں غور کیوں نہیں کرتے اور کیوں ہر وقت نگرانی نہیں رکھتے اور اگر خود سمجھ میں نہیں آتا تو کسی فن کے جاننے والے سے کیوں نہیں مشورہ کرتے اور کیوں اس کے سامنے اپنے حالات عرض نہیں کرتے تا کہ وہ بتلائے کہ اتنا حصہ اس میں عبودیت کا ہے اور اتنا تکبر کا علم کو منتہائے عروج کیوں قرار دے لیا ہے مگر جیسا کہ دوسروں کی اس سے اصلاح کرتے ہیں اپنی بھی تو کریں مٹھائی بیچ بیچ کر دوسروں کا منہ میٹھا کرتے ہیں، اپنا بھی تو کریں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 158)

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک شہر کے دروازہ پر پہنچے۔ دیکھا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ دن میں دروازہ کیوں بند کیا گیا۔ کیا کسی دشمن کا خطرہ ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے اس لئے دروازہ بند کرادیا کہیں دروازہ سے نکل نہ جائے۔ یہ سن کر آپ بہت ہنسے اور سمجھ گئے کہ بادشاہ محض احمق ہے بھلا باز کو دروازے سے نکلنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو اوپر سے بھی جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بطور ناز کے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ سبحان اللہ! یہ تو اتنا احمق ہے اور اس کو بادشاہ بنادیا اور ہم ایسے عاقل اور عارف اور ہماری حالت ہے کہ پیر میں جوتے بھی سالم نہیں، بدن پر کپڑے بھی درست نہیں۔ ان بزرگ کا مقام ابدال کا تھا مگر ناز ہر وقت نہیں چلتا کیونکہ کبھی وہ بھی ناز کرنے لگتے ہیں یہ کیا کہ تم تو ناز کرو اور وہ کبھی نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ بہت اچھا، کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس بادشاہ کی حماقت و جہالت معہ سلطنت کے تم کو دے دی جائے اور تمھاری معرفت و محبت معہ فقر و تنگدستی و خستہ حالی کے اس کو دے دی جائے۔ یہ جواب سنتے ہی وہ بزرگ کانپ اٹھے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اس گستاخی سے توبہ کرتا ہوں اور اس تبادلے پر ہرگز راضی نہیں تو حضرت وہ ایسا شیریں غم ہے جس سے سلطنت کے ساتھ بھی تبادلہ گوارا نہ ہو اور وہ ایسا درد ہے کہ اگر کوئی ان کی ظاہری تکلیف کو دیکھ کر ان پر ترس کھائے اور اس سے نجات اور سکون کی دعا کرے تو خدا تعالیٰ تم کو اس غم سے نجات دے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 177)

مسلمانوں کا پل صراط سے گزرنا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان پل صراط سے گزریں گے جسکا راستہ جہنم کی پشت پر سے ہوگا تو جہنم مسلمانوں سے کہے گی جزیا مومن فان نورک اطفأ ناری اے مسلمان جلدی سے پار ہو جا تیرے نور کی ٹھنڈک نے تو میری آگ ہی کو بجھا دیا۔ جب پشت پر سے گزرنے کا یہ اثر ہے تو جب مسلمان جہنم کے اندر ہوگا اس وقت تو بھلا کیا حال ہوگا کچھ عجب نہیں کہ بردِ ایمان کی وجہ سے نار جہنم اس پر اثر ہی نہ کرے یا اثر کرے اور اسکو احساس نہ ہو یا احساس ہو اور کم ہو گو وہ کم بھی خدا تعالیٰ کی پناہ بہت کچھ ہے میں ان باتوں سے معاصی پر جرأت نہیں دلاتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ موت سے جو آپ کو ایسی وحشت ہے کہ اس کے تصور سے بھی ڈرتے ہو اس کو دور کرو۔

(خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 214)

حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ پر کسی مرید کے اشعار پڑھنے کی حکایت

اسی طرح حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کے ساتھ کسی مرید نے غلبہ محبت میں بار بار یہ شعر پڑھا:

سرو سیمینا بصحرا میروی | سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشاگاہ عالم روئے تو | تو کجا بہر تماشا می روی

(اے محبوب! آپ صحرا میں جارہے ہیں سخت بے مہری کہ بغیر ہمارے جارہے ہیں اے محبوب! آپ کا رخ انور جہان کا تماشاگاہ ہے آپ تماشہ کے لئے کہاں جارہے ہیں)

اس کا یہ اشعار پڑھنا تھا کہ سلطان جی کی نعش کو وجد ہوا اور ہاتھ کفن سے باہر اونچا ہو گیا اس پر لوگوں نے اس مرید کو خاموش کیا کہ یہ کیا غضب کرتے ہو قیامت برپا ہو جائے گی جنازہ کے ساتھ خاموشی سے چلو غرض تھوڑی دیر میں سکون ہوا اور ہاتھ بدستور کفن کے اندر ہو گیا۔ دیکھئے اہل محبت کو موت کے بعد بھی کیسی برتری حاصل ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وجد و حال باقی رہا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 216)

حضرت غوث اعظمؒ کا ابدال مقرر کرنا

اور سنیے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا قصہ ہے جو غالباً شیخ عبدالحق دہلویؒ نے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ رات کو اٹھے اور خانقاہ کے دروازہ کی طرف چلے۔ خادم نے دیکھا کہ حضرت خانقاہ کے دروازہ کی طرف جارہے ہیں تو وہ بھی ساتھ ساتھ ہو لیا، مگر اس طرح کہ حضرت کو خبر نہ ہو۔ یہ ادب ہے مشائخ کا کہ ان کے خاص اوقات میں مثلاً تہجد کے وقت ان کے پاس جا کر نہ بیٹھے نہ سامنے جا کر کھڑا ہو، بلکہ دور رہ کر دیکھتا رہے۔ اگر ان کو کوئی کام کی ضرورت قرینہ سے معلوم ہو تو وہ کام کر دے ورنہ الگ رہے اور ان کے اوقات میں خلل نہ ڈالے، کیونکہ بزرگوں کو تہجد یا خلوت کے وقت کسی کا پاس ہونا گوارا نہیں ہوتا اور مجھے بھی گو میں کچھ نہیں ہوں صبح کی نماز کے بعد باتیں کرنے والے پر غصہ آتا ہے کہ یہ کیسا بے قدر ہے کہ ایسے نورانی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک یہ وقت ذکر اللہ کے لئے عجیب ہے، اس کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ غرض حضرت غوث اعظم خانقاہ سے باہر تشریف لے چلے اور خادم ساتھ ساتھ رہا اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ حضرت کو اطلاع نہ ہو، یہاں تک کہ دروازہ شہر پناہ پر پہنچے جو مقفل تھا مگر حضرت کی برکت سے قفل کھل گیا اور دونوں صاحب یکے بعد دیگرے شہر سے باہر تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک نیا شہر نظر پڑا۔ خادم کو بڑی حیرت ہوئی کہ بغداد کے متصل کوئی بھی شہر نہیں۔ یہ شہر کہاں سے آگیا مگر وہ اصل میں متصل نہ تھا، بہت دور تھا۔ حق تعالیٰ نے غوث اعظم کی کرامت کے لئے زمین کی طنابیں کھینچ دیں، اس سے قریب ہو گیا، چنانچہ دونوں صاحب ایک مکان میں پہنچے جہاں اولیاء اللہ کا ایک مجمع تھا اور اس مکان کے ایک سمت میں ایک درجہ تھا جہاں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آرہی تھی، پھر وہ آواز منقطع ہو گئی اور پانی کے گرانے کی آواز آنے لگی تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک جنازہ برآمد ہوا اور چند آدمی ساتھ تھے جن میں ایک بوڑھے بزرگ گویا اس مجمع کے

سردار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا جنازہ تیار ہے۔ سب حضرات نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت غوث اعظم امام بنے۔ نماز کے بعد جنازہ کو لے گئے اور جو پہلے سے حضرت کے پاس جمع تھے وہ بدستور حاضر رہے اور انہوں نے حضرت غوث اعظم سے کچھ عرض کیا اور تھوڑی دیر میں ایک شخص عیسائی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو زنار توڑ کر الگ کیا اور لا إله إلا الله محمد رسول الله کی اس کو تلقین کی۔ مسلمان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اس کے قائم مقام ہے، اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور تھوڑی دیر میں بغداد میں داخل ہو گئے۔ خادم بھی الگ الگ ساتھ رہا۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت کسی کتاب کا درس ہوا کرتا تھا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو۔ وہ کتاب لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت! رات کے واقعہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لئے طبیعت کو بہت تشویش ہے، پڑھنے کو بھی دل حاضر نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت بتلا دیجئے تب کچھ پڑھوں گا۔ فرمایا کیا تم رات ہمارے ساتھ تھے؟ کہا ہاں۔ فرمایا یہ مجمع ابدال کا تھا اور وہ شہر موصل تھا۔ ان میں سے ایک شخص قریب مرگ تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا۔ میں گیا، وہ جنازہ ان ہی بزرگ کا تھا، ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ بوڑھا حضرت خضر تھے جوان کے جنازہ کے مامور تھے اور چونکہ ابدال کا حکم میرے تحت میں ہے اس لئے مجھ سے پوچھا گیا کہ اس کے قائم مقام اب کون ہو گا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے الہام ہوا کہ قسطنطنیہ کے فلاں عیسائی کو ان کی جگہ دے دی جائے۔ چنانچہ وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہوا۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اور مسلمان ہوتے ہی وہ مقام ابدال پر گیا۔ نہ معلوم حق تعالیٰ شانہ کو اس شخص کا کون عمل پسند آگیا ہو گا جو اس کو اسلام کی توفیق دی اور بہت جلد اس مقام عالی پر پہنچ گیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 227،226)

نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ

یہاں سے صوفیہ نے ایک مراقبہ ایجاد کیا اور وہ درحقیقت سنت مذکورہ سے ثابت ہے جیسے احکام اجتہادیہ کے استنباط کی نسبت مجتہدین کی طرف کی جاتی ہے مگر واقع میں وہ نصوص ہی کے مدلول ہیں اس لئے کہا گیا ہے کہ القیاس مظہر لامثبت وہ مراقبہ یہ ہے کہ صوفیہ نے نفس سے کام لینے کے لئے ایک حیلہ تجویز کیا ہے نفس سے اولاً یہ نہ کہو کہ دو گھنٹے کام کرنا ہو گا بلکہ اول سے یہ کہو کہ پاؤ گھنٹہ ذکر کر لے جب پاؤ گھنٹہ ہو گیا پھر کہو کہ پاؤ گھنٹہ اور کر لے۔ اسی طرح جتنا وقت درکار ہوتا ہے اتنے وقت تک نفس کو کام میں لگا لیتے ہیں اور نفس پر گراں نہیں ہوتا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک آدمی کے سامنے پچاس روٹیاں رکھ دی جائیں تو وہ دو چار سے زیادہ نہ کھا سکے گا اور اگر آدھی آدھی روٹی لائی جائے تو وہ سیروں آٹا کھا جائے گا۔ تجربہ کر لیا جائے اسی طرح ذکر میں بھی سارا وقت نفس کے سامنے ایک دم سے پیش نہ کرو بلکہ پاؤ پاؤ گھنٹہ پیش کرتے رہو اس طرح وہ گھنٹوں میں بھی نہ تھکے گا۔ اسی طرح سفر میں جاؤ تو نفس سے کہو

کہ اس گاؤں تک ذکر کرلے جب وہاں پہنچے، پھر کہو کہ اس اگلے گاؤں تک اور کرلے، اسی طرح سارا سفر ختم کردیا ویسے تو نفس کام نہ کرتا اگر تم یہ کہتے کہ سارے سفر میں ذکر کرنا ہوگا مگر اس حیلہ سے کام کرلیا اور کچھ بار بھی نہ ہوا، سب اجزاء کو ملا کر دیکھا جائے تو گھنٹے تو بہت سے ہوگئے مگر نفس آمادہ اس واسطے ہوگیا کہ تم نے ہر جزو میں اس کو تھوڑا کام دیا اور ہر جزو کو اس نے کام کا اخیر سمجھا تو اگر نماز بموجب تعلیم حدیث کے پڑھو گے تو نماز کامل بھی ہوگی اور نفس پر بار بھی نہ ہوگا معلوم ہوا کہ ہر جزو کو موجب اخیر سمجھنا سہولت بھی ہے۔ یہی اصل ہے اس مراقبہ کی اور یہ فصل صلوۃ مودّع (رخصت ہونے والے کی نماز) سے ثابت ہوگیا اور اوپر میں بیان کر آیا ہوں کہ بطور استدلال کے قرآن سے بھی یہ مضمون ثابت ہے تو یہ مراقبہ قرآن وحدیث دونوں کے موافق ہوا۔ اب یہ بات اور قابل غور ہے کہ فصل صلوۃ مودع پر عمل جب ہی ہوگا کہ باقی عمر کو طویل نہ سمجھے جیسا کہ ظاہر ہے اور میں نے یہ بیان اس وقت اس واسطے بھی اختیار کیا ہے کہ کام کی ضرورت کے ساتھ کام کرنے میں سہولت کا طریقہ بھی معلوم ہو۔

(خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 271،270)

آداب ملاقات

اسی طرح ایک تحصیل دار صاحب نے مولانا کی شکایت کی کہ دوپہر کو ملنے گیا تھا مولانا اس وقت جاگ رہے تھے مگر مجھے دیکھ کر قصداً پشت پھیر لی اور مجھ سے بات تک نہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو مولانا نے بہت اچھا کیا کیونکہ اس شخص نے بے اصول کام کیا۔ بھلا دوپہر کا وقت بھی کوئی ملنے کا وقت تھا۔ یہ وقت اہل اللہ کے لئے آرام کا وقت ہے کیونکہ وہ رات اتنے سویرے اٹھتے ہیں کہ اہل دنیا کو اس وقت نیند کی مستی میں دنیا و دین کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اب جو شخص رات کو تین چار گھنٹے جاگتا ہو وہ اگر دوپہر کو ایک دو گھنٹے سوئے تو کیا ظلم ہے بلکہ قیلولہ تو سنت ہے مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ آج کل انگریزوں سے تو ان کی فرصت کا وقت معلوم کر کے ملتے ہیں اور بزرگوں ملاؤں سے اپنی فرصت دیکھ کر ملتے ہیں۔ وہاں تو اپنا کام چھوڑ کر دن بھر اس لئے ضائع کرتے ہیں کہ صاحب کو جس وقت فرصت ہو اس وقت فوراً حاضر ہو جائیں اور یہاں اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر جب اپنی فرصت دیکھی بزرگوں کے پاس ان کا وقت ضائع کرنے کو حاضر ہوگئے۔ ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ وقت ہماری فرصت کا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ دوسرے کی فرصت کا بھی ہو۔ حضرت حاجی صاحب کے پاس بھی دوپہر کو بعض لوگ ملنے آتے تھے مگر حضرت اتنے نرم تھے کہ سب کے ساتھ بیٹھے رہتے اور ان کی باتیں سنتے رہتے۔ آنکھوں میں نیند ہوتی سر جھکا جاتا مگر طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہتے بعض دفعہ کسی خادم نے اگر کہہ دیا کہ یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے حضرت کے آرام کا وقت ہے تو حضرت خادم پر خفا ہوتے کہ تم روکنے والے کون ہو؟ یہ بے چارے محبت سے آتے ہیں اگر مجھے تھوڑی

سی تکلیف ہی ہو جائے گی تو کیا بڑی بات ہے اپنے دوستوں کے لئے آدمی تکلیف بھی گوارا کر لیا کرتا ہے۔اس کے بعد خادم خاموش ہو گئے اور لوگوں نے بھی طریقہ اختیار کر لیا کہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر دوپہر کو حضرت کے پاس آ بیٹھتے۔ایک دن حضرت حافظ ضامن صاحبؒ نے دوپہر کو دیکھا کہ ایک صاحب حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ خوب دھمکایا کہ رات کو تو بیویوں کو بغل میں رکھو اور صبح کو آٹھ بجے سو کر اٹھو، نہ تہجد کی پرواہ نہ صبح کی نماز کی، نہ جماعت کا خیال اور دوپہر کو اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر آئے بزرگوں کا وقت ضائع کرنے۔رات کو دو بجے سے جاگ اٹھتے ہیں، پھر صبح تک نہیں سوتے۔تم کو شرم نہیں آتی۔خبردار! جو آج سے کوئی دوپہر کو آیا ٹانگیں چیر دوں گا۔ حافظ صاحب کے دھمکانے پر حضرت کچھ نہیں بولے، پھر اس دن سے کوئی ایسے وقت میں نہ آتا تھا۔
(خطبات حکیم الامت جلد 24، ص313،312)

امراض قلبی کی پہچان

رہا یہ سوال کہ امراض قلب تو مخفی ہوتے ہیں ان کا علم مشائخ کو کیونکر ہوتا ہے کیا ان پر وحی نازل ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں وحی تو نازل نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ تو اشارات و کنایات سے باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر و باطن میں باہم بہت تعلق ہے اور کبھی فراست سے صورت دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص فلاں گناہ میں مبتلا ہے۔حضرت عثمانؓ کا واقعہ ہے کہ ان کی مجلس میں ایک شخص نظر بد کر کے حاضر ہوا تو آپ نے مجملاً سب کو فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے ہمارے پاس ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔یہ فراست کاملہ تھی اور اہل اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوتا ہے۔حدیث میں بھی وارد ہے اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله (مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) غالباً حضرت شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص ہمارے زمانہ میں ایسا صاحب فراست ہے کہ صرف صورت دیکھ کر آدمی کا نام بتلا دیتا ہے کیونکہ صورت میں اور نام میں خاص تناسب ہوتا ہے جس کو صاحب فراست صحیحہ دریافت کر سکتا ہے مگر ایسی اعلیٰ فراست واقعی قابل حیرت ہے۔باقی گفتگو اور تحریر سے اندرونی امراض کا حال معلوم کر لینا یہ تو اب بھی بہت سوں کو حاصل ہے۔ گو میں مشائخ میں سے نہیں ہوں مگر الحمدللہ مشائخ کا معتقد ہوں ان کی برکت سے مجھے بھی حق تعالیٰ نے ایسی فہم عطا فرمائی ہے کہ طرز گفتگو سے مجھے انداز طبیعت معلوم ہو جاتا ہے اور ایسا بین طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ میں یہ تو دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یقین کا درجہ ہوتا ہے درجہ تو ظن ہی کا ہوتا ہے مگر ظن مرجوح نہیں بلکہ غالب۔ابھی چند روز ہوئے ایک شخص نے مجھے خط لکھا جس میں بیٹے کے بھوکے مرنے پر اس عنوان سے صدمہ ظاہر کیا تھا کہ ایک سترہ سالہ نوخیز نوجوان لڑکی کے شوہر کی موت کا بہت بڑا صدمہ ہے۔میں سترہ سالہ نوخیز کا لفظ سمجھ گیا کہ اس شخص کو اپنی بہو سے

نفسانی محبت ہے۔ میں نے جواب میں اس کو متنبہ کیا کہ تم توبہ کرو۔ تم کو اپنی بہو سے ناجائز نفسانی محبت ہے اب چاہے کوئی اس کو بدگمانی کہے مگر مجھے تو اس لفظ سے یہ مرض ایسا کھلا ہوا معلوم ہوا کہ جیسے طبیب کو قارورہ سے بخار۔ چنانچہ اس شخص نے جواب میں اس کا انکار نہیں کیا اور بحمد اللہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ امراض باطنہ کے متعلق میری سو تجویزوں میں سے اگر سو پوری نہیں تو ننانوے تو ضرور صحیح ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کا اقرار تو خود مریض نے کیا اور بعض کا ثبوت واقعات سے ہو گیا، البتہ ایسا ادراک بدون دلیل شرعی کے حجت نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 319،318)

اہل اللہ کی صحبت کا اثر

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنی چاہیے مگر ناقص صحبت سے احتراز کرنا چاہیے۔ خیر ضرورت کے واسطے مضائقہ نہیں اختلاط نہ چاہئے۔ اہل اللہ کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے۔ خیال یوں ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کیا کمال ہوا، دل میں جوش تک بھی نہ ہوا۔ یہ غلطی ہے، صحبت کا اصلی اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے۔ بس پھر کبھی کیفیات نفسانی غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا حال سنا ہوگا کہ شیخ کا کلام سن کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے، لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے جہاں یہ پایا جاوے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے۔

کیفیات کیوں ناقابل اعتبار ہیں

عوام کہا کرتے ہیں کہ میاں سماع تو وہ چیز ہے کہ سانپ کو مست کر دیتا ہے میں کہتا ہوں یہی دلیل ہے کہ یہ کیفیت خاص قابل اعتبار نہیں کیونکہ کیفیت معتبر وہ ہے کہ خواص انسانی سے ہو اور جب سانپ اس سے متاثر ہوا معلوم ہوا کہ اس سے ایسی کیفیت ہوتی ہے جو انسان اور دیگر حیوانات میں مشترک ہے۔ کمال خاص انسانی تو وہ ہے کہ تمام خلق پر فوقیت لے جائے بلکہ ملائکہ پر بھی، وہ کمال یہی ہے کہ اتباع کامل و تہذیب نفس پیدا ہو۔ ہاں اگر کیفیت نفسانی بھی اتباع کے ساتھ پیدا ہو جائے تو اچھا ہے کیونکہ نفس میں اشتعال (جوش دلانا) پیدا کرتی ہے تو اور معین ہو جاتی ہے۔ اتباع پر جیسا کہ انجن میں آگ کہ گاڑیاں بلا آگ ٹھیلنے سے بھی چلتی ہیں مگر آگ سے زیادہ تیز چلتی ہیں اس معنی کو بیان کیا ہے ؎ شعر

صنمارہ قلندر سزاوار بمن نمائی   کہ دراز دور دیدم رہ ورسم پارسائی

اے شیخ کامل مجھے آپ نے اگر عشق کا راز دکھا دیا تو بہتر ہے کیونکہ راہ سلوک تو بہت دور دراز کا راستہ ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 24، ص 30،29)

پچیسویں جلد کے جواہر

حضرت تھانویؒ کا خواب میں ملکہ وکٹوریہ کو دیکھنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطییب قلوب اصحاب تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحب سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا، نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزرا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے۔ کیونکہ تطییب قلب مومن بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں یہ تھی، دوسری حکمت وہی جو مجھے خواب میں بتائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے، نہ گھوڑا ہے اور نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ کی سواری تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں پھر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔ اگر وہ حل ہو جائے تو پھر اسلام کے حق ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہے گا میں نے کہا آپ بیان کیجئے۔ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کیلئے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار خودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے میں نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک بڑی حکمت

تھی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب و جلال اس درجہ فرمایا تھا کہ ہرقل و کسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے کتراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسیرۃ شہر کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں (یعنی حضور کا مقام تو بہت بلند ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان نہ تھے بلکہ رسول تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کیلئے افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کرا سکیں اور جس قدر رعب و جلال خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہؓ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کی باتوں کو بیان کرنے سے نہ رکیں۔ اور یہ مسلّم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے، خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت و حکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے آپ کے وقار و عظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ اصحاب کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا۔ جو غایت رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی اگر آپ ﷺ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ ﷺ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ ﷺ کی محبت غالب ہوئی تو آپ ﷺ کے وقار و عظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار و عظمت کا منشا صرف خوف تھا اب محبت و خوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر تھی اور جب بھی کسی بات پر آپ کو غصہ آگیا تو صحابہؓ کی کیا حالت ہوتی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہو گیا اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا، گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا کوئی قول فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں (یعنی حضور ﷺ کا مقام تو بہت بلند ہے) میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 26،25)

علم خضر علیہ السلام کی مثال

اور علم خضر کی مثال ان کے سامنے ایسی تھی جیسے وائسرائے کے علم کے سامنے کوتوال کا علم کہ جزئیات وقائع کا علم کوتوال کو وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اصول سلطنت اور کلیات قانون کے علم میں وائسرائے کے برابر کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا خضر کا مرتبہ علم باطن میں موسیٰ سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ علم باطن بھی شریعت کا ایک جزو ہے کیونکہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام ظاہر و باطن کا، اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت ہی کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ اس میں خضر سے اکمل تھے کیونکہ موسیٰ انبیاء اور اولوالعزم سے ہیں۔ اور خضر کی نبوت خود مختلف فیہ ہے اور نبی کے لئے علم شرائع میں غیر نبی سے اور اس طرح اس شخص سے بھی جس کی نبوت مختلف فیہ ہے کامل ہونا ضروری ہے پس خضر سے علم باطن میں بھی موسیٰ افضل تھے اور یہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے بعض لوگ خضر کو علم باطن میں موسیٰ ؑ سے افضل سمجھتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر یہ علماء وہ ہیں جو صرف اہل ظاہر ہیں جنہوں نے علم باطن کی حقیقت کو نہیں سمجھا ان کو دھوکہ اس سے ہوا کہ قرآن میں جو وقائع خضر کے مذکور ہیں جس کی حقیقت موسیٰ کو ابتداء میں معلوم نہیں ہوئی ان حضرات نے ان واقعات کو علم باطن کی قبیل سے سمجھا ہے حالانکہ ان کو علم باطن سے تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق صرف کشف کونی سے ہے اور کشف کونی ہی میں خضر، موسیٰ سے بڑھے ہوئے تھے اور کشف کونی کو علم موسیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کوتوال کو شہر کے واقعات و حالات کا علم وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس سے کوتوال کا درجہ وائسرائے سے نہیں بڑھ جاتا کیونکہ اس علم کو اس علم سے کچھ بھی نسبت نہیں جو وائسرائے کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن اور کشف الٰہی میں جس سے اسرار و حکم معلوم ہوتے اور معرفت ذات و صفات میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ ہی افضل تھے صرف کشف کونی میں جس کو قرب حق میں کچھ بھی دخل نہیں گو بعض مقربین کو عطا ہو جاتا ہے، بڑھے ہوئے تھے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ اس علم کو موسیٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ مگر چونکہ ظاہر میں یہ بھی ایک علم ہے اور لذیذ علم ہے جس میں عجیب و غریب تماشے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرماتے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان کے اور

واقعات بیان فرماتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ کشف کوئی علم موسیٰ سے بڑھا ہوا ہے بلکہ یہ تمنا آپ نے اس لئے کی کہ اس علم سے عجائبات عالم کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے پس اس کے علم ہونے میں اور عجیب ہونے میں کلام نہیں۔ اس واسطے موسیٰ کو بلا قید انا اعلم نہ فرمانا چاہیے تھا۔ بلکہ احتمال ہونا چاہیے تھا کہ شاید کسی دوسرے علم میں گو وہ میرے علم سے کمتر ہی ہو کوئی دوسرا بڑھا ہوا ہو اور اس احتمال کی رعایت کرکے انا اعلم کو قید کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا کہ انا اعلم بالشرائع مثلاً باوجود یہ کہ ان کی مراد مطلق سے مقید ہی تھی اور ان کے علم کے سامنے دوسرے علوم کی کوئی حقیقت بھی نہیں۔ موسیٰ پر اطلاق کلام کی وجہ سے عتاب ہوا اور ادب کی تعلیم کا اس درجہ اہتمام کیا گیا کہ ان کو خضر کی شاگردی کا حکم ہوا۔ جس کے واسطے مجمع البحرین تک سفر کرنا پڑا اور خضر سے درخواست کرنا پڑی۔ هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ (اگر آپ کہیں تو آپ کے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھے سکھلا دیں جو کچھ آپ کو بھی راہ بتلائی گئی ہے۔) بزرگوں نے اس سے یہ ادب مستنبط کیا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ رہنے کے لئے بھی اس سے اجازت لینی چاہیے جیسا کہ موسیٰؑ نے خضرؑ سے اجازت طلب کی اس پر خضر نے جواب دیا اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ (آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔) کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے وَ کَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ اس میں ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے افعال کے اسباب و مناشی کا آپ کو علم نہ ہوگا۔ اور ظاہری صورت ان کی صورت منکر ہوئی تو آپ سے اس پر کیوں کر صبر ہوگا۔ موسیٰ نے اس پر صبر کا وعدہ کیا اور خضر نے اس شرط سے ان کو ساتھ رکھنا منظور فرمایا کہ میں جو کچھ بھی کروں اس کے متعلق مجھے کچھ باز پرس نہ کی جائے جب تک میں خود ہی اس کی وجہ نہ بتلا دوں۔ موسیٰ نے اس کو منظور کیا اور ساتھ ہو لئے پھر انہوں نے راستے میں اول ایک کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا پھر ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا، موسیٰ نے بے ساختہ اس پر باز پرس کی کہ یہ کیا حرکت ہے کہ تم نے ایک معصوم بچہ کو جان سے ناحق مار ڈالا خضر نے وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ سے صبر نہ ہوگا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ اب سے اگر وعدہ خلافی کروں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیئے گا۔ اس کے بعد موسیٰ نے پھر ایک بات پر باز پرس کی تو خضر نے فرمایا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ اور ایسی بات کو دیکھ کر جس کا سمجھنا تمہارے قابو میں نہیں کیونکر ٹھہرو گے میرے اور تمہارے درمیان اب جدائی ہے۔ اور اس کے بعد اپنے سب افعال کی حقیقت ظاہر کی جس کا مفصل ذکر قرآن میں مذکور ہے۔

علم باطن کے شرائط وآداب

یہاں سے بزرگوں نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ شیخ پر مواخذہ وانکار پر عجلت نہ چاہیے۔ ورنہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو اس قصہ میں ہوا کہ شیخ بھی خضر کی طرح کہہ دے گا ھذا فراق مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خضر در بحر کشتی راشکست * صد درستی در شکست خضر ہست

اگر خضر نے سمندر میں کشتی توڑ دی تو خضر کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں درستگی ہیں۔

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق تانگوید خضر رو ہذا فراق

اے بے نفاق خضر کے کام میں بھی صبر کرتا آں کہ خضر علیہ السلام اس راہ میں نہ کہ دیں کہ یہ جدائی ہے۔

مولانا کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ خضر باطن میں موسٰی علیہ السلام سے کامل تھے بلکہ تشبیہ شیخ کو خضر قرار دے کر کلام فرمارہے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب علم خضر میں جو علم باطن یعنی علم موسٰیؑ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اس قدر شرائط وآداب ہیں کہ علم باطن میں جو اس سے افضل ہے ضرور ان آداب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل لوگ ذرا ادب نہیں کرتے اور یوں تاویل تو ہر بات میں ہوتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 29،30)

تشبہ بالکفار کی تفصیل

مگر اسلام میں تعصب نہیں چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلے میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کی شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں "نعم السلاح" کہ بہت اچھا ہتھیار ہے میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائیداً بیان کر دیا ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ سے ہے اور اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے۔ اور اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے۔ غیر مقاصد کی تعلیم نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی اے کے سکول میں جوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی۔ اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر کسی سکول میں بی اے کیساتھ جوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لیے نقص ہوگا کمال نہ ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 38،39)

بدعتی پیر

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مرید سے جو سفر کو جا رہا تھا فرمایا (کہ روضہ اقدس پ) میرا سلام عرض کر دینا اس نے سلام عرض کیا تو جواب آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہنا، مرید بڑا گھبرایا کہ شیخ سے الفاظ کیونکر عرض کروں واپسی پر شیخ نے جو پوچھا کہ ہمارا سلام عرض کیا تھا؟ کہا، ہاں عرض کیا تھا، حضور ﷺ نے بھی آپ کو سلام فرمایا ہے۔ کہا وہی کہو جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا بات کیوں بدلتے ہو کہا جب تو آپ مجھ ہی سے کیوں پوچھتے ہیں فرمایا کہ وہ بات تم تھوڑا ہی کہو گے تم تو قاصد ہو قاصد سفیر محض ہوتا ہے اور محبوب کا پیام سننے میں اور مزہ ہے کہ جانتے ہیں وہ مزہ کہیں اور نہیں۔ چنانچہ اس نے حضور ﷺ ہی کے الفاظ میں پیام کو ادا کیا۔ شیخ پر وجد طاری ہو گیا اور کہا ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

غرض عاشق کو جو عارف بھی ہو جس وقت یہ وسوسہ نہیں ہوتا کہ محبوب کو چھوڑ دے اس کی طلب ہر وقت ترقی پر رہتی ہے خواہ قبض ہو یا بسط، انعام ہو یا دشنام ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 67)

بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

اسی طرح غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑ کر آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو، بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے۔ خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہو گی یا در کھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہو گی اور اول تو ایسے میاں جی آج کل کہاں ہیں جو بچوں سے معافی چاہیں ہم نے صرف ایک ملا کو دیکھا ہے، گنگوہ میں وہ شاگردوں سے معافی چاہا کرتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ اپنی کمر کھول کر بیٹھ جاتے اور جس لڑکے کو مارتے اس کے ہاتھ میں قمچی دیتے کہ بھائی تو مجھے مار لے۔ بعض شریر لڑکے ایسے بھی ہوتے تھے کہ میاں جی کے سڑا سڑ قمچیاں لگاتے تھے۔ اس سے بھی خرابی ہوئی کہ لڑکے گستاخ ہو گئے۔ بچوں سے معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ وہ خوش ہو جائیں نہ تو معافی زبانی کافی ہے اور نہ ان سے انتقام لینے کو کہا جائے۔ بس آئندہ ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کر دینا چاہیے۔ ان کو بلاؤ، چمکارو، چوٹ کی جگہ سہلاؤ، دودھ پلا دو، پیسے دے دو، بس اس طرح وہ خوش ہو جائیں گے تو آپ کے اوپر سے حق العبد اتر جائے گا لیکن اس کے بعد توبہ استغفار کی بھی ضرورت ہے کیونکہ حق العبد میں حق اللہ بھی فوت ہوتا ہے

کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے لاتظلموا ظلم مت کرو۔ آپ نے اس حکم کی مخالفت کی یہ خدا تعالیٰ کا حق فوت ہوا، پس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو غصہ اترنے کے بعد سزا دی جائے اس وقت جو کچھ سزا دی جائے گی وہ خطا کے موافق ہوگی حد سے تجاوز نہ ہوگا ہاں یہ ضروری ہے کہ غصہ فرو ہو جانے کے بعد مارنے میں مزا نہیں آئے گا مگر جیسا کہ غصہ میں مارنے سے اس وقت مزہ آتا ہے ایسا ہی کبھی بعد میں بدمزگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ سارا مزہ بھول جائیں گے۔ مثلاً آنکھ پھوٹ گئی، کان پھٹ گیا کہیں بے موقع ضرب آگئی تو میاں جی کھنچے کھنچے پھریں گے، اور ایسا نہ بھی ہوا تو آخرت کی بدمزگی تو ضرور ہوگی۔ غرض غصہ کے وقت فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 103،102)

ضعف قلب منافی ولایت نہیں

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے باتیں کر رہے تھے اور بے باکانہ گفتگو کر رہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کر رہے تھے بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے اور بزرگ صاحب نے آواز دی کہ ہے کوئی، بس اس کا پکارنا تھا کہ دفعتاً غیب سے ایک شیر نمودار ہو کر بادشاہ کی طرف لپکا جس کو دیکھ کر بادشاہ تو بھاگا ہی تھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگے بات کیا تھی بات یہ تھی کہ ان کا دل کمزور تھا تو یہ بزرگی کے منافی نہیں۔ بزرگوں کو ضعف قلب اور اختلاج اور خفقان ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح ان کو بخار وغیرہ ہو جاتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہو جاتا ہے اس سے ولایت و معرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہو رہی تھی نبوت عطا ہو چکی تھی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا اور وہ ہیبت ناک اژدہا بن گیا موسیٰ اس کو دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ (سو انہوں نے جب اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا) بھلا اس سے زیادہ قوت قلبی کے اسباب کیا ہوں گے کہ بلاواسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہو چکی تھی، نبوت عطا ہو چکی تھی، حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضاء سے اژدہا کا خوف غالب ہو گیا اور بھاگ گئے معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ علماء کو ایسا ہونا چاہیے يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ۔ (کہ بس خدا ہی سے ڈریں اور کسی سے نہ

ڈریں) ان کے نزدیک علماء کو نہ شیر سے ڈرنا چاہیے نہ سانپ بچھو سے نہ توپ سے نہ بندوق سے نہ حکام سے نہ ڈاکوؤں سے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ موذی چیز سے انبیاء کرام کو بھی خوف طبعی ہوتا ہے اگر یہ خوف طبعی توکل کے خلاف ہے تو کیا معاذ اللہ انبیاء کو غیر متوکل کہو گے ہر گز نہیں کسی کا منہ ہے جو اپنے کو موسیٰ سے زیادہ متوکل بتائے مگر وہاں یہ حالت تھی کہ نبوت کے بعد ان کے دل میں فرعون سے بھی خوف تھا چنانچہ فرماتے ہیں: قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى، قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى (موسیٰ و ہارون نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو فرعون کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا حد سے بڑھ جائے فرمایا تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) باوجودیکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو صریح اور صاف حکم ہو چکا تھا۔ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی پر کمر باندھ رہا ہے مگر بااین ہمہ موسیٰ اور ہارون نے آجکل کے بہادروں کی طرح اپنی بہادری ظاہر نہیں کی کہ ہم کو نہ قتل کا خوف ہے نہ قید خانہ کا اندیشہ ہے ہم بلاخوف وخطر اس خدمت کو انجام دیں گے بلکہ انہوں نے اپنے طبعی خوف کو حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کہ ہم کو اس کی زیادتی سے ڈر لگتا ہے اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم کو قتل نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف کا ہونا نبوت وولایت کے بالکل منافی نہیں ورنہ حق تعالیٰ اس خوف پر انکار فرماتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس پر ان کو ذرا ملامت نہیں کی بلکہ تسلی دیکر فرمایا قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 113،112)

حضرت عمرؓ کی وقف مال میں احتیاط

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چراغ فوراً گل کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لئے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے چراغ گل کر دیا۔

سبحان اللہ! حضرات صحابہؓ میں کیسی احتیاط تھی اگر آجکل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔

حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کردے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اس کے یہاں ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق کے مطابق ہو تو امام سفیان ثوری اتنے بڑے تارک الدنیا تھے مگر وہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گزر گیا جبکہ روپیہ رکھنا مضر تھا آجکل روپے جمع کرنا مفید ہے کیونکہ آجکل افلاس کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ مفلسی میں انسان کو حرام وحلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی پھر فرمایا کہ ہمارے پاس یہ درہم ودینار نہ ہوتے تو امراء ہم کو داستمال بنادیتے۔ مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اللہ اکبر یہ وہ زمانہ ہے جو خیر القرون میں داخل ہے جو صحابہؓ کے زمانہ سے بہت قریب ہے امام سفیان ثوریؒ اس زمانہ کے بابت فرما رہے ہیں کہ اس وقت مال جمع کرنا مفید ہے اس سے قیاس کر لیا جائے کہ آجکل مال جمع کرنا کتنا ضروری ہے پس جس مسلمان کے پاس کچھ ذخیرہ ہو اسے چاہیے کہ احتیاط سے خرچ کرے اسراف نہ کرے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردیں)۔

شاید کسی وقت ضرورت ہو جائے تو پریشان نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح بخل بھی نہ کرو اس کی علت بھی وہی ہے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردیں)۔ کیونکہ بخل سے بعض دفعہ ضرورت کے موقع میں بھی تنگی کی جاتی ہے اور اتنی تنگی کے بعد پھر ندامت ہوتی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 122)

استیذان کا حکم

چنانچہ ہمارے حضور ﷺ کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم ادخل؟ میں اندر آؤں؟ فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ ﷺ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا حضور ﷺ بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آج کل تو کوئی ایسا کر کے تو دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کریں

کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور ﷺ کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ بدوں اجازت کے مت جاؤ مگر افسوس آج کل مسلمانوں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کے لیے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لئے بیٹھتے ہیں مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہے تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہیں ہونا چاہیے، خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعدؓ نے (اجازت لینے) کی آواز نہ سنی تو آپ ﷺ کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لے جانے کے متعلق دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا کی جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہو گئے کیونکہ شرعی قانون اس سے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کے لیے بھی جاری فرمایا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، صفحہ 136)

مشورہ کی شرعی حیثیت

حدیث میں ایک اور واقعہ حضرت بریرہؓ کا ہے جب وہ آزاد ہوئیں اور شرعی قاعدہ سے ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (جس سے غلامی کی حالت میں نکاح ہوا تھا) نکاح باقی رکھیں یا فسخ کر دیں اور انہوں نے اس اختیار کی بناء پر فسخ نکاح کو اختیار کیا تو انکے پہلے شوہر کو بہت رنج ہوا کیونکہ ان کو بریرہؓ سے محبت تھی اور حضرت بریرہؓ کو ان سے نفرت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر کی حالت کو دیکھ کر بریرہؓ سے فرمایا کہ اگر تم مغیث سے نکاح کر لو تو اچھا ہے۔ حضرت بریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپکا حکم ہے یا مشورہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تو انہوں نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بریرہؓ کے اس جواب سے مطلق ناگواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ مشورہ کا قانون یہی ہے کہ دوسرے شخص کو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن آجکل تو اس قاعدہ پر کوئی عمل کر کے دیکھے کہ پیر صاحب کوئی مشورہ دیں یا کسی کی سفارش کریں اور مرید نہ مانے تو پھر دیکھئے کیا حال ہو لیکن شرعاً اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں تھا تو پیر صاحب کے مشورہ پر عمل کرنا کہاں سے واجب ہو گیا۔ تو حضرت مولانا کا اتباع سنت ملاحظہ ہو کہ اس قاعدہ کلیہ میں اپنے کو بھی داخل

فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ احبب حبیبک الخ (دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو) سے بزرگوں نے اپنے کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا پس اس بناء پر بجز خاص اسرار کے جن کو اصلاح حال میں دخل ہو باقی اسرار پیر سے بھی نہ کہو۔
(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 137)

مشائخ وعلماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت

بعض مشائخ وعلماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں پھر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس سے وہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں کہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ کوئی وقت تنہائی کا ان کو نہیں ملتا ہے۔ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کر دیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب جن پر آزادی غالب تھی مگر باتیں حکیمانہ فرماتے تھے تو ان کی کوئی بات حکمت کی ہو تو اس کے بیان کرنے میں کیا حرج ہے وہ مجھے فرماتے تھے کہ دوسروں کے جوتوں کی حفاظت میں اپنی پونجی کو برباد نہ کر دینا جیسے بنارس کی حکایت سنی ہے کہ وہاں نہانے کے موقع پر ایک رئیس نے اپنے ملازم کو سامان کے پاس بٹھادیا اور خود نہانے چلا گیا سامان بہت قیمتی تھا اور نقد روپیہ بھی ساتھ تھا چوروں نے دیکھ لیا اور کوشش کی کہ کسی طرح ملازم یہاں سے اٹھے تو سامان پر قبضہ کریں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ پیتل کی اشرفیاں جیب میں بھر کر اس ملازم کے سامنے سے زمین پر گراتے ہوئے گزرے ملازم یہ سمجھا کہ سونے کی اشرفیاں ہیں اور بے خبری میں جیب کے پھٹ جانے سے گر رہی ہیں وہ حرص میں سامان کے پاس سے اٹھا کہ قریب تو ہوں ہی اور اشرفیاں جمع کرنے لگا چوروں کی ایک جماعت جو اسی انتظار میں تھی آئی اور رئیس کا سامان اٹھا کر چلتی ہوئی تو جیسے اس شخص نے پیتل کی اشرفیوں کے لئے قیمتی سامان کو برباد کیا اسی طرح بعض مشائخ غلطی کرتے ہیں۔ بہر حال ہمارے ماموں صاحب کا یہ ارشاد تھا اور واقعی سچی بات تھی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 153)

شیخ اپنی اصلاح کے لیے پڑھے

مگر اس کو مبصر شیخ ہی ادراک کرتا ہے کہ تمہارے اس فعل کا منشاء کیا ہے وہ تمہاری صورت سے پہچان لیتا ہے کہ تم جلسوں میں اس لئے شریک ہوتے ہو کہ حظ نفس ہے وعظ اس لئے کہتے ہو کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے تمہارا دل تعلقات ماسوی اللہ میں پھنسا ہوا ہے۔ یکسوئی سے کورا ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق بہت کم ہے اس لئے ایسے شخص کو نماز پڑھنے میں حظ نہیں آتا ہاں وعظ جتنا چاہو کہے لو اس میں بہت حظ آتا ہے جلسوں میں جتنا چاہو بلا لو فوراً تیار ہو جائیں گے اور اس کے متعلق کچھ احادیث یاد کر کے اپنے جی میں خوش ہیں اور وعظ کہتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ میرے

سامنے سب جاہل ہیں اور دل دل میں کہے رہے ہیں کہ آج بڑا اچھا بیان ہوا یہ حالت دل کے تباہ ہونے کی علامت ہے مولانا فرماتے ہیں۔

منصب تعلیم نوع شہوتیست * ہر خیالے شہوتے دررہ تیے است

(منصب تعلیم تیری ایک قسم کی شہوت ہے ہر خیال تیرا اس راہ میں شہوت ہے)

پھر بعض دفعہ یہ لوگوں کو اپنی تعظیم سے بھی منع کرتے ہیں مگر اس میں بھی نفس کا ایک کید ہوتا ہے جس کا کبھی مجھے اپنے اوپر بھی شبہ ہو جاتا ہے مگر میں اپنے کو متہم نہیں کرتا صرف شبہ ہی ہوتا ہے کہ یہ انکار عن الخدمت آیا اس لئے ہے کہ اپنے کو ناقابل خدمت سمجھتے ہیں یا اس لئے ہے کہ دوسرے کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہے کہ اس کو اپنی خدمت کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور جس کام میں حظ نفس ہو وہ اخلاص سے خالی ہے اور بجائے ثواب کے اس میں گناہ کا اندیشہ ہے بزرگوں نے اس حظ نفس کا معالجہ مجاہدات سے کیا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کسی شہر میں وارد ہوئے اور وہاں ان کی بہت تعظیم ہوئی تو دیکھا کہ نفس میں کچھ عجب قسم کے آثار نظر آنے لگے ہیں انہوں نے اس کا یوں علاج کیا کہ ایک روز ناشناسا حمام میں گئے اور ایک شہزادے کا قبا چرا لیا اور جا کر وہیں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ (کیونکہ سرقہ کا تو قصد تھا ہی نہیں بلکہ نفس کی بڑائی توڑنے کا قصد تھا)۔ جب شہزادے نے قبا کو غائب پایا تلاش کرنے کا حکم دیا ان بزرگ کے پاس سے ملا تو ان کی خوب درگت ہوئی۔ اسی طرح مولانا فیض حسن صاحب سہارنپوری نے ایک بار وعظ فرمایا وعظ کے بعد یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ ہاتھ چومیں گے تو آپ نے فوراً ہی ایک ساتھی سے کہا کہ بھائی اس وقت فلانی جگہ مجرا ہے آؤ، وہاں چلیں سب لوگ یہ کلمہ سن کر لاحول پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ کسی نے ان کے ہاتھ نہیں چومے۔ مگر آپ بزرگوں کے ان افعال کی تقلید نہ کرنے لگیں کیونکہ تمہارے اس فعل میں بھی حظ نفس ہو گا۔

تو صاحب غرضی اے غافل میاں خاک وخوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہری خورد آن انگبیں باشد

مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ ونکتہ است کامل راحلال * تونہ کامل مخوری باش لال

اسی لئے مشائخ نے مبتدی کو وعظ کہنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ حظ نفس کے لئے وعظ کہے گا اس کا نفس پابندی معمولات اور تنہائی سے بھاگتا ہے، مجمع میں باتیں بنانے کو دل چاہتا ہے۔ اس لئے وعظ میں اس کو مزہ آتا ہے، دوسرے ایک وجہ میرے نزدیک اور بھی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں احوال کا طریان زیادہ ہوتا ہے اس وقت اگر یہ شخص وعظ کہے گا تو اپنے حالات ہی کا بیان کرے گا کیونکہ ایسا ضبط مبتدی کو کہاں کہ دل پر آرہ چلے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 161،160)

ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں

میں نے ایک شہر میں ایک رئیس دیکھا ہے کہ پہلے وہ چھ پیسے کے مزدور تھے پھر ریلوے میں نوکر ہو گئے۔ پھر ریلوے کے ٹھیکے لینے لگے حتی کہ ترقی کرتے کرتے ہزاروں لاکھوں کے آدمی ہو گئے کہ بڑے بڑے بی اے، ایم اے کی ڈگری پاس کرنے والے ان کے یہاں ملازم تھے اور خود اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اگر ترقی کا مدار محض اسباب پر ہے تو ذرا تم بھی دوسرے کو چھ پیسہ کی مزدوری سے لاکھوں ہزاروں کا آدمی بنا دو۔ اور جس طرح اس رئیس نے ترقی کی ہے اس کو بھی وہی ذرائع بتلا دو یقینی بات ہے کہ ہر شخص ان ذرائع سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر رات دن مشاہدہ ہوتا ہے کہ آج وہ ایک کام کا ارادہ کرتا ہے جو پورا ہو جاتا ہے کل کو پھر اسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور پورا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں عرفت ربي بفسخ العزائم کہ میں نے خدا تعالیٰ کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ناکام رہنے سے پہچانا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا کوئی دوسرا کام کرنے والا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 217)

گناہوں سے نفرت عقلی حاصل کرنے کا طریقہ

البتہ اگر وسوسہ کیساتھ اس کے مقتضیٰ پر عمل بھی ہوتا ہو تو اس کی دلیل ہے کہ اس شخص کو گناہوں سے نفرت عقلی بھی نہیں اس کے علاج کی بیشک ضرورت ہے اور وہ ہمت ہے جس کی تقویت کا طریقہ یہ ہے کہ آیات عذاب و وعید میں غور کرے اور وقت موت اور عذاب قبر اور میدان حشر کا تصور کیا کرے۔ پھر سوچے کہ گناہوں سے موت کے وقت سخت پریشانی ہو گی۔ قبر میں عذاب ہو گا۔ قیامت میں سب کے سامنے ذلت و رسوائی ہو گی اور دوزخ کا عذاب الگ بھگتنا ہو گا روزانہ ایک وقت میں یہ مراقبہ اور تصور کیا کرے اور روزانہ کے اعمال کا محاسبہ کر کے گناہوں سے سچی توبہ کیا کرے اس سے چند روز میں ہمت میں قوت ہو کر نفس کی مخالفت سہل ہو جائے گی۔ اب تم اس کی فکر میں نہ پڑو کہ وسوسے تو اب بھی آتے ہیں۔ وساوس کا آنا گو مضر نہیں اور ان کا قطع کرنا تمہارے اختیار سے باہر ہے تم اس کے مکلف نہیں ہو رہا یہ سوال کہ گو یہ وساوس مضر نہیں مگر نہ آتے تو اچھا تھا یہ کیوں آتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس واسطے آتے ہیں کہ حق تعالیٰ تم کو اجر عظیم دینا چاہتے ہیں اگر تم کو گناہوں کا خطرہ بھی نہ آیا کرتا تو پھر ان سے بچنے میں تمہارا کیا کمال تھا۔ نامرد اگر زنا نہ کرے تو کیا کمال ہے اور اب گناہوں سے بچنے میں تمہارا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں خیالات تنگ کرتے ہیں اور تم سب کی مخالفت کرتے ہو اور اسی لئے انسان فرشتوں سے افضل ہے اگر اس میں گناہوں کا تقاضا بھی نہ ہوتا تو پھر اس میں اور فرشتوں میں فرق ہی کیا ہوتا۔

مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است   کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

شہوت دنیا مثل کوڑے کرکٹ کے ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن رہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص219)

صرف توجہ سے کام نہیں چلتا

سالکین کی حالت یہ ہے کہ بعض لوگ دین کے طالب بن کر شیخ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی کچھ توجہ فرما دیجئے غنیمت ہے کہ یہ لوگ عمل کو کچھ تو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی لئے گناہوں سے نفرت کا اہتمام بھی ہے مگر یوں چاہتے ہیں کہ ہمیں خود کچھ نہ کرنا پڑے سارا کام توجہ سے چل جائے۔ اگر توجہ سے اس طرح کام چلا کریں تو پھر نکاح بھی نہ کیا ہوتا بس توجہ کرالی ہوتی اس سے پلا پلایا بچہ تم کو مل جاتا۔ خوب سمجھ لو کہ کام قاعدہ ہی سے ہوتا ہے نری توجہ سے کام نہیں چلا کرتا۔

ہمت کے لئے گناہوں سے نفرتِ عقلی کی ضرورت

سو قاعدہ کی رو سے گناہوں سے بچنے کیلئے ہمت کی ضرورت ہے چند دنوں ہمت کر کے دیکھو ان شاء اللہ گناہ خود ہی کم ہو جائیں گے اور جب تم ہی ہمت نہ کرو تو توجہ کیا کرے گی اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہمت بھی کی اور گناہوں سے اس وقت بچ بھی گئے مگر گناہوں سے نفرت نہیں ہوتی تو ہمت بھی اس کی تدبیر نہ نکلی تو اس کی حقیقت سمجھ لو وہ یہ کہ ہمت کے لئے گناہوں سے نفرت عقلی لازم ہے نفرت طبعی لازم نہیں۔

بلا قصد وسوسہ گناہ نہیں

اس غلطی میں بہت سے سالکین مبتلا ہیں کہ وہ گناہوں سے نفرت طبعی کو لازم سمجھتے ہیں کہ بس کبھی دل پر وسوسہ بھی نہ آئے اس لئے ہمت کے بعد اپنے کو ناکام سمجھتے ہیں سو یہ بالکل غلط خیال ہے، وسوسہ گناہ کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ بلا قصد وسوسے کا آنا یا میلان ہونا کچھ مضر نہیں، اگر مقتضیٰ پر عمل نہ ہو تو چاہے لاکھ خطرات آتے ہوں اور کیسے گندے وسوسے آتے ہوں واللہ وہ شخص ولی کامل ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص218)

حضرات صحابہؓ کے وساوس

حدیث میں مضمون موجود ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ہمارے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذلک صریح الایمان۔ یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے۔ مگر آج کل لوگ درخواست کرتے ہیں کہ ہم سے وساوس قطع ہو جائیں اور ہم کو گناہوں سے بھی نفرت ہو جائے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صریح

الایمان فرمارہے ہیں۔اس میں ہزاروں سالک مبتلائے غم ہیں بعض لوگ مشائخ کے پاس آتے ہیں کہ حضور دعا کیجئے ہم مقبول ہو جائیں مگر خود مقبول بننے کے کام نہیں کرتے تو بڑی غلطی ہے اور دین دار بکثرت اس مرض میں پھنسے ہوئے ہیں۔(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 223)

دوسروں کی دلجوئی بھی عبادت ہے

حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت میں نے اپنے بچپن کے استاد سے سنی ہے کہ ایک دفعہ وہ دیر تک حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بیٹھے رہے پھر اٹھتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے حضرت کی عبادت کا بہت حرج کیا تو فرمایا کیا عبادت صرف نفلیں ہی پڑھنے کا نام ہے دوستوں کی دلجوئی اور ان کے ساتھ باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے۔یہ حکایت ہم لوگوں کے لئے مضر ہوگئی کہ ہم اپنی حالت کو حاجی صاحبؒ کی حالت پر قیاس کر کے دوسروں کی دلجوئی کو مطلق عبادت سمجھنے لگے اور اس کے لئے اپنے معمولات کو برباد کرنے لگے۔صاحبو! حضرت حاجی صاحبؒ کی حالت کو دوسرے واقعات سے سمجھو کہ وہ کس مقام پر تھے کیونکہ واقعات ہی سے قلبی حالت کا پتہ چلتا ہے۔چنانچہ ایک بار حضرت کی مجلس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ جمعہ و عید کے دن عطر کس نیت سے لگانا چاہیے۔ہر ایک نے مختلف وجوہ بیان کئے۔حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہم تو اس نیت سے لگاتے ہیں کہ اللہ میاں کو اچھے لگیں۔یہ بات میں نے اور کسی بزرگ کے کلام میں نہیں دیکھی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 243)

ایک بزرگ سے سانپ بیعت ہوا

ایک بزرگ سے سانپ بیعت ہو گیا تھا آپ نے اس سے عہد لیا کہ کسی کے کاٹنا نہیں اس نے عہد کر لیا یہ خبر جانوروں کو بھی ہو گئی تو سب نے آکر اسے تنگ کرنا اور نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا کیونکہ اس سے تو اطمینان تھا کہ یہ کاٹے گا نہیں چند روز کے بعد ان بزرگ کا جنگل میں سے گزر ہوا تو سانپ کو زخمی برے حال میں دیکھا پوچھا کیا ہوا تو مردہ کیوں ہو رہا ہے کہا حضرت میری بیعت و عہد کا حال جانوروں کو معلوم ہو گیا اب سب مجھے مارتے اور تنگ کرتے ہیں اگر میں کچھ کہوں تو بیعت ٹوٹتی ہے۔فرمایا میں نے کاٹنے سے منع کیا ہے پھنکارنے سے منع نہیں کیا اب کے کوئی تیرے پاس آئے تو پھن اٹھا کر پھنکار دیا کر جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ ہو کہ کاٹنا چاہتا ہے اب غریب کو چین ہوا اور جانور دور بھاگنے لگے اسی طرح بزرگوں کو بھی بعض دفعہ پھنکارنے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ سر نہ چڑھ جائیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 165)

صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ

لیکن صاحب ہدایہ نے جو نکتہ لکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو کسی قدر ریشم پہننا طاعت بھی ہو جائے گا اور اس نیت سے ریشم پہننے پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں لیکون انموذجالحریر الجنة یعنی قدر قلیل حریر کی اجازت اس لئے دی گئی تا کہ اس کو دیکھ کر حریر جنت یاد آئے اور اس کی تحصیل کی کوشش کریں۔ اب اگر کوئی اس نیت کو کام میں لائے اور ریشم کا استعمال حریر جنت کا نمونہ سمجھ کر کرے اس کو ضرور اس نیت پر ثواب ملے گا۔ سو واقعی صاحب ہدایہ نے کیسا عجیب نکتہ بیان فرمایا جس سے ایک مباح کو طاعت بنانے کا طریقہ بتلادیا پھر یہ نکتہ حریر ہی کے ساتھ خاص نہیں اس سے تمام نعمتوں میں کام لیا جاسکتا ہے۔ آپ ایک لذیذ کھانا اپنی حیثیت کے موافق کھائیں تو اس کا کھانا صرف مباح ہے اور اس حیثیت سے کھائیں کہ نعماء جنت کا نمونہ ہے اس سے آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اس میں ثواب بھی ملے گا حقیقت میں فقہاء اور صوفی حکماء امت ہیں اور آج کل چاہے کوئی کتنا پڑھے مگر وہ بات کہاں سے لائیگا جو ان حضرات میں تھی۔ خوب کہا ہے۔

شاہد آں نیست کہ موی ومیانے دارد ۔ بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوب وہ ہے جو ایک آن اور ادا رکھتا ہو جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ اور یہ کہ نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرلے لازم نہیں کہ اس میں دلبری کی شان ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو۔

ہزار نکتہ باریک ترز مو ایں جاست + نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

سر منڈوانے سے قلندر نہیں ہوتا بلکہ اس جگہ ہزاروں نکتے بال سے زیادہ باریک ہیں۔

محقق کی شان

یہ بات نہیں کہ جو کوئی کتابیں پڑھ لے وہ محقق ہو جائے اور خدا تعالیٰ نے اس امت میں ہر زمانے کے اندر محقق پیدا کئے ہیں ان کی یہ شان ہوئی ہے کہ کتابیں پڑھنے والے ان کے برابر نہیں ہوسکتے نہ کوئی ان کے ساتھ مزاحمت کرسکتا ہے اور وہ وہاں پہنچتے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا اسی کو کہتے ہیں

بینی اندر خود علوم انبیاء * بے کتاب وبے معین واستا

بلا واسطہ کتاب ومعین واستاد اپنے اندر انبیاء جیسے علوم پاوے گے۔

کہ ان کو استاد کی ضرورت ہے نہ کتاب کی مگر علوم کا دریا بلاواسطہ قلب پر موجزن ہے۔ لوگ غزالیؒ اور رازیؒ کو یاد کرتے ہیں۔ مگر آج بھی غزالیؒ اور رازیؒ موجود ہیں لیکن لوگ ان کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی قدر زیادہ کرنی چاہئے کیونکہ جتنا نفع ہم کو ان سے ہو سکتا ہے غزالیؒ اور رازیؒ سے ہم کو نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی حضرت حاجی صاحبؒ سے محبت

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ جمع ہوں تو ہم تو جنید بغدادیؒ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس ہم تو حاجی صاحبؒ ہی کو دیکھتے رہیں گے۔ ہاں حاجی صاحبؒ اگر چاہیں تو حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھیں وہ ان کے لئے جنیدؒ ہو سکتے ہیں۔ ہمارے جنیدؒ تو حاجی صاحبؒ ہی ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص 363،362)

صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں

حدود شرعیہ میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ نہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل الصدقة ماكان عن ظهر غنى بہتر صدقہ وہ ہے کہ دے کر بھی کچھ پاس رہے وابدأ بمن تعول۔ شروع کروان لوگوں سے جن کا نفقہ تمھارے ذمہ لازم ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا نہ چاہئے۔ دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ اور ملا لیجئے وہ یہ کہ صدقہ تمام نفقات سے افضل ہے اب نتیجہ یہ نکلا کہ جب صدقہ میں قید ہے کہ وسعت سے زائد خرچ نہ کیا جائے تو پھر اپنے لباس میں اس کی کہاں اجازت ہوگی کہ وسعت سے زیادہ خرچ کیا جائے یہ تو حدیث کا مضمون ہے رہی یہ بات کہ اس حدیث کا راز کیا ہے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا ممنوع کیوں ہوا۔ سو وہ راز یہ ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ کرنے والا قرض لے گا اور قرض لینا بلاضرورت جائز نہیں کیونکہ اس سے پریشانی ہوتی ہے اور خواہ مخواہ اپنے کو پریشانی میں ڈالنا جائز نہیں نیز بعض دفع قرض لینے سے ذلت بھی ہوتی ہے اور اپنے کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں حدیث میں ہے:

لا ينبغي للمؤمنين ان يذل نفسها مسلمان کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے قالوا یارسول الله وكيف يذل نفسه قال تحمل من البلاء لمالا يطيقه صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان اپنے کو ذلیل کیونکر کیا کرتا ہے فرمایا کہ اپنے سر پر ایسی بلا لے لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ کس درجہ کی محبت ہے کہ آپ کی ذلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہیں اس پر بھی مسلمان احکام شریعہ کی قدر نہیں کرتے تو قرض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابواب غیر مباحہ کی طرف نظر جائے گی ذلیل کام کرنے لگے گا کہیں جوا کھیلے گا، کہیں جھوٹی شہادت دے گا، کہیں رشوت لے گا۔ دھوکہ دے

کر، کبھی ظلم کر کے لوگوں کا مال دبانا چاہے گا۔ چنانچہ ایک زمیندار کی حکایت کی ہے کہ وہ کسی بنئے کا قرض دار تھا اور قرض بھی سودی تھا اور پاس کچھ تھا نہیں۔ یہ کاہے کی بدولت فقط اسراف کی بدولت کہ گنجائش زیادہ نہیں اور خرچ بہت کرتا تھا۔ جب قرض زیادہ ہو گیا۔ مہاجن نے مطالبہ کیا کہلا بھیجا کہ اچھا بھائی لے آؤ اور مجھ سے وصول کر کے اس پر دستخط کر دو وہ لالچ کے مارے بھائی کو لے کر پہنچا۔ اس زمیندار نے وہاں ایک قبر کھدوار کھی تھی، مہاجن سے کہا کہ یا تو وصولیابی کے دستخط کر دو ورنہ یہ قبر تمہارے لئے ہے۔ آخر دستخط کرنا پڑے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال لینے اور دبانے میں کیا حرج ہے مگر محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر مال مارنا ہے تو مسلمان ہی کا مارو۔ کیونکہ قیامت میں اگر کسی کا حق تمہارے ذمہ ہو تو وہ تمہاری نیکیاں لے لے گا۔ تو نیکیاں دینا ہے تو بھائی مسلمان ہی کو دو کافر کو کیوں دیتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ شریعت اسلامیہ ایسی نہیں کہ وہ اپنے ہی لوگوں کی رعایت کرے۔ دوسرے کی رعایت نہ کرے۔ شریعت اسلامیہ نے اپنے مخالفین کی جیسی رعایت کی ہے کسی نے بھی ایسی رعایت نہیں کی یوں دعویٰ تو جس کا جی چاہے کر دے مگر عمل کر کے بھی تو کوئی دکھلائے مگر افسوس ہے کہ اہل اسلام کی قدر دوسری قوموں نے بہت کم کی ہے چنانچہ آج دیکھئے ان کے ساتھ کیسے کیسے معاملات کئے گئے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 25، ص379،378)

جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں

اس لئے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر جنازہ کی نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو وضو کر کے جنازہ پر چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ دیا کرو نماز ہو جائے گی اس لئے کہ چار تکبیریں ہی اس میں فرض ہیں اور درود و دعائیں سنت ہیں۔ بعض نے میرے اس مسئلے پر انکار کیا اور وہ بھی ایسے لوگوں نے جو جاہل، علم دین سے کبھی مس نہیں رکھتے۔ بات یہ کہ جاننے والوں پر اعتماد نہیں، خود علم نہیں تو جو دل میں آئے گا کہیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 25، ص404)

چھبیسویں جلد کے جواہر

احکام شرعیہ میں اختلاف کا سبب

رہا یہ سوال کہ جب وحی ہر چیز کا حکم بے تردد بیان کرتی ہے/تو شرعی احکام میں اختلاف کیوں ہوتا ہے ایک عالم کسی بات کو فرض کہتا ہے اور دوسرا ناجائز اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف و تردد خود وحی میں نہیں بلکہ اس کے سمجھنے میں فہم مختلف ہوتا ہے اس سے یہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال نور آفتاب ہے کہ نور ایک ہے لیکن قوی البصر کو سب چیزیں صاف نظر آتی ہیں اور ضعف البصر کو دھندلی اور رنگین۔ تو یہ اختلاف نور کا اختلاف نہیں بلکہ ابصار کا اختلاف ہے اسی طرح وحی میں قصور نہیں فہم کا تصور ہے۔ الحاصل ہر حالت کے حسن و قبح کو وحی سے دریافت کرنا چاہیے عقل پر اس کا مدار نہ رکھنا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 29)

عشق الٰہی کی حد

شوق لقاء اللہ جس کا ترجمہ عشق الٰہی سے کرنا بہت مناسب ہے اس کے لئے کوئی حد کسی کے ذہن میں نہیں ہوگی چنانچہ اہل اللہ کی فضیلت میں بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب ہمہ تن غرق تھے عشق خداوندی میں اور محو تھے عشق الٰہی میں۔ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ غرض یہ ایسی چیز مانی جاتی ہے کہ جس درجہ میں بھی ہو اس کو محمود اور مطلوب سمجھا جاتا ہے لیکن شریعت نے اس کی بھی حد بیان فرمائی ہے۔ جہاں شوق الٰہی لقاء اللہ کی دعا ہے وہاں دو حدیں بھی اس کی بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة یعنی شوق لقاء اللہ ہو مگر اس کے ساتھ نقصان دینے والی مضرت، گمراہ کرنے والا فتنہ نہ ہو۔ یعنی محبت اس درجہ نہ بڑھ جائے کہ ان دونوں کی نوبت آجائے۔ یہ بالکل نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ عشق الٰہی کے لئے بھی کوئی حد مقرر کی جائے لیکن جب آپ اس کی حقیقت سنیں گے تو یہ تعجب جاتا رہے گا۔ یہ تحقیق علماء ظاہر کا حصہ نہیں ہے۔ اس کو صوفیہ سے پوچھو وہ ان دونوں نقصانوں کو بیان کرتے ہیں ضراء مضرۃ کا بیان یہ ہے کہ شوق میں حرارت بڑھتی ہے اور یہ جب حد افراط کو پہنچ جاتا ہے تو حرارت بدن کو گھلا دیتی ہے حتی کہ رطوبات اصلیہ تک تحلیل ہونے لگتی ہیں اس سے بیماری کی نوبت آجاتی ہے اور بہت سے اعمال سے آدمی رہ جاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ پہلے نماز کھڑے ہو کر پڑھتا تھا اب بیٹھ کر پڑھنے کی نوبت آگئی پھر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھی جاتی لیٹ کر پڑھنے لگے اور وہ حرارت دم بدم بڑھتی جاتی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ کم ہو حتی کہ رطوبات

تحلیل ہو گئیں اور دم نکل گیا بس خاتمہ ہو گیا اور سارے اعمال بند ہو گئے۔ اگر زندہ رہتے تو نماز روزہ تلاوت سب اعمال بڑھتے اور ان کے مدارج بڑھتے رہتے یہ سب ندارد ہو گئے غرض نقصان پہنچا۔ عمر گئی ہوئی پھر کہاں آتی ہے۔ یہ مراد ہے ضراء مضرۃ سے، کہ اتنا شوق نہ ہو کہ جسم کو مضرت پہنچے۔ نقصان دنیا کا نہیں ہے بلکہ دین کا ہے کیونکہ دین تو اعمال ہی کا نام ہے اور وہ جسم کی بناء پر موقوف ہیں اور افراط شوق سے جسم باقی نہیں رہتا تو اعمال واقع نہیں ہوتے اور دین کا نقصان ہوتا ہے اس واسطے اس سے پناہ مانگی ہے۔ ایک حد تو یہ ہوئی۔ دوسری حد فتنہ مضلہ ہے اس کا بیان بھی اہل ظاہر نہیں کر سکتے۔ پھر صوفیہ کے پاس چلو۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ جب شوق حد سے بڑھتا ہے تو ادب نہیں رہتا اس سے بے تکلفی اور اس کے بعد گستاخی کی نوبت آجاتی ہے اور یہ مضر ہے کیونکہ کہاں بندہ کہاں خدا، کہاں حادث کہاں قدیم، کہاں فانی کہاں باقی دونوں میں کیا مناسبت کیسی بے تکلفی، بے تکلفی برابر والوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے گو لوگ گستاخی اور بے تکلفی کے کلمات کہنے کو کمال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں فلانے مست ہیں اور مجذوب ہیں اور خدا کے پیارے ہیں۔ صاحبو! یہ خیال اسی وقت تک ہے جب تک کہ اس کی حقیقت ذہن میں نہیں آتی۔ اور اس کی حقیقت اس وقت ذہن میں آسکتی ہے جبکہ اپنی نسبت حق تعالٰی کے ساتھ ذہن میں آوے۔ سو بندے کو خدا کے ساتھ کیا نسبت۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے جس کو بیان کر کے سمجھایا جائے اور اس نظیر سے یہ نسبت کچھ ذہن میں آسکے، بلا تشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ادنیٰ درجہ کا بندہ نجاست میں آلودہ، بھنگی چمار، ایک ہفت اقلیم کے بادشاہ کے ساتھ دعویٰ محبت کا کرے اور بے تکلفی و گستاخی کے الفاظ بکنے لگے۔ یہ بھی ایک بالکل ناتمام اور کالعدم نظیر ہے کیونکہ بھنگی یا چمار گو کیا ہی ذلیل خوار گندہ اور بری حالت میں ہے لیکن بادشاہ کے ساتھ بہت سی باتوں میں مجانست اور مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے مثلاً انسان وہ بھی ہے اور یہ بھی۔ جسطرح ماں باپ سے وہ پیدا ہوا ہے یہ بھی پیدا ہوا ہے جس طرح وہ کھاتا پیتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ غرض بہت سی باتوں میں اس کو مماثلت ہے اور جس کے واسطے یہ نظیر دی گئی ہے یعنی بندہ اور خدا۔ ان دونوں میں کسی بات میں بھی مماثلت نہیں تو ایسی صورت میں یہ نظیر بالکل بے کار اور کالعدم ہے لیکن کیا کیا جاوے حقیقی نظیر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا تقریب الفہم کے لئے اسی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس ناتمام نظیر ہی میں فرمایئے کہ کیا کوئی عقلمند اس کو معذور سمجھے گا اور اس بے تکلفی کو اس کے کمال کہے گا اور کیا اس صاحب جلال و جمال بادشاہ کو اس پر غیظ نہیں آئے گا سوائے اثبات کے جواب نفی میں نہیں ہو سکتا تو اب میں کہتا ہوں۔ صاحبو! ذرا ہوش کی باتیں کرو! کہاں بندہ اور کہاں ذات حق جل جلالہ اپنے سے برابر والے اور اپنے ہم جنس محبوب کے ساتھ بھی بے تکلفی کے کلمات کہنا بعض وقت باعث ملال خاطر ہو جاتا ہے پھر کہاں وہ محبوب جس سے بندہ کو کوئی تعلق سوا تعلق تبائن کے نہیں اور کسی

قسم کی مناسبت اور مجانست اور مشابہت نہیں اس کے ساتھ گستاخی جس قدر بری ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد26، ص68،69،70)

حصول خوف کا طریق

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں) اس کے حاصل ہونے کا طریقہ بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ گویا ایک گر ہے اور میرے تمام وعظ کا گویا خلاصہ ہے اور وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وہ یہ ہے

وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ یعنی فکر آخرت کیا کرو اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر لو مثلاً سوتے وقت بلاناغہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے اور مر کر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے مرنے سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں سب کو سوچا کرو کہ ایک دن وہ آئے گا کہ ایک دن میرا اس دار فانی سے کوچ ہو گا سب سامان، مال اسباب، باغ، نوکر، چاکر، اولاد، بیٹا، بیٹی، ماں، باپ، بھائی، خویش، اقارب، دوست، دشمن سب یہیں رہ جاویں گے میں تن تنہا سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جالیٹوں گا اور وہاں دو فرشتے آویں گے اگر میرے دن بھلے ہیں تو اچھی صورت میں ورنہ خدانخواستہ ڈراونی صورت میں نہایت ہولناک آواز سے آ کر سوالات کریں گے پس اے نفس! اس وقت کوئی تیرا مددگار نہیں ہو گا تیرے اعمال ہی وہاں کام آویں گے اگر سوالات کے جواب درست ہو گئے سبحان اللہ جنت کی طرف کی کھڑکی کھل جائے گی اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا تو قبر حفرة من حفر النار (دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) ہو گی اس کے بعد تو قبر سے اٹھایا جائے گا اور نامہ اعمال اڑائے جاویں گے۔ حساب کتاب کے لئے پیش کیا جائے گا پل صراط پر چلنا ہو گا نفس تو کس دھوکے میں ہے اور ان سب واقعات پر تیرا ایمان ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ یہ ہو کر رہیں گے، پھر کیوں غفلت ہے اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اے نفس! تو ہی اپنا غمخوار بن اگر اپنی غمخواری نہ کرے گا تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیر خواہ ہو گا اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے، میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ چند ہی روز کے بعد دیکھو گے کہ خوف پیدا ہو گا اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہو گی اور آئندہ کے لئے اطاعت کی توفیق ہو گی اس وقت آپ کو مشاہدہ ہو گا اتقوا اللہ پر کیسے اصلاح اعمال و محو ذنوب مرتب ہو گئے آگے فرماتے ہیں وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا یعنی جو شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے وہ بے شک بڑی کامیابی کو پہنچا، یُطِع میں اشارہ ہے کہ جو شخص خوشی سے کہنا ماننے اس کے لئے یطوع سے مشتق ہے اور خوشی سے کہنا ماننا بدون محبت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوتا۔

اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ

اور اللہ کی محبت کے حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر کے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سرتاسر عنایات اور نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یُطِع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی۔ اطاعت خوشی سے ہوگی ادھر محبت ہوگئی اور پہلے جو طریقہ بیان کیا اس سے خوف ہوگا یہ دونوں شی آپ کے دین دنیا دونوں درست کر دیں گے اور بڑی کامیابی سے یہی مراد ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 146،145)

دعائے مغفرت مطلوب ہے

اس وقت مجھے یاد آگیا قصہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا کی اللهم اعصمنی کہ اے اللہ مجھے گناہوں سے بچایئے ارشاد ہوا کہ اگر سب یہی دعا کرنے لگیں تو رحمت و مغفرت کا ظہور کہاں ہوگا۔ اللهم اغفرلی (اے اللہ! میری مغفرت کر) کیوں نہیں کہتے وہ اس میں بتلا دیا گیا ہے کہ جس طرح حفاظت مطلوب ہے مغفرت بھی مطلوب ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا لو لم تذنبوا لجاء الله بقوم یذنبون فیستغفرون الله فیغفر لهم، (ترجمہ) اگر تم گناہ نہ کرو حق تعالیٰ ایسی جماعت کو پیدا کریں گے جو گناہ کریں پھر استغفار کریں اور ان کی مغفرت کی جائے) اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہم سے مقصود ہے اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم گناہ کیا کریں۔ بلکہ گناہ سے جو ضعف و عجز ظاہر ہوتا ہے وہ مقصود ہے پس اگر کہیں بدون صدور گناہ ہی کے ضعف و عجز پیدا ہو جائے جیسے انبیاء علیہم السلام باوجود عصمت کے جس قدر اپنے کو گنہگار خطاوار سمجھتے ہیں ہم گنہگار ہو کر بھی اپنے کو اتنا گنہگار نہیں سمجھتے اور جس قدر وہ حق تعالیٰ سے خوف و خشیت رکھتے ہیں ہم مجرم ہو کر بھی اتنا تو کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی خوف نہیں رکھتے تو اگر ہم لوگ گناہوں میں مبتلا نہ کیے جاتے تو نہ معلوم ہماری کیا حالت ہوتی، جب ہم گنہگار ہو کر بھی اپنے کو کچھ زیادہ گنہگار نہیں سمجھتے تو معصوم ہو کر نہ معلوم ہم اپنے کو کیا کچھ مقدس سمجھتے اور ہمارے عجب کی کیا حالت ہوتی۔ اس لئے بھی ہم کو گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جس سے ہمارا وہ عجب توڑ دیا جاتا ہے جو طاعات واذکار سے کبھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور وہ خیال تقدس پارہ پارہ ہو جاتا ہے جو کچھ دنوں تہجد اور مراقبات کی پابندی سے دل پر گزرنے لگتا ہے۔ تو جیسے ہم کو حفاظت کی ضرورت ہے اسی طرح مغفرت کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم کو تنبیہ کی گئی عصمت کی دعا کیوں کرتے ہو۔ اس کے ساتھ دعائے مغفرت کیوں نہیں ملاتے۔ اس کے علاوہ اللهم

اعصمنی (اے اللہ! مجھے گناہوں سے بچایئے کے ساتھ اللھم اغفرلی اے رب! مجھے بخش دیجئے) لانے میں ایک اور بھی حکمت ہے جس پر نظر کر کے اس کا ملانا بہت ضروری ہو گیا وہ یہ کہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے حق تعالیٰ مجیب الدعوات ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد26، ص150)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دبدبہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کی یہ حالت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ دفعتہً آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سب مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر پڑے حالانکہ یہ وہ حضرات تھے جو حضرت عمرؓ کے مرید نہ تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیر بھائی تھے جن میں گونہ مساوات ہوا کرتی ہے مگر ان پر بھی آپ کا اس قدر رعب تھا مگر شاید اس میں کوئی یہ شبہ نکالے کہ وہ حضرات معتقد تو تھے تو سنئے کہ غیر معتقدین پر بھی آپ کے رعب کی ایسی شان تھی کہ ایک مرتبہ سفیر روم بڑی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور شہر میں داخل ہو کر لوگوں سے دریافت کیا کہ خلیفہ کا قصر کہاں ہے۔

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم تا من اسپ درخت را آنجا کشم

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست مر عمر را قصر جان روشنے ست

(کہنے لگا اے لوگو! خلیفہ کا محل کہاں ہے تاکہ میں وہاں حاضر ہوں لوگوں نے کہا کہ ان کا کوئی محل ظاہری نہیں ہے ان کا محل ان کا قلب روشن ہے)۔

اس موقع پر حضرت مولانا پر گریہ طاری ہو گیا مگر بہت ضبط سے کام لیا) لوگوں نے کہا کہ عمرؓ کے لئے نہ قصر ہے نہ ایوان ہے بس ان کا تو دل ہی قصر وایوان ہے۔ قاصد کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ خلیفہ جس کے نام سے سلاطین کانپتے ہیں اس کے نہ محل نہ قصر یہ کیا معاملہ ہے پھر اس نے پوچھا کہ آخر وہ کہاں بیٹھا کرتے ہیں لوگوں نے کہا مسجد میں آ کر بیٹھا کرتے ہیں اور کبھی بازاروں میں، گلی کوچوں میں اور کبھی جنگل میدانوں میں گھومتے پھرتے ہیں تلاش کر لو تمہیں مل جائیں گے۔ اب وہ آپؓ کی تلاش میں چلا معلوم ہوا کہ ابھی جنگل کی طرف تشریف لے گئے ہیں سفیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ بھی بادشاہ ہے جو تنہا بازاروں جنگلوں میں پھرتا ہے۔ ساتھ میں پہرہ دار ہیں نہ پولیس آخر وہ جنگل کی طرف چلا جس وقت اس باغ کی حد میں قدم رکھا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑے سو رہے تھے قدم رکھتے ہی اس کے دل پر ہیبت و رعب نے غلبہ کیا کیونکہ جنگل میں ایک خدا کا شیر پڑا ہوا تھا اور قاعدہ ہے کہ جہاں شیر پڑا ہوتا ہے اس جنگل میں قدم رکھتے ہی بڑے بڑے بہادروں کے دل کانپ جاتے ہیں۔ اب اس سفیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس شخص کے پاس نہ کوئی پہرہ چوکی ہے نہ جاہ و حشم ہے نہ ساز و سامان ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ صورت دیکھنے سے پہلے ہی

میرا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے یہاں تک کہ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک خدا کا شیر جنگل میں تن تنہا پڑا سو رہا ہے نہ اسے کسی دشمن کا خوف ہے نہ جاسوس کا ڈر، سر کے نیچے ایک اینٹ تکیہ کے بجائے رکھی ہے نہ کوئی فرش ہے نہ بستر بس گلے میں ایک تلوار پڑی ہوئی ہے اور بے فکر سو رہے ہیں۔ اس حالت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ سفیر کے دل میں خلیفہ کی بے وقعتی ہوتی مگر یہاں برعکس معاملہ یہ ہوا کہ صورت دیکھتے ہی سفیر روم لرزنے لگا جونہی نظر پڑی ہے پیر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ سفیر اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں نے تو بڑے بڑے سلاطین کے دربار دیکھے ہیں جن کے دربار میں رعب وداب کے ہزار سامان ہوتے تھے مگر مجھ پر کسی کا رعب طاری نہ ہوا آج کیا بات ہے کہ اس بے سروسامان شخص کے رعب سے میرا پتہ پانی ہوا جاتا ہے آخر اس شخص کے اندر کیا چیز ہے کہ میری رگ رگ میں اس کے دیکھنے سے لرزہ پیدا ہو گیا، بے شک۔

ہیبت حق است وایں از خلق نیست ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

(یہ ہیبت درحقیقت حق تعالیٰ کی ہوتی ہے اس مخلوق یا اس گدڑی والے کی نہیں ہوتی)

یہ خدائی رعب وجلال تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ بالآخر سفیر روم کو ہمت نہ ہوئی کہ حضرت کو خود جگائے وہ تو اپنی جگہ دیر تک کھڑا کانپتا رہا، کچھ دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ہی بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک پردیسی اجنبی کھڑا کانپ رہا ہے۔ آپ نے اس کو پاس بلایا اور تسلی دی۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دبدبہ و ہیبت

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفیروں کو مرعوب دیکھ کر فرمایا تھا کہ تم مجھ سے اتنا کیوں ڈرتے ہو میں تو اس غریب عورت کا بچہ ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ کی باتیں سننے کے بعد ہیبت مبدل بہ محبت ہو گئی اور سفیر کو آگے بڑھنے اور بات چیت کرنے کی ہمت ہوئی جس کے بعد وہ سمجھ گیا کہ واقعی مذہب اسلام حق ہے۔ پھر وہ اسلام سے مشرف ہو گیا یہ تو حضرات صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت تھی ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے لوگوں کو ان سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 168،167)

بزرگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو اگر کسی نے خلاف قاعدہ اور کج خلقی کا بھی برتاؤ کیا تو اس سے بھی چین بجبیں نہیں ہوئے ایک مرتبہ چند بدویوں نے آگھیرا کہ کچھ دلوایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہوگا تو دینے سے انکار نہیں۔ بدویوں نے چادر مبارک پکڑ کر گھسیٹا جس سے کنی کے نشان گردن مبارک پر پڑ گئے۔

اور آپ ﷺ فرماتے ہیں رُدوا علی رِدائی یعنی میری چادر تو دے دو، نہیں معلوم آج کل کیسی بزرگی بزرگوں میں آ گئی ہے کہ اگر کسی سے اپنے نفس کے خلاف کوئی بات سنتے ہیں تو قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور ایسی تعلیمیں دی جاتی ہیں کہ جس سے کبر بڑھے۔ یاد رکھو کہ یہ سب سنت کے خلاف ہے۔ بزرگی اس لئے نہیں ہے کہ اس سے کچھ دنیوی نفع ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 216)

گناہوں میں الجھے ہوؤں کو وصیت

جو لوگ سیئات میں الجھے ہوئے ہیں ان کو میں دو باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ جو وقت فرصت کا ہے اس میں ذکر اللہ کی کثرت کریں۔ کہ اس سے عمل میں برکت ہوتی ہے۔ اور عمل کی توفیق ہوتی ہے۔ اور ہر عمل صالح میں اس کی نیت رکھیں کہ اس سے باطن کی اصلاح ہو کہ اس سے وہ عمل موصوف بصالح ہوتا ہے۔ پھر ممکن نہیں کہ اس کا اثر مختلف ہو۔ اور دوسرے یہ کہ گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیا کریں کہ یہ اعتراف ہے۔

حدیث شریف میں ہے

كلكم خطاؤن وخير الخطائين التوابون

یعنی تم سب خطاکار ہو اور بہتر خطاکاروں کے توبہ کرنے والے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شفقت ہے کہ خطا اور جرائم بھی کریں۔ اور ان کو خیر بھی کہا جاوے۔ یہ صرف برکت توبہ کی ہے اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس کے بعد اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔) صاحبو! ایسا بھی کوئی آقا اور مولیٰ دیکھا ہے کہ اس کی نافرمانی کریں اور وہ خود تعلیم کرے کہ ہم سے معافی چاہو۔ اور اسی پر بس نہیں۔ اگر کوئی توبہ کرنے اور بخشش چاہنے سے شرمائے کہ کس منہ سے توبہ کروں میرا کیا منہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگوں تو اس کو ارشاد ہے وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ: یعنی شرمانے کا موقع تو جب تھا کہ خدا کے سوا کوئی اور ٹھکانا ہوتا۔ خدا کے سوا کون گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

ایک عجیب حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص آلودہ نجاسات چلا جا رہا تھا۔ دریا نے کہا کہ میرے پاس آ میں تجھے پاک کر دوں۔ اس نے کہا کہ میں آلودہ ہوں کیسے آؤں پاک ہو کر آؤں گا۔ دریا نے کہا کہ میاں صاحب شرم کو چھوڑ و جب پاک ہو گے مجھ ہی سے یا میرے ہی کسی جزو سے ہو گے۔ اور اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام

عمر ناپاکی اور آلودگی میں گزر جائے گی تو صاحبو! خدا تعالیٰ کا تعلق ہی ایک ایسی شے ہے کہ جو تم کو پاک صاف کرے گی۔ پھر تعلق و توجہ میں پاکی کا انتظار کیا معنے۔ پس کیسے ہی برے ہو جاؤ مگر اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ چھوڑو۔ گناہوں کا ہو جانا عجیب نہیں۔ مگر خدا کے ساتھ تعلق اور اللہ والوں سے تعلق بھی خدا ہی سے تعلق رکھنا ہے۔

اہل اللہ سے ہر حال میں وابستگی کی ضرورت

پھر کسی حال میں اہل اللہ سے بھی قطع تعلق نہ کرو بعض آدمی شرمایا کرتے ہیں کہ ہماری داڑھی کٹی ہوئی ہے۔ پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہیں۔ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں ہم بزرگوں کی خدمت میں کس طرح جاویں تو اس کا کچھ خیال نہ کرنا چاہے تم اسی حال میں ان کے پاس حاضر ہوا کرو۔ اور اگر اس کا انتظار کرو گے کہ جب حالت درست ہو گی تو جاویں گے تو ساری عمر اسی حالت میں گزر جائے گی۔ اس لئے کہ حالت تو درست ان کے پاس جانے ہی سے ہو گی۔ جب آتے جاتے رہو گے تو ضرور شرم آوے گی۔ اور ان گناہوں کا ترک آسان ہو جائے گا۔ اور ان کو بھی ان کے حال پر توجہ ہو گی کبھی نہ کبھی دعا کر دیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص126،125)

پیروں کے لئے سمجھنے کی بات

مطلب یہ ہے کہ گو تمہارے قلب کی حیات معاصی اور مباحات کے کثرت اشتغال سے ضعیف ہو گئی ہے لیکن تم ناامید نہ ہو اس کی تدبیر اور علاج ہے کہ اس کے استعمال سے وہ دولت پھر عود کر سکتی ہے اور وہ تدبیر مجاہدہ ریاضت اور کثرت ذکر و شغل اور کثرت مراقبات سے اس تدبیر سے قلب کی حیات رفتہ رفتہ پھر عود کر آئے گی اور اس کا نمونہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ دیکھو زمین بالکل خشک ہو جاتی ہے کہ خشک ہو جانا بمنزلہ موت کے ہے حق تعالیٰ اس کو سرسبز و شاداب فرما دیتے ہیں جو بمنزلہ اس کی حیات کے ہے اور قاعدہ ہے کہ نمونہ کے حال سے ذی نمونہ کا حال معلوم ہوا کرتا ہے تو نمونہ یعنی زمین کے اندر دیکھو کہ کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں جس سے وہ زندہ ہو جاتی ہے جو تدبیر اس کی زندگی کی ہے اس کے مشابہ قلب کی حیات کی تدبیریں ہوں گی زمین کو اول کھودتے ہیں اس میں ہل چلاتے ہیں یہاں اس کے مشابہ مجاہدہ و ریاضت ہے تخم پاشی کرتے ہیں یہاں ذکر کا تخم ڈالو جب اس میں کھیتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی نگہداشت کی جاتی ہے یہاں بھی جب قلب میں کوئی دولت پیدا ہو جائے تو اسکی حفاظت کرو جس کو مراقبہ کہا جاتا ہے زمین میں پانی ڈالتے ہیں تا کہ کھیتی بڑھے یہاں پانی توبہ کا اور اخلاق حمیدہ کا دو اور ناامیدی مت کرو تدبیر کرو جس طرح خشک زمین تدابیر سے سرسبز و شاداب ہو گئی ہے اسی طرح تمہارا قلب بھی تدبیر سے زندہ ہو جائے گا۔ حاصل تمام تقریر کا یہ ہوا کہ معاصی کے علاوہ قساوت کے دو سبب اور ہیں مباحات کے اندر وسعت کرنا اور مباحات میں حد سے زیادہ تنگی کرنا اور معالجہ استغفار اور مجاہدہ و ذکر ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص255،254)

حسد بہت مخفی مرض ہے

حسد بہت مخفی مرض ہے بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور حسد اسی کا نام نہیں کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر جی خوش ہو بلکہ یہ بھی حسد ہے کہ دوسرے کی چیز دیکھ کر اس کے پاس سے زوال کی خواہش ہو تو دیکھئے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے یا نہیں کہ کسی کا سامان دیکھ لیا یا گھوڑا دیکھ لیا یا زیور دیکھ لیا تو خواہش ہوتی ہے کہ یہی بعینہ ہمارے پاس آجائے۔ اس کے کیا معنی ہیں سوائے اس کے کہ ان سے چھن جائے۔

حسد اور غبطہ میں فرق

ورنہ اس کے بعینہ منتقل ہونے کی خواہش کیوں ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حب مال تو جبلی چیز ہے اگر اس کو دوسرے کا زیور یا سامان دیکھ کر اس جبلی عادت کو ہیجان ہوتا ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی مل جائے نہ کہ یہی آجائے اس کا کچھ ڈر نہیں۔ اس کو غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی اچھی حالت کی تمنا کرے کہ یا اللہ ہم کو بھی ایسی حالت نصیب فرما۔ اور یہ کچھ گناہ نہیں بلکہ کہیں گناہ کہیں مستحب ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اتنی تمیز کہاں کہ غبطہ اور حسد کو الگ الگ پہچانیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو لوگ جانتے بھی نہیں۔ اور یہ عجیب غلطی ہے۔ میں ایک موٹی سی بات پوچھتا ہوں کہ گناہ کا گناہ ہونا کیسے معلوم ہوا یقیناً اللہ تعالیٰ کے منع کرنے سے اور رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے۔ اس کے سوا اور کوئی بھی حقیقت گناہ کی ہے جب اس کی حقیقت پر اتفاق ہے تو اس کے افراد اور مصادیق میں کیوں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اب حدیث اور قرآن کو دیکھا ہے کہ حسد اور تکبر اور ریا و تفاخر وغیرہ سے منع کیا ہے یا نہیں تمام قرآن و حدیث ان کی ممانعت سے بھرے پڑے ہیں پھر اس کے کیا معنی کہ گناہ کی حقیقت تو تسلیم کر لی جائے کہ جس کو خدا اور رسول اللہ ﷺ منع کریں وہ گناہ ہے اور جب اس کے افراد دکھائے جاویں کہ حسد بھی اس میں داخل ہے تکبر بھی اس میں شامل ہے۔ ریا بھی اس کا شعبہ ہے اس کے گناہ ہونے میں کیا تامل کیا جاوے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 277)

حضرت ماعز بن مالک ؓ کا عشق الٰہی

حضرت ماعز بن مالک ؓ سے زنا ہو گیا تھا تو بمقتضائے بشریت ہو گیا اس میں تو وہ اور سب گنہگار برابر ہیں لیکن فوراً متنبہ ہو گیا اس متنبہ کو سنئے ذرا ہمیں بھی تو کوئی گنہگار ان کے برابر کر کے دکھلاوے لیکن کیا منہ ہے کسی کا جو اس میں برابری کر سکے یہ ان ہی کی آتش ایمانی تھی کہ رک نہ سکی جیسے بارود ہوتی ہے کہ پہاڑ کے اندر بھی رک نہیں سکتی ذرا سی بارود سے سرنگ اڑائی جاتی ہے جو وزن میں کچھ ماشوں سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن ہزاروں من کے پتھروں کو ایسا اڑا دیتی ہے جیسے روئی کے گالے اڑتے ہیں۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور

اپنے منہ سے اپنی خطا کا اقرار کیا ایسے حیادار آدمی سے ایسے گناہ کا اظہار ہی مشکل ہے مگر وہاں سب مشکلیں آسان تھیں وہاں تو عشق الٰہی تھا۔

مرحبا اے عشق خود سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

(مرحبا اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں تجھ سے تمام امراض کا علاج ہو جاتا ہے نخوت و ناموس کا دفعیہ ہوتا ہے گویا تو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے)

سب جانتے ہیں کہ جہاں عشق ہے وہاں ناموس کا کیا پتہ، خود اپنے منہ سے اقرار کیا اور ایک اقرار نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سن کر چہرہ مبارک پھیر لیا انہوں نے دوبارہ پھر اقرار کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک پھیر لیا سہ بار پھر اقرار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقتضائے شان رحمت للعالمین ان کو رجم سے بچانا چاہا تھا لیکن کیا کہئے کہ عشق ان کی جان پر کھیل چکا تھا کسی طرح تسلی نہ ہوئی سوائے اس کے کہ رجم کا حکم کیا جائے تین دفعہ اقرار کیا پھر چوتھی دفعہ اقرار کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجبور ہوئے اور رجم کا حکم دے دیا ان کے دل میں اس بات کا وسوسہ تک نہ گزرا کہ توبہ کر کے خاموش ہو جاتے توبہ تو وہ چیز ہے کہ شرک تک کو مٹا دیتی ہے زنا تو کس درجہ میں کیا یہ مسئلہ ان کو معلوم نہ تھا کہ توبہ سے ہر گناہ بڑے سے بڑا بھی معاف ہو جاتا ہے ہم کو تو مسئلہ روایتاً معلوم ہے صحابہؓ پر تو خود گزرا ہوا تھا جو واقعہ اپنے اوپر گزر جاتا ہے اس کا حکم آدمی کو خوب یاد رہتا ہے بخلاف سنے سنائے اور کتاب میں پڑھے ہوئے مسئلہ کے، حضرات صحابہؓ پہلے اسلام سے علیحدہ تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اسلام سے مشرف ہوئے سب سے پہلا جو ان کو مسئلہ معلوم ہوا وہ یہی تھا کہ اوپر سے کفر و شرک معاف ہو گیا پھر یہ کہے کہ کہاں گنجائش ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو سکتا ہے ضرور معلوم تھا لیکن غلبہ خداوندی نے اس کو بھلا دیا جیسے کوئی شخص شیر کے شکار کو جائے اور بندوق اور کارتوس اور سب کچھ سامان اس کے پاس ہو لیکن شیر جس وقت سامنے آتا ہے تو اس کی ہیبت تمام دماغی خیالات کو مٹا دیتی ہے اور یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس کی مدافعت کے لئے کیا آلات میرے پاس موجود ہیں میں بے ضرورت کلام کو طول دینا نہیں چاہتا بس اس مثال سے اس اشکال کا جواب بخوبی موجود ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے توبہ کیوں نہ کر لی اور رجم کی بلا کیوں سر لی خوف خدا تو وہ چیز ہے کہ تمام ضابطوں کو بھلا دیتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو ختم کیا گیا اور اس بندہ خدا نے ایک گناہ کے عوض جان دے دی اب اس کام میں بھی تو وہ لوگ ان کی برابری کریں جو ان کی برابری گناہ میں کرتے ہیں جان تو بڑی چیز ہے دو چار پیسے جرمانہ ہی کے گناہ پر دے دیں تو ہم جانیں یہ فرق ہے اور طالب خدا اور غیر

طالب خدا کے گناہ میں حق تعالیٰ نے نفس وشیطان سب کے ساتھ لگایا ہے کبھی اس کا داؤ نیک بندوں پر بھی چل جاتا ہے لیکن طالب کے اندر نفس وشیطان کے ساتھ ذکر رحمٰن لگا ہوا ہے گناہ سرزد ہوتے وہ بھی حرکت میں آ جاتا ہے اور بدون شیطانی اثر کے مٹائے چین نہیں لیتا۔

حضور فرما اٹھے کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ستر گناہ گاروں پر ڈال دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے دیکھئے یہ ہے متنبہ۔

حرکت زبان کتنے عضلات کی حرکت کے بعد ہوتی ہے

جن کے بیان کے لئے اور سمجھنے کے لئے کتابیں کی کتابیں اور بہت سے علوم اور ایک کافی وقت چاہئے زبان جو بہت ہی بے تکان حرکت کرتی ہے نہ معلوم کتنے پٹھوں سے مرکب ہے جو دماغ سے آتے ہیں پھر وہ کس خوبی اور کس ترتیب کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ اس سے ایک ایک حرف الگ الگ ادا ہو جاتا ہے۔ صرف تین حرف سے مرکب کلمہ میں زبان کے کتنے اجزاء کو انقباض اور کتنے کو انبساط ہو جاتا ہے اور کتنی دفعہ زبان عرض میں بڑھتی ہے اور کتنی دفعہ طول میں اور کتنے اجزاء کو انخفاض ہو جاتا ہے اور کتنے کو ارتفاع، طب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ ہر عضو کو حرکت عضلات کی حرکت سے ہوتی ہے اور عضلات کی حرکت دماغی پٹھوں کی حرکت ہے۔ اور دماغی پٹھوں کی حرکت قوت ارادی کی حرکت سے ہوتی ہے تو کسی عضو کی حرکت اتنی حرکتوں کے بعد انجام پاتی ہے اب سمجھ لیجئے کہ ایک حرف کے ادا کرنے میں کس قدر آلات کو حرکت ہوتی ہے پھر ایک مرکب لفظ کے بولنے میں کتنی حرکتوں کی ضرورت ہوئی، اور ایک جملہ بولنے میں کتنی حرکتوں کی اور چند جملوں سے مرکب تقریر ادا کرنے میں کتنی حرکتوں کی ضرورت ہوئی ذرا غور وانصاف سے کام لیجئے تار کی مشین میں تو دو چار ہی پرزے ہوں گے زبان میں نہ معلوم کتنے پرزے اور اجزاء ہیں پھر وہ کس خوبی سے کام کرتی ہے کہ کس جزو کی حرکت کی ترتیب میں ذرا فرق نہیں آنے پاتا اور سارے آلات اپنا اپنا کام اس پھرتی سے کر جاتے ہیں کہ لکھنے والا اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ سبحان اللہ کتنی اچھی مشین ہے ایسی مشین کی تو بڑی قدر کرنی چاہئے تھی اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جیسا تار کی مشین کو حرکت دینے سے صرف پرزے ہی حرکت نہیں کرتے بلکہ بجلی بھی خرچ ہوتی ہے ایسے زبان کو حرکت دینے میں بھی ایک بجلی خرچ ہوتی ہے جو اس بجلی سے زیادہ قیمتی ہے اس بجلی کا نام نور قلب ہے زبان سے بولنے میں قلب کی توجہ بٹتی ہے اور فراغِ قلب نہیں رہتا جو بڑے کام کی اور ضروری چیز ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 295)

مجموعۃ الامراض

پس اپنی بڑائی نظر آنے کا وہی وقت ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو اور کثرت کلام اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اپنی بڑائی ذہن میں ہو نتیجہ یہ نکلا کہ کثرت کلام اسی وقت ہو سکتی ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو اور خدا سے غفلت ایک مرض نہیں بلکہ مجموعۃ الامراض ہے تو جس شخص کو کثرت کلام میں مبتلا دیکھو سمجھ لو کہ ایک مرض میں مبتلا نہیں ہے بلکہ بہت سے امراض میں مبتلا ہے۔ یہی باتیں ہیں جن سے عارفین کو ذرا سی بات میں آدمی کی پوری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور یہی فرق ہے ظاہری تعلیم اور باطنی تعلیم کرنے والوں میں کہ وہ جڑ کو دیکھتے ہیں۔ وہ کثرت کلام کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ اس شخص میں وہ تمام امراض موجود ہیں جو ترفع اور تکبر کی فرع ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 333)

بزرگوں کے ازالہ تکبر کے چند واقعات

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ آپ چلے جاتے تھے راستے میں ایک کتا ملا وہ سامنے سے آتا تھا راستہ تنگ تھا اور آس پاس کیچڑ تھی دونوں ایک دم سے نہیں جا سکتے تھے۔ بس یہی صورت تھی کہ یا تو یہ کیچڑ میں اترتے یا وہ اترتا۔ یہ بھی کھڑے ہو گئے وہ بھی کھڑا ہو گیا انہوں نے کتے سے کہا کہ راستہ چھوڑ کر کیچڑ میں اتر جا اس نے کہا تم کیوں نہیں اترتے انہوں نے کہا کہ میں مکلف ہوں میرے کپڑے یا بدن ناپاک ہو جائیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ اس نے کہا اگر کپڑے نجس ہو گئے تو پانی سے ذرا سی دیر میں پاک ہو سکتے ہیں لیکن میرے اترنے سے جو آپ کے باطن میں نجاست پیدا ہو گی کہ مجھ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور کیچڑ میں نہ اترے تو یہ ناپاکی ہزار سمندروں سے پاک نہ ہو گی۔ میں تو اتر ہی جاؤں گا میرا کیا بگڑے گا اور تمہارا قلب بگڑ جائے گا اور وہ سمندر میں بھی دھرنے سے پاک نہ ہو گا۔ یہ سن کر ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور بہت روئے اور کیچڑ میں اتر پڑے۔ حضرت بایزید کی حکایت ہے کہ ایک بار راستہ میں ایک کتے سے دامن بچا کر نکلے کتے نے کہا میری ظاہری نجاست کو دیکھا اور اپنی باطنی نجاست کو نہ دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے دوستی کر لوں اس نے جواب دیا کہ تمہارا میرا کیا ساتھ تمہاری تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور مجھ کو ہر شخص دھتکارتا ہے اس پر یہ بہت روئے اور کہا کہ جب ایک کتا مجھے دوستی میں قبول نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کے مقبول بننے کا کیسے خیال کیا جائے۔ انہیں بزرگ کی ایک اور حکایت ہے جس کو شیخ نے بوستاں میں لکھا ہے۔

شنیدم کہ روزے سحر گاہ عید ز گرمابہ آمد بروں بایزید

(میں نے سنا کہ ایک روز عید کی صبح کے وقت بایزید حمام سے باہر نکلے)

قصہ یہ ہے کہ حضرت بایزید ایک دفعہ عید کے روز حمام میں سے غسل کر کے کپڑے بدل کر نکلے راستہ میں جا رہے تھے کہ کسی نے کوٹھے پر سے کوڑے کا ٹوکرا سر پر پھینک دیا یہ ایسی بات تھی کہ اس اتنے بڑے شخص کو غصہ

آنا کم تھا مگر ان بزرگ نے کچھ نہیں کہا اور سیدھے گھر کو چلے آئے اور نہا دھو کر دوسرے کپڑے پہن لئے پیشانی پر بل بھی نہیں پڑے ایک تو یہ ان حضرات کے حالات ہیں اور ایک ہمارے حالات ہیں کہ ٹوکرا تو کہاں اگر کوئی بات بھی خلاف مزاج کہہ دے تو آپے میں نہ رہیں، رگیں پھول جائیں، آنکھیں سرخ ہو جائیں، منہ میں جھاگ آجائے اور بلا انتقام لیے ہرگز نہ مانیں اور سزا میں بھی یہ نہ ہو کہ جرم کے برابر ہی سزا دیں اور بدلہ پر اکتفا کریں بلکہ جہاں تک بھی قابو چلے اس کی عقوبت میں کمی نہ کریں ترفع کا مادہ انسان میں طبعاً رکھا ہوا ہے بڑے بڑے مجاہدوں سے اصلاح ہوتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 335)

اپنے گناہوں سے غفلت کی عجیب مثال

صاحبو! اپنے گناہوں سے غفلت کرنا بہت بڑا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے معتقد ہیں ایسے لوگ اور بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اپنے تقدس کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی ہے کہ جب اتنے لوگ ہم کو اچھا کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہوں گے ہماری بالکل وہ حالت ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک مکتب کے لڑکوں نے اتفاق کیا کہ آج استاد صاحب سے چھٹی لینی چاہئے اور تو کوئی سبیل نہ نکل سکی آخر اس پر رائے ٹھہری کہ جب استاد صاحب آئیں تو سب مل کر ان کی مزاج پرسی کرو اور ان کو بیمار بتلاؤ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا، دو چار لڑکوں کو استاد صاحب نے جھڑک دیا لیکن جب متواتر سب نے یہی کہا تو استاد صاحب کو بھی خیال ہوا آخر سب کو لے کر گھر چلے گئے اور حکم کیا کہ تم دہلیز میں بیٹھ کر پڑھو میں گھر میں آرام کرتا ہوں لڑکوں نے دیکھا کہ مقصود اب بھی حاصل نہ ہوا تو آخر نہایت زور سے چلا کر پڑھنا شروع کیا استاد صاحب کو مصنوعی درد وغیرہ تو پیدا ہو گیا تھا چلا کے پڑھنے سے اس میں واقعی ترقی ہونے لگی مجبور ہو کر سب کو چھوڑ دیا، جیسا وہ معلم لڑکوں کے کہنے سے مبتلائے وہم مرض جسمانی ہو گیا تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 377)

مکار پیر

صاحب کسی گاؤں میں پہنچے اتفاق سے بہت ہی نحیف ہو رہے تھے مریدوں نے پوچھا کہ پیر تم اس قدر ضعیف کیوں ہو، پیر صاحب نے جواب دیا کہ ظالمو تمہیں میرے ضعف کی خبر نہیں دیکھو میں اپنا بھی کام کرتا ہوں اور تمہارا بھی، تم نماز نہیں پڑھتے میں تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزہ نہیں رکھتے میں تمہاری طرف سے روزے رکھتا ہوں اور سب سے بڑی مشقت یہ ہے کہ سب کی طرف سے پل صراط پر چلتا ہوں جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس ان فکروں نے لاغر کر دیا۔ مرید یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک گوجر نے خوش ہو کر کہا کہ پیر میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت بخش دیا پیر کو خیال ہوا کہ دیہاتی لوگوں کا اعتبار نہیں ہے اسی وقت چل کر قبضہ کر لینا چاہئے۔ کہا بھائی

ابھی چل کر دے دو چنانچہ وہ گوجر ساتھ ہولیا، رستے میں اتفاق سے کسی ڈول سے پیر صاحب کا پیر پھسل گیا۔ اور گر گئے، گرنے کے ساتھ ہی اس گوجر نے ایک لات رسید کی اور کہا کہ تو جب اتنی چوڑی منڈیر پر نہیں چل سکا تو پل صراط پر کس طرح چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے جا ہم تمہیں اپنا کھیت نہیں دیتے، تو صاحبو! سچ بات یہی ہے کہ کام اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے کسی دوسرے کے کئے کوئی کام نہیں ہوتا اور میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کے کرنے سے کام ہو جاتا ہے اور اپنے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو اس کی کیا وجہ کہ یہ قاعدہ دین ہی کے کاموں میں برتا جاتا ہے دنیا کے کاموں سے بھی کیوں ہاتھ نہیں اٹھالیا جاتا اور ان کو بھی کیوں پیر صاحب کے بھروسے پر نہیں چھوڑ دیا جاتا بس نہ کھاؤ نہ پیو نہ کھیتی کرو سب کام تمہاری طرف سے پیر ہی کر لیا کریں گے ان ہی کے کھانے سے تمہارا پیٹ بھر جائے گا انہی کے پانی پینے سے تمہیں تسکین ہو جائے گی۔ افسوس ان کاموں میں تو اس قاعدے پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اپنے کرنے کو ضروری سمجھا گیا اور دین کے کام کو اس قدر سستا اور بے وقعت سمجھا گیا کہ اس میں اس قسم کے قاعدے برتے گئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 26، ص388)

وسوسہ کا علاج

بس وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس سے اصلا پریشان نہ ہو ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو وساوس بکثرت آتے ہوں اور دفع نہ ہوتے ہوں اسے چاہئے کہ ان وساوس ہی کو جمالِ حق کا مرآۃ بنالے کیونکر؟ اس طرح کہ یوں مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی عجیب قدرت ہے کہ دل میں ایک دریا خیالات کا پیدا کر دیا ہے جس کی کہیں انتہا نہیں اور جو رکتا ہی نہیں اب وساوس کو قدرت کی معرفت کا وسیلہ بناؤ ان شاء اللہ خود ہی بند ہو جائیں گے (کیونکہ شیطان کا مقصود تو وساوس سے خدا سے بعید کرنا تھا جب اس نے ان کو بھی قرب کا وسیلہ بنالیا تو اب شیطان وسوسے ڈالنا بند کر دے گا غالباً شیخ ابو سلیمان دارانی کا ارشاد ہے کہ وساوس سے خوش ہوا کرو، دینی خوشی ظاہر کیا کرو کیونکہ شیطان کو علم غیب نہیں ہے جب تم خوشی ظاہر کرو گے تو وہ بھی سمجھے گا کہ دل سے خوش ہو رہا ہے۔ (پس تم غلبہ وساوس کے وقت زبان سے اتنا کہہ دیا کرو کہ میں اس سے نہیں گھبراتا تو اور وسوسے ڈال دے میں نہایت خوش ہوں گا) اور شیطان مسلمان کو خوش نہیں کرنا چاہتا اس لئے وسوسے ڈالنا بند کر دے گا یہ معالجات ہیں جو محققین نے وساوس کے بارے میں بیان فرمائے ہیں ان میں سے ہی نفع ہوتا ہے باقی وسوسے کا دفعہ کرنا اس سے فکر و رنج میں مبتلا ہونا ہرگز نافع نہیں اور یہ معالجات تدبیرات طبعیہ کی قبیل سے ہیں اس لئے ان کے بارے میں یہ کوشش نہ کرو کہ حدیث میں یہ معالجات کہاں ہیں کیونکہ ایسے امور انتظامیہ کے لئے جزئی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث میں ان سے ممانعت نہ ہونا ہی ان سے ورود فی الشرع کے لئے کافی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے متفلجات و متنمصات

پر لعنت فرمائی (یعنی ان عورتوں پر جو دانتوں کو ریتی سے باریک بناتی ہیں اور منقاش سے چہرہ کا رواں صاف کرتی ہیں) تو ایک عورت نے سوال کیا کہ آپ ان پر کیسے لعنت کرتے ہیں فرمایا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے عورت نے کہا میں نے تو سارا قرآن پڑھا ہے کہیں بھی ان پر لعنت نہیں دیکھی، فرمایا اگر تو نے قرآن (سمجھ کر) پڑھا ہوتا تو ضرور دیکھتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (رسول تم کو جو حکم وغیرہ دیں اس کو اختیار کرو۔ اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ) اور رسول ﷺ نے ان چیزوں سے روکا ہے اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ قرآن میں بھی ان کا بدرجہ لعنت منهی عنہ ہونا کلیا وارد ہوا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 419)

حقوق العباد کی چار قسمیں

پس حقوق العباد چار ہیں نمبر 1 کسی کے دین کو نقصان پہنچانا، آبرو کو نقصان پہنچانا، جان کو نقصان پہنچانا، مال کو نقصان پہنچانا ان سب سے بچنا واجب ہے اور سب میں زیادہ سخت دین کو نقصان پہنچانا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ کسی مسلمان کو مسئلہ غلط بتلا دیا اس کو بدعت میں مبتلا کر دیا مگر اس کو حق العباد میں کوئی شمار نہیں کرتا بلکہ محض حق اللہ سے سمجھتے ہیں مگر نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ حق العبد بھی ہے ایک حدیث میں غلط مشورہ دینے کو خیانت فرمایا گیا ہے اور مشورہ میں دنیا کی تخصیص نہیں اور خیانت کا حق العبد ہونا ظاہر ہے۔ نیز جب اس پر حق العبد کی تعریف صادق آتی ہے جس میں عبد کا ضرر ہو پھر حق العبد ہونے میں کیا شبہ ہے اور دین کا ضرر سب ضرروں سے اشد ہے پھر دین کے بعد آبرو کا درجہ ہے آبرو کی تنقیص جان و مال کی تنقیص سے بھی اشد ہے مگر آج کل اس کی ذرا پروا نہیں کی جاتی چنانچہ اس میں رات دن مبتلا ہیں حتیٰ کہ وہ اتقیاء بھی جو کسی کا ایک پیسہ مارنا بھی جرم سمجھتے ہیں غیبت سے احتراز نہیں کرتے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 428)

مفتی اور قاضی میں فرق

مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ مفتی کا جواب تو جملہ شرطیہ ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے اور قاضی کا فیصلہ جملہ انشائیہ ہوتا ہے کہ اس معاملے کی صورت اس طرح ہو جانا چاہیے اسی لئے مفتی صرف ایک شق کے بیان پر فتویٰ دے سکتا ہے اور قاضی ایک شخص کے بیان پر فیصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کو دونوں طرف کا بیان سننا ضروری ہے پھر شہادت و حلف کے بعد فیصلہ کرے قاضی یا سلطان کو یہ جائز نہیں ہے کہ صرف مدعی کا بیان سن کر فیصلہ کرنے لگے جب تک کہ مدعیٰ علیہ سے دریافت نہ کرے یک طرفہ بیان سن کر قاضی و سلطان کو قضیہ شرطیہ کے ارادہ سے بھی حکم بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں احد الفریقین کی حمایت ظاہر ہوگی اور قاضی و سلطان کو فریقین

میں تسویہ کا علم ہے بخلاف مفتی کے کہ اس کو ایک شخص کا بیان سن کر بھی فتویٰ دے دینا جائز ہے کیونکہ اس کا فتویٰ واقعہ کا فیصلہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر واقعہ یوں ہی ہے تو مسئلہ یہ ہے اور اگر یوں نہیں تو جواب دوسرا ہے آج کل لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ مفتی کے فتویٰ کو فیصلہ سمجھتے ہیں اور جب ایک واقعہ میں دو شخص استفتاء کرتے ہیں اور جواب مختلف دیا جاتا ہے تو علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ اس کو کچھ جواب دیا اس کو کچھ جواب دے دیا اور یہ نہیں دیکھتے کہ سوال کرنے والوں نے سوال مختلف کیا ہے اور مفتی کا جواب جملہ شرطیہ ہوتا ہے تو سوال کے بدلنے سے جواب ضرور بدلے گا اور ہر سوال کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ واقعہ یہ ہے تو جواب یہ ہے اور دوسری طرف واقعہ ہے تو جواب دوسری طرح ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 447)

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بت شکنی

محمود بادشاہ نے جب ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کا مندر توڑا تو تمام بت توڑ ڈالے جو بت سب سے بڑا تھا اس کو بھی توڑنا چاہا۔ پجاریوں نے بہت الحاح و زاری کی اور کہا اس کے برابر ہم سے سونا لے لیا جائے اور اس کو نہ توڑا جائے۔ محمود نے ارکان سے مشورہ کیا سب نے کہا ہم کو فتح ہو چکی ہے اب ایک بت کے چھوڑ دینے سے ہمارا کیا جاتا ہے اس قدر مال ملتا ہے لشکر اسلام کے کام آئے گا چھوڑ دینا چاہئے مجلس میں سید سالار مسعود غازی بھی تھے فرمایا یہ بت فروشی ہے اب تک بادشاہ بت شکن مشہور تھا اب بت فروش کہلائے گا محمود کے دل کو یہ بات لگ گئی مگر گونہ تردد باقی تھا دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر ہے اور ایک فرشتہ ان کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچ رہا ہے کہ یہ بت فروش ہے دوسرے فرشتے نے کہا نہیں یہ بت شکن ہے اس کو جنت میں لے جاؤ اتنے میں آنکھ کھل گئی اور حکم دیا بت توڑ ڈالا جائے اس کو جو توڑا تمام پیٹ میں جواہرات بھرے ہوئے تھے حق تعالیٰ کا شکر کیا کہ بت فروشی سے بھی بچا اور جس مال کی طمع میں بت فروشی اختیار کرتا تھا اس سے زیادہ مال بھی مل گیا۔ یہ جنت اور دوزخ کی طرف کھینچا جانا اس تردد کی صورت دکھائی گئی جو محمود کے قلب میں تھا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ بت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بت فروشی نہ تھا لیکن صورۃً بت فروشوں کی مشابہت تھی جس کا یہی نتیجہ ہوا خدا اپناہ دے مسلمانو! اس میں سب کفار کی رسمیں ہیں مزید برآں مل گیا ہے ان میں تفاخر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور بدعات ظلمات بعضها فوق بعض تہہ بہ تہہ تاریکیاں، شر کے اندر شر گھسا ہوا ہے۔ ہاں سنیئے بی بی صاحبہ کی منگنی کیونکر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے منظور فرما لیا۔ منگنی ہو گئی۔ یہاں کچھ بھی نہ ہو فقط دولہا مجمع میں بول بھی اٹھے تو غضب آ جائے کیسا بے حیا دولہا ہے۔ اب بی بی صاحبہ کے نکاح کی سنیئے اور بارات کا سامان سنیئے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اور چند صحابہؓ رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا اور نکاح پڑھ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود بھی نہ تھے نکاح ہو جانے کے بعد آپ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔ یہ بارات تھی کہ نوشاہ بھی ندارد۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کو حکم دیا۔ (یہ ایک لونڈی تھیں) کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آؤ۔ بی بی صاحبہ منہ لپیٹے ہوئے ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر پہنچ گئیں۔ یہ رخصتی ہوئی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 26، ص 447)

ستائیسویں جلد کے جواہر

مستقبل کی باتوں کے پہلے جاننے کا انجام

ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ حق تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ مجھ کو اپنے متعلق آنے والی بات کی خبر ہو جایا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس سے فرمادیجئے کہ تیری مصلحت اسی میں ہے کہ تجھے آنے والی بات کی اطلاع نہ ہو تیری مصلحتوں کو تجھ سے زیادہ ہم جانتے ہیں آپ نے اس شخص کو اطلاع کر دی اس نے پھر اصرار کیا کہ میرا جی بہت چاہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی جو قبول ہوگئی۔ چنانچہ اس کو آئندہ واقعات کی اطلاع پہلے ہی ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس کو معلوم ہوا کہ میرا گھوڑا مرنے والا ہے اس نے جلدی سے بازار میں جا کر اسے فروخت کر دیا اور نفع سے فروخت کیا اور اپنے جی میں بہت خوش ہوا کہ دیکھو اس علم سے میرا کتنا بڑا نفع ہوا کہ جانور میرے گھر میں نہیں مرا دوسرے کے یہاں جا کر مرے گا اور مجھے اس کی قیمت مع شئی زائد وصول ہوگئی۔ پھر اس کو یہ معلوم ہوا کہ اب میرا غلام مرنے والا ہے اس نے غلام کو بھی جا کر فروخت کر دیا اور اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ اب میں خود مرنے والا ہوں اب تو بڑا پریشان ہوا کہ اپنے کو کہاں جا کر چھپا دوں۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوڑا ہوا آیا کہ شاید وہ اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت بتلا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص سے فرمادیں کہ اس نے اپنی موت اپنے ہاتھوں خریدی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ اس عرصہ میں اس کے گھر پر ایک مصیبت نازل ہوگی ہم نے اول اس کے جانور پر ڈالنا چاہا اس نے ہوشیاری کر کے اس کو اپنے سے الگ کر دیا پھر ہم نے اس کے غلام پر اس کو ٹالنا چاہا اس نے اس کو بھی بیچ کر نفع حاصل کر لیا اب خود ہی رہ گیا ہے لہٰذا اب وہ مصیبت اس کے اوپر ضرور آوے گی ٹل نہیں سکتی۔ اس سے کہہ دیں کہ بس اب حسن خاتمہ کی دعا کرے موت ضرور آوے گی۔ تو آپ نے دیکھا کہ انسان کی مرضی پر کام چھوڑنے کا کیا نتیجہ ہوا کہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت مول لے لی۔ بس حق تعالیٰ کی یہی بڑی رحمت ہے کہ سب کام اپنے قبضہ میں رکھا اور ہم کو کچھ بھی خبر نہیں دی کہ کل کو کیا ہونے والا ہے۔ لوگ علم غیب کی تمنا کیا کرتے کشف کو کمال سمجھتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ بعض دفعہ وبال جان ہو جاتی ہے غیب کا علم محیط، شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ قرآن میں تو علم غیب کو استکثار خیر و دفع مضرت کا سبب بتلایا گیا ہے اور تم کہتے ہو کہ کشف بعض دفعہ وبال جان ہو جاتا ہے۔ قرآن کی آیت

یہ ہے: ''وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وما مَسَّنِيَ السُّوء.) (ترجمہ) اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو خیر بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی مضرت نہ پہنچتی۔ اس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ آیت میں قضیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ جزئیہ ہے یعنی کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ خیر ہی خیر حاصل ہوتی اور شر مس بھی نہ کرتا، دوسرے یہ کہ آیت میں غیب سے مراد جمیع الغیب ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر مجھ کو غیب کا علم محیط حاصل ہوتا الخ۔۔۔اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم محیط حاصل ہونا استکثار خیر و دفع مضرت کا ضرور سبب ہو سکتا ہے اور اس قصہ میں جو اس شخص کو مصیبت پیش آئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کو علم محیط حاصل نہ تھا ورنہ اخیر تک سب کی حالت معلوم ہو جاتی تو وہ جان لیتا کہ اگر میں گھوڑے اور غلام کو فروخت کروں گا تو پھر یہ بلا میرے اوپر آوے گی۔)

پس کشف کے بعض دفعہ وبال جان ہونے پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ کشف میں علم محیط نہیں ہوتا ادھورا علم ہوتا ہے اور علم محیط بشر کے لیے حاصل ہونا محال بھی ہے اور اس جگہ اس سے بحث ہی نہیں بلکہ اس قدر غیب کا علم انسان کو ہو سکتا ہے اس کے متعلق میں نے یہ کہا تھا کہ بعض دفعہ وہ وبال جان ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں خوب سمجھ لو۔ یہ ساری گفتگو اس پر شروع ہوئی تھی کہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر انسان کے لیے پکی پکائی روٹی اور سلے سلائے کپڑے پیدا ہوا کرتے تو وہ گھبرا جاتا کیونکہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں اچکن پیدا ہوتا اور آپ کا جی قمیص کو چاہتا ہو، دوسرے وقت میں پاجامہ پیدا ہوتا اور آپ کی طبیعت لنگی کو چاہتی ہے اور انسان اس سے بھی گھبرا جاتا ہے کہ کوئی چیز اس کے سر پر سوار ہو جائے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ اس کے سر پر سوار کوئی چیز نہیں، وہ جیسا چاہے خود بنا سکتا ہے اور اگر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو یہ بھی اختیار ہے کہ کچھ نہ بنائے۔ یہ حکمت ہے اس میں کہ حق تعالیٰ نے تحلیل و ترکیب کا کام انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 35،36)

عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی

ایک شخص کی حالت پر جس نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں دیکھا تھا کہ مولانا قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں تو اس سے وہ کہنے لگا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور حیرت یہ کہ مولانا کے ایک معتقد بھی شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت نے یہ جھوٹی قسم کیوں کھائی اس میں کیا تاویل کی جائے۔ میں نے کہا بندۂ خدا ترقی تو انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی ترقی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرماتے ہیں: ''وقل رب زدنی علما، (اور کہیئے میرے پروردگار زیادہ دیجئے مجھ کو علم) اسی طرح اولیاء کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ انبیاء سے زیادہ ترقی کے محتاج ہیں۔ پس مولانا کی یہ قسم کمالات حقیقیہ انتہائیہ کے اعتبار سے ہے، کیونکہ مولانا کی نظر طلب ترقی کی وجہ سے

کمالاتِ مستقبلہ پر ہے ان پر نظر کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں اور ہمارا اعتقاد مولانا کے ساتھ کمالات موجودہ کے اعتبار سے ہے ان پر نظر کر کے مولانا سب کچھ ہیں اور عارفین کی نظر کبھی اپنے کمالات موجودہ پر نہیں ہوا کرتی بلکہ ہر دم اس سے آگے پر نظر رہتی ہے۔ اس لیے وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ پس ان کی قسم بھی سچی اور ہمارا اعتقاد بھی سچا (دونوں میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ ناقض کے لیے وحدت موضوع بھی شرط ہے اور یہاں موضوع مختلف ہے ۱۲) بلکہ اگر ان کو تمام کمالات ممکن الحصول حالیہ واستقبالیہ بھی حاصل ہو جائیں جس سے ترقی بھی ممکن نہ ہو تب بھی چونکہ ان کی نظر کمالات حق پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے پھر بھی وہ قسم کھا کر یہی کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں۔

اس تقریر سے ان کا شبہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوئے۔ معتقد کا شبہ تو ذرا سے اشارے میں رفع ہو جاتا ہے مگر افسوس اس مخالف کی بدحالی پر ہے جو سمجھانے سے بھی نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ آپ کی معتقدانہ تاویلات ہیں ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 110)

پٹھانوں کی سادگی

اگر یہ بات اس نے بھولے پن سے کہی ہوتی تو زیادہ افسوس نہ ہوتا جیسے ریاست رام پور میں جو پٹھانوں کی بستی ہے ایک بزرگ تشریف لے گئے لوگوں میں ان کی بزرگی کی شہرت ہوئی تو ایک خان صاحب ملنے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے حضور کی بہت تعریف سنی تھی اس لیے زیارت کا اشتیاق ہوا۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کا حسن ظن ہے میں تو کچھ بھی نہیں ایک نالائق بندہ ہوں تو وہ خان صاحب کہنے لگے کہ جب آپ نالائق ہیں تو میں جاتا ہوں میں خواہ مخواہ زیارت کو آیا نالائقوں کی زیارت سے کیا فائدہ؟ یہ کہہ کر چلتے ہوئے۔ راستہ میں ایک دوست ملے ان سے پوچھا کہاں جاتے ہو کہا فلاں بزرگ صاحب تشریف لائے ہیں ان کی زیارت کو جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو نالائق آدمی ہیں ان سے مل کر کیا لوگے؟ دوست نے کہا توبہ کرو توبہ ! وہ تو بڑے بزرگ ہیں کہا، میاں وہ تو اپنی زبان سے خود اپنے کو نالائق کہتے ہیں دوست نے کہا کہ بزرگ اپنے کو یوں ہی کہا کرتے ہیں کہا اچھا یہ بات ہے تو چلو ہم بھی چلیں گے۔ وہ خان صاحب پھر آئے اور کہا کہ حضور مجھ سے غلطی ہوئی میرا خطا معاف کیجئے مجھے معلوم نہ تھا کہ بزرگ جھوٹ بھی بولا کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ اپنے کو نالائق کہہ دیتے ہیں اور واقع میں نالائق نہیں ہوتے۔ میں نے تو سنا تھا کہ بزرگ سچ بولا کرتے ہیں تو جب آپ نے یہ کہا کہ میں تو نالائق بندہ ہوں میں نے اس کو بھی سچ سمجھا اس لیے اٹھ کر چلا گیا۔ اس پر دوسرے صاحب نے بزرگ سے کہا کہ حضرت یہ بھولے سیدھے پٹھانوں کی بستی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 111)

چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش بھی ہے

انہی حضرت کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ موٹر میں سوار تھے نماز کا وقت آگیا موٹر ٹھہرایا گیا اور اس میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی حالانکہ سامنے سڑک پر ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے مگر انہوں نے موٹر کے اندر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ بھلا موٹر میں ترک قیام کس طرح جائز ہو گیا جبکہ موٹر کھڑا ہوا تھا، چلتی ریل میں تو اگر گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز کی گنجائش بھی ہے مگر موٹر میں تو چلتے ہوئے بھی ترک قیام کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا ٹھہرالینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل کا ٹھہرانا ہمارے اختیار میں نہیں اور اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجائش نہیں مگر ان لوگوں نے تو محض لیڈر بننے کے لیے نماز شروع کی ہے اس لیے نماز بھی لیڈری ہوتی ہے۔ شرعی نماز کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 119)

حضرت بایزید بسطامیؒ کی دودھ والی رات

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قصہ ہے کہ ان کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا مجھ سے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں ان کا تو کیا نام لوں البتہ میں مسلمان ہوں اور بحمد اللہ توحید میری کامل ہے اس کو پیش کر دوں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا اماتذکر لیلۃ اللبن (وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی) ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزیدؒ نے دودھ پیا تھا اس کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا اس پر مواخذہ ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا۔ یہی توحید ہے دودھ کی ہستی ہے کہ کچھ تاثیر کر سکے۔ اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات و امارات ہیں۔ مؤثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کر دینا شرعاً جائز ہے مگر کاملین سے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لیے کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسناد حقیقی کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسباب کی طرف مسببات کی اسناد حقیقی نہیں ہو سکتی ان کی تو حالت مشاہدہ کی یہ ہے:

نیارد ہوا تانگوئی بیار   زمین نادر دتانگوئی بیار

(جب آپ ہوا سے یہ نہ کہیں کہ برس اس وقت تک ہوا نہیں برساتی) اسباب بدون حکم کے کچھ نہیں کر سکتے عارف کا تو مذاق یہ ہوتا ہے۔

گر گزندت رسدز حلق مرنج   کہ نہ راحت رسدز خلق نہ رنج

از خدا داں خلاف دشمن دوست   کہ دل ہر دو در تصرف اوست

(اگر مخلوق سے تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو رنجیدہ نہ ہو اس لیے کہ مخلوق سے نہ راحت پہنچ سکتی ہے نہ رنج دوست اور دشمن کے خلاف کو خدا کی طرف سے جان کیونکہ دونوں کے دل اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہیں)

جس کا یہ مذاق ہو اور جس پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہو اس کی زبان سے یہ بات کیونکر نکل سکتی ہے کہ دودھ سے پیٹ میں درد ہو گیا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 120)

حضرت بایزیدؒ کی مغفرت کا سبب

حضرت بایزیدؒ یہ سن کر گھبرا گئے اور عرض کیا الٰہی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ارشاد ہوا کہ راہ پر آ گئے تو جاؤ اب ہم تم کو ایسے عمل سے بخشتے ہیں جس پر تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ اس سے بخشش ہو جائے گی وہ یہ کہ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے کو سردی میں اکڑتے ہوئے دیکھا تھا تم کو اس پر رحم آیا اور اپنے لحاف میں لا کر سلا لیا اس بچے نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو بھی ایسی ہی راحت دیجئے جیسے اس نے مجھے راحت دی جاؤ آج ہم تم کو اس بلی کے بچے کی دعا سے بخشتے ہیں سارا تصوف گاؤ خورد ہو گیا سارے مراقبے اور مجاہدے رکھے رہ گئے اور ایک بلی کے بچے کی سفارش سے بخشے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ذرا سے دعوے میں حقیقت کھل گئی اور معلوم ہو گیا کہ ہماری توحید بھی ناقص ہے وہ بھی اس قابل نہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کی جا سکے حالانکہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ واقع میں عارف کامل تھے ان میں تو محض ایک معنی کر اضافی نقص تھا جب ان سے ذرا سے دعوئی پر مواخذہ ہوا تو ہمارا کیا حال ہو گا۔ جہاں اضافی نقص کیا معنے حقیقی نقص موجود ہے بلکہ سر سے پیر تک نقص ہی نقص ہے اور اس پر دعوے ایسے لمبے چوڑے کہ اپنے کو تعلیم یافتہ اور عالم اور مقتدا اور مجتہد سب کچھ سمجھتے ہیں اور عمل کی یہ حالت ہے کہ رات دن گناہوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو دیندار بھی کہلاتے ہیں وہ کسی ایک کام کے اعتبار سے دیندار ہیں دوسرے کاموں میں وہ دینداری کی ذرا پرواہ نہیں کرتے جیسے آج کل ڈاکٹر ہوتے ہیں کہ کوئی آنکھ کے علاج میں ماہر ہو جاتا ہے وہ یہی کام کرتا ہے اور اسی میں مشہور ہو جاتا ہے آنکھ کے سوا وہ کسی عضو کا علاج نہیں کرتا۔ دوسرا دانت کے علاج میں ماہر ہے وہ اسی کا کام کرتا ہے کوئی چیر پھاڑ کا مشاق ہے وہ زخموں ہی کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی دین کے شعبوں میں انتخاب کر لیا ہے جیسے گلستان، بوستان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 123)

ہماری حقیقت ہی کیا ہے

صاحبو! اگر کسی چمار کو بادشاہ ایک بیش قیمت موتی دیدے جو اس کی لیاقت سے کہیں زیادہ ہے تو بتلایئے وہ کیا کہے، کیا وہ اپنے کو موتی والا نہ کہے نہیں موتی والا ضرور کہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ بادشاہ کی بڑی عنایت ہے کہ ایک

چمار کو اتنی بڑی چیز دیدی۔ اسی طرح آپ نماز پڑھ کر اپنے کو نمازی سمجھیں مگر ساتھ میں یہ بھی سمجھیں کہ ہم تو اصل میں نالائق تھے اس نعمت کے قابل نہ تھے یہ خدا کی عطا ہے کہ ہم جیسے نالائقوں کو اپنے دربار میں آنے کی اجازت دیدی۔ دیکھئے اب شکر اور تواضع دونوں جمع ہوگئے اس طریق میں نہ عطائے حق کی ناشکری ہوئی نہ تکبر ہوا۔ نماز کو نماز بھی سمجھا اور اپنے کو نالائق بھی سمجھا اور نماز کو محض عطائے حق سمجھا اس صورت میں آپ نماز پڑھ کر بے نمازیوں کو حقیر نہیں سمجھیں گے ہاں ان کے حال پر رحم کریں گے بلکہ اگر ضرورت ہو تو بے نمازوں کو دھمکاؤ بھی اور جن پر زور ہو ان کو مارو بھی مگر اس سزا کی شان یہ ہو کہ جیسے بادشاہ بھنگی کو حکم دے کہ کسی جرم میں شہزادے کے سوتازیانے مارے تو وہ حکم شاہی کی وجہ سے مارے گا تو سہی مگر دل میں تھوڑا تھوڑا ہوتا جاوے گا اور اسے بھی شہزادہ سے افضل ہونے کا گمان نہیں ہوسکتا۔ محض مجبور ہوکر حکم کی تعمیل کرے گا بس یہی حال ہمارا بھی ہونا چاہیے۔ شریعت کے حکم سے اپنے نوکروں چاکروں کی اصلاح کریں اہل وعیال پر حکومت کریں، بے نمازوں کو ماریں دھمکائیں مگر ان کو اپنے سے افضل سمجھیں، مگر جزماً افضل نہ سمجھو تو کم از کم احتمالاً ہی سمجھو کہ شاید خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی خاص صفت یا فعل کے سبب یہ ہم سے فی الحال افضل ہو یا فی المآل اس کو افضل بنادیں کیونکہ آپ کو محض خدا تعالیٰ کی توفیق سے نماز وغیرہ کی توفیق ہوئی ہے اور وہ توفیق کو سلب بھی کر سکتے ہیں وہ پکے نمازی کو بھی بے نمازی بنا سکتے ہیں اور ہماری اور آپ کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ حق تعالیٰ تو اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہیں:

وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا

(اور اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو بالکل سلب کرلیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو کارساز نہ پائیں۔)

آہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خطاب دلیل ہے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی ہمت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خطاب کرسکے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا مضمون خود بنا سکتے تھے جس سے آپ کے کمالات کے زوال کا امکان ظاہر ہو پھر چونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانپ اٹھنے کا موقع تھا اس لیے آگے تسلی فرماتے ہیں: اِلاَّ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ یعنی صرف رحمت کارسازی کرسکتی ہے پھر چونکہ رحمت مشیت کے تابع ہے اور مشیت ہر مقدور کے ساتھ متعلق ہوسکتی ہے تو یہ کیسے معلوم ہو کہ یہاں مشیت کا تعلق بصورت رحمت ہی ہوگا اس لیے آگے تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں: اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا (بیشک خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے حال پر بہت کچھ ہے۔) اب پوری تسلی ہوئی کہ گو حق تعالیٰ کو سلب وحی پر پوری قدرت ہے مگر بوجہ کمال فضل کے سلب کا وقوع کبھی نہ ہوگا۔ پس وہ ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ضرور ہے اور فضل ورحمت کے ساتھ سلب پر قدرت ہونا یہی علامت ہے غایت رحمت وفضل کی کہ ایک بات پر قدرت ہے مگر فضل وانعام کی وجہ سے قدرت کو

ظاہر نہیں کرتے اور اگر سلب پر قدرت نہ ہوتی تو اضطرار ہوتا اور اضطرار کی صورت میں وحی کا سلب نہ ہونا دلیل رحمت فضل نہ ہوتی۔ غرض ایک دفعہ کو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرمادیا کہ ہم ایسے قادر ہیں کہ آپ جیسے کامل واکمل کے کمالات بھی سلب کر سکتے ہیں گو کریں گے کبھی نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ارشاد ہے پھر ہم تو کیا چیز ہیں جو دعویٰ کر سکیں۔ ہماری نماز کیا اور ہمارا علم کیا اگر حق تعالیٰ چاہیں تو دم بھر میں سب سلب کر لیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 128،127)

ہندوستان میں مذہب حنفی کے وجوب کی وجہ

ہدایہ میں بعض مسائل کی نسبت دوسرے امام کی طرف غلط کر دی گئی اسی طرح شافعیہ کی کتابوں میں حنفیہ کی طرف بعض مسائل غلط منسوب کیے گئے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے ہندوستان میں تقلید مذہب حنفی کے وجوب کی کہ یہاں رہ کر کسی دوسرے مذہب میں عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہندوستان کے اکثر علماء حنفی ہیں اور یہاں کتابیں بھی فقہ حنفی کی زیادہ ملتی ہیں اساتذہ بھی اسی فقہ کے میسر ہو سکتے ہیں۔ دوسرے فقہ کی نہ زیادہ کتابیں یہاں موجود ہیں نہ ان کے پڑھانے والے میسر آسکتے ہیں تو پھر عمل کی کیا صورت ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 146)

نااہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے

الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی قائم نہیں رہتی جلدی زائل ہو جاتی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسے مسائل میں جو ایک جگہ مطلق ہوں دوسری جگہ مقید ہوں جاہل واعظ ضرور غلطی کرے گا اور اس کے امتحان کی آسان صورت یہ ہے کہ جاہل کے وعظ میں ایک عالم کو دو چار دفعہ پردہ میں بٹھلاؤ دو چار دفعہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ ایک دفع تو غلطی سے محفوظ رہ جانا ممکن ہے مگر ہمیشہ محفوظ رہنا جاہل سے دشوار ہے دو چار دفعہ کے بعد ان عالم صاحب سے پوچھ لینا کہ اس نے کتنی غلطیاں کی ہیں ان شاء اللہ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ یہ کام نااہل کو نہ دینا چاہیے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ عالم سے غلطی نہیں ہوتی عالم بھی بشر ہے اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے مگر وہ خفیف اور قلیل غلطی کرے گا شدید اور بکثرت غلطی نہ کرے گا۔ یعنی اس کے بیان میں شاذ و نادر بھی سو بار میں ایک غلطی ہو گی اور جاہل کے وعظ میں کثرت سے غلطیاں ہوں گی۔ پھر عالم کو دوسرے وقت اپنی غلطی پر تنبہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بیان میں اس کی اصلاح بھی کر سکتا ہے اور جاہل کو تنبہ بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا غلطی کی ہے اس لیے یہ اس سے اشد ہے۔ خوب سمجھ لو صاحب آپ کو تجربہ نہیں اور مجھے تجربہ ہے جس کی بناء پر میں کہتا ہوں کہ نااہل کو وعظ کی اجازت نہ دینا چاہیے واللہ جہل کی وجہ سے بڑی خرابیاں ہو رہی ہیں۔ کان پور میں ایک شخص نے ایک ایسے بکرے کی قربانی کی جس کا کوئی عضو عیب سے خالی

نہ تھالوگوں نے اس سے کہا کہ اس کی قربانی جائز نہیں تو وہ کہتا ہے ہماری بی بی صاحبہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ پھراس نے بیوی سے جا کر کہا کہ لوگ تمہارے فتویٰ میں غلطی نکالتے ہیں۔اس نے شرح وقایہ کا اردو ترجمہ پڑھا تھااس میں مسئلہ کا موقع نکال کر باہر دیا کہ دیکھواس میں لکھا ہے کہ تہائی عضو سے کم کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز ہے اور اس بکرے کا کوئی عضو تہائی سے زائد نہیں کٹا بلکہ کم ہی ہے کہ مجموعہ مل کر بہت زیادہ تھا کچھ ٹھکانا ہے اس نامعقول حرکت کا کہ ایک عورت بھی شرح وقایہ کا ترجمہ پڑھ کر مفتی بن گئی۔اب میں مکرر خلاصہ مقام کا عرض کرتا ہوں کہ آیت کا حاصل مدلول یہ ہوا کہ تحصیل علم کی بھی سخت ضرورت ہے اور عمل کی بھی۔

(خطبات حکیم الامت جلد27، ص147)

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ ان کے سامنے کسی نے یہ پڑھ دیا۔(جاں بدہ وجاں بدہ وجاں بدہ) آپ نے فرمایا کہ محبوب جان طلب کر رہا ہے مگر افسوس کوئی جان دینے والا نہیں اور پھر فرمایا کہ (جاں دادم و جاں دادم وجاں دادم) اور یہ کہتے ہی جان نکل گئی۔ لیکن پھر بھی ایسے لوگ بہت کم ہیں فرماتے ہیں:

ولو أنا كتبنا عليهم أن اقتلوا أنفسكم أواخرجوا من ديار كم مافعلوه إلا قليل منهم

(اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ تم اپنی جان کو مار دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو تھوڑے ہی لوگوں نے ایسا کیا) اور اگر سب کے سب ایسے ہی ہوتے بھی تو ایک سال میں سب کے سب ختم ہو جاتے۔یہ تو رحمت ہے کہ اگر خیر جانور ہی دیدو تو وہ بھی کافی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ جانور عزیز ہو۔ حدیث میں ہے:"سمنوا ضحاياكم فانها على الصراط مطايا كم" تم موٹی تازی قربانی کیا کرو صراط مستقیم پر یہی تمہاری سواریاں ہوں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ ختم کی تو ایک اونٹنی ذبح کی تھی جس کی قیمت تین سو اشرفی بنتی تھی۔الحاصل یہ معلوم ہو گیا کہ حکمت قربانی کی وہ نہیں ہے جو کہ اس وقت لوگوں نے تراش رکھی ہے بلکہ یہ حکمت ہے اور یہ بھی ہم نے تبرعاً بتلا دیا اور نہ اصل مسلک ہمارا یہ ہے کہ

حدیث از مطرب ومئے گو وراز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس مشکود وبکشاید بحکمت ایں معمارا

(ساقی شراب کی بات کرو گردش ایام کو کچھ نہ کہو اس معمے کو نہ کوئی کھول سکا ہے نہ کھول سکے گا)

(خطبات حکیم الامت جلد27، ص171،170)

انتظار نماز میں ثواب

اسی طرح اگر کوئی شخص اول وقت نماز پڑھنا چاہے اور اس کو شدت سے بھوک لگی ہو تو شریعت حکم کرے گی کہ نماز کو مؤخر کرو اور کھانا کھاؤ۔اس راز کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ الفاظ میں فرماتے ہیں:"لأن يكون

اکلي کله صلوة خیر من أن یکون صلوتي کلها اکلا(کھانا کھاتے رہنااور خیال نماز کی طرف رہنا بہتر ہے اس بات سے کہ نماز پڑھتا رہے اور نیت کھانے کی طرف رہے) کیونکہ جب کھانا کھانے میں نماز کا برابر خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظار صلوۃ میں گزرا اور انتظار صلوۃ میں صلوۃ کا ثواب ہے۔ بر خلاف اس کے اگر بھوک میں نماز شروع کر دی جائے تو جوارح تو نماز میں مشغول ہوں گے اور دل کھانے میں پڑا ہوگا تو نماز کھانے کی نذر ہوگی اور یہی فہم ہے جس کی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے آج یہ فہم مفقود ہے ہم لوگ کتابیں ان سے زیادہ پڑھتے ہیں مگر وہ بات حاصل نہیں۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہے ضروری نہیں کہ سکندری فن سے واقف ہو)

ہر عمل کی غایت

اور اسی راز کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ میں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں۔ غرض انسان کے لیے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں کیونکہ اس کی شان عبد کی ہے اور جب یہ ہے تو ایک تو وہ شخص ہے کہ نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے باتوں میں مشغول ہے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ رہا ہے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے لیکن غور کریں تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے مثلاً مسافر کے انبساط خاطر کے لیے ایسا کر رہا ہے یا کوئی دوسری ایسی ہی نیت ہے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے تو ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 187)

بزرگی کی حقیقت

صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے کہ

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماکاتبین راہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان بعض راز ایسے پنہا ہوتے ہیں کہ کراماکاتبین دو فرشتے ہیں جو نیکی اور بدی لکھتے ہیں کو بھی خبر نہیں ہوتی) یعنی بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو لیکن جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح

آپ کے برتاؤ، روز مرہ کی باتوں میں سونے میں، جاگنے میں غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لیے داخل کیا گیا کہ حدیث میں ما انا علیہ و اصحابی (جس راستے پر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے صحابہؓ ہیں) آیا ہے اور ماعام ہے عبادت اور عادت دونوں کو، تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے کو یا کم پینے کو اس میں دخل نہیں۔

کم کھانا بزرگی کی علامت نہیں

دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا علم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دونی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔ ایک شیخ سے ان کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس پچاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے۔ (خیر الامور اوسطہا) تمام کاموں میں میانہ روی بہتر ہے، اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ اصلی خوراک میری اس سے بہت زیادہ ہے جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دونی کھایا کرتا تھا تو اس حکایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض آدمیوں کی خوراک بہت زیادہ ہوتی ہے اور اصلی خوراک کے اعتبار سے وہ بہت کم کھاتے ہیں تو یہ معیار صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ بزرگوں نے قلۃ الطعام اور قلت المنام کا حکم فرمایا ہے تو سمجھو کہ اول تو ہر ایک کی قلت جدا ہے جیسا حکایت بالا سے معلوم ہوا دوسرے ہر ایک کے لیے قلت کو تجویز بھی نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لیے کسی بڑے مفسدے کے دفع کرنے کے لیے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے ذریعے سے کسی کو گناہ کبیرہ سے بچانا منظور ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 191، 190)

جو ختنہ نہ کرائے

ابھی میرے پاس اسی سفر میں خط آیا تھا کہ ایک نصرانی مع اپنے گھر بار کے مسلمان ہوا ہے لوگ اس کو مجبور کرتے ہیں کہ ختنہ کراؤ لیکن اگر زیادہ مجبور کیا گیا تو اندیشہ ہے دین سے پھر جانے کا میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ ختنہ کرانا اسلام کا رکن نہیں ہے اول تو فقہاء نے لکھا ہے کہ جن کو تحمل نہ ہو اس کو اس کا ترک جائز ہے۔ دوسرے وہ ختنہ نہ کرانے سے زیادہ سے زیادہ گنہگار رہے گا مرتد تو نہ ہوگا۔ غرض واقعات کا جاننا ضروری ہے مثلاً کوئی شخص بیع

وشرا کا مسئلہ پوچھتا ہے تو اول ہم سمجھ تو لیں کہ اس کی کیا صورت ہے۔ اگر سمجھیں گے ہی نہیں تو فتویٰ کیا دیں گے اور سمجھنے کے لیے واقعات سے مناسبت کی ضرورت ہے ایک شخص مجھ سے ملے عامل بالحدیث وہ اکثر مجھ سے زمینداری کے مسئلے پوچھا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہمارے علماء تو بس آمین بالجہر اور رفع یدین ہی کے مسئلے جانتے ہیں اور معاملات کو تو سمجھتے بھی نہیں، حکم بتلانا تو در کنار، غرض واقعات جب سمجھ میں نہ آویں گے تو فتویٰ کیا دیں گے تو ان کا جاننا بھی لواحق علم سے ہے اور انہیں علم واقعات کے ذیل میں بعض قانون انگریزی کی کتابیں بھی داخل ہیں کیونکہ بہت سے احکام شرعیہ پر عمل کرنا قانون کے جاننے پر موقوف ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 227)

دین کو اغراض کا آلہ بنانا اور اذکار کے لیے اجازت لینے کی حقیقت

ایک بزرگ حکایت فرماتے تھے کہ ایک مقام پر مسجد میں ایک بڑھیا کھانا لائی وہاں اس وقت اتفاق سے مُلا (مولانا صاحب) نہیں تھا ایک اور مسکین مسافر بیٹھا تھا اس نے کہا کہ آج اسی کو دے دو مُلا تو نہیں ہے مطلب تو ثواب سے ہے وہ مسافر کو کھانے دے کر واپس جارہی تھی کہ راستہ میں مُلا ملا اس نے کہا بڑی بی کہاں سے آرہی ہو اس نے کہا کہ میں کھانا لے کر گئی تھی تم ملے نہیں ایک اور مسکین کو دے کر چلی آئی مُلا نے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا بے ڈھب راستہ نکلا اب تو روز ایسا ہی ہوا کرے گا اس کا انسداد کرنا چاہیے۔ بس مسجد میں جا کر ایک لٹھ ہاتھ میں لے کر اچھلنا کودنا شروع کیا اور چاروں طرف لاٹھیاں مارنا شروع کیا، کبھی فرش پر، کبھی دیواروں پر اور خوب اودھم مچایا اور اخیر میں دھڑام سے گر پڑا، محلہ کے سب لوگ شور وغل سن کر جمع ہو گئے جب اس کو ہوش آیا پوچھا، ارے بھئی کیا ہوا، کہا تمہیں کیا جو کچھ ہوا وہ ہوا، ارے بھئی کچھ تو کہو کیا کہوں آج بڑی بی نے کھانا کسی اور کو دے دیا بے چارہ تمہارے مردوں کو جانتا نہ تھا خدا جانے کس کس کو دے دیا ابھی سارے مردے مجھ سے لڑنے لگے کیونکہ ہمیشہ میرے ہی ہاتھ سے ان کو ملتا تھا۔ پہلے تو میں نے ان کو مارا پیٹا بھگایا مگر کہاں تک میں اکیلا اور وہ سینکڑوں آخر میں ہی ہارا بھئی میں تو یہاں سے جاتا ہوں کیونکہ روز روز کی مار پیٹ کون سہے، لوگوں نے خوشامد کی کہ نہیں تم جاؤ نہیں ہم ان سے عہد کرتے ہیں کہ سوائے تمہارے کسی اور کو کبھی نہ دیں گے اس آمدنی کی خاطر یہ سب کرنا پڑا۔ غرض بعض لوگوں نے قرآن کو ان اغراض کا آلہ بنا رکھا ہے اس کام میں مخصوص کر لیا ہے اسی طرح ایسے ہی اغراض کے لیے تعویذ گنڈوں میں عاملوں نے اپنی دکان کی حفاظت کے لیے یہ مسئلہ بنا رکھا ہے کہ جب تک اجازت نہ ہو تو عمل چلتا ہی نہیں تو یہ سب مہمل باتیں ہیں ان کی کچھ اصل نہیں ہے کہ اجازت ہو تو عمل کا اثر ہو اور غضب یہ ہے کہ اب تو اس رسم کا یہاں تک اثر ہو گیا ہے کہ لوگ دین میں بھی اجازت لیتے ہیں مثلاً مناجات مقبول پڑھنے کی اجازت مانگتے ہیں اس میں تمام ادعیہ ماثورہ جمع کر دی گئی ہیں اور دعا خود مامور بہ ہے۔ چنانچہ اُدْعُوْنِی میں بصیغہ امر فرمایا گیا ہے کہ دعا کرو، اسی طرح دلائل الخیرات کی اجازت چاہتے

ہیں حالانکہ وہ درود کی کتاب ہے اور درود پڑھنا بھی مامور بہ ہے۔ چنانچہ صلوا علیه وسلموا تسلیما میں اس کا امر ہے تو امر خالق کے سامنے امر مخلوق کی کیا ضرورت رہی لیکن اس کی ایک توجیہ کرتے ہیں کہ اجازت سے برکت ہوتی ہے عمل میں، چنانچہ جس سے اجازت لیتے ہیں اگر وہ یوں دعا کر دے کہ اے اللہ! اس کے پڑھنے میں برکت دے دے تو۔ حالانکہ جتنی برکت اس دعا میں ہو گی اس اجازت میں ہر گز نہ ہو گی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 257،256)

اہل علم میں اخلاق حسنہ کی کمی پر اظہار افسوس

اے صاحبو! اہل علم میں جو فضائل ہونا چاہیے وہ ہمارے اندر کہاں ہیں صبر کہاں ہے، شکر کہاں ہے، تواضع کہاں، حب جاہ سے نفرت اور خمول کی رغبت جو مسلمان ہم سے ملتے ہیں ہم خود ان سے تعظیم کے طالب ہوتے ہیں اگر کوئی ایک مرتبہ ہم کو بلاوے اور نذر دے دوسری دفعہ اگر بلائے گا تو خیال ہوتا ہے کہ اب کی مرتبہ بھی نذر ملے گی اور اگر نہیں دیتا تو قلب میں شکایت ہوتی ہے اور بعض زبان سے بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ حالت میں عام واعظوں کی بیان نہیں کرتا ان کے حالات تو اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہیں۔ یہ تو ان علماء کی حالت ہے جو علم کے ساتھ مشیخیت کی مسند پر بھی بیٹھے ہیں اور لوگوں کے مقتدا بنے ہیں تو آخر یہ کیا بات ہے یہ کیا آفت ہے۔ بس بات یہ ہے کہ علم ہمارے صرف زبان پر ہے ہمارے اندر نہیں پہنچا۔ اگر قلب میں اس کا اثر ہوتا اور قلب اس سے رنگین ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

علم چوں بر تن زنی مارے بود　　علم چوں بر دل زنی یارے بود

(علم کو اگر دل پر مارو تو دوست بن جاتا ہے اور علم کو اگر بدن پر مارو تو سانپ بن جاتا ہے)

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت　　زنگ گمراہی زدل بزدایدت

(علم وہ ہے جو تجھے راستہ دکھادے اور تیرے دل سے گمراہی کا زنگ دور کرے)

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند　　خوف وخشیت دردلت افزوں کند

(یہ علم تمام خواہشات نفسانی کو باہر نکال دیتا ہے اور خوف و عاجزی کو تیرے دل کے اندر زیادہ کرتا ہے)

تو ندانی جز یجوز ولا یجوز　　خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز

(تو سوائے جائز اور ناجائز کے کچھ نہیں جانتا اور تو نہیں جانتا کہ تو دوشیزہ ہے یا بوڑھی عورت)

ہمارے اندر کبر اس درجہ ہے کہ اگر راہ میں کوئی مسلمان مل جائے تو خود سلام نہ کریں گے منتظر رہیں گے کہ یہ خود ہم کو سلام کرے اگر کسی مسئلہ میں ہم سے غلطی ہو جاتی ہے تو ہر گز نہ مانیں گے۔ اگر تدریس کے وقت کوئی طالب علم حق بات کہے اور وہ ہمارے خلاف ہو تو اپنی بات کی پچ کریں گے ہر گز اس کی بات کو تسلیم نہ کریں گے تو آفت کس

شے کی ہے اور یہ حالت ہماری کیوں ہے۔ بس قلب میں کوئی چیز نہیں ہے اس لیے میں اہل علم کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ علم تو آپ لوگوں نے حاصل کر لیا اور عمل بھی کم و بیش بفضلہ تعالیٰ کرتے ہو اب اس کی کوشش کرو کہ تمہارے اندر ملکہ راسخہ پیدا ہو جاوے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 336)

ہدیہ میں احتیاط

ایک صاحب نے دوسو روپیہ مدرسہ میں بھیجے اور لکھا کہ میرا جی تمہارے لانے کو چاہتا ہے میں خود آ کر تمہارے آنے کی تحریک کروں گا میں نے ان کو لکھ دیا کہ اگر میرے بلانے کے متعلق آپ مضمون نہ لکھتے تو میں یہ روپے وصول کر لیتا اور اب اس مضمون کے ہونے سے مجھ کو آپ کے خلوص میں شبہ پڑ گیا کہ روپیہ بھیجنے سے شاید آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں آنے کے متعلق آزادانہ جواب نہ دے سکوں روپیہ آنے سے اثر ہو، اس لیے یہ روپیہ ڈاک خانہ میں امانت رکھا ہے وصول نہیں کیا اور میں واپس ہی کر دیتا لیکن آپ کی دل آزاری کے خیال سے واپس نہیں کیا اگر اس کا جواب میرے مذاق کے موافق آیا تو رکھوں گا ورنہ واپس کر دوں گا۔ حضرت ہم لوگوں کے تساہل سے یا طمع سے یا ہماری خوش اخلاقی سے ان بڑے لوگوں کے دماغ بگڑ گئے ہیں واللہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سو دوسو روپیہ دکھا کر ہم نے ان مُلّانوں کو خرید لیا ہے اس کا جواب یہ آیا کہ بلانے کی تحریک سے دست بردار ہوتا ہوں میں آپ کو نہیں بلاتا آپ یہ روپیہ قبول کر لیجئے میں نے ان کو لکھ دیا کہ مجھے آپ کی اس تہذیب کے برتاؤ سے بہت مسرت ہوئی اور آپ سے اس قدر محبت ہوگئی کہ اب مجھے خود آپ سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا ہے میں آؤں گا لیکن یہ عہد کر لیجئے کہ وہاں بلا کر مجھ کو کچھ دیا نہ جاوے۔ چنانچہ وہاں جانا ہوا اور انہوں نے کچھ پیش کرنا چاہا میں نے کہا کہ میں آپ کا بھی برا نہیں کرنا چاہتا لیکن میرے معمول کے خلاف ہے کہ کہیں جا کر کچھ لوں اگر تم کو دینا ہے تو وہاں آ کر دو یا بھیج دو۔ چنانچہ ایک عرصہ کے بعد وہ آئے اور ہدیتاً کچھ دیا ان کے واقعہ سے ان کے خلوص کا امتحان ہو گیا بعضے ایسے بھی ہیں کہ ایک بار کے عُذر کے پھر وہ کروٹ بھی نہیں لیتے جس سے ان کے خلوص کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ محض رسم کے طور پر دیتے تھے تو مجھ کو تو تجربہ نے دکھلا دیا ہے کہ اکثر لوگوں کے اندر اس زمانہ میں خلوص بہت کم ہے کوئی دباؤ سے کچھ دیتا ہے، کوئی اپنی جاہ کی حفاظت کے لیے، کوئی رسم و رواج کی پابندی سے اس لیے میں اس باب خاص میں ذرا زیادہ احتیاط رکھتا ہوں اور سب اہل علم کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس مادہ خاص میں ذرا کشیدگی اختیار کریں اور وہ بات دل میں پیدا کریں کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی تمہارے سامنے گرد ہو اس لیے کہ

آن را کس ترا شناخت جاں را چہ کند   فرزند و عزیز و جان و مال را چہ کند

(جس کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی وہ جان کو کیا کرے، بیٹے، رشتہ دار اور منصب ومال کو کیا کرے گا)

واللہ اگر حق تعالیٰ کی معرفت اور نسبت ہم کو نصیب ہو جائے تو کیا چیز ہے روپے اور کیا چیز ہے جان۔ مگر افسوس کہ ہمارا قلب اس دولت سے خالی ہے اس لیے بھٹکتا پھرتا ہے اور اگر یہ دولت ہوتی تو ہمارے سامنے کسی شے کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 340،341)

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مشکل سوال کا جواب

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا اَیَزنِی العَارِفُ یعنی کیا عارف زنا کرتا ہے؟ یہ سوال نہایت ٹیڑھا تھا اور مزل الاقدام ہے اگر ہم سے پوچھا جاتا تو ہم تو اس کے جواب سے عاجز ہو جاتے۔ اس لیے کہ اگر اس کے جواب میں نعم کہا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ عارف عارف نہ رہے گا اور اگر لا کہا جائے تو تسلیم وعبدیت کے خلاف اور قدرت کا مقابلہ ہے اگر کسی اہل ظاہر سے ایسا سوال کیا جاتا تو وہ تنگ ہو کر یہ کہہ دیتا۔

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

(دریا کی گہرائی میں تختہ سے باندھ دیا اور پھر کہہ دیا کہ دامن تر نہ ہو، ہوشیار رہنا)

اور صاف کہہ دیتا کہ جواب نہیں ہو سکتا لیکن جنیدؒ سید الطائفہ کیوں ہوتے اگر ایسے اشکالات کو نہ سلجھاتے پھر بھی یہ اشکال اس درجہ کا تھا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کے جواب میں تامل کرنا پڑا۔ چنانچہ آیا ہے "فاطرق ملیاثم رفع راسه وقال وکان امر الله قدرا مقدورا یعنی جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا"وکان امرالله قدرا مقدورا»(یعنی خدائے تعالیٰ جو تجویز کر چکتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے) خدائے تعالیٰ کے سامنے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ فلاں گناہ نہیں کر سکتا سوائے تسلیم ورضا کے، اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں، یہ ایسا عجیب جواب ہے کہ اس میں ہر پہلو کی رعایت ہے اور کچھ تعارض وتناقض بھی لازم نہیں آتا ہے اس تحقیق کی بھی روایت ہے کہ عارف سے زنا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کے واسطے گناہ کو مقدر ہی نہیں فرماتا اور تسلیم ورضاء اور عبدیت کا پہلو بھی نہیں چھوڑا گیا ہو ظاہر۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب سے کمال علم اور معرفت ظاہر ہوتی ہے اور یہی تو وہ ہے کہ جس سے وہ شیخ الطائفہ ہوئے۔

عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ بُعد ہوتا ہے

پس حقیقت یہی ہے کہ عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کو بُعد ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمہ اللہ نے اس کی عجیب مثال لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے کوئی بالغ بعد بلوغ کے نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح عارف بھی بعد معرفت کے

راجع نہیں ہوتا اور یہ مثال نہایت چسپاں اور مطابق ہے اس لیے کہ حقیقی بالغ عارف ہے۔ عارف کے سواسب نابالغ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفااللہ جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(سوائے مست خدا کے ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے جس نے خواہشات نفسانی کو ترک نہیں کیا وہ بالغ ہے، نہیں ہے)

خوب کہا ہے صوفیاء نے کہ اہل لغت کے نزدیک تو بالغ وہ ہے جو منی والا ہو جائے اور ہمارے نزدیک بالغ وہ ہے جو منی سے نکل گیا ہے اول منی بمعنی ماء ہے اور دوسری منی بمعنی من شدن یعنی خودی ہے، پس جیسے بالغ نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح کامل دراصل راجع نہیں ہوتا اور مقبول ہو کر مردود نہیں ہوتا اور جیسے پھل جب پک جاتا ہے تو پھر وہ کچا نہیں ہوتا اور اس اخیر مثال میں اُس طرف اشارہ ہے کہ جسطرح پکا پھل گو خام نہیں ہو مگر متغیر تو ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عارف سے کبھی کبھی لغزشیں ہوتی ہیں کبھی اجتہادی اور کبھی بمقتضائے بشریت، مگران کی وہ غلطی کیسی ہے، وہ غلطی ایسی ہے۔

خوں شہیداں راز آب اولی ترست ایں خطاا ز صد صواب اول ترست

(شہیدوں کا خون آب حیات سے افضل ہے، یہ غلطی سینکڑوں درستگیوں سے بہتر ہے)

اور ان غلطیوں پر انکی گوشالی بھی ہوتی ہے اور یہ گوشالی سالکین ہی کو ہوتی ہے، مجاذیب کو نہیں ہوتی لیکن ان غلطیوں کو ہم اپنی غلطیوں پر قیاس نہ کریں اس لیے کہ

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

(نیک لوگوں کے کام کو اپنی طرح نہ سمجھ جو ہماری عبادت ہے وہ ان کے لیے لغزش ہے اور جو ہماری لغزش ہے وہ ان کے لیے کفر کا حکم رکھتی ہے)

ایک بزرگ ایک جنگل میں رہا کرتے تھے ایک روز بارش ہوئی ان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ سبحان اللہ کیسے اچھے موقع پر بارش ہوئی ہے۔ معاً ندا آئی کہ او بے ادب بتا بے موقع کس روز ہوئی تھی۔ بادشاہوں کے سامنے بولنا سیکھ! سن کر رنگ ہوا ہو گیا، بدن پر لرزہ پڑ گیا۔ صاحبو! مدح کے لیے بھی سلیقہ چاہیے، مدح بھی ہر ایک نہیں کر سکتا۔

ایک اور بزرگ تھے وہ پاؤں پھیلا کر بیٹھے تھے ندا آئی، او بے ادب! بادشاہ کے سامنے پاؤں پھیلایا کرتے ہیں حضرت تمام عمر گزر گئی کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ آپ سن کر سمجھتے ہوں گے کہ بیچارے بڑی تکلیف میں تھے

صاحبو! یہ شبہ اس لیے واقع ہوا کہ ہم نے ان بزرگ کو اپنے اوپر قیاس کیا وہ تکلیف میں نہیں تھے ان کو اس خطاب کی لذت نے ایسا بے خود بنادیا کہ ان کو اس حالت میں صدہا آرام سے بڑھ کر ذوق تھا۔
(خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 350،349)

عبادات کے مقبول ہونے کی علامت

اس مضمون کو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک بار اس طرح بیان فرمایا کہ اگر ایک آدمی تمہارے گھر پر روزانہ آتا ہو اور تم کو اس کے روک دینے کی قدرت ہو تو اگر تم کو اس کا آنا ناگوار ہوگا تو تم اس کو صاف صاف روک دو گے کہ آپ یہاں نہ آیا کریں مجھے تکلیف ہوتی ہے اور اگر باوجود قدرت کے تم اس کو نہ روکو تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کا آنا تم کو ناگوار نہیں بلکہ تم اس کا آنا چاہتے ہو اسی طرح اگر حق تعالیٰ کو تمہارا مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا پسند نہ ہوتا وہ تم کو خود روک دیتے مگر جب پانچ وقت مسجد میں آنے کی اور نماز میں اپنے سے بات چیت کرنے کی تم کو توفیق دے رکھی ہے تو سمجھ لو کہ تمہارا آنا ان کو ناگوار نہیں ہے اور تمہاری عبادت خدا کے یہاں مقبول ہے، رہا یہ کہ حق تعالیٰ اگر روکنا چاہیں تو کس طرح روکیں گے کیا وہاں سے کوئی سپاہی آئے گا ہاں وہ اس طرح روک دیں گے کہ تم کو نماز کی توفیق ہی نہ ہوگی وہ سپاہی یہی ہے جیسے ایک اور غلام کا قصہ ہے کہ غلام آقا کے ساتھ بازار میں گیا راستے میں نماز کا وقت آگیا غلام نمازی تھا وہ آقا سے اجازت لے کر مسجد میں نماز کے لیے گیا اور آقا صاحب مسجد کے باہر بیٹھ گئے اب تمام نمازی نماز پڑھ کر مسجد سے جارہے ہیں مگر غلام باہر ہی نہیں آتا اس نے اطمینان سے فرض پڑھے پھر نفلیں شروع کردیں پھر وظیفہ میں لگ گیا جب بہت دیر ہوگئی تو آقا نے آواز دی میاں اتنی دیر کہاں لگادی باہر کیوں نہیں آتے غلام نے کہا کہ آنے نہیں دیتے کہا کون نہیں آنے دیتے، کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔ واقعی جب ان کو کسی کا مسجد میں آنا ناگوار ہوتا ہے تو اس کو مسجد میں قدم رکھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی بہت لوگ برسوں مسجد کے دروازے پر کباب بنا کر بیچتے ہیں مگر ایک دن بھی مسجد کے اندر جانے کی توفیق نہیں ہوتی یہی ہے ان کا روکنا، وہ اسی طرح روکا کرتے ہیں پس جن کو پانچوں وقت نماز کی توفیق ہورہی ہے وہ امید رکھیں کہ ان شاءاللہ تعالیٰ ان کی عبادات مقبول ہورہی ہیں۔ گو ہماری عبادات اس قابل تو نہیں ہیں مگر محض رحمت سے قبول ہوجاتی ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 395)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی حکایت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور نہایت چین میں ہوں مگر ہمارا پڑوسی ہم سے بھی بڑھ گیا حالانکہ نہ اس نے وہ

مجاہدات کئے جو ہم نے کئے تھے نہ طریق سلوک طے کیا، وہ بیچارا اہل وعیال والا تھا سوائے ضروریات واجبات وفرائض کے کچھ نہ کرتا تھا۔ دن بھر اہل وعیال کے لیے کسب معاش کرتا تھا لیکن ہر وقت اس میں رہتا تھا کہ کاش میرے لیے بھی کبھی وہ دن آئے کہ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی طرح مطمئن ہو کر اللہ کا نام لوں اور یہ حال ہو۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے به ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(فراغ قلب سے ایک نظر معشوق کے چہرہ پر ڈالنا اس شاہی چھتری سے بہتر ہے کہ سلطنت کی ہائے ہوئے کا شور وغوغا ہو)

اور یہ حال ہو:

چہ خوش است باتو بزمے بنہفتہ ساز کردن درخانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

(کیا ہی اچھا ہو کہ تیرے ساتھ ایک خفیہ مجلس اور گھر کا دروازہ بند کر کے جام شراب کی مہر کھولی جائے)

ساری عمر وہ اسکی تمنا میں رہا مگر ایک دن بھی اسے فراغ نصیب نہ ہوا لیکن آج جو اس کو درجات ملے ہیں ابراہیم ان کو ترس رہا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 405)

نیت کا اجر

اور حق تعالیٰ نے اس کی نیت پر نظر فرمائی گو عمل قلیل تھا مگر اس کا ارادہ تو ہر وقت یہی تھا کہ ذرا فراغ نصیب ہو تو یوں ذکر کروں اس طرح نماز میں پڑھوں اور اس طرح مجاہدات کروں۔ بس اس کی یہ نیت قبول ہو گئی اب کیا حقیر سمجھتے ہوا ے صوفیو! تم ان گاؤں والوں کو ممکن ہے کہ یہ تصوف میں بھی تم سے افضل ہوں کیونکہ تصوف نام خلوص فی الاعمال کا ہے تو ممکن ہے کہ بعض گاؤں والے خلوص میں تم سے بڑھے ہوئے ہوں پھر جس مشقت سے وہ اپنی اہل وعیال کے لیے کسب معاش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ خلوص میں جو ان کو دقت پیش آتی ہے اس کی وجہ سے ان کے درجات آخرت میں تم سے بڑھ جائیں۔ یہ حق تعالیٰ کا راستہ ہے جو ہر ایک کے لیے مختلف ہے کسی کو کھیتی اور ہل جوتنے ہی میں مقصود تک پہنچا دیا، کسی کو خانقاہ میں رکھ کر پہنچایا، کسی کو سہولت سے پہنچایا، کسی کو مشقت سے، کسی کو بسط کی راہ سے لے گئے، کسی کو قبض کی راہ سے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 405)

حضور ﷺ کا اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد فرمانا

احادیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ان بڑھیا کو کیا یاد فرمایا کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی آپ کو دیدیں۔ حدیث میں ہے: "فغضب حتى قلت والذي بعثك بالحق لااذكرها بعد

هذا الا بخير» یعنی آپ کو غصہ آ گیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ڈر گئیں اور قسم کھا کر عرض کیا کہ اب سے جب بھی ان کا ذکر کروں گی بھلائی سے کروں گی۔ یہ حالت رعب کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تھی جن کو سب سے زیادہ ناز تھا تو دوسری ازواج کی تو کیا حالت ہو گی، تو ناز برداری کے ساتھ رعب کا جمع کرنا سرسری بات نہیں۔ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکاح کر کے بھی بتلا دیا کہ جس کے چند بیبیاں ہوں اسے سب کے ساتھ کس طرح عدل کرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر ایک کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور دوسروں سے کم ہو تو اس وقت اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے ایک کی ترجیح ظاہر ہو بلکہ امور اختیاریہ میں برابری کا پورا خیال رکھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ بھی کر کے دکھا دیا کہ باوجودیکہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سب سے زیادہ محبت تھی مگر عدل میں بھی آپ ﷺ نے فرق نہیں کیا ان میں اور دوسری بیبیوں میں بلکہ ہمیشہ سب میں عدل کی پوری رعایت فرماتے تھے باقی دل کا ایک طرف زیادہ مائل ہونا آپ کے اختیار سے باہر تھا۔ اس میں برابری کیسے کرتے اس لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے "اللهم هذا قسمي في ما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك" اے اللہ یہ میری برابری ہے اس چیز میں جس پر مجھے قدرت ہے پس مجھ سے اس بات میں مواخذہ نہ کیا جائے جس چیز پر مجھے قدرت نہیں) اس میں میلان قلبی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ تھا۔ اور یہ بات آپ ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ غیب سے ایسے سامان کئے گئے کہ خواہ مخواہ آپ ﷺ کے دل کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ میلان ہو چنانچہ نکاح سے پہلے حق تعالیٰ نے خود ایک حریر کے کپڑے میں فرشتہ کے ذریعے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصویر بھیجی تھی کہ یہ آپکی بیبی ہیں جب آپ نے اس کو کھولا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصویر پر نظر پڑی اور وہاں یعنی عالم آخرت میں تصویر جائز ہے۔ اگر تم وہاں اپنا فوٹو کھنچواؤ گے تو ہم منع نہ کریں گے یہ معاملہ حق تعالیٰ نے کسی اور بی بی کے ساتھ نہیں کیا۔ دوسری وحی میں یہ معاملہ تھا کہ کسی دوسری بیوی کے لحاف میں آپ پر وحی نہ آتی تھی بجز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہ ان کے لحاف میں بھی آپ ہوتے تو بے تکلف وحی آتی تھی تو یہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ ہی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب زیادہ مائل فرما دیا پھر اس پر ان کی قدرتی ذہانت و فقاہت اور حسن سیرت سونے پر سہاگہ۔ (خطبات حکیم الامت جلد 27، ص 413)

اٹھائیسویں جلد کے جواہر

بیت المال میں ضرورت احتیاط

حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے ملنے کو آئے حضرت نے ان کو اندر بلالیا اور ان کے آتے ہی چراغ گل کر دیا۔ حضرت نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں گل کر دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اور میں اس وقت بیت المال کا کام کر رہا تھا اب چونکہ ہم اور آپ باتیں کریں گے اور یہ کام بیت المال کا نہیں ہے اس لئے اس تیل سے بات چیت میں انتفاع نہیں کر سکتے حضرت آپ کو اس پر بھی تعجب ہوگا مگر اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ آپ کو شریعت کے اصول و قواعد معلوم نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو ان کے عمل کا اہتمام نہیں ہے، شاید یہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اتنی احتیاط کس سے ہو سکتی ہے یہ تو قدرت سے باہر ہے تو سن لیجئے کہ قدرت سے باہر تو نہیں ہاں دشوار ضرور ہے مگر دشواری اس وقت تک ہے جب تک آپ نے ہمت نہیں کی ذرا ہمت کر کے عمل شروع کیجئے ان شاء اللہ قدم قدم پر غیب سے اعانت ہوگی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 32،33)

قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے، ایک رئیس زادے اور غریب زادے میں گفتگو ہوئی رئیس زادے نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ کی قبر کیسی عمدہ اور مضبوط ہے جس پر شان و شوکت برستی ہے اور تمہارے باپ کی قبر کچی اور شکستہ ہے جس پر کیسی بے کسی برستی ہے۔ غریب زادہ نے کہا بے شک یہ فرق تو ہے لیکن قیامت کے دن میرا باپ تو قبر میں سے آسانی سے نکل آئے گا اور تمہارا باپ پتھر ہی ہٹانے میں لگا رہے گا وہ اتنے چٹانوں اور پتھروں کو ہی ہٹاتا رہے گا میرا باپ جنت میں جا پہنچے گا، کچھ ٹھکانا ہے اس تفاخر کا کہ قبروں کی پختگی پر بھی فخر کیا جاتا ہے۔ اسی کو تو حق تعالیٰ نے فرمایا اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (اے لوگو! تم کو تفاخر نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے) زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کے یا تو یہ معنے ہیں کہ تم اس تفاخر ہی کی حالت میں قبروں میں پہنچ گئے یعنی مر گئے یا یہ کہ تم تفاخر کے لئے قبروں کو دیکھنے گئے۔ جاہلیت میں عرب کی عجیب حالت تھی بعض دفعہ جب دو قبیلے باہم فخر کرتے ایک کہتا کہ ہماری قوم زیادہ ہے دوسرا کہتا کہ ہمارا اجتھاد زیادہ ہے اور اس کے بعد مردم شماری ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک قبیلہ شمار میں

کم ہو جاتا تو وہ کہتا کہ ہمارے آدمی لڑائی میں زیادہ کام آئے ہیں اس لئے ہم کم ہو گئے ورنہ ہماری شمار زیادہ تھی، دوسرا قبیلہ کہتا کہ یہ بھی غلط ہے تمہارے مردے ہمارے مردوں سے زیادہ نہیں ہیں اس کے فیصلے کے لئے قبریں شمار کی جاتی تھیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ تو کفار کی یہ حالت تھی مگر افسوس آج کل مسلمانوں میں بھی یہ مرض پیدا ہو گیا ہے تو وہ قبروں کو شمار تو نہیں کرتے مگر ان کی پختگی اور خوبصورتی پر فخر کرتے ہیں چنانچہ اس لئے بعض لوگ خود اپنی قبر کے پختہ کرنے کی وصیت کر جاتے ہیں۔اس تفاخر ہی کی وجہ سے یہ تمام تکلفات پیدا ہوئے ہیں کہیں زیادہ روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے کہیں جھاڑ فانوس اور قندیل لٹکائے جاتے ہیں۔(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 47،48)

اظہار لاعلمی کوئی نقص نہیں

صاحبو! کسی بات کے متعلق لاعلمی ظاہر کر دینا کوئی نقص نہیں نہ کوئی عیب ہے ہم اور آپ تو کیا چیز ہیں بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سوال پر لا ادری (میں نہیں جانتا) فرمایا چنانچہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے اچھی جگہ کون سی ہے اور سب سے بری جگہ کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ چنانچہ حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا انہوں نے کہا مجھے بھی معلوم نہیں حق تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا حق تعالیٰ سے پوچھا تو ارشاد ہوا خیر البقاع المسجد و شر البقاع السوق (سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور سب سے بدتر بازار ہے۔) دیکھئے بعض دفعہ انبیاء اور ملائکہ نے بھی لا ادری (مجھے معلوم نہیں) فرمایا ہے تو پھر آپ کی اس میں کیا شان گھٹتی ہے مگر افسوس ہم سے کبھی یہ نہیں ہو سکا۔ پس اگر کسی عالم میں یہ وصف موجود ہو تو بیشک فخر کی بات ہے اور واقعی اس میں تصنع و تکلف نہیں ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو اس کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے باقی یہ کوئی فخر نہیں کہ ہم نے عمامہ نہیں باندھا جبہ نہیں پہنا، ننگے پیر چل لئے کیونکہ ان باتوں سے تو تعریف ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ فلانا بہت بے نفس اور متواضع ہے اور جس بات سے تعریف ہوتی ہو اس کا اختیار کرنا بڑا کمال نہیں اور اگر یہ کہو کہ لا ادری مجھے معلوم نہیں، کہنے میں بھی تو تعریف ہوتی ہے۔ تو یہ سچ ہے مگر اس وقت تو ذلت ہی ہوتی ہے گو بعد میں تعریف ہو۔ یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے بعض صاحبوں کو روشنی زیادہ کرنے کے اہتمام میں دیکھا تھا اس پر میں نے یہ سب باتیں عرض کی ہیں کہ ہم میں بے تکلفی اور سادگی ہونی چاہیئے گو اس مضمون کا آیت سے کوئی تعلق نہ تھا ویسے ہی درمیان میں ایک ضروری بات پر متنبہ کرنا چاہا تھا۔ اور دیر تک اس کو ممتد کرنے کا قصد نہ تھا یہ خدا ساز بات ہے کہ اس پر گفتگو بڑھ گئی ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو اپنی طرف سے تو میں بیان میں ارتباط کا لحاظ رکھتا ہوں لیکن جب حق تعالیٰ کسی خاص مضمون کو بیان کرانا چاہتے ہیں تو پھر ربط وغیرہ کا خیال نہیں رہتا اس وقت وہی کہنا پڑتا ہے جو وہ کہلواتے ہیں جیسا کہ مولانا رومی نے بیان فرمایا ہے

قافیہ اندیشم و دلدار من گویدم مندیش جز دیدار من
(میں قافیہ سوچتا ہوں اور میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ میرے دیدار کے سوا کچھ مت سوچ)
(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 64،65)

زمین کے لئے دعا کروانا

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک خان صاحب کسی جائیداد کے مقدمہ میں دعا کرانے آیا کرتے تھے ایک بار آئے اور عرض کیا حضرت اب تو فلاں بنیئے نے میری زمین دبا ہی لی ہے، حضرت نے فرمایا بھائی جانے دو اور اللہ پر نظر کر کے صبر کرو خدا کچھ اور سامان کر دے گا، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے اپنے حجرہ میں سن لیا اور باہر نکل آئے اور خان صاحب سے فرمایا ہر گز صبر نہ کرنا، جاؤ مقدمہ کرو، عدالت میں دعویٰ کر دو، ہم دعا کریں گے۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ سے فرمایا کہ سبحان اللہ آپ اپنی طرح ساری مخلوق سے صبر کرانا چاہتے ہیں چاہے کسی کو ہمت ہو یا نہ ہو۔ آپ کے تو بیوی ہے نہ بچہ ہے اکیلے تھے صبر کر کے بیٹھ گئے اس غریب کے پیچھے بیوی بچے لگے ہوئے ہیں وہ ان کے فقر و فاقہ پر کیسے صبر کرے گا۔ انجام یہ ہو گا کہ پریشان ہو گا اور توکل کی ہمت نہیں ہے تو کسی کسی کے مال پر نظر دوڑائے گا۔ اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولوی ترک دنیا نہیں کراتے بلکہ ترک بغاوت کراتے ہیں۔
(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 90،91)

کامل کی علامت

اسی لئے کامل وہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو ظاہر کرے اخفاء کا اہتمام نہ کرے تاکہ اما بنعمۃ ربک فحدث پر عمل ہو جائے ہاں متوسط کو اظہار مضر ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ اس کی نظر میں اغیار ہیں اور کامل کی نظر سے اغیار مفقود ہو چکے ہیں وہ نہ کسی کے واسطے کوئی عمل کرتا ہے نہ کسی کی وجہ سے کوئی عمل ترک کرتا ہے اس کی نظر صرف ایک ذات پر ہے باقی سب مخلوق اس کی نظر سے غائب ہے اس کے نزدیک آدمی میں اور مسجد کی دیوار اور بوریئے میں کچھ فرق نہیں پھر وہ کسی سے چھپ کر عمل کیوں کرے، کسی نے مسجد کی دیوار سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا ہے دوسرے عارف کو ہر جزو مظہر حق اور مرآۃ جمال حق نظر آتی ہے اور اخفاء ہوتا ہے غیر سے اس لئے اس کو کسی سے اخفاء کا اہتمام نہیں اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست یا توئے یا خوئے تو یا بوئے تو
(تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر کا وجود ہی نہیں، بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے)

توئی سے ذات مراد ہے اور خوئی تو سے صفات اور بوئے تو سے افعال مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ عالم میں بعض دفعہ تو عارف کو ذات حق کا مشاہدہ بلاواسطہ، بلا کیف ہوتا ہے مثلاً اوقات خلوت وعبادت میں، کبھی بواسطہ ہوتا ہے کیونکہ جتنی مخلوقات ہیں ان میں صفت حق کا ظہور ہو رہا ہے اور تصرفات حق جلوہ نما ہیں پس عارف ہر چیز پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھتا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی کس صفت کا ظہور ہوا ہے صفت جمال کا یا صفت جلال کا اور حق تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے اور کس طرح تصرف فرما رہے ہیں تو اب کوئی چیز اس کے لئے حاجب حق نہیں بلکہ مرآۃ جمال وجلال حق ہے اسی لئے ایک عارف نے کسی شاعر کا جو یہ قول سنا۔

گلستاں میں جا کر ہر ایک گل کو دیکھا　　نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

تو فوراً اس کی یوں اصلاح کی۔

گلستان میں جا کر ایک گل کو دیکھا　　تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 105،104)

خشوع کا طریقہ

حق تعالیٰ نے خشوع کا یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ خاشعین وہ ہیں جو لقاء اللہ کا یقین رکھتے ہیں یعنی مراقبہ آخرت میں مشغول ہیں اور مراقبہ آخرت کا جمنا بھی دفعۃ سہل نہیں کیونکہ آخرت مشاہد نہیں اور غیر مشاہد کا خیال دیر سے دل میں جمتا ہے اس لئے اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ انھم الیہ راجعون کا مراقبہ کیا جائے یعنی موت کا اور موت کے واقعات رات دن مشاہدہ سے گزرتے رہتے ہیں، پس اول تو موت کا مراقبہ کیا جائے اور اس کو راسخ کر لیا جائے یہ ایسا مراقبہ ہے جو دنیا سے دل سرد کر دے گا اور تمام خیالات کو ختم کر دے گا پھر لقاء اللہ کا مراقبہ کیا جائے کہ مرنے کے بعد ہم خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے وہاں حساب کتاب اعمال کا ہوگا جو شخص اس مراقبہ کا عادی ہو جائے گا اس کو سکون قلب حاصل ہو جائے گا کیونکہ جس دل میں خدا کی یاد جم جاتی ہے پھر سب خیالات اس کے اندر سے نکل جاتے ہیں۔

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت　　مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

(الا اللہ باقی رہ گیا، باقی تمام فنا ہو گئے، مرحبا اے عشق شرکت سوز، تجھ پر سوائے محبوب حقیقی کے سب فنا کر دیا گیا) (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 111)

نماز میں سوچنے کی باتیں

عین نماز کے اندر بھی اس مراقبہ میں قلب کو مشغول کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نماز کی ہیئت میں غور کرے کہ میں جو تمام دنیا سے رخ پھیر کر ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہوں کہ نہ کسی سے بات کر سکتا ہوں نہ کسی کی طرف دیکھ سکتا ہوں نہ کھا پی سکتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور ان سے عرض معروض کر رہا ہوں پھر قیام کی حالت میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے مجھ پر کس قدر احسانات وانعامات ہیں جن کا شکریہ میرے ذمہ واجب ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کر رہا ہوں اور اس کی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اعتراف کر رہا ہوں اور اسی عبدیت پر قائم رہنے اور اہل عبدیت کے طریقے پر چلنے کی دعا کر رہا ہوں اور جو لوگ طریق عبدیت سے بہک گئے اور لعنت وغضب کے تحت ہو گئے ہیں ان کے طریقے سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہوں اور جو قانون الٰہی تکمیل طریق عبدیت کے لئے نازل ہوا ہے اس پر ہمیشہ چلنے کا عہد کر رہا ہوں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا یہی مطلب ہے پھر جب رکوع میں جائے تو یہ سوچے کہ میری پیدائش اسی مٹی اور زمین سے ہے جو میرے پاؤں تلے ہے زمین کی خاک سے جیتا جاگتا سمیع وبصیر انسان پیدا ہو جانا محض خالق جل وعلا کی قدرت ہے اور جس کی پیدائش زمین کی خاک اور اس کی نباتات وغیرہ سے ہو اس کو عبدیت اور بندگی کے سوا کچھ زیبا نہیں، بڑائی اور بزرگی صرف خالق جل وعلا کو زیبا ہے جو تمام عیوب سے بری ہے اس لئے نماز میں بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ اے خدا! ہم نے آپ کی عظمت کے سامنے اپنی خیالی عزت کو قربان کر دیا پھر سجدہ میں جاتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے ایک دن زمین کے اندر پیوند ہونا ہے اور اس وقت خدا کے سوا میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہو گا دنیا سے میرا نام بھی مٹ جائے گا اور نشان بھی اس کے بعد دوسرے سجدے میں تصور کرے کہ گویا میں مر چکا اور خدا سے مل گیا ہوں اب خدا کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں پھر جلسہ تشہد میں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد پھر ایک زندگی ہو گی جہاں اسلام اور اعمال واقوال واحوال صالحہ ہی کام آئیں گے جو اللہ کے واسطے کئے گئے ہوں اور سیدنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء حضرات ملائکہ اور تمام نیک بندوں کی عزت ظاہر ہو گی کہ وہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہٰذا ان پر سلام بھیج کر ان سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے پھر چونکہ امت محمدیہ کو سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہے اس لئے اخیر رکعت میں آپ پر خصوصیت کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہئے جب یہ تصور جم جائے تو اس کے بعد میں یوں تصور کرے کہ گویا مرنے کے بعد ہی میدان قیامت حاضر ہوا ہے اور تمام اعمال وافعال واقوال جو دنیا میں کئے ہیں اس کے سامنے ہیں جن میں سے وہی کام آرہے ہیں جو اللہ کے واسطے کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء وعلماء وملائکہ کی جماعت کے سامنے ہے جو دربار الٰہی میں حاضر ہوں اور میں ان سب پر درود شریف

سلام بھیج رہا ہوں اور آخر میں اپنے لئے کامیابی و نجات و فلاح کی دعا کر رہا ہوں اور اسی واسطے آیت میں لفظ یظنون اختیار کیا گیا ہے حالانکہ لقاء اللہ کا تو اعتقاد جازم فرض ہے محض ظن کافی نہیں مگر چونکہ مقصود یہ ہے کہ نماز میں لقاء اللہ ورجوع الی اللہ کا استحضار کیا جائے اور یہ استحضار درجہ وقوع میں لازم نہیں بلکہ اس کا تصور بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اسی وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مر گیا ہوں یا مرنے والا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے لفظ ظن اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع خاص ہو جائے گا اور تمام خیالات ووساوس قلب سے نکل جائیں گے۔(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 113،112)

بد نگاہی سے آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب خاص سے تو اس کو کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا مابال اقوام یترشح الزنا من اعینھم یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے تو عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ مجھے فرمارہے ہیں اہل کشف نے لکھا ہے کہ بد نگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے اگر دو شخص ایسے لئے جاویں کہ عمر میں حسن وجمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو جب چاہے دیکھ لو متقی کی آنکھ میں رونق اور دل فریبی ہو گی اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہو گی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت متعلق پردہ پوشی

اس امر پر مجھے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہو رہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لئے آئے حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہو گیا کہ جنبی ہے غسل نہیں کیا وہ طالب علم معقولی تھے معقولی ایسے ہی لاپروا ہوتے ہیں شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا کہ آج تو طبیعت سست ہے جمنا پر چل کر نہائیں گے سب لنگیاں لے کر چلو سب لنگیاں لے کر چلے اور سب نے غسل کیا اور وہاں سے آکر فرمایا کہ ناغہ مت کرو کچھ پڑھو وہ طالب علم ندامت سے پانی پانی ہو گیا اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کیسے لطیف انداز سے اس کو امر بالمعروف فرمایا اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہوئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو اب مستفیدین کو بھی چاہیے کہ ایسے شیوخ سے اپنے عیب کو نہ چھپایا کریں اس لئے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھیں گے سو ان

حضرات میںؒ نہ تو یہ بات ہے کہ کسی کو حقیر سمجھیں اس لئے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یا خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کردیں گے سونہ ان حضرات میں یہ بات ہے اس لئے ان سے صاف کہہ دینا چاہئے مگر یہ اظہار معالجہ کے لئے ہے نہ کہ بلاضرورت کیونکہ بلاضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے اور بضرورت ظاہر کرنے کے حق میں حضرت عارف شیراز فرماتے ہیں۔

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں — درماں نکردند مسکیں غریباں

ماحال دل را بایار گفتیم — نتواں نہفتن درد از جیباں

(ہر چند کہ طبیبوں کے پاس ہم نے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم مسکینوں، غریبوں کے درد کا درماں نہ کیا، ہم اپنے دل کا درد اپنے محبوب دوست سے بیان کریں گے، محبوبوں سے اپنا درد نہ چھپانا چاہیے)

غرض چونکہ وہ لوگ کسی کو فضیحت نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنے والے ہیں ان کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص195،194)

بدنظری بڑی سخت بلا ہے

ہمارے بزرگوں نے بھی جو اس کے آثار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سخت بلا ہے ایک بزرگ مطلق نظر کے لئے فرماتے ہیں النظر سھم من سھام ابلیس (یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے) حضرت ابوالقاسم قشیری دونوں امر کی نسبت فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے امردوں اور عورتوں کی مخالطت رہزن ہے ایک بزرگ کا خاص امردوں کے حق میں قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کردیتے ہیں، غرض نہایت مضرت کی چیز ہے۔

بدنظری سے سیری نہیں ہوتی

اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہوجاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شئے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو، آدمی کھانا کھاتا ہے سیر ہوجاتا ہے، پانی پیتا ہے، پیاس بجھ جاتی ہے مگر بدنظری ایسی بلا ہے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی اس حیثیت خاص سے تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص)

بد نظری کا علاج

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اس میں بہت ابتلا ہو رہا ہے اس کا بہت انتظام کرنا چاہئے اپنا بھی اور گھر والوں کا بھی اور اس کا علاج سہل ہے، یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہیئے، ادھر ادھر نہ دیکھے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہوا تو اس نے کہا تھا لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ، ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (یعنی میں ان کے گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آؤں گا، ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے اور بائیں سے) چار سمتیں تو اس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے، بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھنے میں تو گر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں، قال اللہ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (ترجمہ) اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔) کسی نے اس کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو میں پہچانتا ہوں اور دوسرے وہ جن کو میں نہیں پہچانتا، جن کو پہچانتا ہوں ان کو بلا دیکھے بھی آواز سے پہچان لیتا ہوں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور جن کو نہیں پہچانتا ان کے دیکھنے سے کیا فائدہ ہے سبحان اللہ، من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کو چھوڑ دے) پر عمل اس کو کہتے ہیں، بعض بزرگوں نے اس نظر کے گناہ سے بچنے کے واسطے جنگل میں رہنا اختیار کر لیا ہے۔ شیخ شیرازی فرماتے ہیں

بزرگے دیدم اندر کوہسارے — قناعت کرد از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی — کہ بارے بندے از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغزند — چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(میں نے ایک بزرگ کو پہاڑ کے ایک غار کے کونے میں بیٹھے دیکھا، میں نے اس سے کہا کہ آپ شہر کے اندر کیوں نہیں آتے وہاں بندہ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں کے حسین نفرت کرتے ہیں جب پھول زیادہ ہو جاتے ہیں تو ریشم کے کیڑے گرتے ہیں۔) (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 208)

دل کی معصیت

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی دلیل اور سہارا بدنگاہی کے متعلق نہیں بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں) اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں یہ

پہلے سے اشد ہے یعنی معصیت صرف نگاہ سے نہیں بلکہ دل سے بھی ہوتی ہے بہت لوگ دل سے سوچا کرتے ہیں اور عورتوں وامردوں کا تصور کرتے ہیں اور خیال سے مزے لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم متقی ہیں خوب سمجھ لو کہ یہ سب تلبیس لعین ہے۔

معصیت قلب اشد ہے

بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ فتنہ ہوتا ہے کیونکہ نگاہ کرنے میں تو بعض مرتبہ قبیح وبدصورت ثابت ہوتا ہے اور دل کے اندر باتیں کرنے میں تو طبیعت کو زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے اور قلب سے کسی طرح وہ بات نہیں نکلتی بلکہ محض نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھ کر زیادہ مقرب سمجھتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ دل میں متمتع ہورہا ہوں تو مجاہدہ کہاں رہا، غرض اس کا انسداد بھی بہت ضروری ہے اور چونکہ قلب کے اندر کانوں کے واسطے سے بھی باتیں اس قسم کی ہوتی ہیں اس لئے جس طرح آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے کانوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے قصے اور حکایات نہ سنے نہ ایسے مقام پر جاوے جہاں گانا بجانا ہورہا ہو بعض مرتبہ خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے صدور کے وقت آنکھ کان کا واسطہ نہیں ہوتا مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے التذاذ ہوتا ہے اور معصیت قلب کا معصیت میں سے اشد ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے وہ یہ کہ قلب سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو نفس فعل کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا اس کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس سے وہی بچے گا جس کے قلب میں تقویٰ ہو۔

کسی حسین کا خیال دل سے نکالنے کا طریقہ

اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجہ ہیں قلب کو باوجود تقاضے کے روکنا، تقاضے کو ضعیف کردینا اور قلع المقتضی یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کردینا ان میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرح متوجہ نہ ہونے دینا یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ آئے تو تم اس کو روکو اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اس کا علاج یہ ہے کو فوراً کسی کریہ المنظر، بدشکل، بدصورت، بدہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہ ہو کسی ایسے بدصورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے، کالا رنگ ہے، چیچک کے داغ ہیں، آنکھوں سے اندھا ہے، سر سے گنجا ہے، رال بہہ رہی ہے، دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں، ناک سے نکٹا ہے، ہونٹ بڑے بڑے ہیں، سنک بہہ رہا ہے اور مکھیاں اس پر بیٹھی ہیں گو ایسا شخص دیکھا نہ ہو مگر قوت متخیلہ سے تراش لو کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے آخر اس سے کسی روز کام تو لوگے متخیلہ کا کام تو جوڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جاسکتا ہے اس کا مراقبہ کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہے گا اور اگر

پھر خیال آوے پھر وہی تصور کرو اور اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاوے گا وہاں اس کا نازک بدن سڑ گل جاوے گا کیڑے اس کو کھالیں گے۔ یہ خیال تو فوری علاج ہے اور آئندہ کے لئے تقاضا پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو، دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی کا تصور کرو، تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے، طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نہ جاوے گا۔ جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔

بد نظری مادہ کا زوال یہ مطلوب نہیں

تیسرا درجہ یہ کہ مادہ ہی منقطع ہو جاوے، یعنی بالکل میلان ہی پیدا نہ ہو، یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس کو نادان سالک مطلوب سمجھتے ہیں اور اس کے حاصل نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں یعنی جب اپنے اندر کسی وقت ایسا میلان پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب شغل و مجاہدہ ضائع گیا حتّٰی کہ ایسے کلمات پریشانی میں ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً ہم اتنے روز سے طلب حق میں رہے مگر ہم پر رحم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں۔

شیطانی وسوسہ

یاد رکھو! کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے یہ ہرگز مطلوب نہیں کہ مادہ منقطع ہو جائے اور اگر مادہ جاتا رہے تو گناہ سے بچنے میں کوئی کمال نہیں، اندھا اگر فخر کرے کہ میں دیکھتا نہیں، کوئی فخر کی بات ہے؟ دیکھے گا کیا دیکھنے کا آلہ نہیں، عنین اگر عفت کا دعویٰ کرے تو کیا کمال ہے لطف اور کمال مطلوب تو یہ ہے کہ گناہ کر سکو اور پھر اپنے دل کو روکو، جس کا میں نے فوری علاج اور تقاضا روکنے کی تدبیر دونوں بیان کر دیئے رہا مادہ زائل کر دینا یہ مطلوب ہی نہیں بلکہ اس کا زائل کرنا جائز ہی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے اس لئے کہ اس گناہ کا ابتلاء عام تھا حتّٰی کہ جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں مبتلا ہیں خدا کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہیے، افسوس منہ سے تو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پر نظر افسوس صد افسوس، اس وقت مجھ کو ایک حکایت یاد آگئی کہ ایک عورت جا رہی تھی کوئی ہوا پرست اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا اس عورت نے پوچھا تم کون ہو اور میرے پیچھے کیوں آتے ہو کہا کہ تجھ پر عاشق ہو گیا اس لئے آتا ہوں عورت نے جواب دیا کہ پیچھے ایک میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے اس کے دیکھنے کو پیچھے چلا اس عورت نے اسکے ایک دھول دی اور کہا۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی　　در بیان دعویٰ خود صادقی
پس چرا ہر غیر افگندی نظر　　این بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(اس نے کہا کہ اے احمق ! اگر تو عاشق ہے اور اپنے دعویٰ عشق میں سچا ہے پھر کس واسطے غیر کی طرف متوجہ ہوا، اے بے ہنر یہ محض دعویٰ عشق ہے) (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 215،214،213)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت

حق تعالیٰ بعنوان معرفت فرماتے ہیں اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (کیاان لوگوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لئے ان کا انکار کرتے ہیں) یہ سوال انکاری ہے مطلب یہ ہے بل قد عرفوہ کہ یہ لوگ رسول کو ضرور پہچانتے ہیں اور پہچان کر انکار کرتے ہیں منشاء انکار کا عدم معرفت نہیں بلکہ ضد وعناد ہے یا عار واستکبار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت بھی امور جزئیہ کی معرفت سے ہے اور امور جزئیہ میں غلطی بہت کم ہوتی ہے، کفار کے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت یقیناً حاصل تھی چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے جب آپ سجدہ میں گئے تو چند کفار نے آپ کی گردن پر گندگی رکھ دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلویث ثیاب کے اندیشہ سے دیر تک سجدہ ہی میں رہے یہ حال دیکھ کر کفار ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی یہ اس وقت بچی سی تھیں فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور رؤساء کفار کو ان کے منہ پر برا بھلا کہا اور گندگی کو اٹھا کر پھینک دیا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور ان کافروں کے نام لے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بددعا نکلی تو کفار کے رنگ فق ہوگئے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور ہو کر رہے گا حالانکہ مسلمانوں کا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بددعا کا لگنا ضروری نہیں چاہے لگے یا نہ لگے مگر کفار کا تو یہی خیال تھا کہ آپ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور پورا ہو کر رہے گا پس اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی رسالت کو نہ پہچانتے تھے تو آپ ﷺ کی بددعا سے اتنے خائف کیوں تھے؟ معلوم ہوا کہ پہچانتے تھے مگر عناد وعار کی وجہ سے انکار کرتے تھے چنانچہ اسی عار کی بناء پر کہا کرتے کہ کیا رسالت کے لئے یتیم ابی طالب ہی رہ گئے تھے اگر خدا تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی مالدار دولت مند کو رسول ہونا چاہیے تھا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (اور انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس قرآن کو دونوں مقاموں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے مالدار پر کیوں نہیں اتارا) حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

(کیا یہ لوگ نبوت کو بانٹتے ہیں، کیا اس کی تقسیم ان کے ہاتھ میں ہے جو اپنی طرف سے تجویزیں پاس کرتے ہیں ہم نے ایک ذلیل چیز معیشت دنیا کی تقسیم کا تو اختیار ان کو دیا ہی نہیں بلکہ اس کو بھی ہم نے خود تقسیم کیا ہے پھر نبوت کو یہ لوگ کیا بانٹیں گے، غرض ان کو محض عار مانع تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ان کو شبہ نہ تھا، چنانچہ بعض نے مرتے ہوئے اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور آپ ﷺ کا دین حق ہے مگر مجھے اسلام لانے میں اس کا خوف ہے کہ قریش کی بوڑھی عورتیں کہیں گی کہ دوزخ کے خوف سے اپنے باپ دادا کا دین بدل دیا گویا کفر پر جمے رہنے کا منشا بہادری تھی کہ لوگ یوں کہیں کہ بڑے بہادر ہیں کہ دوزخ سے بھی نہیں ڈرتے واقعی بڑا بہادر تو وہی ہے جو یوں کہے کہ میں دوزخ سے بھی نہیں ڈرتا فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ (سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں) جیسے ایک شخص نے کسی اکھڑ قوم کے ایک بزرگ کی تعریف کی تھی کہ بڑے ولی ہیں، پہنچے ہوئے ہیں تو ایک ظریف نے کہا میاں اس قوم میں بھی کہیں کوئی ولی ہوا ہے دیکھو میں ابھی ان کی قلعی کھولے دیتا ہوں وہ بزرگ صاحب جنگل میں رہتے تھے ظریف اس شخص کو ہمراہ لے کر پہنچا اور جا کر ملاقات کی اول ادھر ادھر کی باتیں کر کے کہنے لگا کہ حضرت آپ کو جنگل میں اکیلے تو بہت ڈر لگتا ہو گا بزرگ صاحب کو اس کی کہاں تاب تھی جوش آگیا تو کہتے ہیں کہ میاں میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں (نعوذ باللہ) اور کسی سے تو کیا ڈرنا، اس ظریف نے اس معتقد سے کہا کہ دیکھ لیا تم اس کو ولی اور بزرگ کہتے ہو۔ تو جیسے اس نے بہادری ظاہر کی تھی ایسے ہی بعض کفار بہادری کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے آخر اسی حالت پر مر گئے یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ اپنے اسلام اور ایمان کو اپنا فعل مکتسب اور من کل الوجوہ (ہر طرح سے) اپنے اختیار میں بھی نہ سمجھا جائے اور یہ اکتساب بھی جب ہی ہوا جب وہاں سے رحم ہوا، انسان کو کبھی علم و عقل پر ناز نہ کرنا چاہئے آخر وہ رئیس عاقل بھی تھے اور تمام مقدمات سے واقف بھی تھا، پھر کیوں نہ اسلام لے آیا اگر یہ سب مقدمات عقلیہ و علمیہ اسلام لانے میں مؤثر تام ہیں تو اس جگہ پر مقدمات کیا ہو گئے تھے اسی کو فرماتے ہیں

نیا وردم از خانہ چیزے نخست　　　　تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(میں گھر سے کوئی چیز نہیں لایا آپ ہی نے سب چیزیں عطا کی ہیں میں بھی آپ ہی کا ہوں)

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 233،232)

بڑوں کی موت میں حکمت

حضرت استاذ علیہ الرحمۃ نے اس کا مطلب عجیب بیان فرمایا کہ اگر موت نہ ہوتی تو آج پہلے زمانہ کے اسخیاء حاتم وغیرہ اور پہلے زمانہ کے اتقیاء حضرات انبیاء علیہم السلام وصحابہؓ وغیرہ اور پہلے زمانہ کے بہادر حضرت خالد بن ولیدؓ اور

رستم وغیرہ سب موجود ہوتے پھر انکے ہوتے ہوئے ہماری سخاوت وشجاعت واستقلال کی کیا خاک قدر ہوتی کچھ بھی نہیں اس وقت جو ہمارے کمالات کی قدر ہے وہ موت ہی کی برکت سے ہے کہ پہلے زمانہ کے اہل کمال اس وقت مفقود ہیں پس شعر کا حاصل یہ ہوا کہ کبرنی موت الکبراء (بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنادیا ہے) پھر فرمایا کہ مطلب تو یہی ہے چاہے متنبی نے بھی نہ سمجھا ہو، واقعی اس وقت یہ شعر ایک علمی پاکیزہ مضمون پر مشتمل ہو گیا وھو کما قال أبو حنیفة في جواب مَن مدحه واثنی علیه (اور ایسا ہے جیسا کہ ابو حنیفہ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا ہے جس نے آپ کی تعریف اور ثناء کی ہے)

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومَن الشقاء قفر دی بالسودد

(کذافی مناقب الامام للقاری) (یہ شعر امام اعظم کے مناقب میں جو قاری نے لکھے ہیں مذکور ہے)

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 246)

بلاضرورت گفتگو سے بچنے کی ضرورت

اور اس مطلب کے سامنے عام شراح کی توجیہ بالکل پھسپھسی ہے۔ غرض بعض دفعہ دوسرا شخص کسی کے کلام کی توجیہ ایسی عمدہ کر دیتا ہے کہ خود مصنف اور متکلم کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچتا، بہرحال بزرگوں نے تو بے فائدہ باتوں سے یہاں تک احتراز کیا ہے کہ حضرت رابعہؒ بے ضرورت شیطان پر بھی لعنت نہ کرتیں اور بے ضرورت دنیا کی مذمت کو بھی پسند نہ کرتیں، حالانکہ بظاہر یہ دونوں کام مستحب معلوم ہوتے ہیں مگر جب ایک مستحب سے دوسرے اہم کام میں خلل پیدا ہو تو وہ مستحب نہیں رہا کرتا بلکہ اس سے منع کیا جاتا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ پھر حضرات انبیاء علیہم السلام نے دنیا کی مذمت تفصیل کے ساتھ کیوں کی ہے جواب یہ ہے کہ وہ ضرورت تبلیغ کے لئے تھی کیونکہ امت میں طالبان ومحبان دنیا بھی ہونے والے تھے ان کی تنبیہ وتعلیم کے لئے حدیث میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے اور انبیاء کے لئے تبلیغ احکام سب سے اہم ہے اس لئے وہاں اس مذمت سے کسی اہم کام میں خلل نہ ہوتا تھا بخلاف ان صوفیوں کے جو حضرت رابعہؒ کی مجلس میں دنیا کی مذمت کر رہے تھے کہ وہاں تبلیغ کا محل نہ تھا کیونکہ وہاں تو سب کے سب عابد وزاہد ہی جمع تھے بہرحال بے ضرورت بات کو منہ سے نہ نکالنا چاہئے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 247)

گناہ سے بچنے کا آسان طریقہ

لیجئے میں نے ایسی بات بتائی ہے جس میں نہ مجاہدہ ہے نہ کچھ مشقت ہے ایسا نسخہ ہے جس کو سب استعمال کر سکتے ہیں مگر بعض کا نفس بڑا شریر ہوتا ہے دو رکعت سے زیر نہ ہوگا سو اگر کسی کو دو رکعت کافی نہ ہوں تو وہ ہر گناہ کے بعد چار پڑھا کرے چار بھی کافی نہ ہوں تو آٹھ پڑھا کرے جیسے ایک حکیم صاحب کی حکایت ہے کہ وہ گاؤں میں گئے تو ایک دیہاتی

کو دیکھا کہ وہ چنے کی چار روٹیاں موٹی موٹی کھا کے اوپر سے چھاچھ کا پورا نبٹا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا ارے چھاچھ کو درمیان میں پیا کرتے ہیں، اخیر میں نہیں پیا کرتے۔ دیہاتی نے اپنے لڑکے کو آواز دی ارے فلانے چار روٹ اور لادے، اس چھاچھ کو درمیان میں کرلوں چنانچہ چار روٹ اوپر سے اور کھا گیا حکیم نے کہا بھائی تیرے واسطے کچھ قاعدہ نہیں تو چاہے بیچ میں چاہے اخیر میں کھا، بتلایئے ایسے قوی المعدہ کو اگر کوئی مسہل دینا چاہے تو چھے ماشہ سنا کیا کافی ہوگی اس کو تو دو تولہ سنا دینا چاہئے ایسے ہی ہمارے نفس کو دو رکعت کہاں کافی مگر میں اس وقت یہ کہتا ہوں کہ آپ دو ہی رکعت پڑھنا شروع کیجئے ان شاء اللہ اس سے بھی گناہ چھوٹ جائیں گے، ورنہ کم تو ہو ہی جائیں گے بتلایئے کتنا آسان نسخہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ایسی ہیں کہ ان کو استعمال کر کے دیکھو خود ان کی قدر جان لو گے اتنی تفصیل تو میں نے بیان کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ گناہ کر کے توبہ کرنا چاہو تو دو رکعت پہلے پڑھو، حضور ﷺ نے اس کے منافع کی تفصیل نہیں بتلائی کیونکہ جہاں شک ہو وہاں تفصیل بیان کیا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا اعتماد تھا کہ عمل کر کے اس کا نفع لوگ خود ہی دیکھ لیں گے اس لیے تفصیل نہیں بتلائی اور میں نے جو تفصیل بھی کی ہے تو کیا کی ہے نام ہی ہو گیا تفصیل کا ورنہ پوری تفصیل ایسی چیز کی کون کر سکتا ہے جس کے حسن کی یہ شان ہو۔

نہ جنبش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں — بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ ان کے حسن کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی کوئی انتہا ہے جیسے جلندھر والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے ایسے ہی محبوب حقیقی کا بیان باقی رہ گیا) (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 260)

عفت کی تفسیر

حدیث سے عفت کی تفسیر مفہوم ہوتی ہے العینان تزنیان والرجلان تزنیان والیدان تزنیان یعنی ہاتھ پاؤں اور آنکھ سب زنا کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عفت میں ان سب کا محفوظ رکھنا لازم ہے نیز اسی حدیث میں القلب یزنی بھی فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبوب کا تصور بھی قصداً نہ کرے کہ یہ قلب کا زنا ہے اور اس تصور کا حدوث غیر اختیاری تو معاف ہے مگر اس کا بقائے اختیاری معاف نہیں جیسا کہ نظر فجاۃ حکم ہے کہ اگر اس کو باقی رکھا جائے تو معصیت ہے لوگ تصور کو ممنوع ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ جڑ ہے سارے مرض کی اور اسی قلب میں گھر ہو جاتا ہے بس عفت کے یہ معنی ہوئے کہ اس کا تصور تک نہ کرے اور اس کے بعد کتم ومات فرمایا کہ اسی مشقت میں مر گیا اور آخر تک عفیف رہا تو شہید ہوگا۔ اس حدیث کا مضمون تو قواعد سے ہے کیونکہ وہ شخص سخت مجاہدہ میں رہا اس واسطے شہادت کا درجہ ملے گا لیکن سنداً اس حدیث کی متکلم فیہ ہے بعض نے موضوع تک کہا ہے غرض یہ ہے کہ اگر اس

روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لفظ کثرت سے استعمال کرنے کا نہیں ہے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے تعلق کو جو بندہ کے ساتھ ہے عشق کہنا اور بھی برا ہے کیونکہ عشق کا لفظ محاورہ کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے عاشق کے احتیاج وافتقار پر۔ اور جس لفظ سے احتمال ہو افتقار خداوندی کا وہ لفظ قابل ترک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اعرابی نے کہہ دیا تھا تستشفع باللہ علیک یعنی شفیع لاتے ہیں ہم آپ کے پاس خدا کو تستشفع باللہ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور اس کہنے سے بشدت منع فرمایا کیونکہ شفاعت کا لفظ بتلاتا ہے کہ جس کے ہاں شفاعت لائی جائے وہ شفیع سے معظم ہے یہ خرابی معنوی ہے اس میں خلاصہ یہ ہے کہ عشق کا لفظ خدا تعالیٰ کی شان میں ہرگز نہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس میں لوازم مذکورہ ایہام ہے اور وہ جائز نہیں، بعض شاعروں نے بہت ہی بے باکی کی ہے کہ لوازم قبیحہ کے ایہام سے تجاوز کر کے ان کی تصریح کر دی جیسا کہ بعض نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دولہا دولہن بنایا ہے، خدا کی پناہ یہ شخص قرآن کی صاف نفی کرتا ہے وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (اس کی کوئی بیوی نہیں ہے) (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 294)

حضرت تھانویؒ سر ٹانگوں میں دبا کر مارنے کو حرام سمجھتے تھے

اور جو استاد صاحب کوئی قصائی مل گئے تو کچھ نہ پوچھئے، صورت دیکھ کر کانپ اٹھتے ہیں اور جو کسی دن ان کا ہاتھ پڑ گیا تو خیر نہیں، خاص کر اگر وہ استاد صاحب اندھے بھی ہوئے تب تو مصیبت بلکہ مصائب پر مصائب ہیں، میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک اندھے حافظ جی لڑکے کے سر کو ٹانگوں میں دبا لیتے تھے اور بے تحاشا کمر میں گھونسے مارا کرتے تھے میں تو اتنا مارنے کو حرام سمجھتا ہوں کیا یہ تھوڑی مشقت ہے پھر تھوڑے دنوں میں اونٹ کے گلے میں بلی باندھ دی جاتی ہے جس کو شادی کرنا کہتے ہیں اور شادی کو خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے لیکن در حقیقت سخت تکلیف کی چیز ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 298)

عارفوں کی بصیرت

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت ہم کو نماز پڑھتے نظر نہیں آتے کیونکہ دوسرے جسد سے پڑھتے ہیں یہ جسم یہیں لوگوں کے سامنے رہتا ہے اور شاہ صاحب نماز دوسرے جسم سے پڑھ لیتے ہیں سو گو یہ امر ممکن ہے کہ ایک شخص دو جسم سے متجسد ہو جاوے مگر یہ کرامت ہو گی اور کرامت اختیار سے نہیں ہوتی بلا اختیار ایک کام خرق عادت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے اسی طرح تعدد جسد بزرگوں کے واسطے بطور کرامت ہوا بھی ہے چنانچہ ایک بزرگ ہیں تضیب البان، ان پر کوئی الزام لگا کر لوگوں نے قاضی کے یہاں چغلی پہنچا دی، قاضی ان کو گرفتار کرنے چلے سامنے

سے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ستر قالب سے چلے آرہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے اپنے مجرم کو پکڑ لو قاضی حیران رہ گیا۔

سو ایسے خوارق اکثر تو بلا اختیار ہوتے ہیں، اگر یہ ہے تو یہ توجیہ بالکل لغو ٹھہری اور ایسا تصرف بالاختیار بھی ہوا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ جس دوسرے جسد سے نماز پڑھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ جسم مثالی ہے اور نماز فرض ہے اس جسم عنصری پر۔

چنانچہ ایک بزرگ تھے کہ مسجد میں جماعت ہونے لگی تو یہ شریک نہ ہوئے جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے، ایک عالم نے اعتراض کیا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ انہوں نے صف کی طرف اشارہ کیا تو دیکھا وہ موجود ہیں اور جماعت میں شریک ہیں ان عالم صاحبؒ نے فرمایا کہ جو جسد نماز میں شریک ہے وہ مثالی ہے اس پر نماز فرض نہیں وہ پڑھ رہا ہے اس سے تمہارے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا۔ عارفوں کی بصیرت دیکھئے کہ پہچان لیا کہ جماعت میں جو شریک ہے وہ جسد عنصری نہیں ہے، جسد عنصری وہ ہے جو بیٹھا ہے اور وہ جسد مثالی ہے ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو جسم نماز میں شریک ہے وہ عنصری ہو اور جو بیٹھا ہے وہ مثالی ہو اور اس صورت میں فرض ادا ہو جائے گا مگر انہوں نے پہچان لیا اور ان کا کہنا سچ نکلا، ان بزرگ نے توبہ کی کہ ہاں بڑی غلطی ہے نماز اس طرح ادا نہیں ہوتی۔

تصرفات علامت کمال کی نہیں

ناحق ایسی حکایتیں بزرگوں سے منقول ہیں اور ایسا ممکن ہے مگر ہر شخص نہ ایسا تصرف کر سکتا ہے اور نہ یہ تصرفات ہر وقت اولیاء کے اختیار میں ہیں اور جو تصرف اختیاری بھی ہو وہ عارف ہونے کی وجہ سے ایسے تصرف نہیں کرتے کیونکہ ان کو شعبدے دکھلانا نہیں، غرض یہ تصرفات ان کے نزدیک کچھ کمال نہیں کمال تو اور ہی چیز ہے۔

ان تصرفات کی نسبت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں:

بر آب روی خسے باشی   بر ہوا پری مگسے باشی دل بدست آر کہ کسے باشی

دل سے مراد اپنا دل ہے یعنی اصلاح قلب کرو کہ آدمی بن جاؤ، پانی پر چلنا اور ہوا پر اڑنا تو جمادات اور حیوانات کا کام ہے پس جو ان تصرفات کو پسند کرتا ہے وہ بزرگ نہیں اور جو بزرگ ہے وہ پسند نہ کرے گا۔

سب سے بڑے اور بزرگ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ نے کبھی ایسا نہ کیا کہ گھر میں بیٹھے رہے ہوں اور دوسرے جسم سے جماعت میں شرکت کی ہو۔

غرض چونکہ ان شعبدہ بازوں کے معتقدین بہت ہیں اگرچہ خود یہ شعبدہ باز بہت نہیں۔

اس واسطے اس مضمون کے بیان کی ضرورت ہے اور گو اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ توجہ قلب کی بھی ضرورت ہے نرا عمل کافی نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 333،332)

مجتہد کا قول بغیر دلیل کے نہیں ہوتا

اسی طرح مجتہد کو اصول فقہ سے الزام دینا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے موقع پر جہاں مجتہد کا قول اصول پر منطبق نہ ہوتا ہو یہ کہنا چاہئے کہ علم اصول ناقص رہا، اس تقریر کے بعد یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اس کے قول کی کوئی دلیل نہیں اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل ہوگی تو ترک تقلید جائز نہ ہوگا۔ اگرچہ درجہ امکان عقلی میں یہ بھی ہے کہ مجتہد کے پاس دلیل نہ ہو یا اس نے غلطی کی ہو جیسے کہ درجہ امکان میں یہ بھی ہے کہ طبیب کیسا ہی بڑا ماہر کیوں نہ ہو غلطی کر سکتا ہے لیکن اگر ایسی فرضی صورتوں سے مجتہد کا اتباع چھوڑ دیا جائے تو کار خانہ دین درہم برہم ہو جائے جیسا کہ اسی کی نظیر یعنی امر معالجہ میں فرضی صورت جاری کرنے سے کہ طبیب معصوم نہیں ہے غلطی کر سکتا ہے اور اس کا اتباع چھوڑ دینے سے امر معالجہ درہم برہم ہوتا ہے وہاں تو امر معالجہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے یہ بات عام طور سے مان لی گئی ہے کہ طبیب زہر بھی کھلائے تو چوں وچرا نہ کرنا چاہئے حالانکہ یہ عقل کے خلاف ہے جب ایک چیز کو زہر کہا تو زہر کے معنے قاتل نفس ہے۔ پھر اسکے کھانے کے جواز کے کیا معنی مگر اس جملے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ زہر جو طبیب کھلاتا ہے اس کو نہ اس واسطے کھالینا چاہئے کہ وہ زہر ہے بلکہ اس واسطے کہ گو وہ صورتاً زہر ہے مگر حقیقت میں زہر نہیں طبیب پر اطمینان ہے کہ وہ قاتل نفس شئے نہ کھلائے گا اسی طرح جب ایک شخص کو مجتہد مانا گیا تو (لفظ تو برا ہے) مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو اس کے زعم میں خلاف دلیل بات بھی بتلائے تو کر لی جائے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ طبیب زہر بھی کھلائے تو کھالینا چاہئے جو تاویل وہاں تھی وہی یہاں بھی ہے کہ طبیب زہر نہیں کھلائے گا ایسا ہی مجتہد خلاف دلیل بات نہ بتلائے گا۔ پھر یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے یہ کہا اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہوگی تو ترک تقلید جائز نہیں البتہ کوئی متبحر عالم اگر کسی مسئلہ کو خلاف دلیل سمجھے تو اس کا سمجھنا معتبر ہوگا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 28، ص 425)

انتیسویں جلد کے جواہر

شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان دیکھئے کہ آپ لباس ہمیشہ موٹا پہنتے تھے اور کمبل اوڑھا کرتے تھے مگر اس کمبل ہی میں رعب وجلال کی یہ حالت تھی کہ سفراءِ دُوَل آپ سے کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی بادشاہ کا سفیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو صورت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی یہ حالت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت کہ آپ اپنے رعب کو کم کرنا چاہتے تھے کوئی دنیا کا بادشاہ ہوتا تو اس حالت سے خوش ہوتا کہ مجھے دیکھ کر سفراء دول کانپتے ہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دین کے بادشاہ تھے آپ خود اس کی خواہش کیوں کرتے۔ چنانچہ سفیر کی حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ بھائی مجھ سے کیوں ڈرتے ہو میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی غریب تھی جو گوشت کو سکھا کر دوسرے اوقات کے لیے رکھتی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی تواضع کو ظاہر فرمایا شاید کوئی کہے کہ گو لباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سادہ تھا مگر شاید کوئی اور ہیئت رعب کی ہوگی تو سنئے! حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ نو واردکو یہ بھی خبر نہ ہوتی تھی کہ ان میں سردار کون ہیں اور خادم کون ہیں۔ کوئی صورت امتیاز کی نہ تھی اسی لیے نو واردکو پوچھنا پڑتا تھا۔ "من محمد فیکم (تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔) صحابہؓ فرماتے: "هذا الأبيض المتكئ (یہ گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔) یہ تو نشست و برخاست کی سادگی تھی اور گفتگو کی سادگی یہ تھی کہ دیہات والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یامحمد ابن عبدالمطلب کہہ کر گفتگو کرتے تھے صاف نام لیا کرتے تھے القاب و آداب کچھ نہ استعمال کرتے تھے اس میں کچھ تو ان کے دیہاتی ہونے کا اثر تھا اور کچھ عرب میں سادگی ہے۔ بھئی سنا ہے کہ اب تک بھی ان کی یہی معاشرت ہے کہ وہ اپنے امراء وسلاطین کو نام لے کر خطاب کرتے ہیں۔ شیوخ عرب، شریف مکہ کو یا حسین یا حسین کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور آج کل ابن مسعود کے متعلق بھی سنا گیا ہے کہ ان کے بعض آدمی یا ابن مسعود کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں اور چلنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی تھی کہ آپ اکثر صحابہؓ کے پیچھے چلتے تھے اور کبھی درمیان میں ہو جاتے تھے۔ غرض میمنہ میسرہ اور مقدمہ ساقہ کی کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ کبھی کوئی حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہو جاتا کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو جاتے اور کبھی سب سے پیچھے ہو جاتے۔ شاید کوئی کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ایسا تھا جس سے دیکھنے والے پر رعب پڑتا ہوگا کیونکہ حسن کا بھی رعب ہوتا ہے تو سنئے حسن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اول نظر میں دیکھنے والے کو مغلوب کر دے مگر بار بار دیکھنے سے رعب کم ہو جائے دوسرے وہ جو اول نظر میں مرعوب نہ کرے اور جوں جوں نظر کرتا جائے دل میں کھبتا چلا جائے۔

یزیدک وجهه حسنا اذا مازدته نظراً

(جبکہ اس کو جس قدر زیادہ دیکھو گے اس کے چہرہ میں حسن زیادہ نظر آئے گا)

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 26،27)

حسن محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن دوسری قسم کا تھا کہ اول نظر میں مرعوب نہ کرتا تھا۔ ہاں جتنا زیادہ قریب ہوتا اتنا ہی دل میں گھر کرتا چلا جاتا تھا اور یہ جو حدیث میں آیا ہے۔

من راه بداهة هابه (جو آپ کو براہ راست دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی) وہ ہیبت محض حسن کی نہ تھی بلکہ کمالات نبوت کی تھی۔

طلباء کو نصیحت

چنانچہ یہی شان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اہل اللہ کو عطا ہوتی ہے کہ وہ جیل خانہ میں بھی اور شکستہ حالت میں بھی باعظمت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے جس کا اوپر ذکر ہوا تھا کہ شکستہ حالت میں درس میں آ بیٹھا تھا جب درس میں سوال کیا اور اس کا کمال ظاہر ہوا تو سب اس کی عظمت کرنے لگے۔ پس میں طلباء سے کہتا ہوں کہ تمہارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے اسی کی اصطلاح اور وضع اور طرز اختیار کرو تمہاری اسی میں عزت و عظمت ہے اور اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا پرواہ ہے خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی پھر تم اپنی وضع کیوں بدلتے ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 27)

محبوب کے سامنے 99 کوڑے کھائے

ابن عطاء اسکندری نے ایک عاشق مجازی کی حکایت اسی مضمون پر لکھی ہے کہ لوگوں نے تہمت عشق پر اس کے سو کوڑے مارے تو ننانوے پر اس نے آہ بھی نہ کی سوویں کوڑے پر آہ کی، کسی نے پوچھا کہ ننانوے کوڑے کا تو تحمل کر لیا اور اخیر کے ایک کوڑے کا تحمل نہ ہوا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا ننانوے تک تو محبوب میرے سامنے تھا اور وہ کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا کہ میری محبت میں اس کو یہ مصیبت پیش آئی اس لذت میں مجھے الم ضرب کا احساس نہ ہوا ننانوے

کے بعد وہ چلا گیا تو مجھے الم کا احساس ہوا اس لیے آہ نکل گئی۔ تو اے صاحبو! یہ اس کا محبوب تھا جو غائب ہو گیا اور آپ کا محبوب تو ہر دم آپ کے ساتھ ہے ہر حالت میں آپ کو دیکھ رہا ہے جس کی شان یہ ہے کہ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند) پھر آپ کو ملامت اغیار میں زیادہ لذت آنا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 33)

اخفاء عبادت میں ریا

عام صوفیاء کا مشہور قول ہے کہ اظہار عبادت مخلوق پر ریا ہے اور محققین حضرات کا ارشاد ہے کہ اخفاء عبادت خلق سے ریا ہے کیونکہ مخلوق پر نظر ہی کیوں گئی جو اس سے اخفاء کا اہتمام کیا۔ اگر تم مخلوق کو ایسا سمجھتے جیسی مسجد کی صفیں تو ان سے اخفاء نہ کرتے۔ کوئی مسجد کی صفوں سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا کرتا ہے بس تم مخلوق کو کالعدم اور لاشے محض سمجھ کسی پر نظر نہ کرو صرف ایک ذات پر نظر رکھو۔

دلارامے کہ داری دل درو بند   دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

یہ ہی توحدۃ الوجود ہے جو کسی کی زبان سے کسی طرح نکل گیا وہ کافر کہلائے گا کیونکہ اس نے زبان عشق میں اس کو ظاہر کیا اور عاشق کی زبان کافی نہیں ہوتی توضیح مراد کے لیے عاقل کی زبان کافی ہوتی ہے چنانچہ محققین اسی وحدت الوجود کو زبان عقل سے ظاہر کرتے ہیں ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتا مگر جن پر فتویٰ لگایا گیا ہے ان کو اس کی بھی پروا نہیں وہ اپنے کلام میں تاویل نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان و کفر مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور تاویل وہ کرے جو مخلوق پر بھی نظر کرتا ہو اور جس کی نظر مخلوق پر بالکل نہ ہو اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 35،36)

شیخ کو حالت وجد میں بھی درست بات کہنی چاہیے

اور یہیں سے ایک حکایت کی حقیقت معلوم ہوئی جو مولوی مظہر صاحب رام پوری نے جو میرے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی خدمت میں موجز میں شریک تھے۔ (میں نے موجز کو موجز ہی پڑھا ہے ورنہ مطول ہو جاتی) رام پور ریاست کا قصہ بیان کیا کہ ایک شخص صاحب قبض ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو کہا میں شیطان ہوں فرمایا اگر شیطان ہو تو "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" یہ جواب سن کر اس کو مردودیت کا یقین ہو گیا کہ جب ایک صاحب ارشاد نے بھی مجھ پر لاحول پڑھ دی تو میرے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں تو اس نے اپنے خادم سے کہا کہ اب اس زندگی سے موت بہتر ہے اس لیے میں خودکشی کروں گا۔ اگر کچھ کسر رہے تو تم پوری کر دینا۔ چنانچہ اس نے خودکشی کی اور جان نکلنے کے بعد مرید نے الجھی ہوئی کھال کو الگ کر دیا۔ اسی حالت

میں وہ گرفتار کیا گیا اس نے کہا تم مجھے کیا گرفتار کرتے ہو میں تو خود زندگی سے بیزار ہوں جب میرا پیر نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا تم شوق سے مجھے پھانسی دے دو۔ اس بیان سے حاکم کو اس کے قاتل ہونے میں شبہ پیدا ہوا تو اس نے واقعہ دریافت کیا اس نے سب واقعہ بتلا دیا یہ خبران صاحب ارشاد شیخ کو بھی پہنچی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ ہاں وہ قبض میں مبتلا تھا اور میرے پاس آیا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس نے خودکشی کر لی ہو۔

یہ حکایت مولانا محمد یعقوب صاحب نے سنی تو فرمایا کہ ہم تو ان صاحب ارشاد کو شیخ سمجھے تھے مگر معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ جب اس نے کہا تھا کہ میں شیطان ہوں تو جواب میں یوں کہتے کہ پھر کیا حرج ہے شیطان بھی تو اس کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی اس سے تسلی ہو جاتی شاید تم یہ کہو کہ ان الفاظ سے کیا ہوتا، تو تم اس کو کیا جانو! (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 83)

بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے

علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو، گمنامی میں رہو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

خویش را رنجور ساز و زار زار　　تا ترا بیروں کنند از اشتہار

اشتہار خلق بند محکم است　　بند ایں از بند آہن کے کم است

چشمہا و خشمہا و اشکہا　　بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

(اپنے آپ کو رنجور اور گمنام رکھو تا کہ لوگ تم کو شہرت سے باز رکھیں۔ مخلوق کی شہرت اللہ اور ان کے بندہ کے درمیان مضبوط بند ہے، یہ بند لوہے کے بند سے کیا کم ہے، غصے اور آنکھیں اور اشک تیرے سر پر اس طرح ٹپکتے ہیں جیسے مشکوں سے پانی ٹپکتا ہے)

یعنی اشتہاری آدمی مجرم ہوتا ہے (یہ لطیفہ ہے) یہ تو آج کل قانون بھی ہے۔ پس سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بن کر رہو اس میں دین کی سلامتی اور دنیا کی بھی اور جسکے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لیے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس کے مستحسن ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں وہ یہ کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ ان شاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد میں ایک نئی بات کہتا ہوں جو اکثر لوگوں کے ذہن میں نہیں ہے کہ مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں، اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو کیونکہ مرید کا تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا نہیں ہے بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتویٰ طبیب کی مخالفت

جائز نہیں ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے اس لیے مریض کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں ہاں دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت کر سکتا ہے جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کر سکتا ہے مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں اس وقت تک مریض ہے۔ پس اس کے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے مگر ادب کے ساتھ (گو واقع میں خلاف شریعت نہ ہو مگر یہ تو اپنے علم کا مکلف ہے)۔
(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص96)

حلال میں برکت ہے

حلال کی آمدنی میں حق تعالیٰ وہ برکت عطا فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سے کام بن جاتے ہیں اور تمام روپیہ اپنے ہی کام آتا ہے اور حرام کی آمدنی میں ایسی بے برکتی ہوتی ہے کہ باوجود کثرت ظاہری کے روپیہ ضائع ہوتا ہے اور حاجتیں باقی رہ جاتی ہیں ہم نے بہت دیکھا ہے کہ ایسے لوگوں کا روپیہ اکثر ان کے کام نہیں آتا لیکن ہم نے تسلیم کر لیا کہ بغیر رشوت کے کام نہیں چلتا ہے لیکن اس کو حرام سمجھنے سے تو کوئی کام بند نہیں ہوتا' آپ لیتے رہیں مگر ساتھ ہی اس کو گناہ اور اپنے کو عاصی اور نافرمان بھی سمجھو، اس کے حلال سمجھنے پر تو کوئی کارروائی موقوف نہیں ہے میں نے ڈھاکہ میں اس مضمون کو بیان کیا تھا وہاں ریش کے دشمن بہت سے مجھ کو نظر آئے میں نے کہا تھا مجھے آپ صاحبوں سے یہ امید تو ہے نہیں کہ میرے کہنے سے آپ ڈاڑھی رکھ لیں گے مگر خدا کے واسطے اس کو حرام تو سمجھو بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں تو کہیں ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہی نہیں پھر ہم کیوں رکھیں ان حضرات کا یہ عذر اس وقت مسموع ہوتا جبکہ دلائل شرعیہ قرآن شریف ہی میں منحصر ہوتے۔ قرآن مجید میں بہت سے مسائل منصوص نہیں ہیں۔ آج کل عام عادت ہو گئی ہے کہ ہر مسئلہ کی دلیل قرآن مجید سے مانگتے ہیں اور ہمارے بعض علماء بھی ایسے خلیق ہیں کہ وہ سوچ ساچ کر نکالتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص105،106)

جملہ معاصی میں سخت کُلفت ہے

جس قدر گناہ ہیں ان کے نہ کرنے میں اس قدر تکلیف نہیں جس قدر کہ ان کے کرنے میں ہے نہ کرنے سے تو تھوڑے دنوں کی کلفت ہے اور اس کے بعد حلاوت ہی حلاوت ہے اور کرنے سے فوراً تو کوئی حظ ہوتا ہے اس کے بعد روح کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے اول بار کوئی گناہ کیا ہو اور اس سے پہلے اس گناہ کا وہ شخص مرتکب نہ ہوا ہو وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ پہلے میرے اندر کیا تھا اور اب کیا ہو گا۔ واللہ وہ اپنے اندر سخت کدورت محسوس کرے گا اور اپنے کو سخت لعنت وملامت کرے گا اور اپنی موت کو زندگی پر ترجیح دے گا۔

باقی ہم لوگوں کو اس لیے احساس نہیں رہا کہ گناہ کرتے کرتے قلب کا احساس باطل ہو گیا ہے اس لیے گناہ کے اندر جو کلفت اور کدورت ہے وہ محسوس نہیں ہوتی جس نے آنکھ کھول کر کبھی راحت حقیقی نہ دیکھی ہو اس کو تکلیف کا احساس نہ ہوگا لیکن اگر آپ اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک طریقہ ہے کہ جس کو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس سے چالیس روز مستعار لے لو اور ان دنوں میں اس سے صلح کر لو اور اس کو کہو کہ صرف ان چالیس روز کے لیے تو معاصی کو چھوڑ دے اور اطاعت اختیار کر لے اس کے بعد پھر تجھ کو آزادی ہے اور یہ چالیس روز اس طرح گزار دو کہ کسی قسم کی معصیت اس میں سرزد نہ ہو، فضول کلام، غیبت، فضول میل جول، بدنگاہی غرض تمام گناہوں کی چالیس دن کے لیے تعطیل کر دو لیکن بداعتقادی کے ساتھ نہیں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اعتقاد ایسا کر و یعنی یہ اعتقاد کہ اس سے نورانیت ہو گی بلکہ ان دونوں امر سے خالی کر لو۔ جب یہ چالیس دن اس حالت سے گزر جائیں اس کے بعد اندازہ کر لو کہ ہمارے قلب کی پہلے کیا کیفیت تھی اور اب کیا کیفیت ہے۔ واللہ قلب میں اس وقت ایک ایسی حلاوت اور لطف پاؤ گے جو اس چالیس روز سے پہلے نہ تھی اور معلوم ہو گا کہ ہم تو جہنم میں تھے اب جنت میں ہیں۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ گناہ میں کیا کلفت ہے اور طاعت میں کیسی حلاوت ہے۔ غرض گناہ کے چھوڑنے میں تھوڑے دنوں کی کشاکشی ہے اس کے بعد راحت دائمی ہے۔

چند روزے جہد کن باقی بجند

(کچھ دن جدوجہد کر پھر آرام سے رہ) (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 108،107)

قلب کو خیالات سے پاک رکھنے کی ضرورت

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو خیال ہوتا ہے مقرون بالفعل یعنی وہ خیال جو کسی کام کے کرنے سے ذرا دیر پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے کام کے لیے یہ خیال تو ضروری ہے اور یہ خیال مانع مقصود سے نہیں، اس سے منع نہیں کیا جاتا مگر یہ خیال کام کے قریب ہوا کرتا ہے اور واقعی بدون اس کے کام نہیں ہو سکتا کیونکہ کام فعل اعضاء کا ہے اور اعضاء تابع ہیں قلب کے جب تک قلب میں ارادہ نہ ہو اعضاء فعل نہیں کر سکتے اور قلب میں ارادہ جب پیدا ہوتا ہے جبکہ اول اس فعل کا خیال پیدا ہوتا ہے تو خیال کا قلب میں پیدا ہونا ہر فعل سے پہلے ضروری ہوا۔ پس یہ تو مسلم ہے کہ ہر کام سے پہلے خیال کی ضرورت ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قلب میں ہر وقت خیال کے رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ خیال کی ضرورت فعل کے لیے ہے اور فعل ہر وقت نہیں ہوتا کوئی وقت ایسا بھی تو نکلتا ہے جو فعل سے خالی ہو، سو اس وقت قلب بھی خیال سے خالی ہونا چاہیے یہ جو ہماری عادت ہے کہ ہر وقت دل میں خیالات بھرے رہتے ہیں قطع نظر اس سے کہ کوئی کام کرنا ہو یا نہ ہو گزری ہوئی باتوں کے تصور فرضی خیالات آئندہ کی لمبی چوڑی بے ضرورت باتیں

دل میں بھری رہتی ہیں، یہ ضرور روکنے کے قابل ہیں اور یہ ضرور دل سے بالکل بھلادینے کی ہے جس کے ہم لوگ عادی ہورہے ہیں اور ہم کو اس سے ایسا انس ہوا ہے کہ بلا اس کے چین ہی نہیں آتا، کسی وقت خالی بیٹھے ہوں تو وحشت ہوتی ہے اور فوراً دل کو اس کے ساتھ مشغول کر لیتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 171،170)

دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج

سو میں اس عذر کا بھی جواب دیتا ہوں اور ایک مزے دار چیز کا جس کی نظیر کہ تم نے دیکھا بھی ہے پتہ بتاتا ہوں اس کی ہی یاد کیا کرو وہ کیا ہے تمہارا گھر جنت جہاں سے تم دنیا میں آئے ہو اس کو یاد کرو اس کی یاد تو مزے دار ہے اور اس کی نعمتوں کے نظائر دیکھے ہوئے بھی ہیں۔ ان کا خیال جم بھی جائے گا تم اس کو ایک دفعہ بقصد واہتمام دل میں لاؤ گے تو دل اس کے مزے کی وجہ سے دس دفعہ اعادہ کا تقاضا کرے گا، لیجئے اس میں تو بہت سہولت ہوگئی اگر خدا کی یاد ویسے نہیں بستی ہے تو لو یوں چلو ابتداء اس سے کرو انتہا خدا کی یاد پھر ہو جائے گی۔ اس پر بھی شاید یوں کہا جائے کہ جنت بھی بہت دور ہے کیونکہ وہ آخرت ہے اور اس کا دور ہونا ظاہر ہے ذہن وہاں تک پہنچنے میں لنگڑاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو دھوکہ ہوا کہ جنت ایک مکان کا نام ہے دور نہیں البتہ اس کا ملنا کہ متعلق زمان کے ہے ضرور دور ہے پس زمان آخرت بیشک دور ہوا خدا جانے کتنی صدیاں ابھی باقی ہیں مگر مکان آخرت دور نہیں وہ مکان آسمان پر ہے اور یہ ثابت ہے کہ جنت موجود بالفعل ہے: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں تو اب اس کے سوچنے میں تو کچھ دشواری نہیں یوں سوچا کرو کہ ہمارے سر کے اوپر آسمان میں جنت ایک جگہ ہے جو دنیا سے کہیں اچھی ہے، دنیا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں اس میں حوریں ہیں، محلات ہیں، اشجار ہیں، انہار ہیں، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کا تصور آیا پھر دل اس کو چھوڑنے ہی کا نہیں اور بار بار یاد کرے گا اور اس میں زیادہ سوچنا بھی نہیں پڑے گا، کیونکہ سر کے اوپر موجود ہے بعید زمانی کا سوچنا البتہ مشکل ہوتا ہے وہ آخرت کا زمانہ گرچہ وہ بہت بھی بہت بعید نہیں ہے کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آجاوے گی۔ اس کا بُعد قابل لحاظ نہیں ہوتا مگر خیر وہ بعید سہی تم ایسی چیز کو سوچو جو اس وقت بھی موجود ہے۔ صاحبو! دیکھئے کتنی آسانی ہوگئی جب خالی بیٹھو بجائے اس کے کہ اور فضول خیالات کے ساتھ دل کو مشغول رکھو یہ سوچا کرو کہ ہمارے اوپر ایک مکان ہے جس کا نام جنت ہے اس میں انگور ہیں، حوریں ہیں، نہریں ہیں، طرح طرح کی نعمتیں ہیں اس خیال سے شوق پیدا ہوگا پھر یہ سوچو کہ ان چیزوں کے ملنے کا مدار اعمال پر ہے اعمال ہوں گے تو یہ چیزیں ملیں گی اور نہیں تو حسرت ہی حسرت ہوگی اس سے ہمت پیدا ہوگی اور قلب اور اعضاء مستعد ہو جائیں گے اعمال کے لیے جب اعمال ہوں گے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جنت کیوں نہ ملے گی دیکھو کیسا سہل راستہ ہوگیا کیونکہ ممکن نہیں کہ جنت کا تصور کیا جائے پھر دل یہ نہ کہے کہ اس باغ کو اپنا بناؤ اور اپنا بنانا موقوف ہے اعمال پر، پھر اعمال کی

برکت سے خدا کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا۔ جب خدا سے تعلق پیدا ہو گیا اسی کا نام یاد خدا ہے لیجئے جنت کی یاد کیا ہوئی تمام بھلائیوں کی جڑ ہو گئی اور دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج ہو گیا۔

دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر

اس طرح سے کہ جب دل میں دنیا کی کوئی چیز آوے تو فوراً یہ سوچو کہ ہماری بی بی وہاں منتظر ہے کہ دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے تو مجھ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جس سے یقیناً ملاقات ہو جائے یہ خیال ایسا ہے کہ دوسرے سب خیالوں کو فوراً دبالے گا کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو بی بی کا شوق نہ ہو اور وہ بی بی بھی کیسی جس کی صفت حدیث میں یہ آئی ہے کہ اگر اس کے دامن کا ایک کنارہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی کے سامنے چاند سورج ماند ہو جائیں یہ تو ان کے کپڑے کی صفت ہے اور ان کے جسم کی یہ کیفیت آئی ہے کہ متعدد حُلوں اور گوشت پوست اور ہڈی کے اندر سے گودا نظر آئے گا اس کی نظیر کہیں بھی دنیا میں ہے یا ہو سکتی ہے؟ ایسی بی بی کا خیال ایسی چیز نہیں ہے کہ سرد سے سرد آدمی کو بھی ایک دفعہ گرم نہ کر دے اور سست سے سست کو بھی اعمال کے لیے مستعد نہ بنا دے اس کے سامنے کوئی خیال دل میں نہیں رہ سکتا۔

لیجئے یہ آسان تدبیر ہے خیالات کے دل سے مٹانے کی اور لوگ ذکر اللہ کی تعلیم کرتے ہیں اور میں ذکر الزوجۃ کی تعلیم کرتا ہوں مگر یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے بعد آگے بھی چلو زوجہ ہی تک نہ رہ جاؤ اور میرے اس کہنے کی کہ آگے کو چلو چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ زوجہ اپنی طرف کھینچے گی اور اس کی طرف کھینچنے کا راستہ صرف اعمال ہیں اعمال کے بغیر ہاتھ نہیں آسکتی تو جس کو اس کا شوق پیدا ہوگا اس کو اعمال کا شوق پہلے پیدا ہوگا تو میں نے درحقیقت ذکر الزوجۃ کی نہیں تعلیم کی بلکہ اس کی آڑ میں تمام اعمال کی اور تعلق مع اللہ کی تعلیم کی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص184،183،182)

ہر وقت ذکر اللہ کی ضرورت

نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وقت ضرورت ہوئی ذکر کی اور توجہ الی اللہ کی کوئی وقت ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں ذکر نہ ہو اور غفلت ہو آپ کہیں گے اچھے پھنسے کسی وقت بھی فرصت نہیں ذکر کی ضرورت تو تھی عبادت کے وقت مگر سارا وقت اسی میں آگیا یہ خیال آپ کا صحیح ہے ذکر اللہ کی حقیقت ہے تعلق مع اللہ اور تعلق مع اللہ واقعی ایسی چیز ہے کہ اس سے کسی وقت فراغ نہیں ہو سکتا۔

بحرے است بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(بحر عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ سوائے اپنی جان سونپنے کے کوئی دوسرا چارہ نہیں)

یہ تو جنم روگ ہے اس سے کبھی پیچھا نہیں چھوٹ سکتا اور نہ پیچھا چھوٹنا چاہیے ہم جو اس سے گھبراتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ (نعوذ باللہ) کوئی گھبرانے کی چیز ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں ہے ہماری حس الٹی ہوگئی ہے کہ جو چیز گھبرانے کی ہے اس سے تو گھبراتے نہیں اور جو چیز گھبرانے کی نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے بڑھ کر راحت کی چیز اور لذیذ ہے اور ہر چیز کی جان اور ضرورت ہے اس سے گھبراتے ہیں۔ صاحبو! یہ تعلق مع اللہ تو واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

(پلک جھپکنے کے برابر بھی شہنشاہ سے غافل مت ہو ممکن ہے کہ اس کی نگاہ لطف تجھ پر پڑتی ہو اور تجھ کو خبر نہ ہو)

جن لوگوں کو یہ حس پیدا ہوگئی ان کے حالات پڑھیے کہ بات کرنے سے بھی وہ گھبراتے تھے اور ملنے جلنے سے بھی وہ گھبراتے تھے دیکھنے والا ان کو وحشی سمجھتا لیکن وہ ایسے وحشی تھے کہ تمام دنیا کے عاقل ان کے سامنے سر جھکاتے تھے یہ وحشت ان کی اس واسطے تھی کہ ان کی حس صحیح ہوگئی تھی گھبرانے کی چیز سے گھبراتے تھے اور انس کی چیز سے انس کرتے تھے انس کی چیز کیا ہے اللہ اور ذکر اللہ سے انس رکھتے تھے اور گھبرانے کی چیز کیا ہے ماسوی اللہ اور ماسوی اللہ کا ذکر، اس سے ان کو وحشت اور نفرت ہوتی تھی سو حضرت یہ جنم روگ بے شک آپ کے پیچھے لگ گیا مگر اس سے گھبرایئے نہیں بلکہ حس کو صحیح کر لیجئے پھر معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر راحت کی چیز ہے پھر اس وقت اگر کوئی آپ سے اس کو چھڑائے گا تو آپ جان دینا پسند کریں گے مگر اس کو چھوڑنا پسند نہ کریں گے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص204،203)

موکل بھی شیخ کی بات مانتے ہیں

واقعی عبودیت عجیب چیز ہے دوسروں کو تابع بنانا بھی فضول ہے اور اگر کسی درجہ میں اس کی ضرورت بھی ہے تو اس کی تدبیر بھی یہی ہے کہ آدمی خدا کا بندہ بن جائے، غالباً حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے وقت میں محدث محمد غوث بڑے عامل تھے گوالیار میں انہوں نے ایک بار شیخ کی اشتیاق زیارت میں مؤکلوں کو حکم دیا کہ حضرت شیخ کو یہاں اٹھا لاؤ مؤکل شیخ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز میں ہیں ان کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ تصرف کر سکیں باادب ایک طرف کھڑے ہو گئے سچ ہے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

(جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن اور انسان اور ہر چیز ڈرتی ہے۔)

جب حضرت فارغ ہوئے تو ان پر نظر پڑی پوچھا کیا ہے عرض کیا ہم اس واسطے بھیجے گئے ہیں حضرت نے فرمایا: ہاں اچھا ہم حکم دیتے ہیں کہ ان کو ہی پکڑ لاؤ چنانچہ وہ لوٹ کر گئے اور ان کو پکڑنے لگے انہوں نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو تم میرے تابع ہو وہ بولے بے شک مگر اوروں کے مقابلہ میں نہ کہ شیخ کے مقابلے میں چنانچہ لا حاضر کیا۔

خدا کا نام وہ چیز ہے کہ ہر چیز کو مسخر کر لیتا ہے مؤکل تابع تھے کس کے اور کام دے رہے ہیں کس کو، حضرت شیخ نے عامل صاحب سے پوچھا یہ کیا حرکت تھی، عرض کیا حضرت زیارت کو دل چاہتا تھا۔ فرمایا: زیارت کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ نوکروں سے پکڑ کر بلواؤ پھر فرمایا کہ تم کس خرافات میں مبتلا ہو بندگان خدا کو مجبور کر کے اپنا محکوم کیوں بنا رکھا ہے ان کی آنکھیں کھلیں اور حضرت سے بیعت ہوئے اور عملیات سے توبہ کی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 184،183،182)

خلاف رضائے الٰہی کام نہ کرنے کے عزم کی ضرورت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تو عطر اس لیے لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آوے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب پانی پیو ٹھنڈا پیو، ٹھنڈا پانی پینے سے بال بال سے الحمد للہ نکلتی ہے سبحان اللہ ان حضرات کی نیت ہر امر میں یہی ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ راضی ہوں اور شکر کامل ادا ہو یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کھانا کھانے، کپڑا پہننے، جانے، چلنے پھرنے ہر کام میں یہی نیت ہو یہ نیت فرض دائم نہیں مگر اتنا ضروری ہے کہ ہر کام میں یہ خیال کرے کہ یہ خلاف مرضی حق تعالیٰ تو نہیں ہے غرض ہر کام اگرچہ للرضا نہ ہو مگر یہ خیال تو ضرور رہے کہ میں خلاف رضا نہ کروں یہ مرتبہ فرض دائم ہے سو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ مشکل نہیں ہے یہ بھی واضح ہو گیا کہ دلائل وجوب کے بالکل بین و ظاہر ہیں اور یہ بھی پیش نظر ہو گیا ہوگا کہ واقعی ہم لوگ بڑی کوتاہی کرتے ہیں یہ حوصلہ تو کہاں ہے کہ ہر کام ہمارا للرضا ہو لیکن ہم کو تو یہ درجہ وجوب بھی میسر نہیں کہ ہمارے کام خلاف رضا نہ ہوں چنانچہ اس کا مطلق خیال ہی نہیں، شب و روز معصیت میں گزر جاتے ہیں اگر کبھی خیال آتا بھی ہے تو شیطان کہتا ہے:

إن اللہ غفور رحیم (بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے بے حد مہربان ہیں) حالانکہ اس کے معنے یہ نہیں کہ جو چاہو کیے جاؤ اللہ تعالیٰ بخش دیں گے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 225،224)

جب ذکر سے دل اکتا جائے

انسان کا خاصہ طبعی ہے کہ ہر وقت ایک کام نہیں کر سکتا طبیعت اکتا جاتی ہے جیسے کوئی رات دن پڑھے اور کسی وقت بھی فارغ نہ ہو اور سیر و تفریح سے جی نہ بہلاوے تو لازمی بات ہے کہ طبیعت اس کی اکتا جاوے گی اور بعض

مرتبہ ایسی پژمردہ ہوگی کہ وہ بالکل معطل محض ہو جائے گا۔ اسی واسطے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر سبق دس دفعہ کہنے کا شوق ہو تو آٹھ دفعہ کہو دو دفعہ چھوڑ دو تاکہ شوق باقی رہے اور اس شوق سے پھر کام کیا جائے۔ اسی طرح عابدین ذاکرین کو بھی یہ امر پیش آیا ہے کہ کثرت ذکر سے ان کو ایک قسم کا ملال اور اکتاؤ پیش آجاتا ہے اور بعض مرتبہ شیخ کامل اگر نہ ہو تو اس کا نتیجہ آخرہ غفلت و تعطل ہو جاتا ہے اس وقت یہ ضروری ہے کہ سب کام خلوت کا چھوڑ دے اور باغ میں دوستوں کے مجمع میں بیٹھے اور کچھ دیر باتیں کرے، مزاح کرے تو وہ نشاط سابق پھر عود کر آئے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ غفلت کی اجازت ہے۔ صاحبو! یہ غفلت نہیں اس کو بھی ذکر ہی میں شمار کریں گے اس لیے کہ معین ذکر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کوئی شخص پوچھے کہ تمہارے یہاں کھانے میں کیا ہوتا ہے اور کس حساب سے ہوتا ہے تو تم کہو کہ جنس اس قدر اور مصالحے اس قدر اور لکڑیاں اتنی، تو وہ شخص اعتراض کرے کہ کیا آپ لکڑیاں بھی کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ معترض احمق ہے اس لیے کہ جس سے کھانے میں اعانت ہو وہ کھانے ہی کے حساب میں شمار کی جاتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 228)

بُشریٰ کا مفہوم

حکایت سننے اور دیکھنے میں آئی ہے۔ ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ایک گاؤں میں ایک تیلن تھی جو بالکل ان پڑھ جاہل تھی جب وہ مرنے لگی تو نہایت عربی کے الفاظ اس کے منہ سے نکلے اس کے عزیز و قریب سمجھے کہ ہذیان میں بک رہی ہے وہاں ایک شخص ذی علم ملازم سرکاری تھے کوئی ان کے پاس آیا اور کہا ذرا آپ تشریف لے چلئے اور سنئے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے وہ گئے تو وہ کہہ رہی تھی "هذان الرجلان يقولان ادخلی الجنة (یعنی یہ دو آدمی مجھ کو کہتے ہیں کہ جنت میں چل) میں نے ان لوگوں سے پوچھا یہ کیا عمل کرتی تھیں لوگوں نے کہا کہ جناب کچھ بھی عمل نہ کرتی تھی اور بڑی لڑاکا تھیں البتہ ایک خصلت اس میں تھی وہ یہ کہ جب اذان ہوتی تھی تو کسی کو بولنے نہ دیتی تھی اور تمام لڑائی اس کی اسی پر تھی اور کہا کرتی تھی کہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور تم بولتے ہو حق تعالیٰ کی رحمت ہے جس عمل کو چاہے پسند فرمالیں۔ اس قسم کے بہت سے قصے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت بشارت ہوتی ہے۔ غرض حدیث میں بشریٰ سے مراد رویاء صالحہ آیا اور بعض نے بشریٰ سے موت کے وقت کی بشارت مراد لی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بشریٰ سے کوئی خاص بشری مراد نہیں بلکہ بشری یہاں عام ہے اور اس کے یہ سب مختلف افراد ہیں یہاں تو منبیین کے لیے دنیا و آخرت کی خوشی آیت سے ثابت ہوئی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 234)

سکون اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے

دنیا کی تمام چیزوں سے مقصود جمعیت و سکون قلب ہے اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت کسی ایسی شے میں نہیں جس کو راحت و سکون لوگ سمجھتے ہیں یہ سب عین پریشانی ہے۔ چنانچہ اہل دنیا کو دیکھ لو کہ رات دن ان کو ادھیڑ بُن تو لگی رہتی ہیں کسی وقت آرام میسر نہیں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جمعیت و سکون حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے اگر شک ہو تو تین دن ہی فرمانبرداری کر کے دیکھ لو اور یہ التزام کرو کہ تمام منہیات سے تین دن تک مجتنب رہیں گے پھر قلب کی پہلی حالت اور موجودہ حالت میں موازنہ کرلو یقیناً فرق معلوم ہو گا اور اگر پھر بھی نہ ہو تو پھر اپنی مثال ایسی سمجھ لو کہ جو مینڈک تمام عمر گندہ چوبچہ میں رہا ہو اس کو کیا معلوم ہو کہ سمندر میں کیا ہے۔ اسی طرح جس نے حلاوت باطن نہ دیکھی ہو وہ اس کا کیا ادراک کرے اگر کوئی کہے کہ ہم تو شب و روز اپنے دنیا کے کاموں میں اور بال بچوں میں ہنسی خوشی رہتے ہیں ہم کو تو کچھ بھی پریشانی نہیں تو اس کے جواب میں پھر بھی کہوں گا کہ واللہ حس نہیں دنیا کے اندر اتنا انہاک ہے کہ حس بھی باطل ہو گئی اس کا فیصلہ بہت سہل ہے تم ایک ہفتے کے واسطے اپنے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے توبہ کرو اور واجبات و فرائض کا التزام کرو ایک ہفتے اس حالت میں گزارنے کے بعد جو پھر اپنی اصلی حالت قبیحہ کی طرف عود کرو گے تو اس حالت حسن کو یاد کر کے یہ کہو گے

خوشا وقتی و خرم روزگارے
کہ یارے برخورواز وصل یارے

(وہ کیسا اچھا وقت اور پر لطف زمانہ تھا کہ اس میں محب اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو رہا تھا اور یہ کہو گے کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو)

اور اس ہفتے کی لذت یاد آئے گی حتی کہ اس کا یہ اثر ہو گا کہ پھر اسی ہفتے کی طرف عود کرو گے ممکن نہیں کہ مقناطیس کشش نہ کرے تو یہ کیا شے ہے جس کو وہ ڈھونڈتا ہے وہ یہی جمعیت خاطر ہے اور ایک بڑی خاصیت فرمانبرداری میں یہ ہے کہ دل بڑا قوی رہتا ہے اور حق تعالیٰ سے اس کو وحشت نہیں ہوتی۔ ایک عیسائی لکھتا ہے کہ مسلمان کے پاس یہ بڑی دولت ہے کہ وہ اپنے خدا سے شرمندہ نہیں یعنی جیسے نافرمان وحشت سے جان چھڑاتا ہے منہ چھپاتا ہے مطیع اس سے محفوظ ہے دیکھ لیجئے کہ کسی تحصیل میں تحصیلدار اپنا منصبی کام نہ کرتا ہو یا رشوت ستانی میں بدنام ہو یا سست ہو کام اس کا خراب ہو اور ایک دوسری تحصیل کا تحصیلدار کارگزار اور ہر کام کو وقت پر کرنے والا ہو اور دونوں تحصیلوں میں صاحب کلکٹر اطلاع کریں کہ ہم فلاں تاریخ کو تحصیل کا معائنہ کریں گے تو اول تحصیلدار کی تو سن کر ہی روح فنا ہو جائے گی اور اسی وقت سے وحشت سوار ہو گی کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے اور اپنے سزایاب ہونے کا خیال ہو گا اس لیے وہ بھی نہ چاہے گا کہ حاکم کا سامنا ہو اور جو تحصیلدار اپنا کام کرتا ہے اس کو خوشی اور مسرت ہو گی کہ مدت

کے بعد وہ وقت آیا کہ میری کارگزاری حاکم کے روبرو پیش ہوگی۔ گو حاکم کے حاکمانہ انداز سے وہ بھی ڈرتا ہے لیکن اس کا ڈرنا اور نوع کا ہے اسی طرح فرمانبردار اور نافرمان بندے کو سمجھ لیجئے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ مطیع کو اپنے اعمال پر ناز ہے۔(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 257،258)

توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ

اور ایک فائدہ عاجلہ بھی ہے وہ یہ کہ بار بار توبہ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ چند روز میں بتدریج وہ گناہ چھوٹ جاتا ہے۔ پس یہ توبہ کی برکت ہے کہ اس سے تائب آخر کار متقی پرہیز گار ہو جاتا ہے۔ غرض اگر گناہ اور توبہ دونوں کے سلسلے برابر جاری رہیں تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ کا سلسلہ مٹ جائے گا اور توبہ کا سلسلہ ''بمقتضائے'' سبقت رحمتی علی غضبی''

(میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی) غالب آجائے گا جیسے سلیٹ کی لکھائی ہے کہ پانی سے مٹ جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی آب رحمت سے مٹ جائیں گے لیکن اس سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ میرا مقصود تو اس سے یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میں گناہ نہ کروں اور نفس سے کشاکش ہوتی ہے کبھی یہ غالب ہوتا ہے کہ باوجود تقاضائے شدید کے نفس کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتا اور کبھی بمقتضاء بشریت اس کا نفس غالب آجاتا ہے اس سے کڑھتا ہے اور روتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور پھر گناہ ہو جاتا ہے وہ پھر ایسا ہی کرتا ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے کی ہوتی ہے ایسے شخص کی ہمت بندھانے کے لیے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ ایسا شخص اس تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن ضرور متقی و پرہیز گار ہو جائے گا۔ اگر نہ بھی ہو لیکن مغفور تو ان شاء اللہ ہوگا۔ باقی جو پہلے سے گناہ میں دلیر ہے اور اس کو کچھ غم ہی نہیں اس کے غم کے علاج ہی کی کیا ضرورت ہے اس کو یہ خطاب نہیں کہ گناہ سے مغموم نہ ہو کہ وہ اس کا علاج ہے بس میرا مقصود گناہ کی اجازت دینا نہیں۔ نیز ظاہر ہے کہ جس سے گناہ بالکل نہ ہو اور جس سے گناہ ہوا کرے لیکن توبہ بھی کرلے ان میں بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی طالب علم شبہ کرے کہ حدیث میں تو آیا ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس نے گناہ نہیں کیا) جس سے مماثلت معلوم ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ خود اس حدیث سے ہی فرق معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ مشبہ بہ، وجہ شبہ میں مشبہ سے زیادہ ہے۔ پس من لا ذنب له (جس نے گناہ نہیں کیا اور تائب من الذنوب (گناہ سے توبہ کرنے والا ہے) میں فرق ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 264،264)

نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کا خاصہ

حضرت مولانا نے فرمایا ہے تو چھوٹا منہ بڑی بات یہ تشخیص کہ آپ کو نقشبندیت سے مناسبت ہے میرے دل کو بالکل نہیں لگی آپ کی مناسبت چشتیہ سے اتنی صاف ہے کہ شک کرنا بھی مشکل ہے۔ آپ کی طبیعت میں فطرتاً شورش اور وارفتگی موجود ہے۔ عشق اور محبت کا مادہ ہے اور یہی چشت کا ماحصل ہے ایسے شخص کو نقشبندیت کی تعلیم کرنا فطرت کو بدلنا ہے جس سے کبھی نفع نہیں ہو سکتا نقشبندی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی طبیعت میں متانت ہوتی ہے ان کے مزاج سلاطین کے سے ہوتے ہیں۔ نقشبندی سلوک اہتمام کا ہے اس میں سب کام ضابطہ کے ہیں آپ کے مزاج کے مناسب تو بے سروپا سلوک ہے۔ آپ کو ضابطہ میں مقید کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ عرض کیا آپ کی محبت میں تو مجھ کو سکون تھا اس کے بعد کہیں سکون نہیں فرمایا: "سبوح لها منها عليها شواهد الحمدلله" خود آپ کو اس بات کا اقرار ہے معلوم ہوتا ہے کہ میری تشخیص صحیح تھی پھر آپ کو کیا سوجھی تھی کہ دوسری جگہ مارے مارے پھرے مگر اس میں بھی ایک نفع ہے۔ "الأشياء تعرف باضدادها" (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) اب آپ کو زیادہ نفع کی امید ہے کیونکہ آپ کو حیرانی بہت ہو چکی اب اگر سکون ہوگا تو بہت آپ کو اس کی قدر ہوگی اور فرمایا ہاں ان کو نقشبندیت سے مناسبت تھی غالباً ان کو دوسری جگہ پریشانی نہیں ہوگی ان سے ہمارا دل زیادہ نہ ملتا تھا، عرض کیا ہاں ان کو دوسری جگہ نفع ہوا تھا تب ہی تو انہوں نے مجھ کو بھی کھینچا۔ فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ دو بھائیوں کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے یہ تجویز صحیح نہیں ہے کہ ان کو نفع ہوا تو آپ کو بھی نفع ہوگا۔ نقشبندی نسبت عاقلانہ اور حکیمانہ ہے اور چشتیہ مجنونانہ ہے بس اب تو آپ کے حسب حال یہ ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دور اندیش کو بہت آزمایا اس کے بعد اپنے آپ کو دیوانہ عاشق بنالیا)

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 273)

غیر مقلد اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں

غیر مقلد لوگ اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں لیکن حدیث سے ان کو مس بھی نہیں ہوتا صرف الفاظ پر رہتے ہیں اور حدیث میں جو بات سمجھنے کی ہے جس کی نسبت وارد ہے: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين» (جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں) وہ اور چیز ہے اگر وہ صرف الفاظ کا سمجھنا ہوتا تو کفار بھی تو الفاظ سمجھتے تھے، وہ بھی فقیہ ہوتے اور اہل خیر ہوتے۔ تفقه في الدين یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ دین کی حقیقت کی پوری معرفت ہو تو ایسے لوگ حنفیہ میں بکثرت ہیں۔ حضرت حاجی صاحب ایک شیخ تھے، عالم ظاہری

پورے نہ تھے مگر تحقیق کی شان یہ تھی کہ ایک شخص بھوپال سے حج کرنے آئے تھے حضرت سے بیعت ہوئے ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص بھوپال کے تھے جو سخت غیر مقلد تھے اور ان پہلے صاحب کو بھی وہ غیر مقلد سمجھتے تھے۔ ان بھوپالی غیر مقلد صاحب نے اس سے سمجھا کہ حضرت غیر مقلد کو بھی بیعت کر لیتے ہیں۔ انہوں نے ان صاحب کی معرفت حضرت حاجی صاحب سے دریافت کرایا کہ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں مگر غیر مقلد ہی رہوں گا۔ حضرت نے اس شرط کو منظور فرمایا پھر وہ خود حاضر ہوئے اور تصریحاً پوچھا فرمایا ہاں کچھ حرج نہیں۔ بس بیعت کر لیا لیکن بیعت ہونا تھا خدا جانے کیا اثر ہوا کہ اس کے بعد اول ہی وقت نماز میں نہ آمین کہی نہ رفع یدین کیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو حضرت چونک اٹھے اور بلا کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ کی تحقیق اور رائے بدل گئی تب تو خیر اور اگر میری خاطر سے ایسا کیا تو میں ترک سنت کا وبال اپنے اوپر نہیں لیتا۔ دیکھئے تحقیق کی شان ہے اور سنت سے ہمارے حضرات کو اور خصوصاً حضرت حاجی صاحبؒ کو سنت کے ساتھ غایت درجہ کا شوق تھا پھر ایسے لوگوں کو متعصب کہا جائے تو کس قدر ظلم ہے ہاں متصلب ہیں متعصب نہیں۔ تصلب اور چیز ہے اور تعصب اور چیز، متصلب فی الدین اس شخص کو کہتے ہیں جو دین میں پختہ ہو اور متعصب ناحق ہٹ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 284)

اجنبی مرد وعورت کے جھوٹا کھانے کا حکم

اس سے بڑھ کر اور لیجئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اجنبی مرد کا جھوٹا عورت کو اور اجنبی عورت کا جھوٹا مرد کو کھانا مکروہ ہے اس لیے کہ خیال ہوگا کہ اس میں سے فلاں شخص نے کھایا ہے پھر استدلال کیا جائے گا کہ بڑے سلیقے سے کھایا ہے۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ بڑا نازک مزاج ہے اور نیز جس جگہ اس کا ہاتھ لگا ہے وہاں سے کھانے میں التذاذ ہوگا اور لیجئے امہات المومنین کہ جن سے نکاح ابداً حرام ہے ان کو حکم ہے کہ نرم لہجہ سے بات مت کرو بلکہ کڑوے لہجے سے بات کرو تاکہ جس کے دل میں روگ ہے وہ طمع نہ کرے۔ بیبیو! آخر یہ قرآن وحدیث واحکام کس واسطے ہیں تمہارے عمل کے لیے ہیں جب تم عمل نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔

الحاصل یہ جملہ احکام اس لیے ہیں کہ غیر اللہ کی محبت دل میں نہ پیدا ہو جاوے غرض دیکھنے کی اجازت ہے اور نہ دکھلانے کی مگر بعضے باوجود پردہ کے نام کے پھر بھی ایسا پردہ کرتی ہیں کہ وہ مثل بے پردگی ہی کے ہیں۔ سقہ کو حکم ہوتا ہے کہ اندھیری منہ پر ڈال کر چلا آ اس کی آنکھوں پر تو اندھیری پیچھے پڑے گی تمہاری عقلوں پر پہلے پڑ گئی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اندھیری ڈالنے سے اس کو نظر نہیں آتا تو گھڑے اس کو کیسے نظر آ گئے کہ سیدھا وہیں پہنچتا ہے تو جس طرح گھڑوں کو دیکھتا ہے اگر کسی بی بی کو کبھی دیکھ لے تو کیا مشکل ہے بیبیو! پردہ تو ایسی چیز ہے کہ اگر شریعت سے بھی اس کا علم نہ ہوتا تب بھی خود غیرت اور حمیت کا اقتضاء تھا کہ پردہ کیا جائے مگر یہ سب متعلق حیا کے ہے سو اب تو ایسی بے

حیائی شائع ہوئی ہے کہ پہلے جو دنیاداروں میں حیا تھی وہ اب دینداروں میں بھی نہیں ہے عورتوں میں ذرا رکاوٹ نہیں رہی اسی طرح مردوں کو شکایت ہے بلکہ مردوں کی شکایت عورتوں سے زائد ہے اس لیے کہ عورتیں تو بہت بچی ہوئی ہیں مردوں میں بہت کم عفیف نکلیں گے اور یاد رکھو کہ جس طرح یہ تعلقات شرعاً مذموم ہیں اسی طرح طریق محبت سے بھی مذموم ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ غیر پر نظر نہیں ہو سکتی۔ اگر غیر پر نظر ہو تو وہ کاذب اور مدعی ہے۔ مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عورت جارہی تھی ایک مرد اس کے پیچھے ہولیا اس عورت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کیوں آتے ہو، کہا مجھے تجھ سے محبت ہے اس عورت نے کہا کہ میری بہن مجھ سے زیادہ حسین ہے میرے پیچھے آرہی ہے وہ مرد اس کی طرف چلنے لگا اس عورت نے ایک دھول رسید کی اور کہا:

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی — پس چرا بر غیر افگندی نظر
در بیان دعوے خود صادقی — این بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(اس نے کہا کہ اے بیوقوف تو اگر عاشق ہے اور اپنے دعوے عشق میں سچا ہے تو پھر غیر پر نظر کیوں کرتا ہے اے بے ہنر کیا یہی تیرے عشق کا دعویٰ ہے)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عارف گزرے ہیں اول بادشاہ تھے بادشاہی چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی اور وطن چھوڑ دیا تھا جب گھر سے گئے تھے تو بی بی کو امید تھی چنانچہ لڑکا پیدا ہوا جب وہ سیانا ہوا اس نے سنا کہ میرے باپ اس طرح چلے گئے اب مکہ معظمہ میں ہیں چنانچہ یہ لڑکا وہاں پہنچا، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ طواف کررہے تھے جب اس لڑکے کو دیکھا تو محبت کا جوش ہوا پتہ نشان پوچھنے سے معلوم ہوا کہ میرا ہی بیٹا ہے اور اس نے بھی جانا کہ میرا باپ ہے جھک کر سلام کیا۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بیٹا تیرا مذہب کیا ہے کہ مسلمان ہوں اور زیادہ خوش ہوئے اور سینے سے لگالیا اسی وقت الہام ہوا کہ اے ابراہیم دو محبتیں ایک دل میں جمع کرتے ہو۔

حب حق ہو دل میں یا حب پسر — جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

اے ابراہیم! اسی منہ سے ہماری محبت کا دم بھرتے ہو اسی وقت دعا کی اے اللہ! اسے اٹھالے، چنانچہ گردہ میں درد ہوا اور لڑکا جاں بحق ہوگیا، اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیمؒ کی نگاہ اور توجہ سے ولی کامل ہوگیا تھا، پس جب بیٹے کی اتنی محبت جائز نہیں کہ جو حق تعالیٰ تو اجنبی سے جس کا منشا محض خواہش نفسانی ہو محبت کرنا کیسے جائز ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 310،309)

احسان کا مفہوم

اب یہ سمجھئے کہ میں نے اس وقت اس لیے احسان کے بیان کو اختیار کیا ہے کہ اس کی بڑی ضرورت ہے لوگ اس سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں اچھا کرنا اور یہاں مراد عبادت کو اچھا کرنا۔ اب دیکھئے اول تو لوگ عبادت ہی سے بھاگتے ہیں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، دنیوی کاموں میں دن رات لگے رہتے ہیں ذرا ذرا سی باتوں کے لیے مشقت اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً اگر تھوڑی سی دنیاوی امید ہوتی ہے تو بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور مشقتیں اٹھانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا طلبی میں سرگرم ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص318)

مصنوعی شیخ اور واقعی شیخ کو پہچاننے کا طریقہ

بس یہ دیکھ لو کہ اس کے پاس رہنے سے عبودیت حاصل ہوتی ہے یا نہیں یا خود اس کے خفیہ حالات میں عبودیت غالب ہے یا نہیں۔ بنائی ہوئی بات چھپ نہیں سکتی، نہیں ہو سکتا کہ کوئی بنظر غور دیکھے اور تصنع ظاہر نہ ہو جائے، غرض بڑی شکایت اس بات کی ہے کہ کبھی اس تلاش کے لیے بھی گھر سے قدم نہیں نکالا نہ کچھ وقت صرف کیا اور نہ کچھ مال صرف کیا، میں کہتا ہوں

کہ آج کل تو اس قدر سہولتیں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ سفر بہت آسان ہے وقت بھی تھوڑا لگتا ہے دام بھی تھوڑے خرچ ہوتے ہیں لوگوں میں ہم نے یہ خبط تو دیکھا ہے کہ ذرا سی جڑی بوٹی کی تحقیق کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے ہیں اور اس کو بڑا فخر سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو کہتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں جمود ہے، تحقیقات کا مادہ ہی نہیں اسی وجہ سے ترقی نہیں ہوتی، بعضوں کو یہاں تک بھی دیکھا کہ جب ملازمت سے چھٹی اور تعطیل ہوتی ہے تو تبدیل آب و ہوا اور تفریح طبع کے لیے شملہ یا منصوری یا نینی تال جاتے ہیں اور اس میں بڑی رقم خرچ کرتے ہیں تو فضول کا اہتمام اور ضروری دین کا اس سے عشر عشیر بھی نہیں۔

صاحبو! اب میں تو اس پر کیا فتویٰ لگاؤں آپ خود ہی اس فعل کے نیک و بد ہونے کا فیصلہ کر لیجئے، میں اس لیے فتویٰ نہیں لگا سکتا کہ فتویٰ دینے میں مجھے اس کا ثبوت دینا پڑے گا کہ شملہ جانا اور نینی تال جانا جائز ہے اور فقہ میں کوئی جزئیہ ایسا ہے نہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کر کے آپ کو مجوج کر دوں اور اگر قواعد سے فتویٰ دیا جائے تو اس کو مانتا کون ہے مگر میں آپ سے ایک مثال فرض کر کے پوچھتا ہوں کہ جس شخص کو کھانے کی ضرورت ہو اور وہ کھانا نہ کھائے بلکہ اس کے بجائے تفریح کے لیے بازار میں ٹہلتا پھرے اور سرمایہ وہاں فضول اشیاء میں فنا کر دے تو کیا اس تفریح پر آپ کوئی فتویٰ لگا سکتے ہیں۔ دنیا بھر کے مفتی اکٹھے ہو جائیں تو بازار میں ٹہلنے کی ممانعت صراحتاً ثابت نہیں کر

سکتے۔ اگر اس نے یہی عمل رکھا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس عمل کا انجام یہ ہوگا کہ وہ بھوک کے مارے مر جائے گا اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ اس نے کوئی ناجائز عمل نہیں کیا، دونوں عمل ظاہر میں شرعاً جائز تھے کھانا بھی اور بازار میں پھرنا بھی مگر پھر بھی اس فعل کے مذموم ہونے کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے کہ دونوں فعل اگرچہ مباح تھے لیکن ان میں ترتیب کی ضرورت تھی ضروری کو اول اور غیر ضروری کو بعد میں رکھنا چاہیے تھا۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص354)

طالب کے لیے کیفیات کی طلب خطرناک ہے

طالبین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کیفیات کے پیچھے نہ پڑیں اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے بعض وقت آدمی کسی کیفیت سے بہت مسرور ہوتا ہے اور انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ اس کو مقصود سمجھنے لگتا ہے پھر اگر وہ جاتی رہے تو مایوس ہوتا ہے اور اگر وہ نہ جائے تو تمام عمر اسی کا ہو رہتا ہے حالانکہ یہ خفی شرک ہے کیونکہ کیفیت کوئی بھی ہو غیر اللہ ہے اور طالب اللہ کا ہونا چاہیے نہ کہ غیر اللہ کا یہ بڑا دھوکہ ہے اس سے آدمی بلا اعانت شیخ کامل کے بڑی مشکل سے بچتا ہے جس کا مقصود کیفیات ہوتے ہیں ان کے جاتے رہنے کے وقت ان کو ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے اپنا کوئی محبوب مر گیا۔ دیکھئے حق تعالیٰ تو فانی نہیں جو طالب اللہ کا ہے اس کو یہ وقت کبھی پیش نہیں آتا کیونکہ اس کا محبوب تو موجود ہے اس کی اگر تمام کیفیات بھی سلب ہو جاویں تو وہ یہ کہے گا۔

روزہا گر رفت گورو باک نیس　　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

(سارے دن ہی گزر جائیں تو گزر جائیں کچھ ڈر نہیں، ہاں آپ رہ جائیں کیونکہ آپ کے سوا کوئی پاک نہیں)۔

جو لوگ چار دن میں شکایت کرنے لگتے ہیں حقیقت میں ان کی نظر مقصود پر پڑی ہی نہیں اگر نظر پڑی ہوتی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مقصود حاصل ہو چکا ہے تب یہ شکایت کس بات کی اور اگر حاصل نہیں ہو چکا ہے تب بھی شکایت کا موقع نہیں اس واسطے کہ مقصود جتنا ذی وقعت ہوتا ہے اتنی ہی وصول میں دیر لگتی ہے اور شکایت کا موقع نہیں ہوتا۔ اگر حق تعالیٰ پر نظر پڑی ہے تو ان کی وقعت کے سامنے کوئی مدت بھی دیر میں داخل نہیں پھر جلدی کرنا کیا معنی۔

بس یا تو مقصود کی وقعت ہی ان کے ذہن میں نہیں یا مقصود پر نظر ہی نہیں کی۔ کیفیات کے دھیان میں لگنے کے یہ نتائج ہیں ایسی جلدی جب ہی ہوتی ہے جبکہ مقصود متعین نہ ہو یا اس کی عظمت ذہن میں نہ ہو۔ دیکھئے ڈپٹی کلکٹری کے لیے کتنی مدت کی ضرورت تھی جس کو اس مدت میں کامیابی ہو جائے تو وہ اس کو دیر میں کامیابی نہ کہے گا پھر حیرت ہے کہ خدا مطلوب ہے اور دیر کے لیے آمادگی نہیں کہ ادھر رات کو اللہ اللہ کیا اور صبح تک معراج کا فرشتہ نہ آ گیا تو کہتے ہیں

کہ ساری محنت اکارت ہے یہ تو وہی قصہ ہوا کہ "إذا صلی یومین انتظر الوحی» (دودن نماز پڑھی اور وحی کا انتظار شروع کر دیا) (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص358،359)

خدا تعالیٰ کے نام پر اعلیٰ درجے کی شے دینی چاہیے

صاحبو! خدا تعالیٰ کے نام کی اتنی بے وقعتی نہ کرو، خدا کے نام کی چیز تو وہ نکالنی چاہیے جو سب سے اعلیٰ درجے کی ہو خدا واسطے کھانا دو تو اعلیٰ درجہ کا دو، کپڑا دو تو اعلیٰ درجے کا دو، علم دین کے لیے اولاد تجویز کرو تو اعلیٰ درجہ کی کرو اس بچے کو کرو جس کے قویٰ اچھے ہوں، فہم درست ہو، عالی حوصلہ ہو، لوگ کہتے تو ہیں کہ آج کل غزالی اور رازی پیدا نہیں ہوتے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اب بھی ان سے بڑھ کر پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ہاں آج کل ایسے کم پیدا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ تندرست صحیح الدماغ لوگوں کو عربی نہیں پڑھاتے ایسے لوگوں کو انگریزی میں ڈالتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص392،393)

بھانڈوں کے ہاتھی کا قصہ

قصہ اس کا یہ ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک دفعہ بھانڈوں کو انعام میں ہاتھی دیا مگر ہاتھی کو کہاں تک کھلاتے۔ پس انہوں نے کیا کیا کہ اس کے گلے میں ڈھول ڈال کر بازار میں چھوڑ دیا اس ہاتھی نے بازار میں بہت فساد مچایا یہاں تک کہ بادشاہ کو خبر پہنچی، بادشاہ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے کہا حضور ہم غریب لوگ ہیں ہاتھی کے کھلانے کو کہاں سے لاتے اور پیشہ ہمارا مانگنا کھانا، ہم نے اس سے بھی کہہ دیا کہ تو بھی مانگ اور کھا بادشاہ بہت خفیف ہوئے اور اس کی خوراک اپنے یہاں سے مقرر کر دی۔

حضرت آج کل ہماری قوم نے مولویوں کو اکبر بادشاہ کا ہاتھی بنایا ہے کہ دین کی خدمت بھی کرو، مدرسے بھی قائم کرو، مخالفین اسلام کا جواب بھی دو اور بھیک مانگو اور کھاؤ۔ اگر کوئی بات دین پر آئے تو مولویوں پر الزام کہ یہ مذہب کی خبر نہیں لیتے، یہ نہیں کرتے وہ نہیں کرتے ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے بھی کسی دن مذہب کی خبر لی کہ مولوی صاحب یہ رقم لو اور اس سے دین کا کام چلاؤ جب تم خبر نہیں لیتے اور خود مولوی صاحب کو گھر گھر چندہ مانگنا پڑتا ہے تو وہ بھیک مانگیں یا سارے کام کریں پھر چندہ میں بھی قوم فراخ دلی سے حصہ نہیں لیتی۔ حالت یہ ہے کہ جب کوئی عالم چندہ مانگتا ہے تو رئیس صاحب یہ کہہ کر چل دیتے ہیں کہ میں ذرا گھر جاتا ہوں اور وہاں جا کر خدا ہی کے یہاں پہنچ جاتے ہیں پھر جب تک مولوی صاحب کے بیٹھے رہنے کا احتمال رہے گا نکلنے ہی کے نہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ خیر قوم نے تو جو کچھ کیا وہ کیا مگر علماء کا بھی ان کے ساتھ یہ رنگ ہونا چاہیے۔

اے دل آں بہ کہ خراب ازمے گلگوں باشی   بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(اے دل اس سرخ رنگ کی شراب سے دل لگانا بہتر ہے، بغیر سونے، خزانے کے تمہیں قارون کا سا دبدبہ حاصل ہو جائے، لیلیٰ کے راستے میں اگرچہ جان کے بہت سے خطرات ہیں مگر اس راستے میں قدم رکھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ تم مجنوں ہو)

علماء کو چاہیے کہ سوال نہ کریں

سوال کرنا تو نہایت ہی ذلت کا کام ہے جو کرنا ہو خود خدا کے نام پر کریں اور قوم کو منہ بھی نہ لگائیں۔ اچھا ہے جیسا یہ دین کی خدمت سے بھاگتے ہیں یہ دین کی خدمت سے محروم ہی رہیں۔ بس خدا ہی پر نظر رکھیں حق تعالیٰ اپنا کام آپ ہی کریں گے۔ اس سوال ہی نے علماء کو بے قدر کر دیا۔ علماء کی بے قدری، سادگی سے اور پھٹے ہوئے کرتے سے اور پھٹے ہوئے جوتے سے نہیں ہوتی اس کی تو وہ کچھ بھی پروانہ کریں مگر خدا کے لیے مستغنی ہو کر رہیں۔ اگر یہ ایسا کریں تو مسلمان اتنے بے حس نہیں کہ حقیقت کو نہ سمجھیں گے۔ ایک شخص پھٹے ہوئے لباس میں ہو لیکن عالم ہو اور متقی ہو تو ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی نظر میں اس کی عزت نہ ہو، برخلاف اس کے جو لوگ عبا قبا میں ہوتے ہیں چاہے کیسے ہی مہذب طریقے سے سوال کریں مگر ذلت ضرور ہوتی ہے خاص کر اس وقت جبکہ سوال بھی اپنی ذات کے لیے ہو اور اگر سوال کسی کار خیر کے لیے ہو تب بھی کچھ نہ کچھ ذلت ضرور ہوتی ہے۔ اس پر اہل مدارس کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس طرح سے سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے؟

اہل علم کو سوال کرنے سے مرنا بہتر ہے

میں کہتا ہوں سوال ضرور ذلت ہے ہاں تحریک عام کا مضائقہ نہیں اور اگر خلوص سے کام کیا گیا تو اس تحریک کا بھی اثر ضرور ہو گا اور اگر اثر نہ ہو تو نہ سہی، ہر شخص مکلف اپنے کام کا ہے جو اس کے بس کا ہو آپ اپنا کام کر چکے کوئی نہیں دیتا مت دے۔ رہا کہ کام تو بند ہو گیا میں کہتا ہوں کہ جتنا تھوڑا بہت ہو سکے کرو اور جو بدون بڑی بڑی رقموں کے نہ ہو چھوڑ دو اور اگر مدرسے بھی مٹ جائیں مٹ جانے دو۔

میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس حالت میں تم اپنے گھر بیٹھو، مزدوری کر کے کھاؤ، کوئی آوے تو پڑھا دو کھانے کو نہ ملے تو اسی کونے میں مر جاؤ مگر ہاتھ مت پھیلاؤ اور خدا تعالیٰ کے سامنے کہہ دینا کہ جتنا ہم سے ہو سکا اتنا ہم نے کیا اس سے زیادہ کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی، جو ہمارے پاس تھا انہیں جن کے پاس تھا انہوں نے دیا نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 400،401)

خلوص کے ساتھ کام کرنے میں فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی

اور حضرت میں خدا پر توکل کر کے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ فاقہ کی نوبت آئے گی ہی نہیں، کام کیجئے، کام خود لوگوں کو متوجہ کر لیتا ہے مگر براہ خدا اللّٰہیت کے ساتھ کیجئے یہ بھی نیت نہ رکھئے کہ لوگوں کا رجوع ہو۔ خیر یہ تو دور کی بات ہے کس کس کو رائے دوں اور کیسے دل میں ڈال دوں؟ آج کل اہل علم کو اس چندہ سے روکنا تو مشکل ہے اور یہ سوال کہ رسم دنیا سے اٹھنا دشوار ہے کیونکہ ضعفاء کو ظاہراً تکلیف کا قوی احتمال ہوتا ہے مگر میں قوم سے کہتا ہوں کہ اپنے دین کی بے عزتی کیوں کرتے ہو علماء کے سپرد تم نے یہ چندہ کی خدمت کیوں کی ہے جن سے وہ ذلیل ہوئے اور ان کے ساتھ علم اور دین بھی ذلیل ہوا۔ غیرت قومی کیسے تقاضا کرتی ہے کہ اپنے علماء کو لوگوں کی نظروں میں بے وقعت دیکھا جائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 402)

ہدایا لینے میں حضرت والا کا طرز عمل

اس میں تو شک نہیں کہ میں لیتا ہوں میرا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں مگر چند شرطوں کے ساتھ لیتا ہوں مثلاً جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ اس ہدیہ دینے والے کو محبت کا جوش ہے اور بلا کسی غرض کے دیتا ہے اور ہدیہ قبول کر لینے میں کوئی خرابی اس وقت اس کے لیے یا میرے لیے یا کسی شخص کے لیے نہیں ہے نہ آئندہ کی خرابی کا احتمال ہے نہ کسی قسم کا دباؤ پڑے گا نہ اس شخص کو حق بات کہنے میں وہ ہدیہ مجھے کچھ مانع ہوگا۔ یہ سب باتیں دیکھ لیتا ہوں اور مقدار بھی اس کی ہدیہ کی یہ رکھی ہے کہ ایک مہینہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں لیتا ہوں تاکہ جس کے یہاں وعظ ہوتا ہے اس کے یہاں اس دن بلکہ اس سے اگلے دن بھی کھانا نہیں کھاتا ہوں۔

غرض لیتا ضرور ہوں مگر اس طرح کہ نہ ایمان فروشی، نہ حیا فروشی، نہ عزت فروشی ہو ورنہ یہ اگر احتمالاً بھی معلوم ہو جائے کہ ذرا آنکھ نیچی ہوگی تو ہفت اقلیم کی سلطنت بھی بحمد اللہ میرے نزدیک کچھ نہیں۔ مجھے فاقہ سے بیٹھا رہنا اور گھر کے اندر مر جانا گوارا ہے مگر کسی کے سامنے مہذب یا غیر مہذب پیرایہ میں بھی اپنی حالت کا ظاہر کرنا گوارہ نہیں اور یہ فخر نہیں، شکر ہے جو رقم آن بان کے ساتھ آوے وہ عطیہ الٰہی ہے اس سے ناک بھوں چڑھانا تکبر اور ناشکری ہے۔ گو یہ مضمون بحث سے خارج ہے مگر اس وجہ سے زبان پر آگیا کہ مفید ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے دوست بھی ایسا کریں اس لیے بیان کر دیا۔

ایک شخص نے میرے پاس پانچ روپے بھیجے اور لکھا کہ یہ روپے طالب علموں کے واسطے ہیں اور میری فلاں حاجت کے لیے ان سے دعا کرا دیجئے۔ میں نے وہ روپیہ واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ طالب علم اس کام کے لیے نہیں ہیں، وہ روپیہ واپس آیا اور اس نے لکھا کہ میں دعا بھی نہیں چاہتا طالب علموں کے لیے بھیجتا ہوں تب میں نے لے لیے۔

دیکھئے اب ہوا ہدیہ، وہ کیا ہدیہ ہے جس میں اپنی غرض بھی شامل ہو۔ حق تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔) اس میں جزا نکرہ ہے یعنی کوئی بھی بدلہ نہیں چاہتے حتیٰ کہ دعا بھی نہیں اور شکور کے لفظ سے اس کی اور تاکید ہو گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اور کسی قسم کا بدلہ تو در کنار وہ خالی شکریہ بھی نہیں چاہتے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 404)

ہدیہ کے عام اصول

چنانچہ میں ہدیہ کے عام اصول عرض کرتا ہوں وہ یہ ہیں کہ ہدیہ کسی کے مکان پر نہ لے، اپنے صدر مقام پر لے۔ اپنا مقام ہدیہ کے لیے ہیڈ کوارٹر رکھے یا بذریعہ منی آرڈر بھیجے تو لے لے، کوئی گھر پر بلا کر دے تو ہرگز نہ لے۔ ایک جگہ ایک شخص مجھے گھر پر لے گئے اور کچھ پھل سامنے رکھ دیئے میں نے کھا لیے پھر کچھ روپیہ دینے لگے میں نے وہ نہ لیے بہت اصرار کیا، مگر میں نے کہا کہ میری مصلحتوں میں دخل نہ دیں، وہ مصلحت یہ تھی کہ ان کے علاوہ بھی بعض اہل محبت مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں مگر وہ غریب ہیں، کچھ ہدیہ نقد نہیں دے سکتے اس واسطے وہ مجھے نہ لے جائیں گے۔ جب یہ بات لوگوں کو معلوم ہو گئی کہ مکان پر جا کر میں نہیں لیتا ہوں تو سینکڑوں بلانے والے پیدا ہو گئے مگر وہ بہت خفا ہوئے کہ یہ پیچ اور چال ہے تاکہ شہرت زیادہ ہو۔ میں نے کہا چال اور پیچ ہی سہی مگر ایذاء رساں چال اور پیچ تو نہیں، لوگوں کو کچھ فائدہ ہی پہنچا۔ یہ ہیں اصول ہدیہ کے نیز لینے والے کو چاہیے کہ دینے والے کی گنجائش بھی دیکھ لے اگرچہ دینے والا امیر ہی ہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 407)

عورتوں میں تلاوت قرآن بالکل متروک ہے

غرض تلاوت بڑی چیز ہے جس کی طرف سے لوگوں میں عام غفلت ہے۔ بالخصوص عورتیں تو اس سے بہت ہی غفلت کرتی ہیں۔ بس عورتوں کو تو رسموں سے کام ہے۔ یہی ان کا دین ہے اور یہی ان کا قرآن ہے۔ یہ رسم ضرور ہے کہ قرآن جہیز میں دیا جاتا ہے مگر کاہے کے لیے دیا جاتا ہے صرف رسم پوری کرنے کے لیے بس گھر پہنچتے ہی وہ قرآن طاق نسیان پر رکھ دیا جاتا ہے اور بڑی حفاظت کے ساتھ کبھی اس کو جزدوان میں سے نکلنے اور ہوا لگنے کی نوبت نہیں آتی۔ اس میں اس کا قصور تو ہے لیکن اوپر والوں کا بھی ہے کہ اس کو پڑھنے نہیں دیتے۔

دلہن کا قرنطینہ اور دلہن کی کیا گت بنتی ہے

کیونکہ ان کو کچھ دنوں تک قرنطینہ میں رکھا جاتا ہے۔ اس طرح سے کوٹھڑی میں بند کی جاتی ہے کہ ہوا کو بھی ترس جاتی ہے۔ ایک مدت منہ پر ہاتھ رہتا ہے اور یہ قید اس بیچاری کی بیاہ سے پہلے ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ مائیوں

بٹھلائی جاتی ہے اس طرح کہ ایک جگہ سے نہیں نکل سکتی اور بیاہ ہونے کے بعد تو وہ عجائب المخلوقات میں سے ہو جاتی ہے دور دور سے اس کو دیکھنے والیاں آتی ہیں اور وہ اس طرح انسان سے جماد بنائی جاتی ہے کہ اس کے آنکھ رہے نہ زبان رہے نہ کسی طرف دیکھ سکتی ہے نہ بول سکتی ہے پیشاب پاخانہ کو بھی جانا ہو تو دوسرے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔

صاحبو! یہ کیا خرافات ہیں کون سی عقل ان باتوں کو اچھا بتاتی ہے خیر اگر ان باتوں سے شریعت میں خلل نہ پڑتا تو حرج بھی نہ تھا، مگر حالت یہ ہے کہ اس قرنطینہ کے زمانہ میں نماز تو بالکل ہی ناجائز ہو جاتی ہے اور تلاوت وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا، قرنطینہ کے بعد منہ پر ہاتھ ہوتا ہے میں کہا کرتا ہوں کہ منہ پر ہاتھ نہیں بلکہ ہاتھ پر منہ ہوتا ہے کیونکہ دلہن دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں پر منہ رکھ دیتی ہے۔

اس وقت دلہن بالکل مردہ بدست زندہ ہو جاتی ہے اور ان کی دین داری کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دلہن سے پردہ میں وہ کام تو کرادیں گے جو حد سے زیادہ بے حیائی کے ہیں (چنانچہ بعض رسمیں ایسی فحش ہیں کہ ان کا ذکر ہی نہیں کیا جاسکتا) یہ سب کام تو ہوں گے لیکن جب نماز کا وقت آوے گا تو وہ خلاف حیا ہے نماز کیسے پڑھوائیں؟ اور خود دلہن تو بول بھی نہیں سکتی اگر کوئی دلہن نماز کا نام لے اور پانی بھی وضو کے لیے مانگے تو بوڑھی عورتیں کائیں کائیں کر کے اس کے پیچھے پڑ جائیں کہ نوج اب تو وہ زمانہ آگیا کہ نئی دلہنوں کا دیدہ بھی نہیں جھپکتا۔ غرض نئے دنوں تک تو یہ مجبوری رہی جب نماز ہی نہیں تو تلاوت قرآن کہاں۔ پھر چند روز تک اس طرح معمول متروک ہو گیا پھر اس کا اعادہ عادۃ دشوار ہو جاتا ہے۔ سو اس طرح سے دوسروں کا بھی اس ترک تلاوت میں دخل ہوا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رخصتی کے بعد ہی امید ہو جاتی ہے۔ پھر طبیعت اچھی نہیں رہتی، تلاوت کیسے ہو؟ پھر بچے ہو گئے پھر گھر کی مالک بن گئیں، کھانا پکانا، پینا، کوٹنا اپنے ذمہ ہو گیا، پھر بڈھی ہو گئی یہاں تک کہ مر گئیں، سب کام ہو گئے مگر تلاوت نصیب نہیں ہوئی۔

تمام عمر گزر گئی مگر تلاوت نصیب نہیں ہوئی

کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جس میں اس قرآن کو جو جہیز میں آیا تھا طاق نسیان پر سے اتار کر کھولنے کی نوبت آجاتی۔ ساری عمر شیطان نے راہ ماری اور ہمیشہ حیلے بہانوں میں رکھا اور تلاوت ہی نہ کرنے دی حالانکہ سب حیلے فرضی تھے اور صرف سستی اور بدنصیبی تھی میری والدہ نے ہم دونوں بھائیوں کو پالا، مگر سوائے ایام مجبوری کے معمولات کو ناغہ نہ ہونے دیا۔ اصل بات ہے کہ آخرت کی طرف سے ذہول ہو گیا اور ثواب کو کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ میں کہتا ہوں اگر خاوند دلہن سے یہ کہہ دے کہ قرآن شریف پڑھا کریں میں فی سیپارہ سو روپیہ کا زیور بنوا کر دوں گا تو سب حافظ ہو جائیں اور سب حیلے بہانے ندارد ہو جائیں کیونکہ عورتوں کو زیور کی بڑی حرص ہوتی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 416،417)

نری امید کا کہیں حکم نہیں ہے

آخر یہ بات قرآن میں کس جگہ ہے کہ امید ہی امید رکھو۔ یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے قرآن ہی کی آیت ہے اور رجاء ہی کے بارے میں ہے اس کا مدلول تو یہ ہے کہ جو لوگ فلاں فلاں عمل کرتے ہیں وہ امیدوار سمجھے جا سکتے ہیں اس مضمون کو میں نے بقدر کفایت بسط کے ساتھ بیان کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رجاء کا طریق بھی بتا دیا اور اس کی حقیقت بھی بتادی۔ وہ یہ کہ اعمال شرعی کرو اور رحمت کے امیدوار رہو نہ یہ کہ خیال خام میں پھنسے رہو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 29، ص 423)

تیسویں جلد کے جواہر

بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد

بعض لوگ بزرگوں سے اس لئے تعلق رکھتے ہیں کہ ان سے دنیا کا کام بن جائے گا اور ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو جائے گا ایک شخص مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں آیا اور کچھ حاجت پیش کی حضرت نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا کہنے لگا کہ دعا تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ اس طرح کر دیا۔

یاد رکھو! بزرگوں کے اختیار میں کوئی شے نہیں ہے ان کا کام محض دعا کا ہے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ پیلی بھیت میں ایک بزرگ تھے ان کی خدمت میں ایک بڑھیا آئی اور اس نے اپنی کوئی حاجت پیش کی انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ بڑھیا سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے، اس خادم نے یہ کہا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ لفظ کرے گا سن کر بے چین ہو گئے کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ فضل کرے گا۔ میرا زور کیا ہے، میں کیا چیز ہوں پھر جا کر کہو کہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ دیکھئے جو بزرگ ہیں وہ خود اپنے کو محتاج اور مجبور سمجھتے ہیں سچے بزرگ یہ لوگ ہیں لیکن لوگ ایسوں کو بزرگ نہیں سمجھتے۔ بزرگ سمجھتے ہیں شرابیوں کو اور جو ننگے اول فول بکتے پھرتے ہیں یا مجذوبوں سے اعتقاد رکھتے ہیں وہ بھی محض دنیا کے واسطے، بابری میں ایک بزرگ مجذوب ہیں سٹے والوں نے ان کو تنگ کر دیا ہے وہ بے چارے پریشان ہیں وہ کچھ بڑھانک دیتے ہیں اور یہ لوگ ان میں سے کچھ الفاظ نکال کر ان سے کچھ استنباط کر لیتے ہیں یاد رکھو مجاذیب سے تعلق اسی کو ہو گا جو دنیادار ہو اس لئے کہ مجذوب سے دین کا تو کچھ فائدہ کسی کو ہوتا نہیں اور دنیا کا فائدہ بھی صرف لوگوں کے زعم میں ہے۔ واقع میں وہ بھی نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے کہنے سے یوں ہو گیا حالانکہ ان کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ ان کے منہ سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو ہونے والی ہیں۔ اگر وہ نہ بھی کہتے جب بھی وہ بات ہوتی۔ غرض صحبت نیک کی طرف توجہ بھی ہوئی تو اس بے ہودگی کے ساتھ ہماری وہ حالت ہے

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی   چوں کہ خوردی تند و بدرگ میشوی

(اگر بھوکے ہوتے ہو تو سگ ہو جاتے ہو اور جب کھاتے ہو تو تند خو اور بدرگ ہو جاتے ہو)

یعنی یا تو صحبت کی طرف توجہ ہی نہ تھی، صحبت بھی اختیار کی تو وہ بھی دنیا ہی کے واسطے، دینداروں سے دنیا طلبی یہی سخت غلطی ہے، نیک صحبت سے دین کا فائدہ حاصل کرنا چاہیے الحاصل نیک صحبت کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی صحبت موجودہ پر نظر ثانی کرے اور بری صحبت چھوڑ کر نیک صحبت اختیار کرے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 32)

ہندوؤں کو ذکر و شغل کی تعلیم سے ممانعت کا راز

یہ راز ہے اس میں کہ ہمارے حضرات نے ہندوؤں کو ذکر شغل کی تعلیم کرنے سے منع فرمایا ہے گو ناواقف لوگوں کی یہی رائے ہے کہ ان کو خدا کا نام بتا دینا چاہیے اس میں حرج کیا ہے شاید کسی وقت رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آ جائے مگر محقق جانتا ہے کہ حالت کفر میں ذکر شغل کرنے سے وہ اسلام سے قریب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ دور ہوگا کیونکہ ذکر شغل سے اس پر کیفیات نفسانیہ کا ورود ہوگا جن کو وہ مقصود سمجھے گا اس کے بعد یہ خیال جم جائے گا کہ میں اپنے کفر پر رہ کر بھی مقصود کو حاصل کر سکتا ہوں تو اب اس کے اسلام کی کوئی امید نہیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ان جوگیوں کو عام کفار سے اچھا سمجھتے ہیں۔

حقیقت تصوف اور اس کا ثمرہ

اور بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو صاحب باطن سمجھتے ہیں، چنانچہ آج کل ایک رئیس المشرکین کے ساتھ بہت سے مسلمانوں کو اس قسم کا اعتقاد ہے اور اس کی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون ان لوگوں نے بس مطلق مجاہدات کا نام تصوف رکھ لیا ہے اور چند تصرفات کو ثمرۂ تصوف سمجھ لیا ہے حالانکہ تصوف نام ہے مجاہدہ بطریق الاسلام کا جس کا ثمرہ رضا و قربِ حق ہے، کفار کے مجاہدوں کو تصوف سے کیا نسبت اور ان نفسانی تصرفات کو قرب سے کیا تعلق، یہ تو ادنی مشق ہے، ایک مسمریزم والا بھی کر سکتا ہے تو بس وہ بھی صوفی ہو گئے۔ افسوس یہ ہے کہ اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے مبتلا ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مسائل تصوف کو کسی محقق سے حاصل نہیں کیا محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کافر کو ان لوگوں نے موحد کدھر سے بنا لیا حالانکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ میں پکا ہندو ہوں بس وہی مثال ہے مدعی ست گواہ چست۔

کیفیت نفسانی

اور یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو ان کیفیات و تصرفات اور کشف وغیرہ کو مقصود سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ ان کیفیات اور کشف کو مقصود سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ نفسانی کیفیات تو یکسوئی سے ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہیں (جن کیفیات کو قرب میں کچھ دخل ہے وہ ان نفسانی کیفیات سے بالکل جدا ہیں اور یہ وہ کیفیات ہیں جو تجلی

صفات الٰہیہ سے سالک پر وارد ہوتی ہیں باقی ذوق وشوق کا غلبہ یا یکسوئی کا بڑھ جانا یہ سب نفسانی کیفیات ہیں ان کو مقصود سے کچھ نسبت نہیں ہاں اگر یہ شخص صحیح راستہ پر چل رہا ہے تو ان نفسانی کیفیات سے طریق میں سہولت ہو جاتی ہے باقی انہیں کو مقصود سمجھ لینا مقصود سے بے خبری کی دلیل ہے۔)

اور یاد رکھو تصوف سے اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال شرعیہ یعنی طاعات واجبہ و مستحبہ کا بجالانا اور معاصی سے اجتناب کرنا یہ بندہ کی طبیعت ثانیہ بن جائے بس یہ وہ چیز ہے جس سے قرب ورضا حق حاصل ہوتی ہے، کیفیات و کشفیات کو اس سے کچھ تعلق نہیں اگر ایک شخص ادائے طاعات واجتناب عن العاصی میں پختہ ہو وہ کامل صوفی ہے گو کیفیات بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں اور جس پر کیفیات بکثرت وارد ہوتی ہوں۔ کشف وتصرف میں بھی ملکہ رکھتا ہو مگر اوامر ونواہی میں پختگی حاصل نہ ہو وہ صوفی نہیں، خوب سمجھ لو بس یہ وہ معیار ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ارشاد ہے وان اللہ لمع المحسنین بعض نے اس کو اس مجاہدہ کے مقصود پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں اول ان کو راستہ بتلادیا جاتا ہے پھر جب وہ راستہ طے کر لیتے ہیں اس وقت ان کو نسبت احسان حاصل ہو جاتی ہے جس سے ان کے ساتھ معیت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 70،69،68)

عالمگیر جس کا ہاتھ پکڑ لے وہ ڈوب نہیں سکتا

عالمگیر کے زمانہ میں ایک راجہ کا انتقال ہو گیا اس کے ایک نابالغ لڑکا تھا اس لئے تخت کا مدعی بھائی ہوا مگر وزراء چاہتے تھے کہ تخت کا مالک لڑکا ہو لیکن اس کی امید کسی کو نہ تھی سب کا یہی خیال تھا کہ عالمگیر تخت کا مالک بھائی کو بنا دیں گے اور نابالغ لڑکے کو محروم کر دیں گے۔ وزراء نے یہ تدبیر کی کہ اس نابالغ لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر دہلی چلے کہ شاید عالمگیر کو صورت دیکھ کر رحم آجائے تمام راستہ وزیر اعظم اس لڑکے کو آداب شاہی وضروریات سکھاتا جارہا تھا کہ یوں سلام کرنا اور عالمگیر یہ سوال کریں تو یہ جواب دینا، یہ بات پوچھیں تو تم یہ کہنا جب وزیر سب کچھ پڑھا چکا اور دہلی میں داخل ہوئے تو لڑکے نے کہا کہ بھلا اگر عالمگیر نے ان سوالات کے علاوہ کوئی اور سوال کیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ وزیر اس ذہانت سے دنگ رہ گیا اس نے کہا صاحبزادے جس خدا نے تمہارے دل میں اس وقت یہ سوال ڈالا ہے وہ وقت پر عالمگیر کی بات کا جواب بھی تیرے دل میں ڈال دے گا۔ بس اب میں مطمئن ہوں غرض یہ لوگ بچے کو لے کر عالمگیر کے پاس حاضر ہوئے عالمگیر اس وقت زنانہ محل میں حوض کے کنارے غسل کر رہے تھے اطلاع ہونے پر اندر ہی بلالیا وہ حاضر ہوا اور سلام کیا انہوں نے کھیل کے طور پر اس بچہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کے حوض میں لٹکا دیا اور کہا چھوڑ دوں بچہ ہنسا عالمگیر سمجھے کہ بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔ بھلا یہ ہنسنے کا کون سا موقع تھا پوچھا ہنستے کیوں ہو بات کا

جواب دو بچے نے جواب دیا کہ حضور کی بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ حضور کی تو یہ شان ہے کہ آپ جس کی انگلی پکڑ لیں وہ کبھی ہلاک نہیں ہو سکتا اور میرے تو دونوں ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہیں بھلا میں کیونکر ڈوب سکتا ہوں پھر مجھ کو کاہے سے ڈراتے ہیں عالمگیر کو اس جواب پر وجد آگیا اور فرمایا کہ لڑکا بہت ہوشیار ہے تخت کا مالک اسی کو بنایا جائے۔

تو صاحبو! جب ایک بیچارہ عاجز عالمگیر جس کا ہاتھ پکڑ لے وہ ہلاک نہیں ہو سکتا تو خدا تعالیٰ جس کا ہاتھ پکڑ لیں وہ کیونکر ہلاک ہو سکتا ہے۔ (اس وقت حضرت مولانا پر خاص حالت تھی اور سامعین کا عجیب حال تھا ۱۲ جامع) یقیناً ہلاک نہیں ہو سکتا۔ یوں گویا یہ راستہ بہت طویل ہے اور نہایت خطرناک۔ مگر معیت حق کی وجہ سے پھولوں ہلکا ہو جاتا ہے اور بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ لیکن یہی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مجاہدہ کرنے والے کون ہیں جن کے ساتھ معیت حق ہوتی ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستہ پر پہنچا دیتے ہیں) کے بعد وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) بڑھا کر اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ ہم ہر مجاہدہ کرنے والے کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ جو محسن ہو ہم اس کے ہمراہ ہوں گے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 73،72)

عارف کا حال

اس لئے عارف اپنی جان میں خلاف حکم کوئی تصرف نہیں کرتا، یہ راز ہے اس کا کہ عارف کسی وقت تو جان کی ذرا پروا نہیں کرتا اور کسی وقت بہت حفاظت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں حکم شریعت ہوتا ہے وہاں تو وہ جان کی پروا نہیں کرتا اور جہاں حکم نہیں ہوتا ممانعت ہوتی ہے وہاں جان کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ شریعت نے اس وقت جان کو خطرہ میں ڈالنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) جس سے فقہاء نے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس جگہ امید نفع موہوم اور ضرر کا یقین یا غلبہ ظن ہو وہاں جان کو ڈالنا القاءالنفس في الهلاكة ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ نیز حدیث مرفوع میں ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے **لاينبغي للمومن ان يذل نفسه قالوا يا رسول الله وكيف يذل نفسه قال يتحمل من البلاء لما لا يطيقه** (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا مناسب نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان اپنے کو خود ذلیل کیسے کرتا ہے فرمایا کہ ایسی بلا اپنے سر دھر لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں۔ سبحان اللہ! کیا عجیب تعلیم ہے کہ کام اتنا ہی اپنے ذمہ لو جس کو کر سکو خواہ مخواہ ڈینگیں نہ مارو اور اپنی چادر سے باہر پیر نہ نکالو کہ اس کا انجام بجز ذلت کے کچھ نہیں۔ دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے کہ بس کچھ ہو نہ سکا بڑے دعوے کرتے تھے کہ ایک سال میں یہ ہو جائے گا، واللہ مسلمان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ساری سیاست موجود ہے مگر کوئی قدردان بھی ہو دیکھ لیجئے اسی ارشاد کی مخالفت کر کے مسلمانوں کی

آج کل کیا حالت ہو رہی ہے کہ دشمن بھی ان پر ہنستے ہیں۔ تو عارف ایسے موقع پر ضرور اپنی جان و آبرو کی حفاظت کرے گا کہ جہاں شریعت نے جان کو خطرہ میں ڈالنے اور اپنے کو ذلیل کرنے سے منع فرمایا ہو خوب سمجھ لو یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ لوگ ملاؤں کو مسجد کے مینڈھے کہتے ہیں میں نے کہا تھا کہ یہ اب تو ہمارے لئے باعث فخر ہے ہم اس سے برا نہیں مانتے کیونکہ اس میں ہمارے لئے ایک اقراری فضیلت ہے پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مسجد کے مینڈھے تم سے ظاہری مساکن میں بھی اچھے ہیں کیونکہ مسجد خدا کا گھر تو ہے ہی اس لئے برکات میں تو دوسرے مساکن سے احسن ہی ہے لیکن وہ ظاہری شان و شوکت میں بھی تمہارے اکثر گھروں سے افضل ہے عمارت بھی چونہ گچ کی ہے ہر روز اس کی صفائی ہوتی رہتی جھاڑو دی جاتی ہے اور ہر سال ایک مرتبہ پوتا پھیرا جاتا ہے پھر بعض مسجدوں میں مینار اور گنبد بھی ہوتے ہیں جیسے بادشاہ کا قلعہ ہو پھر بادشاہوں کے قلعہ میں تو گھوڑوں، بیلوں خچروں کے پیشاب پاخانہ کی بد بو بھی ہوتی ہے۔ مسجد اس سے بھی پاک ہے اور زیادہ فضائل بیان کرنے کو جی بھی نہیں چاہتا کیونکہ

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(مدعی سے اسرار عشق و مستی مت کہو اس متکبر خود بیں کو خود پرستی کے رنج میں مرنے دو) کہیں فضائل معلوم کر کے تم بھی مسجد ہی میں نہ پڑو پھر ہماری راحت میں خلل پڑے۔ پس تم اپنے محلوں ہی میں خوش رہو اور ہمیں مسجدوں ہی میں رہنے دو۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 102،103)

معرفت بڑھاپے میں کمال ہوتی ہے

اور راز اس میں یہ ہے کہ عشق عقلی کا تعلق روح سے ہے اور عشق طبعی کا نفس سے اور بڑھاپے میں نفس تو کمزور ہو جاتا ہے مگر روح کمزور نہیں ہوتی بلکہ عارف کی روح بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے کیونکہ قوت روح کا مدار معرفت پر ہے اور معرفت بڑھاپے میں کامل ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

خود قوی تر میشود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب قوی ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب (یعنی وہ روحانی کیف اور لذت طاعات جو من جانب اللہ عطا ہوئی ہے وہ بڑھاپے میں اور تیز ہو جاتی ہے)

شراب معرفت کا تو خاصہ یہ ہے کہ یہ جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی تیز ہوتی ہے۔ پس بڑھاپے میں طاعات کی روحانی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 106)

ایک یہودی کے مسلمان ہونے کا واقعہ

ایک یہودی کا قصہ ہے کہ اس کا قرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ آتا تھا ایک دن آ کر تقاضا کرنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آوے گا دیدیں گے اس نے کہا میں تو آج لے کر جاؤں گا اور آپ کو گھر بھی جانے نہ دوں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ صاحب سلطنت تھے اس کو کچھ نہیں کہا، صحابہؓ نے عرض بھی کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب حق کو کہنے کا حق حاصل ہے۔ دیکھئے اس کو کہتے ہیں ریاست اب تو میں دیکھتا ہوں کہ نہ کچھ اختیارات ہیں نہ ریاست ہے لیکن مجال کیا ہے کہ کوئی غریب آدمی اپنا رہا ہوا بھی مانگ لے۔ آجکل کی ریاست یہ ہے کہ کسی غریب کی گھانس چھین لی کسی پر چوکیدارہ اور ٹیکس بڑھوا دیا۔ دیکھئے ادھر ایک یہودی ذلیل اور اُدھر ایک دین دنیا کے بادشاہ اور پھر قانون سے بھی آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ مہلت لے لیں، مگر باوجود اس کے آپ کے اخلاق نے اجازت نہ دی کہ اس کے ساتھ کچھ درشتی فرماویں۔ اس لئے کہ مقصود تعلیم دینا تھا امت کو، چنانچہ دن بھر وہ یہودی وہاں جما رہا اور رات کو بھی حضور ﷺ دولت خانہ پر تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ صبح ہوگئی صبح کو بعد نماز وہ سامنے حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہوگی کہ وہ برائی کرنے والے کو برائی کا بدلہ نہ دیں گے لکن يعفو ويصفح (یعنی معاف کردیں گے اور درگزر کریں گے) میں نے قصداً آپ ﷺ کا امتحان کیا تھا اب مجھے تحقیق ہوگیا کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی ہیں۔ اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور کہا کہ اشهدان لا إله إلا الله واشهدان محمدا رسول الله، حدیث میں آیا ہے کہ وہ یہودی بڑا کثیر المال تھا اور مسلمان ہونے کے بعد اسلام نے اپنی خاصیت ظاہر کی چنانچہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت مال ہے میں اس سب مال کا آپ کو اختیار دیتا ہوں آپ جہاں چاہیں خرچ کریں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 125)

حکایت حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ

شاہجہاں کے وقت میں ایک درویش تھے حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم ان کا معتقد تھا۔ بادشاہ سے کسی نے نمامی کی کہ ان سے بغاوت کا اندیشہ ہے چنانچہ ان کے حالات کی تحقیق کے لیے شاہجہاں نے سعد اللہ خاں وزیر اور ایک عالم کو ان کے پاس بھیجا جب یہ پہنچے تو حضرت سید آدمؒ اپنی جگہ بیٹھے رہے تعظیم کیلئے کھڑے نہیں ہوئے سعد اللہ وزیر نے عرض کیا کہ حضور آپ نے ہماری تعظیم نہیں کی تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ہم تو دنیا کے کتے ہیں لیکن مولانا تو نائب رسول ہیں ان کی تعظیم واجب ہے۔ حضرت نے فرمایا" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلماء امناء الدين مالم يخالطوا الأمراء فاذا خالطوهم فهم لصوص الدين فاحذروهم) یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء دین کے امین ہیں جب تک امراء سے نہیں ملتے اور جب ان سے ملنے آئیں تو وہ دین کے رہزن ہیں ان سے بچو) وہ دنیا دار عالم جھلا اٹھے اور بادشاہ سے ایک ایک کی چار چار لگائیں، بادشاہ دھوکہ میں آگئے اور حضرت سید آدمؒ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ حضور یہ ہندوستان دار ظلمت ہے اگر حضور مکہ معظمہ تشریف لے جاویں تو یہ مناسب ہے۔ جب یہ حکم حضرت کے پاس پہنچا حضرت نے ایک خط شکریہ کا لکھ بھیجا کہ مجھے آپ نے دار ظلمت سے نکالا چنانچہ بہت اکرام کے ساتھ آپ کو روانہ کر دیا۔ جب حضرت سورت پہنچے تو وہاں کا صوبیدار حضرت کا مرید تھا، بہت اکرام سے جہاز میں سوار کرادیا جس روز ہندوستان کے حدود سے نکلے، شاہجہاں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے چارپائی سے گرادیا معبروں نے تعبیر دی کہ تمہاری سلطنت کا قطب چلا گیا بس وہ زائل ہونیوالی ہے اور وہ قطب سلطنت سید آدمؒ تھے۔ یاد رکھو یہ دنیا جو قائم ہے یہ صرف اللہ والوں سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی زمین پر اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا قیامت قائم ہو جاوے گی۔ شاہجہاں بہت خائف ہوا اسی وقت سوار دوڑائے مگر وہ حدود سلطنت سے نکل چکے تھے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 126)

سلوک کا مدار نفس کو شہوت سے روکنا ہے

بڑی بلا ہمارے اندر یہ ہے کہ ہم شہوات کے پابند ہیں اور اس کا علاج ترک شہوات کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہم سب کو ترک شہوات کی ضرورت ہے خصوصاً سالکین کو کیونکہ سلوک کا تو مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جائے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضروری ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے، یہی مجاہدہ ہے مثلاً راستہ میں کسی عورت یا مرد کو آتا ہوا دیکھا اور جی میں آیا کہ اس کو گھورو اس وقت اکثر لوگ نفس کو شہوت سے نہیں رو کتے، بس جی میں دیکھنے کا خیال آیا اور فوراً دیکھ لیا خواہ دیکھنے کے بعد نفرت ہی ہو جائے کیونکہ سب حسین نہیں ہوتے مگر اس سے بدون دیکھے نہیں رہا جاتا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 170)

خواب میں رسول اکرم ﷺ کی صرف زیارت مدارِ کمال نہیں

جب زیارت فی الحیات میں بھی یہ بات ہے کہ عدم زیارت موجب نقص نہیں تو خواب کی زیارت پر کمال کا مدار کیونکر ہو سکتا ہے اور ان کا نہ ہونا موجب نقص کیسے ہوگا۔ اس لئے اس کو مقصود نہ سمجھنا چاہئے بلکہ مقصود وہ اعمال ہیں جن کا بندہ کو مکلف کیا گیا ہے جو اس کے اختیار میں ہیں، پس اگر ایک شخص اعمال میں پختہ ہو گو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اسے کبھی نہ ہوئی ہو وہ اس شخص سے اکمل ہے جس کو زیارت نبوی ﷺ خواب میں بکثرت ہوتی ہے مگر اعمال اختیاری میں کوتاہی کرتا ہے۔ خوب سمجھ لو یہ تو بیچ میں ایک غلطی کا رفع تھا لیکن اس میں کیا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑی محبوب اور لذیذ چیز ہے جس کی حسرت ہر مسلمان کے دل میں

ہے تو اگر بعض علماء کے قول پر امید رکھی جائے کہ ہم کو قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گی تو کیا عجب ہے کہ یہ امید پوری ہو جائے اور انا عند ظن عبدی بی کے وعدہ پر نظر کر کے تو بہت ہی قریب امید ہے کہ ان شاء اللہ اس گمان والے کو ضرور زیارت ہو گی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا راز فرماتے تھے کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جان دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر یہ تو مقدر نہ تھا جس میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا فرط لکم کہ میں تمہارے لئے پیش خیمہ بن کر جارہا ہوں پہلے جا کر تمہارے لئے راحت کا سامان کروں گا۔ اے صاحبو! تم بے فکر رہو اور خوش رہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے سامان کر رہے ہیں تو حق تعالیٰ نے اس کے بجائے یہ کر دیا کہ بعد مرنے کے قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے گی اس کے بعد یہ شعر پڑھتے تھے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدئیساں بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(عشق کی کشش تجھ کو اس طرح نہ چھوڑے گی اگر تو جنازہ پر نہ آئے تو مزار پر ضرور آئے گا)

اور جب قبر میں مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گی تو پھر وہاں ظلمت کا کیا کام وہ قبر تو ان شاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے منور ہو جائے گی مضمون اکبر شاہ کی حکایت پر چلا تھا کہ ان کو ایک رات قندیلوں کے گل ہونے سے سخت وحشت ہوئی اور قبر کی ظلمت یاد آ کر بہت فکر ہوئی جس پر بیربل نے ایک لطیفہ سے تسلی کی، میں نے کہا تھا کہ یہ بات محض لطیفہ ہی نہیں بلکہ اقوال علماء سے مؤید ہے گو قائم کو اس کی خبر بھی نہ ہو بہر حال جن لوگوں کو نور سے زیادہ تلبس ہوتا ہے ان کو ظلمت سے زیادہ وحشت ہوتی ہے پس چونکہ ہر مومن میں نور ایمان ضرور ہے۔ اس لئے گناہوں کی ظلمت سے ہر مسلمان کو وحشت ضرور ہوتی ہے، مومن بے نور نہیں ہوتا گو ضعیف النور ہو سکتا ہے اور اس ضعف نور ہی کی وجہ سے بعض کو ظلمت معصیت سے وحشت کم ہوتی ہے اگر ان کا نور کامل ہوتا تو گناہوں سے بہت زیادہ وحشت ہوتی اس لئے مسلمان کو گناہ کر کے عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے کہ اس کا نور باطن مبدل بہ ظلمت اور انشراح قلب مبدل بہ وحشت ہو جاتا ہے پس مسلمان تو خواہ مخواہ ہی گناہ کرتا ہے پس گناہ کا علاج کرنا ہر اعتبار سے ضروری ہوا اور علاج ہوتا ہے بالضد، اور گناہ کا منشا شہوت ہے اور اس کی ضد مجاہدہ، پس گناہ کا علاج مجاہدہ ہوا جس کا حاصل نفس کو شہوت سے روکنا ہے اور شہوات مختلف ہیں اس لیے ان کا علاج یعنی مجاہدات بھی مختلف ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 179،178)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک صحابی ہیں۔ انہوں نے اسلام کا چرچا سنا تو اپنے گاؤں سے اپنے بھائیؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفتیش کریں تاکہ حق کی تحقیق ہو جائے۔ انہوں نے واپس جاکر کچھ حالات بیان کئے مگر ان سے ان کو تسلی نہ ہوئی آخر خود مکہ مکرمہ آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مل سکے کیونکہ اس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا بہت مشکل تھا بچہ بچہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا، یہ پردیسی آدمی، کوئی ان کا مکان بھی مکہ میں نہ تھا جہاں ٹھہرتے اور کھانے پینے کا آرام ہوتا مگر زمزم شریف عجیب دولت ہے انہوں نے ایک مہینے تک اسی پر گزر کی جب بھوک لگتی تو اسی کو پی لیتے جب پیاس لگتی تو اسی کو پی لیتے ایک روایت میں ہے کہ ابوذر ایسے موٹے ہو گئے کہ پیٹ میں بٹ پڑ گئے مدت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تم یہاں کیسے ٹھہرے ہو، انہوں نے اپنا سارا قصہ ان سے کہہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمہیں میں پہنچادوں مگر زمانہ خوف کا ہے اس طرح چلو کہ کوئی یہ نہ پہچانے کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو میں آگے آگے تھوڑے فاصلے پر چلوں گا اور تم میرے پیچھے آنا اور اس پر بھی اگر کوئی شخص مل گیا تو میں پیشاب کرنے کے بہانے سے راستہ کے کنارے بیٹھ جاؤں گا مگر تم گزرتے چلے جانا کسی طرح یہ ثابت نہ ہو کہ تم میرے ساتھ ہو ورنہ تمہارے واسطے بھی برا ہوگا اور میرے واسطے بھی، یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا۔ دیکھئے کس قدر خطرناک وقت تھا کہ مسلمان کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا مگر دل کی لگی اس کو کہتے ہیں کہ اسی ترکیب سے سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اول ہی جلسے میں مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم اپنے گاؤں کو چلے جاؤ ہمیں امید ہے کہ ہجرت کی اجازت ہو جائے گی۔ تب وہاں آجانا اور اپنے اسلام کو یہاں ظاہر نہ کرنا ابوذرؓ نے عرض کیا کہ حضرت کفر کو تو ہمیشہ ظاہر کیا اسلام کو کیا چھپاؤں گا۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مخالفت امر نہیں ہے کیونکہ اظہار سے نہی شفقۃ تھی اس خیال سے کہ مبادا کوئی مخالف ایذا پہنچاوے اس صورت میں تعمیل امر نہ کرنا مخالفت نہیں ہے بلکہ عمل علی العزیمت ہے اور اسی لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے) غرض انہوں نے گوارا نہ کیا کہ اخفاء اسلام کریں اور اظہار کے لئے بھی یہ غضب کیا کہ وہ صورت اختیار کی جس میں جان کا خطرہ تھا۔ مسجد حرام میں پہنچے وہیں کفار کی بیٹھک تھی جس کا نام دار الندوہ تھا جو اب حرم شریف کا جزو ہے وہاں سب کفار تھے آپ نے کیا کیا کہ اپنے ایمان کی اذان دیدی۔ اذان بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بمعنی اعلان ایمان کے ہے یعنی سب کے سامنے کھڑے ہو کر علی الاعلان کلمہ شہادت پڑھا پھر کیا تھا کفار تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے سب لپٹ پڑے اور بہت مارا۔

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے لئے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آکر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشہ ہو رہا ہے)

اور اس سے کچھ تعجب نہ کیجئے کہ ایک شخص دین کے واسطے اتنی ہمت کرے کیونکہ ایک مخلوق کی محبت میں دیکھا ہو گا کہ کیا کیا ہو جاتا ہے۔ ایک بازاری عورت کے پیچھے لوگوں کی بعض دفعہ کیا کیا گتیں بنتی ہیں اس مار کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جس کو عشق کا مزہ آ چکا ہو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے غل مچایا نہ کچھ ان کی خوشامد در آمد کی بلکہ چپ چاپ کھڑے پٹتے رہے، عجب نہ تھا کہ کفار مار ہی ڈالتے مگر قدرت خدا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے یہ بڑے رحمدل تھے اور بڑے قوی تھے ان کی آواز بارہ میل تک جاتی تھی اور کیوں نہ ہو ہاشمی تھے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 202-203)

عورتوں میں شرک کا اثر

دیہات میں شرک بھی کثرت سے ہے خصوصاً عورتوں میں شرک کا اثر بہت ہے مسلمانوں کے گھروں میں یہ بلا ہے کہ دیوی اور سیتلا کو پوجتی ہیں کسی کے چیچک نکلتی ہے تو اس سے ڈرتی ہیں اور اس کو کوئی متصرف چیز سمجھتی ہیں اور سیتلا کی پوجا کرتی ہیں یہ کیا خرافات ہیں جیسے اور مرض ہیں ایسے چیچک بھی ہے اور مرضوں کو کیوں نہیں پوجتے اور مسلمان کے نزدیک تو کوئی با ارادہ اور مؤثر چیز خواہ وہ کتنی ہی بڑی با تصرف کیوں نہ ہو پوجنے کے قابل نہیں ہو سکتی مسلمان کے نزدیک تو پوجنے کے قابل بس ایک خدا ہے۔ اسی کا اس کو خوف ہو سکتا ہے اور اسی سے امداد چاہ سکتا ہے اس کے سوا اور کوئی چیز مسلمان کی نظر میں قابل خوف اور قابل استعانت نہیں تمام دنیا خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی ہی بندی ہے جیسے ہم ہیں پھر ہم کو اپنے جیسے عاجزوں کا کیا خوف مگر جہالت نے راہ ماری ہے فرضی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مندروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ہیں مسلمان، شرک کے اور بھی شعبے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ کسی دن کو منحوس سمجھتے ہیں یا کسی چیز کو منحوس سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ شگون لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں کوئی بیمار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ شہید مرد آ گئے اور ان کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ پھر ان شہید مرد صاحب سے غیب کی خبریں پوچھتے ہیں اول تو یہی غلط ہے کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں شہیدوں کو نعم آخرت کے سامنے اس کی کیا ضرورت ہے کہ دنیا میں آویں اور آویں بھی کاہے کے لئے لوگوں کو ستانے کے لئے، جنہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر گردنیں کٹوا دی ہیں وہ اس گناہ کے مرتکب ہوں گے کہ خلق خدا کو ستاتے پھریں یہ تو صریح اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور معمولی گناہ نہیں بلکہ بہت سخت گناہ ہے کیونکہ

حق العبد ہے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا ان کی نسبت یہ خیال جنہوں نے اللہ کے لئے گردنیں کٹوائی ہیں کس قدر لغو خیال ہے اور ان کو عالم الغیب سمجھنا یہ دوسری غلطی ہے کیا شہید ہو جانے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ شریعت نے ان بتوں کو رد کر دیا ہے شہیدوں کا لپٹنا جس کو کہتے ہیں صرف شیطانی اثر ہے کبھی وہ شہید بنتا ہے اور کبھی کوئی مشہور نام لے دیتا ہے کہ میں سدو ہوں یا فلانا ہوں، مسلمان کو بڑا پکا ہونا چاہئے شیاطین کا کیا ڈر یہ سب شرک کی باتیں ہیں مرد عورت سب اس میں مبتلا ہیں۔ صاحبو! ہمارے حالات کس قدر ابتر ہیں۔ دین کا کوئی جزو بھی باقی نہیں، عقائد کی تو یہ حالت اور اعمال کو دیکھئے کہ فعل اول اعمال ہے یعنی نماز علی العموم وہ بھی متروک ہے مسلمانوں کی بستی ہے اور مشکل سے دو چار نمازی نکلتے ہیں ہر کام میں حکم اکثر پر ہوا کرتا ہے مسلمان آدھے سے زیادہ نمازی ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان نماز پڑھتے ہیں لیکن آدھے سے کم بھی نمازی نہیں فیصدی دو چار ہی مشکل سے نمازی نکلتے ہیں تو یہ قاعدہ مذکور یعنی للاکثر حکم الکل یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مسلمان بے نماز ہیں نماز کی تو یہ حالت ہوئی ایک عمل روزہ ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس کی طرف سے بعض جگہ اس قدر جہالت ہے کہ بعض عورتوں نے سنا بھی نہیں کہ روزہ بھی مسلمانوں کے یہاں کوئی چیز ہے۔ جب ان روزمرہ کے اعمال کی یہ حالت ہے تو ان اعمال اسلام کی نسبت کیا کہا جائے جن کا کوئی معین وقت نہیں جیسے زکوۃ اور حج اعمال کی حالت یہ ہوئی۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 232)

وساوس کا علاج

اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں چنانچہ جو ان میں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں اور راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوش قلب میں برے برے وسوسے پھونکتا ہے سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات گزرتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر نہیں ہاں موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشاء ان کا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشاء اس کا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گزرگاہ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد ان شاء اللہ مطلق پریشانی نہ ہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان

کرنے کے لئے ڈالتا ہے جب وہ پریشان ہی نہ ہو گا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور تعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے نیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی نہیں تو وسوسہ کی طرف التفات نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسہ آویں اور دفع نہ ہوں اور بالاضطرار پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہوا اس لئے رنج نہ کرے اور جو شخص اسی فکر میں لگا ہے کہ وسوسے دفع ہوں اور عبادت و ذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آج کل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لئے ذکر کرتا ہے رضائے حق کے لئے نہیں کرتا۔

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا سو جب وسوسہ آوے ذکر شروع کر دے۔ حدیث میں ہے اذا ذکر الله خنس یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔ واذا غفل وسوس (جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے) اوپر اس کے عقلی لم (دلیل) بھی مذکور ہوئی ہے اور وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے ۔۔ ئک کا امتحان ہے اس کی عبادت اس کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض تو جب شیطان وسوسے ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا، لہٰذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہو اور کام میں لگا رہے آج کل یہ بھی اہل سلوک کو خبط ہو گیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں، صادق وہی ہے مزہ آوے نہ آوے، کلفت ہو یا راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہو۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 232)

مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں مرحمت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ زاہرؓ ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پیچھے سے ان کو آغوش میں پکڑ کر دبایا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہرؓ بولے یہ کون ہے، چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے خوب ملنا شروع کر دیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو، دیکھئے آپ ﷺ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصلحت کے لئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس نے یہ اعتراض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور وقار لوازم نبوت سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کے خلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتدبہ مصلحت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں مصلحت وحکمت تھی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے ہیبت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان وشوکت اور جرأت والے آپ کے روبرو ابتداء کلام نہ کر سکتے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہؓ کو جرأت نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیبت اور رعب کی وجہ سے الگ الگ رہتے اور اس حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب جو کہ استفسار ہے بند ہو جاتا اور تعلیم وتعلم کا بڑا حصہ مسدود ہو جاتا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرماتے تھے تاکہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھچھورپن پر دلالت کرے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف پہنچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق اس میں نہ ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ غرباء کے ساتھ یہ تھا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 243،242)

تعجب خیز باتیں

جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلفت ہمارے اوپر ڈالی جائے تو ہم کو سمجھنا چاہئے کہ یہ کسی باطن دل کے لئے نشتر ہے مگر اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی ناگوار بات پیش آتی ہیں کہتے ہیں کہ اے ہے ہم کس گناہ میں پکڑے گئے اس میں دو باتیں تعجب خیز ہیں ایک یہ کہ جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے جبھی تو کہتا ہے کس گناہ میں پکڑے گئے اگر اپنے کو سراپا گناہ سمجھتا تو یہ کلمہ ہرگز زبان سے نہ نکلتا، صاحبو! آپ مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں

کہ ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ تم پر اگر انعام ہو تو یوں کہو کہ ہم نے کون سا نیک کام کیا تھا جو یہ انعام ہمارے اوپر ہوا، بخدا ہمارے اوپر انعام ہونا تعجب خیز ہے، سزا ہونے میں کیا تعجب ہے۔ ہمارا کون سا وقت اور کون سا کام گناہ سے خالی ہے دوسری بات اس کلمہ میں یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ شاید خدا تعالیٰ کو حکیم نہیں سمجھتے ورنہ بجائے تعجب و شکایت کے اس کی حکمتوں میں غور کرنے کے بعد حق تعالیٰ کے معاملات کی حکمتیں ضرور معلوم بھی ہو جاتی ہیں اگر اس وقت معلوم نہ ہوں تو بعد کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اگر بالکل معلوم نہ ہوتیں تب بھی اعتقاد اجمال حکمت کا کافی تھا غرض حق تعالیٰ مالک بھی ہیں حکیم بھی ہیں محبوب بھی ہیں اور ان میں سے ہر صفت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ ان کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اس سے ناگواری نہ ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ ان میں تمام صفات مجتمع ہیں بلکہ بعض صفات کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی ناگوار معاملہ بلاوجہ بھی ہمارے ساتھ ہو جب بھی ناگواری نہ ہونی چاہئے کیونکہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے اس کے تصرف کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں بس یہی وجہ کافی ہے کہ وہ مالک ہے اسی طرح محبوب کو محب کے امتحان کا ہر وقت حق حاصل ہوتا ہے اس کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ محبوب ہے مگر یہاں تو وجہ بھی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد بتلایئے کہ خدا تعالیٰ کی شکایت کا کیا حق ہے، وہ وجہ کیا ہے ہماری نافرمانی سرکشی، چنانچہ ہمارا کوئی کام بھی معصیت سے خالی نہیں۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص290)

حضرت لقمان ایک شخص کے ہاں باغبانی کرتے تھے

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ ہے کہ وہ ابتداء میں ایک شخص کے یہاں باغبانی کرتے تھے ایک دفعہ مالک باغ کی سیر کو آیا اور اس نے حضرت لقمانؑ سے کہا کہ ذرا کوئی شیریں ککڑی توڑ کر لاؤ، یہ توڑ کر لائے اور آقا نے اس کی قاشیں کر کے ایک قاش ان کو بھی دی منہ میں رکھا تو نہایت تلخ تھی مگر حضرت لقمان نے ذرا منہ نہ بنایا خوشی خوشی کھالی آقا سمجھا کہ شیریں ہو گی جبھی تو خوشی خوشی کھا رہے ہیں ایک قاش اس نے بھی منہ میں رکھی تو نہایت تلخ تھی اس نے حضرت لقمانؑ سے کہا کہ میاں یہ تو نہایت تلخ ہے تم نے تو اسے بڑی خوشی سے کھایا ذرا بھی منہ نہ بنایا جواب دیا کہ حضور آپ کے ہاتھ سے بہت دفعہ مٹھائیاں بھی کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی چیز بھی کھالی تو کیا اس کو زبان پر لاتا اس جواب سے آقا کو بہت قدر ہوئی۔

حضرت لقمان کی دیانت وامانت

پھر اس نے پوچھا کہ تم اتنے دنوں سے باغبانی کرتے ہو تم کو اب تک اتنی پہچان نہیں ہوئی کہ کون سا پھل شیریں ہے اور کون سا تلخ، فرمایا کہ حضور یہ پہچان تو اس کو ہو جو سارے پھلوں کو چکھتا ہو اس کو البتہ معلوم ہو سکتا ہے

کہ فلاں شیریں اور فلاں تلخ ہے اور جس نے آج سے پہلے کسی پھل کو چکھا ہی نہ ہو اسے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں شیریں کون سا ہے اور تلخ کون سا ہے کہا پھر تم کو چکھنے سے منع کس نے کیا تھا فرمایا حضور منع تو نہیں کیا تھا مگر اجازت بھی نہیں دی تھی مجھے تو باغ کی خدمت کا امر کیا گیا تھا چکھنے کو نہیں کہا گیا تھا اس لئے میں خدمت کرتا رہا آج تک چکھا کسی کو بھی نہیں اس جواب سے اس کو حضرت لقمانؑ کی دیانت وامانت کا اندازہ ہوا۔

غرض دیکھئے حضرت لقمانؑ نے ایک ادنیٰ محسن کے ہاتھ سے تلخ چیز پہنچنے پر ناگواری نہیں ظاہر کی پھر حیرت ہے کہ ہم حق تعالیٰ سے ناگواری ظاہر کریں جس کی طرف سے ہر وقت انعامات کی بارش ہمارے اوپر ہو رہی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو بدن کو کلفت یا قلب کو پریشانی نہ ہونا چاہیے یہ تو طبعی امور ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ عقلی ناگواری تو نہ ہونی چاہئے جیسے آپریشن سے جسم وقلب کو تو کلفت ہوتی ہے مگر عقلی ناگواری تو نہ ہونی چاہئے بلکہ عقلاً ڈاکٹر کے پہلے سے زیادہ ممنون ہوتے ہیں کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا تعلق تو ہونا چاہئے تو اناللہ میں ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے اس کے استحضار کے بعد بتلایئے حزن رہ سکتا ہے ہر گز نہیں۔ اب وہ لوگ رہ گئے جن کو کسی محبوب کی مفارقت سے غم ہوتا ہے مثلاً بیوی مر گئی یا اولاد مر گئی ان لوگوں کو اناللہ کے مضمون سے یہ بات تو حاصل ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی شکایت نہ کریں گے بلکہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ کو سب طرح تصرف کا اختیار ہے اسی کی چیز تھی اس نے لے لی مگر فراق محبوب سے جو دل کو ایک بے چینی ہوتی ہے۔ وہ ایک وقت تک رہے گی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص294)

تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آیئے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا، کیوں آئے کیسے آئے فرمایا بھائی تم نے دعوت کی تھی کہا کس نے دعوت کی تھی خوامخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو یہ سن کر وہ بے چارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے جاتے کہاں ہو ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ آپ تو کھانے کے لئے ہاتھ دھوتے پھرتے ہو، وہ بے چارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں کئی بار ایسا ہی کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے۔ وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزما لیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے۔ یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھتکار دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آجائے گا (یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے)

سرہانے کی طرف بیٹھنے کی حیثیتیں

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول تھے) ایک بار چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے کہ حجام خط بنانے آیا اور آکر کھڑا ہو گیا وہ اس کا منتظر تھا کہ مولانا سرہانے کی طرف بیٹھ جائیں تو میں پائنتی کی طرف بیٹھوں مگر مولانا سرہانے کی طرف نہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں اس نے کہا حضور میری کیا مجال جو سرہانے بیٹھوں فرمایا اچھا یہ بات ہے تو پھر جب بھی مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھو اس وقت خط بنا جانا اب تو میں سرہانے نہیں بیٹھتا۔ وہاں کوئی دوسرے بزرگ بھی موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ بھائی یہ تو سرہانے نہ بیٹھیں گے تو یہی سرہانے بیٹھ کر اپنا کام کر چنانچہ مجبور ہو کر وہی سرہانے بیٹھا اور خط بنا کر چلا گیا تو کیا اس سے کچھ مولانا کی وقعت کم ہو گئی ان کی تو وہ وقعت ہوئی کہ آج تک ان کا یہ فعل مقام مدح میں بیان کیا جا رہا ہے باقی میں نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں نہیں آپ کو اجازت ہے کہ سرہانے بیٹھ کر خط بنوا لیا کریں مگر سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے کو اس سے افضل سمجھو اس لئے سرہانے بیٹھو تو تکبر اور حرام ہے اور ایک یہ کہ انتظاماً سرہانے بیٹھو تاکہ دوسرے کا دماغ نہ بگڑ جاوے پھر وہ اس عادت کی وجہ سے کسی موقع پر ذلیل ہو گا اس پر اپنا واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار میں گھر پر آیا تو ایک بڑے میاں غریب قوم کے میرے پاس آئے میں نے اصرار کر کے ان کو قالین پر بٹھایا اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے انہوں نے نہایت تیز لہجہ میں اس سے فرمایا کہ تجھے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا اٹھ اور نیچے بیٹھ، میرے دل میں خیال گزرا کہ والد صاحب نے بہت زیادتی کی آخر ہم کو اس غریب پر کون سی فضیلت حاصل ہے۔ خدا کے نزدیک نہ معلوم کون بڑا ہے جب وہ بڑے میاں چلے گئے تو والد صاحب نے فرمایا تم نے اپنے نزدیک یہ کام تواضع کا کیا تھا مگر اس غریب کے حق میں تم نے بدخواہی کی کیونکہ آج یہاں قالین پر بیٹھا کل کو دوسری جگہ بھی یہ قالین ہی چاہے گا پھر وہاں اس کی کمبختی آئے گی کیونکہ سب آدمی تمہاری طرح متواضع نہیں ہیں جو ہر شخص کو اپنے سر پر بٹھا لیں اس وقت معلوم ہوا کہ والد صاحب کا فعل حکمت وانتظام پر مشتمل تھا پس جو شخص منتظم ہو وہ تو حفظ مراتب کی رعایت کرے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 225،224،223)

جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں

اسی طرح مسلمان جب جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کے دل پر آرہ چلتا ہے مگر حکم کی وجہ سے ذبح کرتے ہیں یہ بڑا کمال ہے کہ دل کڑھ رہا ہے اور پھر حکم کا امتثال کر رہے ہیں بعض قومیں اس پر اعتراض کرتی ہیں مگر اس میں شریک وہ بھی ہیں کیونکہ جانور جانور سب برابر ہیں اور بعض جانوروں کو وہ بھی مارتے ہیں کوئی جوں کو مارتا ہے کوئی

کھٹل کو مارتا ہے کوئی چوہے کو، کوئی سانپ بچھو کو، کیوں صاحب کیا یہ جانور نہیں ہیں اور بعض ہندو کمال کرتے ہیں خود اپنے ہاتھ سے تو نہیں مارتے بلکہ ہمارے محلے میں چوہوں کو چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ہم مار دیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جانوروں کا مارنا بے رحمی ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک حق تعالیٰ بھی رحیم ہیں یا نہیں یقیناً ہیں تو پھر بتلاؤ کہ حق تعالیٰ بھی جانوروں کو مارتے ہیں یا نہیں۔ یقیناً مارتے ہیں تو کیا اس کو بھی بے رحمی کہو گے ہر گز نہیں جب یہ بے رحمی نہیں تو مسلمان ہی کیوں بے رحم ہیں وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مالک ہیں چاہے وہ خود بلاواسطہ ماردیں یا اپنے نوکر اور غلام کے ہاتھ سے ماردیں اب یہ سوال باقی رہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ مسلمان خدا کے حکم سے مارتے ہیں تو اس کا ثبوت ہم ہر وقت دینے کو تیار ہیں ہم دلائل سے قرآن کا کلام اللہ ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا رسول برحق ہونا ہر وقت ثابت کر سکتے ہیں اور قرآن وحدیث میں حکم ذبح موجود ہے تو مسلمان یقیناً حکم الٰہی سے ذبح کرتے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ذبح کرنے والوں کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدہ سے بھی بالکل غلط ہے بلکہ قاعدہ فلسفہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اطباء و فلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جائے وہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے جیسے ترک جماع عِنّیت کا سبب ہو جاتا ہے اسی طرح انسان میں ایک صفت کڑہنے کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو عفت زائل ہو جائے گی۔ ہندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کی یہ صفت ذبح کے وقت حرکت میں آتی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح سے زیادہ رحم غیر ذابح کو کبھی نہیں ہو سکتا اسی لئے حق تعالیٰ انسان پر مصائب نازل کرتے ہیں تاکہ اس کو اہل مصیبت پر رحم و شفقت بڑھے اور جس میں یہ صفت نہ ہو اس میں پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص پر نزول مصائب نہ ہو وہ سنگدل ہو جاتا ہے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے زمانہ میں خود بھی کم کھایا کرتے اور اکثر اوقات بھوکے رہا کرتے تھے تاکہ قحط زدوں پر رحم آئے کہ ان کو بھی بھوک سے ویسی ہی تکلیف ہوتی ہوگی جیسے مجھے ہو رہی ہے۔ حالانکہ آپ کے یہاں اناج کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اور جو شخص دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائے گا اسے بھوکوں پر کیا خاک رحم آئے گا کیونکہ اسے تو بھوک کی حقیقت ہی معلوم نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول مرہم سے کام لو اور اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی ضرورت ہو تو آپریشن کرو مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کر لو گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔ مضمون اس پر چلا تھا کہ آیت اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ بعض دفعہ نرمی سے فائدہ ہوتا ہے میں نے اس کا ایک جواب یہ دیا تھا کہ یہ آیت سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے

اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو تو ان کے لئے دوسرا حکم ہے مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لیے تم اپنے مخالفوں کو کج طبع نہ سمجھو اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو مثلاً یہ کہ وہ تمہاری نسبت بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لیے شرکت نہیں کرتے ان کے عمل کو اس پر محمول کر کے ان کے ساتھ نرمی کرو اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو ۔(خطبات حکیم الامت جلد30، ص331،330)

اتحاد کا ہیضہ

مگر آج کل جو اتحادی جلسوں اور ترقی قومی کے مشوروں میں نمازیں قضا کی جاتی ہیں ان پر کون سا حملہ ہوتا ہے کہ ان کو نماز کی مہلت ہی نہیں ملتی افسوس باتیں بنانے اور دور از کار ریزولیشنوں کے پاس کرنے میں تو نمازیں قضا ہوتی ہیں اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پر قیاس کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کچھ تو شرم کرنا چاہے۔ پس خوب سمجھ لو کہ یہ مسائل اور یہ دلائل سب غلط تھے۔ اور تماشا یہ کیا گیا کہ ان لوگوں کو اتحاد کا ایسا ہیضہ ہوا کہ کفار کو بھی بھائی بنایا اور ان کی رعایت میں احکام شرعیہ کو چھوڑا گیا اور اس کی مصلحت بیان کی جاتی تھی کہ اس سے کفار کو اسلام کی طرف انجذاب ہوگا اور اگر ان کو بھائی نہ بنایا گیا تو اسلام سے بعید اور اجنبی رہیں گے۔ صاحبو! یہ خیال محض لغو تھا۔ اسلام تو ایسی حسین چیز ہے کہ جس کسی آنکھ میں کجی نہ ہو تو اس کا حسن ضرور اپنی طرف کھینچے گا چاہے تم اس کو بھائی بھی نہ کہو بلکہ دشمن ہی کہو، ابو جہل کی آنکھ میں کجی تھی اس لئے اس کو ہدایت نہ ہوئی اور جن کی نگاہ میں کجی نہ تھی وہ کسی نہ کسی وقت اسلام کی طرف آئے اور پھر آئے حالانکہ عمر بھر اسلام سے عداوت ہی ظاہر کرتے رہے تھے اور مسلمان بھی ہر موقع پر ان سے مقابلہ کرتے رہے تھے پس اسلام کو اپنی طرف منجذب کرنے کیلئے کسی کو بھائی بنانے کی ضرورت نہیں وہ دشمن کو دشمن کہہ کر بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کیونکہ اسلام نے دوسری قوموں کے حقوق کی بھی پوری رعایت کی ہے وہی حقوق اور وہی رعایت سب کے جذب کے لئے کافی ہے پس میں یہ کبھی نہ کہوں گا کہ کفار ہمارے بھائی ہیں ہاں یہ کہوں گا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں اور وہ ہمارے پڑوسی ہیں اور اسلام میں ہمسایہ کے بھی حقوق ہیں گو وہ کافر ہی ہو اور اگر ان کو بھائی کہا جاوے تو یہ بات چل نہیں سکتی اور نہ ان کو بے جا خوشامد کا یقین آسکتا ہے اور قرآن کے بھی بالکل خلاف ہے۔ پس کفار سے ایسا اتحاد شرعاً جائز نہیں ہے جس میں احکام الٰہی کی بھی مخالفت کی جاوے بھلا اگر ایسا اتحاد محمود ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ کی عقل کامل پر تمام عالم کا اتفاق ہے لا الہ الا اللہ کی تعلیم کیوں دی ہوتی جس سے تمام عالم میں تہلکہ مچ گیا اور کفار کہنے لگے أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ اس تعلیم سے پہلے سب کفار آپ کے ساتھ متحد تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اتفاق کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا کیونکہ کفار کے اس موافقت کی

بنیاد کفر پر تھی وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کفر سے ہم کو نہیں روکا گیا اس لئے خوش تھے اور ظاہر ہے یہ بنیاد نہایت کمزور اور لچر بنیاد تھی آپ نے اس کی نیویں نکالیں پھر نئی بنیاد ڈال کر اس پر عالیشان عمارت لے گئے مگر ہماری حالت اس وقت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہیں تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے نہ اتحاد ہے حالانکہ ہم کو کفار کی چیزوں کی طرف تو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے۔
(خطبات حکیم الامت، جلد 30، صفحہ 337،338)

جمال خداوندی

کیونکہ وہ بھی ایک آئینہ جمال الٰہی ہے

عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

(اللہ سے محبت رکھنے والے جنت کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ مقام اللہ کو محبوب ہے۔)

ہاں اہل شکر نے جو اس سے استغناء ظاہر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض دیدار بلا واسطہ کے طالب ہیں اس لئے عشاق مجاذیب کلوا واشربوا میں بھی الجھیں گے کہ اس کی کیا ضرورت ہے مگر عارف، جامع ان کی بھی قدر کرتا ہے کیونکہ وہ ان کو مرآۃ سمجھتا ہے اور ان کو کھانے پینے میں بھی تجلیات الٰہی کا انکشاف ہوتا ہے پس یہ مذاق اگر آپ کو حاصل ہو جائے تو پھر آپ بھی مشقت طاعات و شکر سے نہ گھبرائیں گے کیونکہ یہ مشقتیں معین ہیں مشاہدہ کی جیسا قوی مرد بیوی کو دیکھ کر خوشی خوشی اس کے سارے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ اس وقت تک میں نے اُشکُرُوا لِله کی ایک تفسیر بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شکر یہاں کفران کا مقابل ہے اب دوسری تفسیر جو راجح ہے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں شکر سے عمل مراد ہے جو بے عملی کا مقابل ہے۔
(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 363)

کامل شکر

کامل شکر یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک خدا ہی کا ہو جائے ہر بن مو سے شکر ظاہر ہو۔ بہر حال وَاشکُرُوا لِله کی تفسیر راجح وَاعمَلُوا صَالِحا ہے اب ضرورت عمل اچھی طرح ظاہر ہو گئی کیونکہ معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے عمل کا بہت اہتمام فرمایا ہے کہ اِدھر رسولوں کو عمل کا حکم دیا اُدھر مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم کیا، معلوم ہوا عمل سے استغناء انبیاء کو بھی نہیں ہوا پھر ہم اور آپ اس سے استغناء کرنے والے کون ہیں پس وہ لوگ بڑی غلطی میں ہیں جو احوال و کیفیات کو اصل مقصود سمجھے ہوئے ہیں اور اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 365،366)

ایک متقی قاری کی حکایت

ایک لکھنو کے قاری صاحب کا قصہ سنا ہے کہ وہ حج کے سفر میں تھے راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا بے چارے ایک بستی کی مسجد میں جا ٹھہرے صرف ایک لنگی بدن پر رہ گئی تھی اور کچھ نہ تھا، لوگوں نے ان کا قرآن سنا تو عجیب وغریب پڑھتے تھے وہاں ایک مسلمان رئیس تھے لوگوں نے ان کو خبر کی کہ ایک قاری نہایت عمدہ قرآن پڑھتے ہیں اور فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بے چاروں کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے رئیس کو ان کا قرآن سننے کا شوق ہوا تو اپنے ساتھ کچھ کپڑے اور کچھ روپے لے کر مسجد میں گئے اور قاری صاحب سے قرآن سنانے کی درخواست کی انہوں نے سنادیا تو رئیس پر بہت اثر ہوا اور وہ کپڑے اور روپے وغیرہ جو ساتھ لائے تھے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں میں واقعی اس کا محتاج ہوں مگر اس وقت آپ قرآن سن کر دے رہے ہیں اس لئے میں نہیں لے سکتا کیونکہ یہ آیت مجھ کو اس ہدیہ کے قبول سے منع کرتی ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (میرے احکام کے مقابلہ میں معاوضہ حقیر مت لو) اگر آپ قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں لے لیتا۔ سبحان اللہ مخلص اور متقی ایسے ہوتے ہیں آج کل قراء تو ایسی احتیاط کیا کریں گے مشائخ بھی نہیں کرتے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اعمال میں ایک کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خلوص کا اہتمام نہیں کرتے خلوص پر ایک اشکال قراء کے سنانے میں پڑا تھا اس کو میں نے حل کر دیا اب اس مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ ایک کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ ہم اعمال کی صورت کو بھی درست نہیں کرتے اول تو ہمارے اعمال میں محض نقل ہی نقل رہ گئی ہے، روح کا پتا نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 371)

شیطان کا جال

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دریا کے پاس ایک ناپاک کا گزر ہوا دریا نے کہا کہ میرے پاس آجا میں تجھ کو پاک کر دوں اس نے کہا کہ میں ناپاک ہوں کیسے تجھ جیسے طاہر مطہر کے پاس آؤں مجھ کو شرم آتی ہے دریا نے کہا کہ بچہ اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام عمر اسی ناپاکی میں گزر جاوے گی اور جب بھی پاک ہو گے مجھ ہی سے ہو گے یا میری کسی موج سے، آجاؤ ایک موج اٹھے گی اور سب ناپاکیوں کو دور کر دے گی مجھ سے شرم نہ کر مجھ سے شرم کرو گے تو کہاں جاؤ گے کہیں ٹھکانا نہیں ہے

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

(یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر کا وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے) پس حق تعالیٰ سے اگر حجاب کرو گے تو کہاں ٹھکانا ہے، شیطان بہکاتا ہے کہ تمہاری ایسی ردی حالت ہے کہ تم اگر ذکر کرو گے تو کچھ نہ ہو گا اس کے جال میں نہ آؤ یہ ہمیشہ نئے نئے جال پھیلاتا ہے)

مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خداما چو مرغان حریص بے نوا

دمبدم پابستہ دام تو ایم گرہمہ شہباز سیمر شویم

ے رہائی ہر دے مارا وباز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

(اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں ہم ہر وقت ایک سے ایک جال میں گرفتار ہیں اگر ہم شہباز اور سیمرغ بن جائیں تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں)

ذاکرین کو تو اس طرح روکتا ہے اور غیر ذاکر کو اس طرح روکتا ہے کہ ان کو ذکر ہی نہیں کرنے دیتا غرض شیطان کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذکر نہ کرے۔(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص395)

ضروری امور میں محنت سے نہ گھبرانا

ابھی آج کل کا قصہ ہے کہ ایک شخص میرے پاس سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے آیا چونکہ اس کی برادری میں، عورتوں کو میراث نہ دینے کا رواج تھا اس لئے پہلے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی اسے تعلیم کی گئی کہ پہلے اس گناہ سے نجات حاصل کرو پھر سلسلہ میں داخل ہونے کا قصد کرنا وہ بے چارہ طالب تھا اس لئے خوشی سے اس پر تیار ہو گیا اور اس نے سب کے حقوق ادا کرنے کا تہیہ کر لیا چونکہ کئی پشتوں سے عورتوں کو میراث نہیں دی گئی تھی اس لئے جہاں تک پتا چل سکا وہاں تک ورثاء کے نام لکھے گئے معلوم ہوا کہ پردادا کے بھی اوپر سے عورتیں محروم ہیں تو کئی بطن کا لمبا مناسخہ ہوا اور ورثاء کی تحقیق اور فرائض نکالنے میں دو ہفتے لگ گئے مگر ہم اس سے نہیں گھبراتے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر میں نے مناسخہ نکالا اور سب کے سہام الگ الگ بتلائے اس اللہ کے بندے نے سب ورثاء محرومین کو ان کا حق ادا کیا ان لوگوں نے لینے سے انکار بھی کیا کیونکہ بعض کے بہت ہی معمولی حصے تھے کسی کے دو روپیہ کسی کے چار روپیہ مگر اس نے معافی کو منظور نہیں کیا بلکہ سب کو پیسہ پیسہ ادا کر دیا۔ غرض ضروری باتوں میں محنت سے ہم نہیں گھبراتے ہیں فضول امر میں ہم سے ایک سطر بھی نہیں لکھی جاتی۔ اس کا احساس وہ شخص کرتا ہے جس کو وقت کی قدر ہو مگر آج کل لوگ وقت کی قدر ہی نہیں جانتے حالانکہ زندگی کی ہر ہر گھڑی سیکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتی مرتے وقت اس کی قدر معلوم ہوگی کہ ہائے ہم سے کتنا بڑا خزانہ فضول برباد ہو گیا اس وقت آپ تمنا کریں گے کہ کاش مجھ کو ایک دو منٹ کی اور مہلت مل جائے تو میں توبہ واستغفار کر کے گناہوں سے

پاک ہو جاؤں حقوق العباد کے متعلق ورثاء کو وصیت کر دوں مگر اس وقت مہلت کہاں فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (وقت آنے کے بعد ایک منٹ ادھر ہو سکے گا نہ ادھر۔)
(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 424)

شریعت میں خواب کا درجہ

خواب کا درجہ شریعت میں صرف اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے خواب کو مبشرات سے فرمایا ہے کہ یہ دل خوش کن چیز ہے اور برے خواب کو تحزین من الشیطان (شیطان کی طرف سے حزن و ملال میں ڈالنا) کہا گیا ہے یعنی شیطان برے خواب دکھلا کر مسلمان کو پریشان کرنا چاہتا ہے تو اس سے پریشان و مغلوب نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شیطان اور تنگ کرے گا، خواب سے نہ کوئی جنت میں جائیگا نہ دوزخ میں کیونکہ اسکا مدار اعمال اختیاری پر ہے اور خواب اختیاری نہیں اگر کوئی آدمی ساری عمر برے خواب دیکھتا رہے تو اس کا کیا قصور ہے اور جو ساری عمر اچھے خواب دیکھے اس کا کیا کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خواب علت نہیں علامت ہے وہ بھی جبکہ خواب خواب ہی ہو تبخیر دماغ نہ ہو اور آج کل اکثر خواب تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ تبخیر دماغ سے پریشان خیالات نظر آنے لگے ہیں مگر لوگوں نے اسکو مقاصد میں داخل کر لیا ہے اور خواب کے اوپر اعتماد کر کے فیصلے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مردہ کو خواب میں دیکھ لیا جائے اور جب تک وہ نظر نہیں آتا اس وقت تک متفکر رہتے ہیں۔ حالانکہ اس میں ایک ضرر ہے وہ یہ کہ مردہ اگر اچھی حالت میں نظر آیا تو اسکے بعد ایصال ثواب سے غفلت ہو جاتی ہے گویا ان کے نزدیک ثواب پہنچانے کیلئے معذب ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر اسے معذب دیکھا تو مسلمان سے خواہ مخواہ بدگمانی ہو گی حالانکہ محض خواب کی بناء پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں یہ ساری گفتگو اس پر شروع ہوئی تھی کہ جملہ خبریہ سے بھی انشاء ہی مقصود ہوتی ہے اور جس جملہ سے انشاء مقصود نہ ہو وہ مہمل ہے یہ مرض آج کل ہی ہوا ہے کہ اخبار کو بھی مقصود سمجھتے ہیں۔ پس ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس جگہ جملہ خبریہ وارد ہے مگر جب خبر خود مقصود نہیں ہو سکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الحکماء والفصحاء ہیں آپ کے کلام میں خبر سے مقصود انشاء کیوں نہ ہو گا۔ اگر اس پر کوئی اشکال کرے کہ قل هو الله أحد (فرما دیجئے! اللہ ایک ہے) میں خبر سے کیا مقصود ہے میں کہوں گا کہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے تم اسکو واحد ہی سمجھو۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی اس جگہ خبر مقصود نہیں بلکہ انشاء مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! تم اپنے اسلام کی تکمیل میں کوشش کرو اور درجہ کمال حاصل کرنے کی فکر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نام کا اسلام رہ جائے یا محض صورت ہی صورت رہ جائے اور یہ درجہ نہ کافی ہے نہ مطلوب، کیونکہ مقاصد میں ہمیشہ درجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے اور اس حدیث میں ضمناً ان لوگوں کی شکایت بھی

ہو گئی جو محض درجہ صورت یا درجہ اسم پر اکتفا کر لیں گے اسی کو آپ بطور شکایت کے بیان فرماتے ہیں کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام کا نام ہی نام رہ جاویگا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائینگے۔ اس کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات تو صراحۃً معلوم ہو گئی کہ آپ اسلام کے مراتب و درجات بیان فرما رہے ہیں البتہ ان درجات کی تعیین یہ بعض کی اشارۃً ہے اور بعض کی صراحۃً۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 427،426)

سیادت کی بناء اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے

البتہ اولاد فاطمہ میں ماں کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا پر ہے اور سیدوں کا شرف دوسرے قبائل پر انہی کی وجہ سے ہے اور یہاں سے بعض علویوں کی غلطی واضح ہو گئی کہ وہ بھی اپنے کو سید کہتے ہیں حالانکہ سیادت کی بناء حضرت علیؓ پر نہیں ہے بلکہ حضرت فاطمہؓ پر ہے پھر حضرت علیؓ کی جو اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں ہے اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو تو وہ سید ہے یا نہیں تو قواعد کے موافق یہ شخص سید نہیں ہے ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو ضرور حاصل ہے مگر یہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے اگر صاحب نصاب نہ ہو بہر حال ماں کا نسب میں اعتبار نہیں، البتہ حریت (آزادی) اور رِق (غلامی) میں اولاد شرعاً ماں کی قائم ہوتی ہے اور اس سے ایک اشکال کا بھی جواب ہو گیا وہ یہ کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ من عمل کذا فلہ اجرمن اعتق اربعۃ من ولد اسمعیل (جس شخص نے ایسا عمل کیا اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے چالیس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا) کا عتاق ہی متصور نہ ہو گا تو پھر حدیث میں اعتاق ولد اسماعیل کا کیا مطلب ہے بعض نے تو کہا ہے کہ بطور فرض کے ہے کہ اگر اہل عرب کا استرقاق جائز ہوتا تو ان کا اعتاق سب سے افضل ہوتا اس کا ثواب اس عمل سے ملے گا، مگر جواب صحیح اور بے تکلف اس قاعدہ مذکورہ سے حاصل ہو گیا وہ یہ کہ کسی عربی نے عجمیہ رقیقہ سے نکاح کیا تو اولاد نسب میں تو باپ کے تابع ہو کر ولد اسماعیل ہو گئی اور ماں کے تابع ہو کر محل اعتاق ہو سکے گی یہ بیچ میں استطراداً کلام تھا، اصل مقصود یہ تھا کہ نسب کا شرف شرعاً بھی معتبر ہے اور ایک بہت بڑی دولت و نعمت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 424)

ایک جماعت اولیاء کا حال

مولانا رومی نے ایک جماعت اولیاء کا حال لکھا ہے کہ وہ پل صراط سے گزر کر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو حق تعالیٰ یا ملائکہ سے سوال کریں گے کہ ہم نے سنا تھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم بھی راستے میں آتا ہے مگر ہم کو تو ملا ہی نہیں تو ارشاد ہو گا کہ تم نے ایک باغ سرسبز و شاداب دیکھا تھا یا نہیں وہ کہیں گے ہاں باغ دیکھا تھا ارشاد

ہو گا کہ وہی جہنم تھی جو تمہارے ایمان کی برکت سے گلزار ہو گئی، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے دنیا میں آگ گلزار ہو گئی۔

گلستان کند آتشے بر خلیل گروہے بآتش بردز آب نیل

اور نیز قیامت میں انبیاء علیہم السلام اور بعض مومنین اِذنِ شفاعت کے بعد جہنم میں گھس گھس کر دوزخیوں کو نکالیں گے مگر جہنم ان کا کچھ بھی نہ کر سکے گی اور اس وقت بھی زبانیہ جہنم دوزخ میں موجود ہیں مگر ان کو اس سے کچھ ضرر نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو کامل الایمان ہیں اور جن میں ایمان ضعیف ہے ان کو بھی جہنم پورے طرح نہ جلا سکے گی کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہے مومن کے قلب پر آگ کا اثر نہ پہنچے گا اور حدیث مسلم میں ہے کہ اماتھم اللہ اماتۃ کہ گنہگار مسلمانوں کو حق تعالیٰ جہنم میں داخل کر کے ایک قسم کی موت یعنی نیند کا سا اثر دیدیں گے پھر ان کو عذاب جہنم کا کافر کے برابر احساس نہ ہو گا الغرض اصل جہنم تو خدا کی ناراضی ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 30، ص 472)

اکتیسویں جلد کے جواہر

وعظ و نصیحت کا ہر شخص اہل نہیں

ان سے متعلق مجھ کو اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ یہاں ایک ذاکر نے دوسرے ذاکر کو ترفع اور تحقیر کے لہجہ میں کچھ نصیحت کی مجھ کو اطلاع ہوئی میں نے بُلا کر پوچھا کہ آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا دوسرے کا۔ انہوں نے جو جواب دیا اس سے یہ مفہوم ہوا کہ امر بالمعروف تو عبادت ہے تو یہ بھی اپنا ہی کام ہے۔ مولوی سے جیتنا بڑا مشکل ہے مگر میں نے کہا کہ عبادت میں کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں یا نہیں؟ کہا ہاں! میں نے کہا امر بالمعروف (نیک باتوں کا حکم کرنا) کی شرطیں آپ کو معلوم ہیں جواب دیا کہ اس کی شرطیں تو معلوم نہیں میں نے کہا سنئے ان شرائط میں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت اپنے کو اس سے حقیر سمجھے ورنہ وہ نصیحت اللہ کے لیے نہ ہوگی نفس کے لیے ہوگی اور جس عبادت میں خلوص نہ ہو وہ عبادت ہی نہیں ہے۔

کلید در دوزخ ست آں نماز — کہ در پیش مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے جو لوگوں کے دکھانے کو لمبی اور دراز کی جائے)

یہ مقدمات منوانے کے بعد ان سے کہا کہ آپ نے جو دوسروں کو نصیحت کی تھی اس نصیحت کی حالت میں تم نے اپنے کو افضل اور دوسرے کو حقیر سمجھا تھا کہ نہیں؟ اقرار کیا کہ واقعی ایسا ہوا میں نے کہا اب امر بالمعروف سے ممانعت کی وجہ سمجھ میں آئی کہا ہاں آ گئی۔ غرض اتنے دلائل کے بعد اس خدا کے بندہ نے مانا کہ بے شک غلطی ہوئی میں نے کہا کہ اس غلطی کا علاج کیا؟ کہنے لگے جو تجویز کیا جائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 42،43)

ایک شیعہ عورت کا ماتم

ایک خادمہ کی حکایت یاد آ گئی جو ہمارے گھر نوکر تھی اور یہاں سے پہلے ایک شیعی نواب کے یہاں رہتی تھی وہ ایک بار ماتم میں شریک ہوئی تھوڑا سا ماتم کر کے شیرینی تقسیم ہوتی تھی ایک بار تقسیم میں اس کو بھول گئے اس کو شیرینی میں حصہ نہ ملا اس کے بعد پھر ماتم شروع ہوا ہائے حسین ہائے حسین اس نے بجائے ماتم کے ہائے جلیبی ہائے رکیبی کہنا شروع کیا۔ عورتوں کو معلوم ہوا کہ اس کو جلیبی نہیں ملی تو اس کو بھی حصہ دیا گیا۔ اس بچاری نے ظاہر کر دیا کہ اصل تو جلیبی تھی نہ کہ ماتم، اوروں نے گو ظاہر نہ کیا ہو مگر مقصود سب کا مٹھائی ہی ہوتی ہے جس کا امتحان ہو سکتا ہے

کہ ماتم میں شیرینی تقسیم نہ کرو پھر دیکھو کتنے آدمی آتے ہیں۔ بس گویا ان کے مذاق پر ایک رکیبی اور چار جلیبی مل کر پنجتن ہو جاتے ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔ یہ حقیقت ہے ماتم کی پھر اس کو دین کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس غم کے اظہار کا اہتمام ہو وہ تو تصنع ہے جیسا اس قصہ میں مذکور ہوا لیکن اللہ والے اس غم کا اظہار بھی نہیں کرتے اس میں بھی وہ خوش ہی ہیں اور غم کے وقت بھی صرف اس لیے طبعاً غمگیں ہوتے ہیں کہ محبوب کو انہیں غمگیں دیکھنا منظور ہے باقی اندرون دل سے عقلا وہ اس وقت بھی رضا کے ساتھ مسرور ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے اہل اللہ نے جو چیز دیکھی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہر حال میں ان کا خوش رہنا کیا کمال ہے، خدا کا احسان مانو جس نے یہ حقائق منکشف کیے اور مقامات عطا فرمائے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 42،43)

غزوۂ تبوک اور واقعہ کعب بن مالکؓ

تبوک میں جو جنگ سے بہت مؤخر ہے یہ واقعہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہر کے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کعب بن مالکؓ اور ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن الربیعؓ سے نہ بولیں کیونکہ یہ حضرات بدون کسی عذر قوی کے غزوۂ تبوک سے خلف (پیچھے) رہے تھے جس میں شرکت کا سب کو امر ہوا تھا پھر پچاس روز تک یہ حکم رہا۔ اس عتاب سے ان حضرات کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جس کو قرآن شریف میں بھی اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ''وضاقت علیهم الأرض بما رحبت، (یعنی ان کو زمین تنگ نظر آتی تھی باوجود وسعت کے) کوئی دوسرا شخص یہ حالت بیان کرتا تو غالباً مبالغہ پر محمول کیا جاتا مگر جب خود خدا تعالیٰ نے ان کی حالت بیان فرمائی ہے تو اندازہ کر لو کہ ان حضرات پر کیا گزرتی ہوگی اور خطا صرف یہ تھی کہ جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے کچھ منافقین بھی پیچھے رہ گئے تھے مگر وہ تو بہانہ کر کے بچ گئے اور ان تین حضرات نے صاف صاف عرض کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ہم کو کوئی عذر نہیں تھا تخلف کا باعث سستی تھی اس پر ان کا مقدمہ ملتوی کیا گیا تھا اور مسلمانوں کو ان سے کلام و سلام قطع کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اس زمانہ میں حضرت کعبؓ کے پاس ایک نصرانی بادشاہ کا خط آیا کہ ہم کو معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ بہت بے قدری کا برتاؤ کیا تم یہاں چلے آو ہم تمہاری بہت عزت کریں گے۔ غرض یہ کہ ابتلاء پر ابتلاء ہوا کس قدر سخت امتحان تھا۔

بیم سر یا بیم جاں یا بیم دیں امتحانے نیست مارا مثل ایں

(سر کا خوف، جان کا ڈر، دین کا خطرہ ہمارے لیے اس کی مثل کوئی امتحان نہیں ہے)

مگر ان کی ہمت کہ جواب تک نہیں دیا بلکہ اس کو پڑھتے ہی ایک تنور میں جو قریب تھا فوراً جھونک دیا۔ گو بزبان حال قاصد سے یہ کہا کہ آنست جوابش کہ جوابش ندہم (اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو میں جواب نہ دوں) حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی اطلاع ہوئی مگر اس واقعہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے مبارک نہیں بدلی کیونکہ وہاں تو سب کام حکم سے تھا، وہاں حکم کے سامنے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی بگڑ جائے گا یا کوئی مخالف ہو جاوے گا اس دربار کی تو یہ شان ہے:

دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

(جو آنا چاہے آجائے جو جانا چاہے چلا جائے اس دربار میں چوبدار، چوکیدار، دار و گیر نہیں ہیں)

وہاں احسان کس پر تھا کسی کو ہزار غرض ہو تو دربار میں ناک رگڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کافی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے محتاج نہ تھے اس لیے آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ ان کو ایک دشمن بلا رہا ہے لاؤ میں ان کے ساتھ کچھ نرمی کروں ہر گز نہیں۔ جب پورے پچاس دن ہو چکے تب آیت نازل ہوئی اور حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ بڑا غم یہ تھا کہ خدانخواستہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں میرا کیا حال ہوگا کیونکہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہؓ حکم کے خلاف ہرگز نہ کریں گے تو بس ساری عمر مسلمانوں سے بول چال بند رہے گی اور اب تو تبدیل حکم کی امید بھی ہے کہ وحی آجاوے پھر تو یہ احتمال بھی منقطع ہو جائے گا اور اگر میرا انتقال اسی حالت میں ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے۔

نیز ان کے لیے زیادتی غم کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ساتھی تو بوڑھے تھے وہ تو گھر میں بیٹھ رہے جس سے ایک قسم کی یکسوئی ہوئی اور یہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کے لیے حاضر ہوتے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر نظر پھیر لیتے تھے تو ان پر کیا گزرتی ہوگی۔ مگر یہ کن انکھیوں سے دیکھتے رہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھتے ہیں یا نہیں؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھا کرتا جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھا کرتے تھے اور جب میں آپ ﷺ کو دیکھتا تو آپ ﷺ نظر ہٹا لیتے تو اصول عشق سے عجب نہیں کہ جب یہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا موقوف کر دیتے ہوں کیونکہ اگر یہ بھی دیکھتے رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عادت کے موافق اپنی نظر ہٹا لیتے اور یہی ایک محبوبانہ انداز تھا:

بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست

(حسن اسی ناز و خرام اور کرشمہ کا نام نہیں ہے حسینوں کی بہت ادائیں ایسی ہیں جن کا نام نہیں ہے)

اور حضرت کعبؓ اصول عشق سے اپنے دیکھنے سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کو لذیذ سمجھتے ہوں گے اس لیے خود نہ دیکھتے ہوں گے جس کو محبت کا چسکا لگا ہے اس کے مزہ کو وہی جانتا ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 77،76،75)

پیر اپنی نیت درست کرے

ظاہر میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے تشریف لے ہی گئے اور پھر بھی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے تو اے پیر! کیا تیرے بغیر ہدایت گم ہو جائے گی ہر گز نہیں بس بیٹھ اپنا کام کر۔ بس تمہارا یہ کہنا کہ نرمی میں ہماری یہ نیت ہے کہ مخلوق کو ہدایت ہو لفظی نیت ہے قلبی نیت نہیں ہے۔ نیت ملفوظی پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آگیا کہ ایک جگہ میں سفر میں تھا لوگوں نے مجھ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ میں نے عذر کیا کہ میں مسافر ہوں نماز میں قصر کروں گا اور عوام قصر کی وجہ سے گڑبڑ میں پڑ جاتے ہیں اس لیے کوئی مقیم نماز پڑھاوے تو بہتر ہے۔ تو ایک صاحب نے اس وقت مجھے نیتِ اقامت کا مشورہ دیا کہ اقامت کی نیت کریں اور چار رکعت پڑھا دیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ بھلا اس حالت میں کہ میں سواری کے لیے آدمی بھیج چکا اور ٹکٹ کے لیے دوسرا آدمی بھیج چکا ہوں اقامت کی نیت کس طرح کر سکتا ہوں اور اگر کروں گا تو وہ الفاظ ہی الفاظ ہوں گے نیت کدھر سے ہو جائے گی۔ بس ایسی ہی ہدایت کی نیت شیخ مبطل کی ہے کہ اس کے نزدیک اصل چیز تو مال یا جاہ ہے مانعۃ الخلو کے طور پر، یعنی کہیں مال و جاہ دونوں مقصود ہوتے ہیں کہیں ایک، مگر زبان سے نیت ہدایت اور اتباع سنت اور خوش خلقی کا دعویٰ ہے۔

شیخ جی صاحب اول تو دنیا میں سارے بیوقوف نہیں بستے، سب دھوکہ میں نہیں آسکتے۔ دوسرے تم کو تو اپنی حالت بخوبی معلوم ہے اگر تمام مخلوق دھوکہ میں آگئی تاہم خدا سے تو مخفی نہیں اس کے سامنے کیا جواب دو گے۔ کیا وہاں بھی یہ تصنیفی وجہ چل سکتی ہے ہر گز نہیں رہی نرمی کی دوسری وجہ جو شرعاً مطلوب ہے یعنی لوگوں کی دینی مصلحت سے نرمی اختیار کرنا وہ وجہ ہر موقع کے لیے عام نہیں ہو سکتی کیونکہ جہاں اصلاح کے واسطے سختی کی ضرورت ہے وہاں نرمی کرنے میں دوسروں کی کیا مصلحت ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 3، ص 80)

عاشق احسانی

اس لیے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں کیونکہ عاشق کی تین قسمیں ہیں ایک عاشق ذاتی، ایک عاشق صفاتی، ایک عاشق احسانی۔

عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات ہی کو محبت کے قابل سمجھتا ہے چاہے اس میں کوئی بھی کمال نہ ہو اور عاشق صفاتی محبوب سے بوجہ اس کے کمالات کے محبت کرتا ہے اور عاشق احسانی وہ ہے جو بوجہ محبوب کے احسانات کے اس

سے محبت کرتا ہے تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب تک راحت سے گزرتی رہے تو محبت قائم رہتی ہے اور اگر ذرا ادھر سے عطا میں کمی ہو جائے تو ہماری محبت کمزور ہو جاتی ہے اس لیے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترک لذات امر نہ فرماتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور کام بھی خوب کرو۔ اس کا راز یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں میں قوت تھی اس لیے راحت و تکلیف دونوں حالت میں ان کو حق تعالیٰ سے تعلق یکساں رہتا تھا اور اب ضعف ہے اگر مزید ار نعمتیں ملتی رہیں تب تو حق تعالیٰ سے محبت بڑھتی رہتی ہے اور نہیں تو مشقت و تکلیف میں وہ حالت نہیں رہتی اور فرمایا کہ یہی راز ہے کہ شریعت نے حج کے واسطے زاد و راحلہ کی شرط لگائی کیونکہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب راحت کے ساتھ حج کریں گے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی اور اگر زاد و راحلہ نہ ہوا اور سفر میں کلفت در پیش ہوئی تو بجائے محبت کے اور دل میں رکاوٹ پیدا ہوگی مگر یہ زاد و راحلہ کی قید ان ہی ضعفاء کے لیے ہے جو کہ عاشق احسانی ہیں ورنہ اقویاء کی بابت تو خود نص میں ذکر ہے۔" وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ حق تعالیٰ شانہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ آپ کے پاس پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آویں گے۔ معلوم ہوا کہ بعض لوگ پیدل بھی آویں گے جن کے پاس زاد و راحلہ نہ ہوگا اور ان کو پیدل جانے میں گناہ بھی نہ ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ اس مقام پر ان آنے والوں کی مدح فرما رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ پیدل آنے والے بھی حق تعالیٰ کے یہاں ممدوح ہوں گے تو یہ لوگ ضعفاء نہیں ہیں یہ لوگ اقویاء ہیں جن کے واسطے زاد و راحلہ کی کوئی قید نہیں، ان کو اس سفر کی کسی کلفت سے پریشانی نہیں ہوتی۔

(خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 140)

گیارہویں کرنے والوں کی، تاریخی غلطی

دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مؤرخ نے نہیں لکھی نہ معلوم عوام نے گیارہویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہوئی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو تو یہ ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارہویں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز وہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری گیارہویں کی جائے۔ تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث

اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا، گویا بالکل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو گئے اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہو گی، بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نا معلوم کیا سے کیا کر دیں گے۔ گویا (نعوذ باللہ) وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں۔ نیز گیارہویں کرنے کو مال واولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظمؒ سے دنیا کے لیے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے اسی کے لیے ان سے تعلق کیا جائے۔

گیارہویں کی عملی اور اعتقادی خرابیاں

غرض گیارہویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں اس کو چھوڑنا چاہیے اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو تو قرآن پڑھ کر ان کی روح کو ثواب بخش دے یا بلا تعین تاریخ وغیرہ غربا کو کھانا کھلادے۔ اب میں وعظ کو ختم کرتا ہوں اور اس دوسرے حصہ وعظ کا نام، الحضور الامور الصدور رکھتا ہوں اس میں، صدور جمع ہے صدر کی، جس کے معنی ہیں عظیم الشان چونکہ اس میں تبرکات کی زیارت وغیرہ کا ذکر ہے اس لیے یہ نام مناسب ہے یہ تو ہر حصے کا الگ الگ نام ہے پھر جی چاہتا ہے کہ مجموعہ کا نام بھی رکھ دیا جائے تو مجموعے کا نام راس الربیعین ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ جزو اول اس نام کا یعنی رأس بمعنی طرف ہے جس کا اطلاق کبھی طرف اول پر کبھی طرف اخیر پر آتا ہے اور آج کا دن ایک ماہ کامل ختم اور دوسرے ماہ کا آغاز ہے اور جزو ثانی کے معنی ظاہر ہیں اور لطیفہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ نام اس سے پہلے والے وعظ کے نام کے بھی یعنی اساس الربیعین کے مناسب ہے۔ اگر کوئی صاحب شائع کریں تو دونوں کو الگ الگ شائع نہ کریں کیونکہ میرا لطیف ربیعین کا ضائع ہو جائے گا اس کے متعلق میں نے ایک خواب کانپور میں سنا تھا۔ جب جامع مسجد کانپور کے وسیع کرنے کا خیال ہوا تو ایک مینار کو توڑنے کی رائے ہوئی تاکہ بیچ میں مینار واقع نہ ہو بلکہ مسجد کو بڑھا کر کنارہ میں نیا مینار تعمیر کیا جائے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ دونوں مینار گلے مل کر رو رہے ہیں۔ اللہ اکبر جمادات میں بھی انس کا مادہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں وعظ باہم متناسب اور موزوں ہیں اور قریب قریب مضمون کے ہی ہیں اور ایک ہی وقت میں بیان ہوئے ہیں اس لیے ان میں بھی جدائی نہ کی جائے اگرچہ شرعاً جائز ہے۔

(خطبات حکیم الامت جلد 31، ص205،204)

حور کی صفت

جنت کی عورتیں جو حور کہلاتی ہیں ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آگئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے

کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند ہو جائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہو گا اس کا حسن تو وہم و گمان سے باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے "یری مخ سوقہن من ورائہن یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہو گا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے کیونکہ حدیث میں آچکی ہے۔ قرآن و حدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا، سچ سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوئی ہیں، حور واقع میں ایسی ہی ہو گی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے۔ یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہو سکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے نرخرے کی ہڈیاں ہیں ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حاجب نہ ہو ایک جلد ہی شعاع نظر کو روکنے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بہر حال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہو گی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر بھی نظر سے نہیں گزری، اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہ تمسخر گھوسنوں سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی (نعوذ باللہ) بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد کا ہے اس لیے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جس کو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گوسنوں تک ان کا ذہن پہنچا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 216)

اٹک کر مرنے کی حکایت

ہمارے وطن میں یہی قصہ ایک دفعہ پیش آیا ایک صاحب کے یہاں کوئی تقریب تھی بڑا مجمع تھا۔ خوشی ہو رہی تھی کھانا کھانے بیٹھے تو ایک شخص کو پھندا لگا اور گلا بند ہو گیا۔ لقمہ اٹک گیا اور کھانا کیا تھا چاول، سننے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ کہیں چاول سے بھی ایسا ہو سکتا ہے چاول تو نہایت نرم غذا ہے حتیٰ کہ اس کو چبانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی مگر قدرت خدا کی کہ لقمہ حلق سے نہ اترا اور جان پر بن گئی چاروں طرف سے لوگ دوڑے کوئی پانی لاتا ہے کوئی ان کو کھڑا کرتا ہے اور ہلاتا جاتا ہے مگر وہاں کام ہی تمام ہو گیا تمام مجلس کا عیش مکدر ہو گیا۔ ان کے بھائی نے رات کو خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جنازہ باہر سے گھر میں آیا ہے تعجب ہوا تھا کہ جنازہ تو گھر میں سے باہر جایا کرتا ہے یہ الٹا کیا دکھائی دیا مگر ایسا ہی ہوا کہ باہر محفل میں ان کا دم نکلا اور جنازہ گھر میں لایا گیا۔

غرض کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا کھانا ایک معمولی کام ہے مگر اس میں بھی ایسے خطرے پیش آجاتے ہیں یہ کلفت ہوئی کھانے میں تو کھانا کھانا کیسی راحت کی چیز ہے مگر وہ بھی شائبہ الم (ہلکی پھلکی تکلیف) سے خالی نہیں ایسی کلفت تو کبھی اتفاقیہ پیش آجاتی ہے بعض کلفتیں ایسی ہیں کہ اکثر پیش آجاتی ہیں مثلاً کھانا کھاتے میں بوٹی کا ریشہ دانتوں کے اندر رہ گیا تو کس قدر او کلو دیتا ہے جب تک وہ نکل نہ جاوے چین ہی نہیں آتا اس کو تنکے سے نکالا جاتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنکے سے اسے نکالنا چاہا تو تنکا بھی ٹوٹ کر وہیں رہ گیا اس سے اس الجھن میں اور اضافہ ہوا۔ یہ وہ کلفتیں ہیں جو اکثر پیش آتی ہیں ان سب کلفتوں کے بعد غذا پیٹ میں پہنچی تو اور دوسری مشقت شروع ہوئی۔ ایک لقمہ زیادہ کھالیا تو گرانی ہوگئی جس کا انجام یہ ہے کہ قبض ہوگا یا دست آگئے پیٹ میں مروڑ ہوگئی یا جلن ہونے لگی اب حکیم کو بلاؤ یا ڈاکٹر کو لاؤ کہیں سینک ہو رہی ہے کہیں چورن دی جا رہی ہے تب کہیں پیچھا چھوٹتا ہے اور بسا اوقات اس سے بھی کھانا ہضم نہیں ہوتا، قے ہو جاتی ہے اور کبھی ہیضہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔ خدا بچاوے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 223)

جنت میں ہر چیز ارادہ کے ساتھ موجود ہو گی

جس بات کو دل چاہے بلا کلفت اور بلا محنت اور بلا توسط اسباب فوراً موجود ہے مثلاً ایک پرند سامنے بیٹھا ہے کسی جنتی کا جی چاہا کہ اس کا کباب کھائے بس وہ فوراً کباب بن کر تیار ہو کر سامنے آگیا نہ اس کے واسطے غلیل کی ضرورت ہوگی نہ بندوق کی نہ ذبح کی، نہ کھال اتارنے کی، نہ پکانے کی، نہ گھی کی نہ مصالحہ کی، بنا بنایا کباب سامنے آگیا یا مثلاً ایک مکان میں بیٹھے ہیں اور وہ مکان آراستہ اور پیراستہ ہے چھت اس کی مرصع ہے مگر جی چاہا کہ کھلا ہوا مکان ہوتا تو اس کے لیے آپ کو اس مکان سے اٹھنے اور دوسرے مکان میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بھی ایک تکلیف ہے وہاں یہ ہوگا کہ چھت غائب اور کھلا ہوا مکان موجود قرآن شریف میں ہے وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُم یعنی جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو اہل جنت کا جی چاہے غرض راحت بھی ہر قسم کی ہو گی اور پھر کوئی راحت کسی الم کے شائبہ سے ملی ہوئی نہ ہو گی بلکہ راحت محضہ ہو گی۔

آخرت کی دو حالتیں

اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں ایک راحت اور ایک تکلیف ایسے ہی آخرت میں بھی دونوں حالتیں ہیں ایک راحت کی حالت جس کی جگہ جنت ہے دوسری تکلیف کی حالت جس کی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر بات میں الم ہے اور ہر الم میں کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت، چنانچہ دنیا کی راحت اور آخرت کی راحت کا مضمون تو سن لیا اب دونوں جگہ کی تکلیف کی کیفیت سنیئے دنیا کی کوئی تکلیف ایسی نہیں جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہ ہو مثلاً مرض ہوتا ہے تو اس کے واسطے طبیب موجود ہے، دوا موجود ہے، مکان

ٹھنڈا یا گرم جیسا چاہے مل سکتا ہے، تیمار دار موجود ہیں کسی کے ماں باپ ہیں، کسی کے دوست احباب ہیں، اگر کوئی بالکل ہی لاوارث غریب اور فقیر ہے اور کوئی خبر گیراں اس کا موجود نہیں تب بھی اتنا تو ہو سکتا ہے کہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر اس کے ابناء جنس کو رحم آجاتا ہے اور پیسہ سے ہاتھ پیر سے، زبان سے تھوڑا یا بہت سلوک کر دیتے ہیں۔ یہ بھی تھوڑی سی راحت ہے بخلاف دوزخ کے کہ وہاں کوئی جزو راحت کا ذرہ برابر بھی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت ہی ہے کہ مصیبت زدہ کو یہ امید ہو کہ میں چند روز میں اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں گا چاہے دن تکلیف کے کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن کان میں یہ بات پڑی ہوئی ہو کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ میری تکلیف ختم ہو جائے گی تو اس سے بھی دل کو ایک سہارا سا رہتا ہے۔ دیکھو کوئی دائم الحبس ہوتا ہے تو چونکہ اس کی بھی ایک میعاد مقرر ہے گو وہ میعاد بھی طویل ہے۔ مثلاً چودہ برس کی لیکن اس سے بھی اس کے دل کو تقویت رہتی ہے حتی کہ احباب سے اور گھر والوں سے کہتا ہے کہ بھائی زندگی ہے تو پھر آ ہی ملیں گے لیکن اہل نار کو دوزخ میں یہ بھی نہ ہوگا بلکہ حکم سنا دیا جائے گا کہ اب موت نہیں آئے گی اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 229،228)

جنت میں نیند نہیں ہے

مثلاً صاف آیا ہے لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ یعنی اہل جنت کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو ایسے گھر میں پہنچا دیا کہ اب ہم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی، دنیا میں آدمی کام کاج میں تھک جاتا ہے تو اس کو نیند آنے لگتی ہے وہاں نیند بھی نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ جنت میں سوئیں گے بھی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" النوم اخ الموتِ یعنی نیند تو ایک قسم کی موت ہے۔

نیند کوئی مقصود بالذات چیز نہیں

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جنت میں موت ہے نہیں لہٰذا نیند بھی نہ ہوگی اور واقعی جنت میں نیند ہونی بھی نہیں چاہیے کیونکہ نیند خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ رفع تکان کے واسطے ہوتی ہے اور جنت میں تکان ہے نہیں تو نیند کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں جملہ وہ چیزیں ہوں گی جس کو کسی کا دل چاہے وفیہا ما تشتھیہ الانفس تو اگر کسی کا دل نیند ہی کو چاہے تو نیند بھی ہونی چاہیے اور بعض لوگوں کے نزدیک تو نیند سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔

زیادہ سونے والوں کی حکایت

ہم نے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک شخص تھے ان کو سونے کا بہت شوق تھا ایک دن مکان کے تہہ خانہ میں جا کر سو رہے اور کسی کو خبر نہ کی، کھانے کے وقت ان کی تلاش پڑی تو کہیں پتہ نہ چلا غیر معمولی تلاش کے بعد گھر والے

خاموش ہو رہے کہ کہیں گئے ہوں گے آجائیں گے لیکن وہ نہیں آئے یہاں تک کہ شام ہوئی شام کو کھانے کے وقت پھر تلاش ہوئی مگر پھر پتہ نہیں اب تو گھر والوں کو فکر ہوئی اور جہاں جہاں خیال ہوا تلاش کرایا گیا پتہ نہ چلا۔ اگلا دن ہوا اب ان کی تلاش بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی اور پچاس پچاس کوس تک آدمی دوڑے اور جہاں جہاں خیال پہنچا سب ہی جگہ ڈھونڈ لیا مگر وہ حضرت گھر سے باہر کہیں گئے ہوں تو ملیں سب آدمی واپس آگئے اور گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا' آخر مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ خدا جانے جنگل چلے گئے اور وہاں بھیڑیا کھا گیا کہیں پانی میں ڈوب گئے یا کیا ہوا غرض ماتم کر کرا کر بیٹھ رہے، تین دن کے بعد ان حضرت کی آنکھ کھلی اور آپ تہ خانہ میں سے بخیریت نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں سب رو پیٹ بھی چکے تو آپ فرماتے ہیں میں تو یہیں تہ خانہ میں سو رہا تھا کیوں اتنا پریشان ہوئے۔ علی ہذا اٹاوہ میں ایک رئیس تھے میرے ایک عزیز ان کے یہاں رہتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز وہ ایسے موقع پر سو گئے جہاں سایہ بھی تھا مگر پرنالہ بھی گرتا تھا اور اتفاق سے بارش ہوئی اور پرنالہ رات بھر ان کی چھاتی پر گرتا رہا مگر ان کو خبر نہیں ہوئی صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ رات بھر پرنالہ گرتا رہا اور بھیگے پڑے ہیں تب کپڑے اتارے میرے زمانہ قیام دیوبند میں ایک طالب علم تھے۔ فیض محمد نام ان کے باپ کسی ریاست میں نوکر تھے ان کا بھی قصہ ایسا ہی ہے کہ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ ہلاؤ جلاؤ غل مچاؤ کچھ کرو مگر ان کو خبر نہیں ہوتی تھی جب تک ان کے کان کے پاس بندوق کا فائر نہ کیا جاتا ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی ریاست میں ان کی قدر تھی اور ایک فائر روزانہ کی ان کے جگانے کے واسطے منظوری ہوئی تھی ایسے اور بھی قصے بہت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے سونے والوں کے نزدیک نیند سے زیادہ کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص232)

صحیح النسب ہونے کے لیے وجود نکاح کافی ہے

کتب فقہ سے اور ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ اس صورت میں کہ مرد دس برس سے باہر ہے اور ان کی عورت کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مجہول النسب نہیں ہے بلکہ اس کا نسب اس شخص سے مانا جائے گا اور تمام احکام نسب کے جاری ہوں گے۔ اس حکم میں تعجب کیا جاتا ہے کہ کیسا حکم ہے سو گو اس تعجب کا رفع کرنا کسی طرح ہمارے ذمہ نہیں مگر میں تبرعاً اس کو بھی حل کر رہا ہوں کہ اس کہنے کا کہ یہ بچہ اس خاوند کا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقت میں اس کا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ قانون میں اس کا ہے اب سارے اشکال اور تعجب رفع ہو گئے اور نسب جب ثابت ہو گا اس کا ثبوت قانونی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اسکی بناء بالکل ایک خفی امر یعنی جماع پر ہے۔ لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے اس کے ظاہری ذریعہ ہی کو کافی مانا جائے گا یعنی نکاح کو اور میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس کو بالاتفاق صحیح النسب کہا جاتا ہے اور اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس میں بھی تو یہی ماننا پڑتا ہے کہ ظاہری سبب یعنی نکاح موجود ہے اس وجہ

سے حقیقی سبب یعنی جماع کو بھی مان لیا گیا اور اس کی نسبت ناکح کی طرف کی گئی اور اس کو باپ کہا گیا ورنہ یہ علم کیسے ہوا کہ وہ بچہ واقع میں کس کا ہے حقیقی سبب کو تو کسی نے دیکھا نہیں اور ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ خاوند کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے کا حمل ہو گیا۔

اس معنی کو تو حضرت عبداللہ بن سلام اس آیت کے متعلق کہتے ہیں یعرفونه کما یعرفون أبناء هم اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (بوجہ دلائل قویہ کے) ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں تو ہم کو کوئی شبہ بھی ہے۔ انا لاندری ماتصنع نساء نا، یعنی ہم کو کیا معلوم ہے کہ ہماری عورتیں کیا کیا خیانت کرتی ہیں، ہمارے پاس اسکی کون سی قطعی دلیل ہے کہ ہمارے بیٹے ہمارے ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہمارے پاس قطعی دلیلیں موجود ہیں جن میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے غرض علم یقینی اس کا کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ یہ بچہ اپنے باپ کا ہی ہے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے یا میاں بیوی کو ہے باقی دوسرے لوگ جس کو صحیح النسب مانتے ہیں اس کی نسبت کون سا علم یقینی رکھتے ہیں بجز اس کے کہ اس قاعدہ کو مان لیں کہ جائز طریقہ اور ذریعہ نسب کا ہوتے ہوئے کسی کی طرف بدگمانی جائز نہیں اور بشرط امکان نسبت باپ ہی کی طرف کی جائے گی اور امکان اس صورت متکلم کا اوپر ثابت ہو چکا ہے اور یہی مطلب الولد للفراش کا لیجئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص260)

نسبت محمود

نسبت اگر قابل شمار اور مطلوب ہے تو دوسری قسم کی ہے یعنی یہ کہ بندہ کو خدا سے ہو اور خدا کو بندہ سے ہو اس میں رضا ہوتی ہے یہ ہے تحقیق نسبت کی اور نسبت اعمال میں اہتمام کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی واسطے آگے فرماتے ہیں" وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی جو کچھ یہ عطا ہو گا وہ اس کی بدولت ہو گا کہ جو وہ عمل کرتے ہیں یعنی آفات سے حفاظت اور راحتوں کا نصیب ہونا اور ہمارا قرب، یہ سب اعمال سے ہو گا کوئی خالی محبت میں مغرور نہ ہو جائے خوب سمجھ لے کہ ہم بلا عمل نہیں مل سکتے اور ان کی تو بڑی شان ہے کبھی کسی کو دنیا میں بھی کوئی محبوب بلا عمل ملا ہے ذرا سا طبیعت کا لگاؤ کسی سے ہو جاتا ہے تو اس کی کتنی ناز برداریاں کرنی پڑتی ہیں اور کتنی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں روپیہ مٹی کر دیا جاتا ہے، جان خاک میں مل جاتی ہے، مدتوں حیران رہنا پڑتا ہے، دن کو چین نہ رات کو نیند، مال دولت سب برباد ہو جاتا ہے تب کہیں منہ لگاتے ہیں، عاشق کی جو گت بنتی ہے دنیا جہان کو معلوم ہے کسی شرح کی ضرورت نہیں عشق کا نام آنا تھا اور جان اور مال سے ہلاک اور برباد ہونا۔ جب دنیا کا ادنیٰ سا محبوب مرد یا عورت بھی بلا محنت نہیں ملتا تو حیرت کی بات ہے کہ خدا کی نسبت یوں خیال رکھا جائے کہ بلا محنت مل سکتا ہے عمل اس محنت ہی کو تو کہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے

کہ حق تعالیٰ نے اپنی تلاش میں کچھ بھی محنتیں نہیں رکھیں وہ طریقے بتلائے ہیں جن کو اگر ان مشقتوں کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا جائے جو ادنیٰ سے ادنیٰ اور گندے ایک دنیاوی محبوب کے لیے کرنا پڑتی ہیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی مشقت نہیں ہے دنیا کا محبوب روپیہ بھی مانگتا ہے اور اس کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں کرتا۔ کوئی نصاب ہے نہ کوئی وقت ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ سارا ہی روپیہ چاہیے اور جان بھی مانگتا ہے اس کے لیے بھی کوئی قاعدہ یا کوئی وقت مقرر نہیں اس کا بھی مطلب یہی ہوا کہ جان بھی بلا عذر ہمارے اوپر قربان کر دو خواہ تمہارا کوئی کام دنیا یا دین کا بگڑے یا بنے ہم کو اس سے بحث نہیں۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 279،280)

بزرگی کی علامت

حضرت سلطان جی کے زمانے میں ایک بزرگ تھے ان پر اتفاق سے ایسا افلاس آیا کہ تمام مال و متاع ختم ہو کر صرف ایک لونڈی رہ گئی جب اس لونڈی نے دیکھا کہ اب کچھ نہیں تو ان سے عرض کیا کہ اب مجھے بیچ دیجئے۔ آخر میں کس کام کی ہوں۔ گو یہ ضرور ہے کہ

ترا بندہ چوں من بیفتد بسے　　　مرا چوں تو خواجہ نباشد کسے

مگر کسی دیندار کے ہاتھ بیچئے گا آپ نے کہا کہ میں تجھے ایسے شخص کے ہاتھوں بیچوں گا کہ اس سے زیادہ اس وقت کوئی دیندار نہیں۔ یعنی حضرت نظام الدین سلطان جی کے ہاتھ، اس نے عرض کیا کہ حضور ہے تو گستاخی لیکن ان بزرگ کی بزرگی میں تو مجھے شبہ ہے کیونکہ بزرگی کی علامت سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی نہ کوئی تو اس کو برا کہے اور میں دیکھتی ہوں کہ ان کو کوئی بھی برا نہیں کہتا۔ افسوس آج کل یہ علامت بزرگی سے سمجھا جاتا ہے کہ جہاں گئے اس رنگ کے ہو گئے کہ ساری دنیا خوش رہے، گنگا پر گئے گنگا رام جمنا پر گئے جمنا رام۔ نیز حضرت سلطان جی کے در پر بڑے بڑے اکابر دنیا سلاطین و وزرا تک دست بستہ آتے تھے اس لیے بھی اس کو شبہ ہوا۔ اس موقع پر ایک حکایت یاد آگئی کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک وزیر حاضر تھا کھانے کا وقت آیا خادم نے کھانا لانے کی اجازت چاہی، وزیر کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر آج مچھلی کے کباب ہوں تو خوب ہو۔ حضرت سلطان جی اس کے خطرے پر مطلع ہو گئے خادم سے فرمایا ذرا ٹھہر و تھوڑی دیر میں اس نے پھر دریافت کیا آپ نے پھر یہی جواب دیا حتی کہ کچھ دیر کے بعد ایک شخص ایک خوان میں مچھلی کے کباب لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مچھلی کے کباب آپ کے لیے لایا ہوں آپ نے دستر خوان لگانے کا حکم دیا وزیر یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا آپ نے وزیر سے فرمایا ہے مچھلی کے کباب حاضر ہیں مگر ذرا وقت کی گنجائش رکھ کر فرمائش کیا کیجئے۔ غرض آپ کے اندر ایک محبوبیت کی شان تھی۔ ایک حضرت علاؤالدین تھے کہ گولر کھا کر بسر کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ بھی نہ ہوتے۔ اصل یہ ہے کہ

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است　　　　به عندلیب چه فرموده که نالان ست

(پھول کے کان میں جو بات تو کہے کہ وہ تیرا تابعدار ہے اور عندلیب سے جو کچھ بھی آوے کہتے ہیں وہ شکوہ کرتا ہے)

ہر ایک کا رنگ و بو الگ ہے کوئی کسی شان کا ہے کوئی کسی شان کا ہے تو حضرت سلطان جی کی یہ حالت تھی کہ آپ کے در پر سب سر نیاز خم کرتے تھے اس لیے اس لونڈی کو آپ کی بزرگی میں شبہ ہوا۔ ان بزرگ نے اس سے کہا کہ میں تجھے بیع خیار کے طور پر بیچوں گا دو تین دن کے اندر تو ان کی حالت دیکھ لینا، پھر اگر تیری مرضی ہو گی تو رہنا ورنہ میں تجھے واپس لے لوں گا۔ غرض اپنے حضرت سلطان جی کے ہاتھ اس کو فروخت کر دیا وہ چونکہ آپ کی پورے طور پر معتقد نہ تھی اس فکر میں لگی رہی۔ حضرت سلطان جی کو کشف کے ذریعے سے اس کے وسوسہ پر اطلاع ہو گئی آپ نے اس سے فرمایا جا کر پڑوس سے آگ لے آؤ، پڑوسن کے ہاں گئی اور کہا کہ حضرت جی کے ہاں تھوڑی آگ کی ضرورت ہے، پڑوسن نے حضرت کا لفظ سن کر آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور کہا کہ ڈاکو کو حضرت کہتے ہیں؟ لونڈی یہ سن کر بہت خفا ہوئی اور بگڑ کر واپس چلی آئی۔ حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اب تو معلوم ہو گیا کہ مجھے سب اچھا نہیں سمجھتے، دیکھ میری پڑوسن ہی مجھ کو کیسا برا سمجھتی ہے اس نے کہا کہ حضرت یہ میری جہالت تھی، واقعی آپ صاحب کمال ہیں۔ پھر مدت خیار گزرنے کے بعد اس کے پہلے مالک آئے اور آ کر اس سے پوچھا اس نے عرض کیا کہ حضور واقعی یہ بزرگ ہیں اب آپ کو واپس لینے کی ضرورت نہیں۔

کاملین کی حالت

غرض مقبول عام ہونا کوئی بزرگی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عدم کمال کی علامت ہے۔ کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو اگر سب بھی برا کہیں تب بھی یہ کسی کو کچھ نہ کہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کو غصہ نہیں آتا، غصہ ضرور آتا ہے مگر وہ غصہ خدا کے لیے ہوتا ہے اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتا، اپنے نفس کے لیے ان کی وہی حالت ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو کہ دس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کہ **ماقال لي قط لما فعلت** کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں فرمایا کہ فلاں کام تو نے اس طرح کیوں کیا اس طرح کیوں نہیں کیا حتیٰ کہ بوجہ بچپن کے یہ اس قدر بے تکلف تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی جگہ ان کو جانے کو فرمایا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں تو نہیں جاتا مگر دل میں یہ تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار پر خفا نہیں ہوئے اگر کوئی کام ان سے بگڑ جاتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ تقدیر میں یوں ہی تھا مگر ان پر خفا نہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی حکومت

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جارہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھا پوچھا کہ امیر المومنین کہاں چلے؟ آپؓ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہوگیا ہے اس کی تلاش کو جارہا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپؓ نے اس گرمی میں کیوں تکلیف کی کسی کو حکم دیا ہوتا کہ وہ تلاش کرلیتا آپؓ نے فرمایا کہ اے عثمانؓ! میدان قیامت کی گرمی اس گرمی سے اشد ہے۔

غرض کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ترقی پر نہ تھے۔ یہ حضرات اس ترقی پر تھے کہ ساری دنیا جانتی ہے بلکہ مانتی ہے حالانکہ نہ ان کے پاس فٹن تھی نہ سامان آرائش اور فٹن تو کیا ہوتی واقعہ یرموک میں جو کہ ایک عظیم الشان جنگ تھی جب ایک شخص اونٹنی پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو کہ روزانہ انتظار خبر میں باہر جاکر گھنٹوں کھڑے رہتے تھے جنگل میں ملاقات ہوئی آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے معلوم ہوا یرموک سے، آپ نے جنگ کا حال پوچھا وہ چونکہ پہچانتا نہ تھا اس لیے کہ کوئی نشان خلافت نہ تھا، کوئی تاج نہ تھا اس نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور اونٹنی دوڑائے ہوئے چلا جاتا تھا اور یہ اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ جب آبادی کی طرف قریب آئے تو لوگوں نے پہچانا اور امیر المؤمنین کو سلام کیا اس وقت اس کو معلوم ہوا تو اس نے بہت معذرت کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے جو قدم بھی اٹھایا ہے ثواب کے لیے اٹھایا ہے تجھے عذر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ صحابہؓ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حالت تھی۔ ایک ہماری حالت ہے کہ جو قدم اٹھتا ہے خود بینی اور خودداری کیلئے۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص352)

اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے

اس لیے سہل کردیا ہے میں نے راستہ کی ایسی بات بتائی ہے جس میں تکلیف ہی نہ ہو جس میں سہولت ہی سہولت ہو۔ یعنی دن بھر گناہ ہونے کے بعد رات کو حق تعالٰی سے دعا اور استغفار کرلیا کرو۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا مگر ایک چیز کی اور ضرورت ہوگی وہ یہ ہے کہ میں نے اب تک تخم پاشی یعنی بیج ڈالنے کی ترکیب بتائی ہے میں نے ایک چھوٹا سا ایسا بیج بتایا ہے جس کی کاشت بہت آسان ہے لیکن جیسا تخم پاشی کے بعد آب پاشی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اگر پانی نہ دو وہ بیج پھوٹتا نہیں اور بڑھتا نہیں اسی طرح اس میں بھی ایک چیز کی اور ضرورت ہے اور وہ بھی آسان ہے۔ یعنی اللہ والوں کی صحبت، خدا کے ان مقبول بندوں کی صحبت جن کو یہ درجہ نصیب ہو چکا ہے یہ آب پاشی ہے اسی تخم پاشی کے بعد مگر اس میں جانچ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہر شخص کو دیکھ کر عاشق نہ ہو جانا یعنی

لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ مذاق بگڑا ہوا ہے آج کل بہت سے سیاح پھرتے ہیں اور لوگوں کو پھانستے پھرتے ہیں اور لوگوں کی بھی یہ حالت ہے:

من قاش فروش دل صد پارہ خویشم　　لختے بر دازدل گزرد ہر کہ زپیشم

(میرے سامنے سے ہر گزرنے والا دل کا ایک ٹکڑا لے جارہا ہے میں اپنے دل صد پارہ کی ایک پھانک بیچتا ہوں)

ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں ایسا ہر گز نہ چاہیے۔ ہر شخص اللہ والا نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ پہچان بھی ہے۔

علامات شیخ کامل

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ سب سے اول دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ شریعت کا بھی پابند ہے، دوسرے یہ کہ دنیا کا لالچ تو اس میں نہیں، یہ پہچانیں میں اسی لیے بتلائے دیتا ہوں کہ دھوکے میں نہ آویں، رہزن کو رہبر نہ سمجھ لیں۔ تیسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ اس کی صحبت میں یہ دیکھے کہ دنیا کی محبت کتنی گھٹی حق تعالیٰ کی محبت کتنی بڑھی؟ چوتھی بات یہ ہے کہ اس کے پاس رہنے والوں میں سے اکثر کی حالت باامتیاز ترک معاصی و تقویٰ و اہتمام حلال و حرام کے کیسی ہے۔ پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو روک ٹوک بھی کرتا ہو۔ چھٹی علامت یہ ہے کہ یہ ضرورت کے موافق علم دین رکھتا ہو اور علماء سے محبت رکھتا ہو۔ ساتویں علامت یہ ہے کہ اہل علم وصلاح بنسبت عوام کے اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ اگر یہ علامتیں موجود ہیں تو وہ صحبت کے قابل ہے ورنہ:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　پس بہ ہر دستے نباید داد دست

(یعنی بہت سے آدمیوں کی شکل میں شیطان زمین پر بستے ہیں اس لیے ہر کس و ناکس کا اندھا ہو کر مرید نہ بنے)

اور اس زمانے میں بالخصوص اس شخص کے ظاہری اعمال کے صالح ہونے پر نظر کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ بعض بدعقیدہ لوگ کہتے ہیں کہ بس صاحب اہل باطن ہونا چاہیے، نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے صرف خدا کی یاد اپنے قلب کے اندر ہونے کی ضرورت ہے۔ اس دھوکہ میں ہر گز نہ آنا۔ (خطبات حکیم الامت جلد 31، ص 404،405)

حقوق شیخ

غرض دو چیزوں کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھو اطلاع اور اتباع یعنی احوال کی اطلاع اور اوامر کا اتباع۔ اسی طرح اتباع کے بعد پھر اطلاع، پھر اس اطلاع کے بعد اتباع، پھر اطلاع پھر اتباع غرض

اندریں رہ می تراش و می خراش　تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں خوب کوشش کر، آخر دم تک بے کار مت رہ)

یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔ جب بیماری ساری عمر کی ہے تو علاج ساری عمر کا کیوں نہ ہو گا۔ گو لشٹم پشٹم ہی سہی حتی کہ دو مہینے ہی میں ایک خط لکھو مگر لکھو ضرور اور یہ لکھتے ہوئے شرماؤ نہیں کہ وظیفہ جو بتایا تھا وہ چھوٹ گیا تھا یا مطالعہ کتب جو تجویز کیا تھا اسے نباہا نہیں۔ یہاں تک کہ فرض نماز بھی فرض کرو قضا ہونے لگی ہو تب بھی شرماؤ نہیں بلکہ اب پھر پڑھنا شروع کر دو اور اطلاع کر دو، شرمانا اس رستے میں ہر گز نہیں چاہیے۔ خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں نہ ہو جائے اس کی بھی اطلاع کر دو۔ ایک دریا تھا اس کے کنارے کے پاس سے ایک ناپاک آدمی گزرا دریا نے اس سے کہا کہ آ میں تجھے پاک کر دوں اس نے کہا تو صاف وشفاف اور میں پلید و ناپاک، میرا منہ کیا کہ میں تیرے پاس آؤں، پاک ہو کر تیرے پاس آؤں گا، دریا نے کہا بچہ جی پاک کروں گا بھی میں ہی اگر تم مجھ سے شرماؤ گے تو ساری عمر ناپاک ہی رہو گے۔ بس ایک دفعہ بے حیا ہو کر آنکھیں بند کر کے میرے اندر کود پڑو مجھ میں ایک موج اٹھے گی اور تمہارے سر پر ہو کر اتر جائے گی اور تمہیں ایک دم میں پاک صاف کر دے گی تو اہل اللہ سے اپنا کچا چٹھا کہہ دو، بہت سے لوگ اس لیے نہیں کہتے کہ ہماری شان گھٹ جائے گی۔ ارے ان کے نزدیک تیری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی بعضے ڈرتے ہیں کہ خفا ہونگے ارے ان کی خفگی بھی رحمت ہے یہ ساری تکبر کی باتیں ہیں ارے وہ پھانسی بھی دیدیں گے تو اس میں بھی تیری بہتری ہی ہو گی اس واسطے کہ

ہمچو اسماعیل پیشش سر بنہ   شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

(حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اس کے سامنے اپنا سر جھکا دے ہنستے کھیلتے اس کی تلوار کے سامنے جان دے دے)

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست   نائب ست او دست او دست خداست

(جو جان دینے والا ہے وہ اگر مار ڈالے تو جائز ہے۔ جب اللہ تعالی کے لیے یہ فعل جائز ہے تو کبھی خود کرتے ہیں کبھی نائب سے کراتے ہیں)

تو اس سے بڑھ کر کیا ہو گا۔ غرض خفگی وغیرہ کا بالکل خیال نہ کرو۔ بس اس طرح سے تعلق رکھو کہ اگر اس کی طرف سے خفگی ہو، نکال دے پھر بھی تعلق قطع نہ کرو، وہ نکال دے تو تم مت نکالو، اس وقت تو نکل جاؤ مگر پھر آ جاؤ پھر نکال دے پھر نکل جاؤ پھر آ جاؤ، پھر نکل جاؤ پھر آ جاؤ، پھر نکل جاؤ پھر آ جاؤ غرض اسے چھوڑو مت وہ قصائی نہیں ہے وہ اگر سختی بھی کرتا ہے محض تمہاری مصلحت سے کیونکہ

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چو رگ زن کہ جراح و مرہم بہ است

(سختی اور نرمی ساتھ ساتھ اچھی ہوتی ہیں جس طرح فصد کھولنے والا کہ نشتر بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھتا ہے)

سیر کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ اے موسیٰؑ! میرے ساتھ اس طرح رہو جس طرح بچہ ماں کے ساتھ رہتا ہے انہوں نے تفسیر پوچھی، ارشاد ہوا کہ بچہ کو ماں مارتی ہے مگر وہ بچہ پھر اسی سے چمٹتا ہے مگر یہ علاقہ صرف اس سے رکھو جو واقعی اہل اللہ ہو لیکن چونکہ یہاں سے ہر روز تو خط جاتا نہیں اور وہاں سے ہر روز خط آتا نہیں پھر اس درمیان میں کیا کرو یہ کرو کہ حکایات اور ملفوظاتِ اہل تقویٰ کے مطالعہ میں رکھو۔ بس خلاصہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہو۔

خاتمہ

اے اللہ! اے ارحم الراحمین! اے اکرم الاکرمین! جیسا کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کو خاتمہ تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اس طرح اپنی عنایت اور فضل واحسان سے اس کو شائع کرا کر اس کے نفع کو بھی عام اور تام بنا دیجئے۔

وما ذلك على الله بعزيز

گر قبول افتد زہے عز و شرف

دعا کی درخواست

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے اخیر میں پھر استدعا کروں گا کہ فقیرِ پُر تقصیر کے لیے حسن خاتمہ، فلاح دارین اور حصول رضاء الٰہی کی دعا فرمائیں۔ اور اگر میرے مرنے کے بعد کوئی سالک اس کتاب سے استفادہ کرے تو دردمندانہ اپیل ہے کہ میرے گناہوں کی معافی، آخرت کی مشکل منزلوں (موت کی سختی سے نجات، قبر اور حشر میں کامیابی، پل صراط پر کامیابی سے گزرنے) شفاعت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دخول جنت کے لئے ضرور دعا فرمایئے گا۔

والسلام

فقیر ضیاء الرحمن ہاشمی عفی عنہ، خادم شعبہ تجوید، دار العلوم فاروقیہ، قائد اعظم کالونی، راولپنڈی

30 شوال المکرم 1443ھ، 11 جون 2021ء، جمعۃ المبارک، بعد از نماز عشاء، رات 10:43

یادداشت

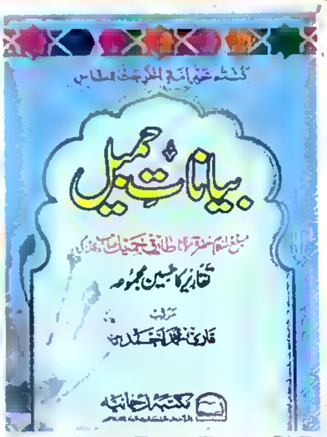

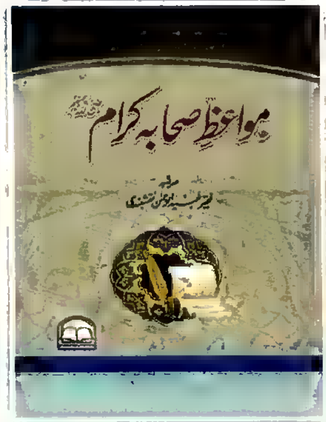

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اِقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-37224228-37221395